

# تحریک ختم نبوت

شیخ ابراہیم بن ابراہیم مسیحیہ بیان مذہب حسین  
ان فتاویٰ و مقالات اور اس وقت کے بعض مسیحیوں کے فتاویٰ و مقالات  
میں لکھی گئی ہیں جن میں مسیحیوں نے مسیحیوں کے فتاویٰ و مقالات  
اور اس کا طریقہ لکھی ہیں اور ان کے فتاویٰ و مقالات  
میں لکھی گئی ہیں اور ان کے فتاویٰ و مقالات  
میں لکھی گئی ہیں اور ان کے فتاویٰ و مقالات

طیبات محمدیہ بہاولپور

مکتبہ اسلامیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ  
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربعہ

معدنہ البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

## معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

### تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے  
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی  
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے  
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ [KitaboSunnat@gmail.com](mailto:KitaboSunnat@gmail.com)

🌐 [www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

انه من سليمان و انه بسم الله الرحمن الرحيم

# تحریک ختم نبوت

حصہ شانزدهم (۱۶)

تحریک ختم نبوت میں شیخ الاسلام محمد حسین بٹالویؒ کی خدمات (۱)

ڈاکٹر محمد بہاء الدین

نام کتاب	تحریک ختم نبوت حصہ شانزہم (۱۶)
مؤلف	تحریک ختم نبوت میں شیخ الاسلام محمد حسین بیالوی کی خدمات (۱) ڈاکٹر محمد بہاء الدین حفظہ اللہ
صفحات	۴۶۹
سال اشاعت	۲۰۱۲ء

## فہرست عناوین

- ۵ شیخ الاسلام کی تحریکی خدمات پر ایک طائرانہ نظر  
۶۴ براہین احمدیہ  
۶۹ شیخ الاسلام ہالوی اور براہین احمدیہ  
۷۷ براہین احمدیہ معاصرین کی نظر میں  
۸۰ نشان نمائی کا قادیانی چیلنج  
۸۵ چند قادیانی خطوط  
۹۳ ہوتا ہے جادہ پیمانہ پھر کارواں ہمارا  
۱۲۰ قادیانی اشتہار ۲۶ مارچ ۱۸۹۱ء  
۱۲۳ فتنہ قادیانی  
۱۲۷ اشتہار ۲۶ مارچ ۱۸۹۱ء پر تبصرہ  
۱۳۲ شیخ الاسلامؒ اور حکیم نور الدین کا مباحثہ ۱۸۹۱ء  
۱۵۴ حصہ دوم مباحثہ شیخ الاسلامؒ و حکیم نور الدین  
۱۶۳ مراسلت مابین شیخ الاسلامؒ و قادیانی  
۱۹۵ مباحثہ لدھیانہ ۱۸۹۱ء  
۲۰۶ شیخ الاسلام اور قادیانی کی پہلی اور دوسری تحریریں

- ۲۰۷ شیخ الاسلام اور قادیانی کی تیسری تحریریں
- ۲۱۱ شیخ الاسلام کی تحریر چہارم
- ۲۱۲ قادیانی کی تحریر چہارم
- ۲۲۲ شیخ الاسلام کی تحریر پنجم
- ۲۲۴ قادیانی کی تحریر پنجم
- ۲۴۴ شیخ الاسلام کی تحریر ششم
- ۲۴۵ قادیانی کی تحریر ششم
- ۲۵۴ شیخ الاسلام کی تحریر ہفتم
- ۲۵۹ قادیانی کی تحریر ہفتم
- ۲۸۰ شیخ الاسلام کی تحریر ہشتم
- ۳۳۷ قادیانی کی تحریر ہشتم، اور شیخ الاسلام کا تبصرہ بمنزلہ جواب
- متفرقات
- ۴۱۴ پنڈت لیکھ رام اور تردید قادیانیت
- ۴۶۲ قادیانی کے مالی معاملات
- ۴۶۷ قادیانی اشتہار ۳۱ مئی ۱۸۹۱ء

بسم الله الرحمن الرحيم - نحمده و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد

## شیخ الاسلام کی تحریکی خدمات پر ایک طائرانہ نظر

آپ کا اسم گرامی محمد حسین، کنیت ابوسعید، اور والد کا نام عبدالرحیم عرف رحیم بخش تھا آپ کی ولادت ۱۰ فروری ۱۸۴۱ء کو بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب میں ہوئی، آپ کے والد بٹالہ کے رؤساء میں شمار ہوتے تھے۔ مجاہد تحریک ختم نبوت حضرت مولانا محمد عبداللہ گورداسپوری مرحوم نے لکھا ہے:

شیخ الاسلام مولانا ابوسعید محمد حسین کا خاندان اسلام سے قبل پوری ہندو قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اسلام کے بعد یہ لوگ پوری شیخ مشہور ہوئے۔ بٹالہ شہر کے پوری دروازہ کے اندرون محلہ میں آپ کے خاندان کی وسیع جائیداد تھی اور اس دروازے اور محلے کا نام اسی خاندان کے نام پر تھا۔ مولانا کے والد نے اپنے مکان سے ملحق ایک عظیم الشان مسجد بنوائی تھی اور مسجد کے ساتھ مہمانوں کے لیے کمرے بھی تعمیر کرائے تھے۔ حضرت میاں صاحب محدث دہلوی نے ورود بٹالہ کے موقع پر اسی مسجد میں نماز فجر کے بعد درس قرآن دیا تھا۔

(ہفت روزہ اہل حدیث لاہور، ۱۶ اکتوبر ۱۹۹۸ء، صفحہ ۲۴)

مولانا محمد حسین نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں مختلف اساتذہ سے حاصل کی، ان میں مولوی گل علی شاہ بھی شامل تھے جو مرزا غلام احمد قادیانی کے بھی استاد ہیں۔ یوں ایک عرصہ تک دونوں ہم مکتب رہے۔ بعد میں آپ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے علی گڑھ لکھنؤ اور دہلی گئے۔ مفتی صدر الدین آزرده (ف ۱۲۸۵ھ) مولانا گلشن علی جون پوری اور مولانا نور الحسن کاندھلوی سے علوم معقول و منقول، فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ مفتی صدر الدین آزرده، جناب نواب صدیق حسن کے بھی استاد ہیں، گویا مولانا محمد حسین اور نواب صدیق حسن بھوپالی آپس میں استاد بھائی ہیں۔ آپ کے اساتذہ میں سب سے نامور شخصیت حضرت سید محمد نذیر

حسین محدث دہلوی کی ہے جن سے آپ نے موطا اور کتب صحاح پڑھ کر ۱۲۸۲ھ میں سند فراغ حاصل کی۔  
حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ لکھتے ہیں:

مولانا محمد حسین بٹالویؒ، حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی مرحوم کے شاگردوں میں ممتاز ترین شاگرد ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۷ محرم ۱۲۵۶ ہجری کی ہے اور انتقال ۲۹ جنوری ۱۹۲۰ء مطابق ۶ جمادی الاول ۱۳۳۸ ہجری کو ہوا ہے۔ اس لحاظ سے آپ کی عمر قمری حساب سے ۸۲ سال چار ماہ ہوئی۔ آپ نے علوم اصول و معقول مختلف اساتذہ سے حاصل کیے اور ان کے دو مشہور اساتذہ کی سندیں ہم کو آپ کے کاغذات میں ملی ہیں یعنی مولانا نواب صدر الدین خان صاحب دہلوی مرحوم اور مولانا گلشن علی جوینیوری۔ اول الذکر کی سند پر تاریخ مرقوم نہیں۔ دوم پر ۱۲۸۱ ہجری مرقوم ہے۔ دونوں سندوں میں آپ کی لیاقت، ذہانت کا ذکر اچھے لفظوں میں ہے۔ حدیث کی سند حضرت مولانا سید نذیر حسین المعروف میاں صاحب دہلوی مرحوم سے آپ کو حاصل ہے۔ اس سند پر ۱۲۸۲ ہجری مرقوم ہے۔ میاں صاحب کی سند میں علاوہ سند علمی کے ایک فقرہ خاص مذکور ہے: ان له زیادة صحبة معی مزید اختصاص بی علی غیرہ من الطلبة یعنی آپ کو اور طلبہ سے یہ خصوصیت مزید ہے کہ آپ میرے ساتھ صحبت میں بہت رہتے ہیں۔ واقعات اس کی تفصیل بتاتے ہیں کہ سب سے پہلے کتاب جو مسائل اختلافیہ میں نکلی ہے وہ ”معیار الحق“ مصنفہ حضرت میاں صاحب ہے۔ اس کی تصنیف میں مولانا محمد حسین مرحوم کارکن بلکہ پورے محرر تھے۔ بعد واپسی وطن آپ نے لاہور مسجد چینا نوالی میں درس شروع کیا۔ درس کے علاوہ ذریعہ اشاعت تحریر کو سمجھا۔ شروع شروع میں تحریر کا طریق یہ تھا کہ امرتسر سے ایک اخبار ”سفر ہند“ پادری رجب علی عیسائی کا نکلتا تھا اس میں بطور ضمیمہ ہفتہ وار دو ورق نکالا کرتے۔ ازاں بعد شدہ شدہ تحریک ہوئی کہ ایک ماہ وار رسالہ نکالا جائے چنانچہ رسالہ ”اشاعت السنۃ“ جاری کیا گیا۔ رسالہ ماہوار کے علاوہ مستقل رسائل بھی آپ نے لکھے۔ مثلاً اقتصاد وغیرہ۔ مرحوم کی تصانیف دیکھنے سے آپ کی استعداد اور تحریر علمی معلوم ہوتا ہے۔ کیسا کوئی مضمون جواب یا جواب الجواب ہو، ایسا صاف لکھتے کہ پڑھنے والے کو خوب سمجھ میں آجاتا۔ آپ کے رسالہ ”اشاعت السنۃ“ سے مسائل حدیثیہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔ ابتدا میں آپ کا روئے سخن زیادہ تراحناف کی طرف تھا۔ درمیان میں سرسید احمد خان کے



مسائل نیچر یہ کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ ازاں بعد فقہ قادیانیت اٹھا اور اس میں آپ نے بہت وقت لگایا۔ اس کی وجہ بھی معقول تھی کیونکہ قادیان آپ کے وطن بٹالہ سے صرف گیارہ میل پر ہے اور مرزا صاحب سے ابتدا میں آپ کے دوستانہ مراسم بھی تھے۔ ایک دوسرے سے حسن ظن رکھتے تھے۔ قادیانی تعاقب میں آپ نے علماء کرام سے مرزا صاحب پر ایک منفقہ فتویٰ حاصل کر کے شائع کیا۔ اس کے بعد امرتسر میں تفسیر القرآن بکلام الرحمن، مصنفہ خاکسار کی بابت نزاع پیدا ہوگئی تو آپ نے فریق مخالف کی جانب اختیار کی۔ لیکن علماء آ رہ (مولانا حافظ عبد اللہ غازی پوری، مولانا شمس الحق عظیم آبادی، مولانا شاہ عین الحق پھولاردی) کے فیصلے کو آپ نے بھی تسلیم کرنے کا اقرار کیا۔ (اشاعۃ السنۃ، جلد ۲۱ صفحہ ۶۱) آپ کی خدمات بہت ہیں۔ من جملہ ایک خدمت خاص قابل ذکر ہے کہ سرکاری کاغذات میں اہل حدیث کو وہابی لکھا جاتا تھا جس کے اصطلاحی معنی باغی تھے۔ مولانا نے اعیان اہل حدیث کی دستخطی ایک درخواست وائسرائے کے نام بھیجی کہ ہم کو وہابی نہ لکھا جائے بلکہ ہم اہل حدیث ہیں۔ چنانچہ وائسرائے نے یہ درخواست منظور کر کے تمام صوبوں میں حکم جاری کر دیا کہ ہندوستان کے اہل حدیث کو سرکاری کاغذات میں وہابی نہ لکھا جائے ان کا نام اہل حدیث ہے۔ مختصر یہ کہ آپ علماء پنجاب میں بہت بڑے عالم تھے۔ مرحوم نے اپنی اراضی کو وقف علی الاولاد کیا تھا جس میں کچھ حصہ تعلیمی مصرف کے لیے بھی تھا۔ مگر اولاد کے خیال میں شروط وقف بیچیدہ، ناقابل عمل تھیں اس لیے انہوں نے بالاتفاق فی روپیہ دو آنے کے حساب سے تھوڑا سا حصہ الگ کر کے باقی کو حصے بخرے کر لیا۔ اس تھوڑے سے حصہ سے بٹالہ میں ایک مسجد کا انتظام چل رہا ہے۔ ایک مولوی صاحب جمعہ کی جماعت کراتے اور درس دیتے ہیں جس کا خرچ تقریباً پچاس روپیہ ماہوار ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی یادگار قائم رکھے۔ آمین۔ (ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۱۹۔ اگست ۱۹۲۱ء)

ایک مرزائی عبدالقادر (سابق سوڈا گریل) نے لکھا ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی، مولوی سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی سے نئے نئے تحصیل علم کر کے واپس بٹالہ آئے تھے۔ عوام مسلمانوں میں ان کے خلاف شدید جذبات پائے جاتے تھے۔ مرزا غلام احمد کسی کام کے سلسلہ میں بٹالہ گئے تو ایک شخص اصرار کے ساتھ ان کو تبادلہ خیالات کے لیے مولوی محمد حسین صاحب کے مکان پر لے گیا۔ وہاں ان کے والد صاحب بھی موجود تھے اور سامعین کا ایک ہجوم مباحثہ سننے کے لیے بے تاب تھا۔ مرزا صاحب مولوی صاحب کے سامنے

بیٹھ گئے اور مولوی صاحب سے پوچھا کہ آپ کا دعویٰ کیا ہے؟ مولوی صاحب نے کہا کہ میرا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن مجید سب سے مقدم ہے اور اس کے بعد اقوال رسولؐ کا درجہ ہے اور میرے نزدیک کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہؐ کے مقابل کسی انسان کی بات قابل حجت نہیں۔ مرزا صاحب نے یہ سن کر بے ساختہ کہا کہ آپ کا یہ اعتقاد معقول اور ناقابل اعتراض ہے۔ لہذا میں آپ کے ساتھ بحث کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ ان کا یہ فرمانا تھا کہ لوگوں نے دیوانہ وار یہ شور مچا دیا کہ ہار گئے ہار گئے۔ (سوداگرل - حیا طیبہ لاہور ۱۹۵۹ء صفحہ ۴۰-۴۱)

امرتسر، بٹالہ اور لاہور میں شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے علوم قرآن و سنت کی بے پناہ خدمت کی۔ ایک مدت تک آپ مولانا سید عبداللہ غزنویؒ کی صحبت سے بھی فیض یاب ہوئے۔ لاہور میں چینی نوالی مسجد میں مدتوں خطیب اور شیخ الحدیث کی منصب پر فائز رہے۔ اور مدۃ العمر ایک ماہنامہ رسالہ اشاعت السنہ لاہور، بٹالہ وغیرہ سے نکالتے رہے۔

حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کی عادت مبارک تھی کہ وہ بعد نماز فجر عوام (اور اہل علم) کیلئے قرآن پاک کا درس دیا کرتے تھے۔ مقصود یہ تھا کہ وہ لوگ جو مدارس میں باقاعدہ داخلہ لے کر طویل نصاب نہیں پڑھ سکتے، وہ نماز فجر کے بعد بیس تیس منٹ وقت نکال کر علوم قرآن سے فیض یاب ہو سکیں۔ اس درس میں دین کے ضروری مسائل بیان ہوتے اور عوام کی دینی معلومات میں اضافہ ہوتا۔ میاں صاحب کے اکثر و بیشتر شاگردوں نے تحصیل علم کے بعد اپنے اپنے علاقوں میں جا کر اپنے استاد کے اس معمول کو جاری کیا، مولانا محمد حسین بٹالویؒ لاہور اور بٹالہ میں تا عمر یہ دینی خدمت سرانجام دیتے رہے (والد گرامی قدر حضرت مولانا محمد عبداللہ گورداسپوری، جو حضرت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کے واسطے سے حضرت میاں صاحب کے پوتے شاگرد ہیں، نے بور یوالہ ضلع ہاڑی، پاکستان میں ۱۹۴۹ء سے لے کر ۲۰۱۲ء تک یعنی ۶۳ سال تک درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا اور چار دفعہ قرآن کریم کا درس مکمل کیا، اور پانچویں دفعہ بحیثیت کی مہلت نہ ملی کہ ۷ مئی ۲۰۱۲ء کو انتقال فرما گئے۔ کسی ایک مسجد میں اتنے طویل عرصے تک باقاعدہ درس قرآن دینے کی سعادت شامد برصغیر میں کسی اور اہل علم کو تاحال حاصل نہیں ہو سکی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔ بہاء)

قرآن و سنت کی تبلیغ و اشاعت کے لئے حضرت مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے ۱۸۷۷ء-۱۸۷۸ء میں ایک ماہنامہ رسالہ اشاعت السنہ النبویہ نکالنا شروع کیا۔ جب ۱۸۹۱ء میں قادیانیت کا فتنہ نمودار ہوا تو انہوں نے اپنی تمام توانائیاں اس فتنہ کے سدباب کے لئے وقف فرمائیں اور اشاعت السنہ کو رد قادیانیت کے محاذ پر کھڑا کر دیا

جیسا کہ جلال الدین شمس آنجہانی، مرتب قادیانی روحانی خزائن لکھتے ہیں:

مولوی محمد حسین بٹالوی نے ان رسائل (فتح اسلام، توفیح مرام) کو پڑھ کر اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں حضرت مسیح موعود (مرزا) کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ وہ (مرزا) اہل اسلام کی پبلک میں کہتا ہے کہ مسیح موعود جس کے قیامت سے پہلے آنے کی خبر قرآن وحدیث میں ہے میں ہوں، اور حضرت مسیح ابن مریم فوت ہو چکے ہیں، اس صورت میں اشاعت السنہ کا خصوصیت سے فرض ہے کہ وہ اس فتنہ کو روکے اور جملہ مضامین سابقہ کو چھوڑ کر ہمہ تن اسی کے دعویٰ کے درپے ہو، اس کے اصول باطلہ کا ابطال کرے اور اصول حقہ اسلامیہ کی حمایت عمل میں لاوے، اس کی موجودہ جماعت و جمعیت کو تتر بتر کرنے میں کوشش کرے اور آئندہ مسلمانوں خصوصاً اہل حدیث کو جن کا یہ خادم ہے اس جماعت میں داخل ہونے سے بچاوے۔ (مقدمہ روحانی خزائن جلد ۳ ص ۵-۶)

شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ کا مقام تحریک ختم نبوت میں اہم ہے۔ انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کے دعوے کے آغاز ہی سے رد قادیانیت کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیا تھا اور پھر آپ نے دامے درمے قدمے سخی غرض ہر قسم کے وسائل کے ساتھ قادیانیت کا مقابلہ کیا۔ اس دور میں پورے ہندوستان میں آپ کے علم و فضل کا شہرہ تھا اور مرزا صاحب کو بھی اس کا اعتراف تھا، جیسا کہ وہ مولانا محمد حسین بٹالویؒ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”خدائے تعالیٰ نے پورے طور پر جلوہ قدرت دکھلانے کے لیے ایک ایسے نامی مولوی صاحب سے ہمیں ٹکرا دیا جن کی لیاقت علمی، جن کی طاقت فہمی، جن کی طلاقت لسانی، جن کی فصاحت بیانی کا شہرہ پنجاب و ہندوستان میں ہے۔ اور خدائے حکیم و علیم کی مصلحت نے اس ناکارہ کے مقابل پر ایسا انہیں جوش بخشا اور اس درجہ کی بدظنی میں انہیں ڈال دیا کہ کوئی دقیقہ بدگمانی اور مخالفانہ حملہ کا انہوں نے اٹھا نہیں رکھا۔ مولوی صاحب نور اللہ کے بچھانے کے لیے بہت زور سے پھونکیں مار رہے ہیں“۔ (مجموعہ اشتہارات قادیانی، جلد ۱، صفحہ ۲۹۰)

شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ کے ساتھ رفتہ رفتہ دیگر علماء بھی کاروان ختم نبوت میں شامل ہو گئے جیسا کہ مرزا غلام احمد نے لکھا ہے:

ایک بزرگ اپنے ایک واجب التعمیم مرشد کی ایک خواب جس کو اس زمانہ کا قطب الاقطاب اور

امام الابدال خیال کرتے ہیں یہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے پیغمبر خدا ﷺ کو خواب میں دیکھا اور آپ ایک تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور گردا گرد تمام علمائے پنجاب اور ہندوستان گویا بڑی تعظیم کے ساتھ کرسیوں پر بٹھائے گئے تھے اور تب یہ شخص جو مسیح موعود کہلاتا ہے آنحضرت ﷺ کے سامنے آکھڑا ہوا جو نہایت کریمہ شکل اور میلے کچیلے کپڑوں میں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کون ہے؟ تب ایک عالم ربانی اٹھا (شائد محمود شاہ داعظی امجد علی بھوپڑی) اور اس نے عرض کیا کہ یا حضرت یہی شخص مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو دجال ہے تب آپ ﷺ کے فرمانے سے اسی وقت اس کے سر پر جوتے لگنے شروع ہوئے جن کا کچھ حساب اور اندازہ نہ رہا۔ اور آپ نے ان تمام علمائے پنجاب اور ہندوستان کی بہت تعریف کی جنہوں نے اس شخص کو کافر اور دجال ٹھہرایا تھا اور آپ بار بار پیار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ میرے علمائے ربانی ہیں جن کے وجود سے مجھے فخر ہے۔ اس جگہ کرسی نشینوں کی ترتیب کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ مگر میں گمان کرتا ہوں کہ اس کی ترتیب شائد یوں ہوگی۔ کہ وہ غیر مرئی نورنی وجود جس نے اپنے تئیں اپنی قدیم طاقت کی وجہ سے خواب میں ظاہر کیا تھا کہ میں محمد مصطفیٰ ﷺ ہوں جو ایک سونے کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا اس کے اس سونے کے تخت کیقریب مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی کی کرسی ہوگی۔ اور ساتھ ہی میاں عبدالحق غزنوی کی اور اس کے پہلو پر مولوی عبدالجبار (غزنوی) صاحب کی کرسی اور اس کرسی سے ملی ہوئی ایک اور کرسی جس پر زینت بخش مولوی عبدالواحد صاحب غزنوی تھے۔ اور کچھ فاصلہ سے مولوی رسل بابا امرتسری کی کرسی تھی۔ اور ان دونوں کرسیوں کے درمیان ایک اور کرسی تھی جس کا اندر سے کچھ اور رنگ تھا اور باہر سے کچھ اور تھوڑی سی تحریک سے ہل بھی جاتی تھی اور کچھ ٹوٹی ہوئی بھی تھی۔ یہ کرسی مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری کی کرسی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی بنچ پر میاں چٹولا ہوری بیٹھے ہوئے تھے جو اسی دربار کے شریک تھے۔ اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی کرسی کے پاس ایک اور کرسی تھی جس پر ایک بڈھا نود سالہ بیٹھا ہوا تھا جس کو لوگ نذیر حسین کہتے تھے۔ اس کی کرسی نے مولوی محمد حسین بٹالوی کو ایک بچہ کی طرح اپنی گود میں لیا ہوا تھا۔ پھر اس کے بعد مولوی محمد اور عبدالعزیز لدھیانوی کی کرسیاں تھیں۔ جن کے اندر سے بڑے زور کے ساتھ آواز آرہی تھی کہ پنجاب کے تمام مولویوں میں سے تکلیف میں بڑے بہادر ہیں اور پیغمبر صاحب اس آواز سے بڑے خوش ہو رہے تھے اور بار بار پیار سے

ان کے ہاتھ اور نیز مولوی محمد حسین (بٹالوی) کے ہاتھ چوم کر کہہ رہے تھے کہ یہ ہاتھ مجھے پیارے معلوم ہوتے ہیں جنہوں نے ابھی تھوڑے دنوں میں میری امت میں سے تیس ہزار آدمی کا نام کا فر اور دجال رکھا اور فرماتے تھے کہ یہ سخت غلطی تھی جو لوگوں نے ایسا سمجھا ہوا تھا کہ اگر سو میں ننانوے کفر کے آثار پائے جائیں اور ایک ایمان کا نشان پایا تو پھر اس کو مومن سمجھو اور ایک نشان کفر کا خیال کیا جائے یا ظن کیا جائے۔ یا بے تحقیق شہرت دی جائے تو اس کو بلاشبہ کافر سمجھنا چاہیے۔ یہ فرمایا اور پھر مولوی محمد حسین (بٹالوی) کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور کہا یہ عالم ربانی ہے جس نے میرے اس منشا کو سمجھا۔ تب مولوی محمد علی بھو پڑی کھڑا ہوا اور کہا میں تو سب سے زیادہ مسجدوں اور گلیوں اور کوچوں اور لوگوں کے گھروں میں اس شخص کو جو کہتا ہے کہ میں مسیح ہوں گالیاں دیا کرتا ہوں۔ اور لعنت بھیجا کرتا ہوں۔ اور ہر ایک وقت میرا کام ہے کہ ہر مجلس میں لوگوں کو اس شخص کی توہین و تحقیر و لعن طعن کرنے کے لیے کہتا رہتا ہوں اور ہمیشہ انہی کاموں کے لیے سفر بھی کر کے ترغیب دیتا رہتا ہوں۔ اور کوئی گالی نہیں کہ میں نے اٹھا نہیں رکھی اور کوئی توہین نہیں جو میں نے نہیں کی۔ پس میرا کیا اجر ہے۔ تب اس پیغمبر صاحب نے بہت پیار کے جوش سے اٹھ کر بھو پڑی کو اپنے گلے لگا لیا اور کہا کہ تو میرا پیرا بیٹا ہے اور تو نے میرا منشا سمجھا۔ غرض جیسا کہ حضرت خواب بن صاحب بیان فرماتے ہیں پنجاب کے تمام مولویوں کی کرسیاں اس دربار میں موجود تھیں۔ اور ہر ایک فاخرہ لباس پہنے ہوئے نوابوں کی طرح بیٹھا تھا اور وہ پیغمبر صاحب ہر وقت ان کے ہاتھ چومتے تھے کہ یہ ہیں میرے علمائے ربانی خیر الناس علی ظہر الا رض۔ اور پھر آگے چل کر ایک اور کرسی تھی اس پر ایک اور مولوی صاحب کرسی پر کچھ چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے اور آواز آرہی تھی کہ یہی ہیں خلیفہ شیخ بٹالوی، محمد حسن لدھیانوی۔ اور ساتھ ان کے ایک اور کرسی تھی اور لوگ کہتے تھے کہ یہ مولوی واعظ محمود شاہ کی کرسی ہے جو کسی مناسبت سے مولوی محمد حسن (لدھیانوی) کے ساتھ بچھائی گئی۔ اور سب سے پیچھے ایک نایبنا وزیر آبادی تھا جس کو عبدالمنان کہتے تھے اور اس کی کرسی سے انسا المکفر کی زور سے آواز آرہی تھی۔ غرض یہ خواب ہے جس میں ان تمام کرسی نشین مولوی صاحبوں کا ذکر ہے۔ مگر یہ کرسیوں کی ترتیب میری طرف سے ہے جو اس خواب کے مناسب حال لگیں۔ لیکن خواب میں یہ حصہ داخل ہے کہ علمائے پنجاب اس پیغمبر صاحب کے دربار میں بڑی تعظیم کے ساتھ کرسیوں پر بٹھائے گئے اور تمام عالم امرتسری بٹالوی

لاہوری لدھیانوی دہلوی وزیر آبادی بوڑھی گولڑوی وغیرہ اس دربار میں کرسیوں پرزینت بخش تھے۔ اور پیغمبر صاحب نے میری تکفیر اور ایذا اور توہین کی وجہ سے بڑا پیار ان سے ظاہر کیا تھا۔

(تختہ گولڑویہ مصنف مرزا قادیانی ص ۱۷۶-۱۷۹۔ روحانی خزائن جلد ۱۷)

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے قادیانیت کے خلاف موزوں وسائل کی عدم دستیابی کے باوجود چوکھی لڑائی لڑی ہے۔ وسائل کی قلت کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ کئی مرتبہ ایسا ہوتا کہ وہ کوئی کام کرنے کا ارادہ فرماتے لیکن وسائل کی عدم دستیابی آڑے آجاتی۔ مثلاً ۱۸۹۳ء میں آپ نے ارادہ کیا کہ مرزا صاحب کے رد میں ایک مستقل رسالہ ”رد قادیانی“ کے نام سے جاری کیا جائے تاکہ مرزا صاحب کے روز بروز کے احوال و افعال کا تعاقب ورد کیا جاسکے۔ لیکن یہ رسالہ جاری کرنا ممکن نہ ہو۔ کاپی پھر انہوں نے ارادہ فرمایا کہ اپنے ”اشاعت السنہ“ کو کلاماً رد قادیانیت کے لیے وقف کر دیا جائے۔ جب قارئین سے اس بارے میں رائے لی گئی تو وہ نہ مانے کیونکہ قاری اپنے خرید کردہ رسالے میں ایک ہی موضوع پر مضامین پڑھ کر اکتا جاتے ہیں۔ اس پر آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ ”اشاعت السنہ“ کا کم از کم ایک تہائی حصہ رد قادیانیت کے لیے وقف کر دیا جائے۔ پھر یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ ہر ماہ اس رسالے میں مرزا صاحب کے تازہ الہامات فرامین اور سرگرمیوں میں قرآن و حدیث کی روشنی میں تبصرہ ہوتا اور مرزا صاحب کے دعوے کے جواب دیئے جاتے۔ خود مولانا کے بقول ۱۹۰۰ء تک وہ مرزا صاحب کے رد میں دو ہزار صفحات لکھ چکے تھے۔ دیکھئے ”اشاعت السنہ“ جلد ۱۹ نمبر ۴۲ صفحہ ۱۱۲ پر مولانا کا ایک اعلان جس پر ۳۱ جنوری ۱۹۰۰ء کی تاریخ اور مقام بٹالہ درج ہے۔

حضرت سید محمد نذیر حسین محدث دہلویؒ کے دستخط سے مرزا غلام احمد قادیانی پر جاری ہونے والے سب سے پہلے متفقہ فتویٰ تکفیر کی تیاری میں حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ کی کاوشوں کا بڑا دخل ہے۔ خود مرزا قادیانی نے لکھا ہے:

و من المعتر ضین المذکورین شیخ ضال بطالوی و جارغوی یقال له محمد حسین و قد سبق الكل في الكذب و المین و انه ابی و استکبر و اشاع الکبر و اظهر حتى قيل انه امام المتکبرین و رئیس المعتدین و رأس الغاوین ، هو الذی کفر

نی قبل ان یکفر الا خرون۔ ویکے از اعتراض کنندگاشیخ گمراه ساکن بئالہ است کہ ہمسایہ گمراه ماست او راجد حسین مہ گوئند، واز ہمہ درد روع و ناراستی سبقت بردہ است و او انکار کرد و تکبر نمود و تکبر را شائع کردہ و ظاہر ساخت تا آنکہ گفتہ شد کہ او امام متکبر است و رئیس تجاؤز کنندگان، سرگمراہان است، او ہماں است کہ پیش از ہمہ مرا کا فر گفت

(روحانی خزائن۔ جلد ۱۱۔ انجام آتھم۔ ص ۲۳۱)

اور یہ بھی مرزا قادیانی کا کہنا ہے:

مولوی محمد حسین جو بارہ برس بعد اول المکفرین بنے، بانی تکفیر کے وہی تھے، اور اس آگ کو اپنی شہرت کی وجہ سے تمام ملک میں سلگانے والے میاں نذیر حسین دہلوی تھے (قادیانی تذکرہ۔ بر حاشیہ ص ۵۷-۵۸)

اپنی تالیف، سراج منیر میں مرزا قادیانی لکھتے ہیں:

دوسرا فتنہ وہ ہے جو براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۱۰ میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے واذ یمکر بک الذی کفر... یعنی یاد کروہ زمانہ جب ایک مکفر تجھ سے مکر کریگا اور تیرے ایمان سے انکاری ہے اور کہے گا، اے ہامان میرے لئے آگ بھڑکا (یعنی تکفیر کی آگ بھڑکا۔ ہامان سے مراد نذیر حسین دہلوی ہے) میں چاہتا ہوں کہ موسیٰ کے خدا پر اطلاع پاؤں، کیونکہ میں خیال کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے (پھر حاشیہ میں مرزا قادیانی لکھتے ہیں: فرعون سے مراد محمد حسین ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک کشف ظاہر کر رہا ہے کہ وہ بالآخر ایمان لائے گا مگر مجھے معلوم نہیں کہ وہ ایمان فرعون کی طرح صرف اسی قدر ہوگا کہ آمنت بالذی آمنت بہ بنو اسرائیل، یا پرہیزگار لوگوں کی طرح۔ واللہ اعلم

(روحانی خزائن۔ جلد ۱۲۔ سراج منیر۔ ص ۱۳۰)

اپنی تالیف، تحفہ گوٹڑویہ کے ضمیمہ میں مرزا غلام احمد نے لکھا:

اور یاد کروہ وقت جب تیرے پر ایک شخص سراسر مکر سے تکفیر کا فتویٰ دیا (یا ایک پیش گوئی ہے جس میں ایک بدقسمت مولوی کی نسبت خبر دی گئی کہ ایک زمانہ آتا ہے جب کہ وہ مسیح موعودی نسبت تکفیر کا غلطی کرے گا) اور پھر فرمایا کہ وہ اپنے بزرگ ہامان کو کہے گا کہ اس تکفیر کی بنیاد تو ڈال، کہ تیرا اثر لوگوں پر بہت ہے، اور تو اپنے فتویٰ سے سب کو برا فروختہ کر سکتا ہے، سو تو سب سے پہلے اس کفر نامہ پر مہر لگا، تا سب علماء بھڑک اٹھیں، اور تیری مہر کو دیکھ کر وہ بھی مہریں لگا دیں، اور تا میں دیکھوں کہ خدا اس شخص کے ساتھ ہے یا نہیں، کیونکہ میں اس کو جھوٹا سمجھتا ہوں (تب اس نے مہر لگادی

(ابولہب ہلاک ہو گیا اور اسکے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے) (ایک وہ ہاتھ جس کے ساتھ تکفیر نامہ پڑا اور دوسرا وہ ہاتھ جس کے ساتھ مہر لگائی یا تکفیر نامہ لکھا) اس کو نہیں چاہیے تھا کہ اس کام میں دخل دینا مگر ڈرتے ڈرتے۔ جو تجھے رنج پہنچے گا وہ تو خدا کی طرف سے ہے، جب وہ ہامان تکفیر نامہ پر مہر لگا دے گا تو بڑا فتنہ ہوگا... اس الہام میں خدا تعالیٰ نے استفتاء لکھنے والے کا نام فرعون رکھا اور فتویٰ دینے والے کا نام جس نے اول فتویٰ دیا ہامان، پس تعجب نہیں کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ ہامان اپنے کفر پر مرگیا لیکن فرعون کسی وقت جب خدا کا ارادہ ہو کہے گا آمنت بالذی

آمنت به بنو اسرائیل (روحانی خزائن جلد ۱۷۔ ضمیمہ تحفہ گولڑویہ۔ ص ۶۲۔ ۷۴)

اور تحفہ گولڑویہ ہی میں مرزا قادیانی لکھتے ہیں:

آج سے بیس سال قبل براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۱۰ پر یہی آیت (تبت یداء) بطور الہام اس عاجز کے حق میں موجود ہے.... اذ یمکر بك الذی كفر او قد لی یا ہا مان لعلی اطلع الی الہ موسیٰ و انی لا ظنہ من الکا ذبین تبت یدا ابی لہب۔.... یعنی یاد کرو وہ زمانہ جب ایک مولوی تجھ پر کفر کا فتویٰ لگائے گا اور اپنے کسی حامی کو جس کا اثر لوگوں پر پڑ سکے کہے گا کہ میرے لئے اس فتنہ کی آگ کو بھڑکا... یعنی جب کہ مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب نے یہ فتویٰ تکفیر لکھا اور میاں نذیر حسین دہلوی کو کہا کہ سب سے پہلے اس پر مہر لگا دے اور میرے کفر کی نسبت فتویٰ دے دے، اور تمام مسلمانوں میں میرا کفر ہونا شائع کر دے، سو اس فتویٰ اور میاں صاحب مذکور کی مہر سے پہلے یہ کتاب (براہین) تمام پنجاب اور ہندوستان میں شائع ہو چکی تھی اور مولوی محمد حسین جو بارہ برس بعد اول المکفرین بنے بانی تکفیر وہی تھے اور اس آگ کو اپنی شہرت کی وجہ سے تمام ملک میں سلگانے والے میاں نذیر حسین صاحب دہلوی تھے۔ (روحانی خزائن۔ ج ۱۷۔ تحفہ گولڑویہ۔ ص ۲۱۵)

دوست محمد قادیانی آنجنمانی مورخ قادیانیت، تحریک ختم نبوت میں شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مولوی محمد حسین اور ان کے ہم نوا علماء نے فتویٰ تکفیر پر ہی اکتفا نہ کرتے ہوئے مخالفت کے لیے کوئی دقیقہ فر و گذاشت نہ کیا۔ مولوی محمد حسین نے ابتدا میں قادیان کی ناکہ بندی کے لیے بٹالہ اسٹیشن سے قادیان والی نہر تک اپنے ایجنٹوں کا گویا ایک جال بچھا رکھا تھا جو اسٹیشن سے اترتے ہی قادیان جانے والوں کو



روکتے تھے۔ ان ایجنٹوں نے ایک کیمپ بھی لگا رکھا تھا جہاں جانے والوں کے لیے حقہ کا انتظام بھی ہوتا تھا۔ (مرزا قادیانی کے) بعض صحابہ کا بیان ہے کہ شروع شروع میں جب ہم قادیان جایا کرتے تھے تو بٹالہ کے اسٹیشن پر اور پھر قادیان کی سڑک پر میل میل کے فاصلے پر مولوی محمد حسین بٹالوی آدمی بٹھا دیا کرتے تھے (وہ لوگوں کو) ہر ممکن کوشش سے روکا کرتے اور واپس جانے کے لیے کہتے۔ کئی آدمی انہوں نے واپس بھی کیے اس زمانہ میں عوام مولوی محمد حسین کی وجہ سے بھی (قادیان) جانے سے ڈرتے تھے۔“ (تاریخ احمدیت، جلد ۳ صفحہ ۲۲۰-۲۲۱)

ایک اور قادیانی نے لکھا ہے کہ جب ان کے:

سیٹھ عبدالرحمن مدراسی مرزا صاحب سے غائبانہ متاثر ہو کر ان سے ملنے کے لیے قادیان جا رہے تھے تو امرتسر میں مولوی محمد حسین کا کوئی چیلہ مل گیا اور اس نے (قادیان جانے سے) بہت روکا اور بلائے بد کی طرح دور تک پیچھا کیا اور جھڑک کھا کر دفع ہوا۔ صبح بٹالہ پہنچے تو وہاں بھی ایک سردار تھی۔“

(الفضل انٹرنیشنل، ۱۲ فروری ۱۹۹۷ء۔ صفحہ ۱۳)

اور قادیانیوں کے چوتھے سربراہ مرزا طاہر احمد فرماتے ہیں کہ محمد حسین نے:

”ایک بہت سخت مضمون شائع کیا جس میں اس نے لکھا کہ میں مشرق و مغرب، شمال و جنوب جاؤں گا اور ساری دنیا کو بتاؤں گا (کہ مرزا جھوٹا ہے) اور اس نے واقعتاً ایسا کیا بھی۔ وہ عرب علماء سے ملا، وہ مکہ گیا اور مدینہ پہنچا اور ہندوستان کا ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کیا اور آپ (مرزا غلام احمد قادیانی) کے خلاف فتاویٰ حاصل کیے کہ اس شخص کا وجود اسلام کے لیے شدید خطرہ ہے۔ اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ ہر کسی کا فرض ہے کہ اسے قتل کر دے (اور) مولوی محمد حسین نے اپنا روزمرہ کا دستور بنا رکھا تھا کہ وہ بٹالہ ریلوے اسٹیشن پر جاتا جو گاڑیوں کا آخری سٹاپ تھا۔ اس زمانہ میں کوئی گاڑی قادیان نہیں جاتی تھی۔ بٹالہ اسٹیشن سے قادیان مغرب کی جانب ۱۲ میل کے فاصلے پر تھا۔ بٹالہ سے لوگ یا تو پیدل قادیان جاتے تھے یا اگر کسی کو تانگہ میسر آجاتا تو تانگہ پر قادیان حضرت مسیح موعود کو ملنے چلا جاتا تھا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی بلاناغہ روزانہ جب گاڑی آنے کا وقت ہوتا تو اسٹیشن پر پہنچ جاتا اور لوگوں سے پوچھتا پھرتا کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہتے کہ ہم قادیان جا رہے ہیں تو وہ انہیں روکتا اور کہتا کہ وہاں مت جانا۔ وہ (مرزا) دجال ہے وہ کذاب ہے وہ کافر ہے اس قابل

نہیں کہ اس کی صورت بھی دیکھی جائے۔“ (افضل انٹرنیشنل۔ ۲۰۔ اگست ۱۹۹۹ء۔ صفحہ ۱۱)

اور مرزا بشیر احمد بن مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں:

”خاکسار عرض کرتا ہے کہ پیر ایک پہاڑی ملازم تھا اور بالکل جاہل اور نیم پاگل تھا مگر بعض اوقات پتہ کی بات بھی کر جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ اس سے مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے بٹالہ کے سٹیشن پر کہا کہ تمہارے مرزا صاحب نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے جو جھوٹا ہے اور قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ پیر نے جواب دیا مولوی صاحب! میں تو کچھ پڑھا لکھا نہیں ہوں مگر اتنا جانتا ہوں کہ لوگوں کو بھگانے کے لیے آپ بٹالہ کے سٹیشن پر آ آ کر جو تیاں بھی گھس گئی ہیں۔ مگر پھر بھی دنیا مرزا صاحب کی طرف کھینچی چلی آتی ہے۔“

(سیرۃ المہدیٰ حصہ سوم، صفحہ ۲۲۸)

اور مشہور قادیانی عالم، مولوی غلام رسول راجیکی قادیانی، بایں الفاظ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کی خدمات کا ذکر کرتے ہیں:

”حافظ آباد (پنجاب) کے علاقہ میں ایک گاؤں ہے وہاں ایک شخص الہی بخش رہا کرتا تھا اسے ایک دفعہ بعض احمدیوں نے قادیان لانے کے لیے تیار کیا، وہ تیار ہو گیا، بٹالہ اترنے سے پہلے ہی اسے بخارا آ گیا، بخار کی حالت میں ہی وہ بٹالہ سٹیشن پر اتر آئے، آگے محمد حسین بٹالوی ملا اس نے دیکھا کہ یہ شخص بخار کی حالت میں قادیان جا رہا ہے اس نے اسکے دل میں وسوسہ ڈالا کہ اگر مرزا صاحب سچے ہوتے تو تجھے رستہ ہی میں بخار نہ ہو جاتا اور کہا کہ وہاں تو دکانداری ہے وہاں ہرگز نہ جانا۔“

(رجسٹر روایات نمبر ۱۲، صفحہ ۱۲۰۔ منقول از افضل انٹرنیشنل ۱۷ نومبر ۲۰۰۰ء، صفحہ ۷)

اور شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حسین بٹالویؒ یہ بھی جانتے تھے کہ قادیانیت کے قلع قمع کے لیے قلب اور زبان سے آگے بڑھ کر توت بازو کے استعمال کی بھی ضرورت ہے جیسا کہ ۱۸۹۷ء میں مرزا غلام احمد قادیانی کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

”حکومت و سلطنت اسلام ہوتی تو ہم اس کا جواب آپ کو دیتے۔ اسی وقت آپ کا سر کاٹ کر آپ کو مردار کرتے، سچے نبی کو گالیاں دینا مسلمانوں کے نزدیک ایک ایسا کفر و ارتداد ہے جس کا جواب بجز قتل اور

کوئی نہیں مگر کیا کریں مجبور ہیں سلطنت غیر اسلامی ہے اس کے ماتحت رہ کر ہم اس فعل کے مجاز نہیں اور سلطنت کو (جو عیسائی کہلاتی ہے) اس امر کی پروا نہیں ہے۔ رہے پادری جو مذہب ہی کی خدمت و حمایت کے صدقہ و طفیل سے ٹکڑا کھاتے ہیں سو (وہ) بھی اپنی تنخواہ سے کام رکھتے ہیں۔ حمیت و غیرت مذہب کو خیر باد کہہ چکے ہیں۔“

(ماہنامہ اشاعت السنہ جلد ۱۸ نمبر ۳ صفحہ ۹۵-۹۶ تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۲۲۲)

شاید اسی لیے مرزا غلام احمد قادیانی، حضرت شیخ الاسلام بٹالوی سے اس قدر ڈرتے تھے کہ آپ کے سایہ سے بھی دور رہنا چاہتے تھے جیسا کہ ۲۶ جنوری ۱۸۹۹ء کی ڈیٹ لائن کے تحت ایڈیٹر، الحکم لکھتے ہیں:

جب لائل (دہاریوال کے پاس ایک گاؤں ہے جہاں حضرت اقدس نے بغرض بیرونی مقدمہ برائے حفظ امن مغائب مولوی محمد حسین بٹالوی دہاریوال تشریف لے جاتے ہوئے قیام فرمایا تھا) سے روانہ ہو کر کھنڈہ آ پہنچے تو حضرت اقدس (مرزا) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں مصلحت ہے۔ چونکہ سنا گیا ہے کہ محمد حسین بھی وہیں (لائل) اترنے والا تھا اس لیے اچھا ہوا کہ ہم وہاں نہیں ٹھہرے۔ ایسے لوگوں سے دور ہی رہنا اچھا ہے۔“ (قادیانی ملفوظات جلد ۱ صفحہ ۲۹۱)

شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالوی کی مساعی کے اثر کا بھی مرزا غلام احمد قادیانی کو اعتراف تھا جیسا کہ مرزا قادیانی نے لکھا ہے:

”ان الشیخ الذی هو للطالبین کسد“ کہ ”شیخ بٹالہ کہ برائے طالبان مثل دیوار مانع است اور ”شیخ بٹالہ جو طالبوں کے لیے ایک روک ہے۔“ (روحانی خزائن جلد ۱۲ (ج۱ اللہ) صفحہ ۱۳۲)،

اور مرزا غلام احمد قادیانی نے شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کا ذکر اپنے ایک عربی مکتوب میں بھی کیا ہے جس سے تحریک ختم نبوت میں آپ کے مقام و مرتبے پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ مرزا قادیانی نے لکھا ہے:

وکان فی هذه الدیار تسعة رهط من الاشرار وکانوا مفسدین فی الارض ولا ینتھجون مهجة الخیار وما کانوا صالحین ووجدتهم فی الکبر والاباء کالجملة المتناسبه الاجزا او کامراض متشابهة فی الخبث والایذاء ورثیت کانهم من المعادین المعتدین فمنهم رجل امر تسری یقال له رسل بابا انه امرء لا یعرف صدقا ولا صوابا.... ومن التسعة

الذین اشرت الیہم رجیل یقال لہ اصغر۔ وانہ یزعم فی محافل واملاء فسیعلم کیف یجعل من الاصغریں....ومن المعترضین المذكورین شیخ ضال بطالوی و جارغوی یقال لہ محمد حسین وقد سبق الكل فی الكذب والمین وانہ ابی واستکبر واشاع الکبر واظهر حتی قیل انہ امام المستکبرین ورئیس المعتدین ورائس الغاویں هو الذی کفرنی قبل ان یکفر الآخرون.... فیا ایہا الشیخ والمفتی البطل الم یان لك ان تتوب وتلین البال.... ثم اعلم ایہا الشیخ الضال والدجال البطل ان الثمانية الذین ہم ثمار عودك و وقود وقودك الذین ادخلوا فی التسعة المخاطبین فمنہم شیخ الضال الکاذب نذیر المبشرین ثم الدهلوی عبد الحق رئیس المتصلفین ثم عبد الله التونکی ثم احمد علی السہارنپوری من المقلدین ثم سلطان المتکبرین الذی اضاع دینہ بالکبر و التوهین ثم الحسن الامروہی الذی اقبل علی اقبال من لبس الصفاة وخلع الصداقة واعتلقت اظفاره بعرضی کالذئاب۔ وآخرم الشیطان الاعمی والغول الاغوی یقال لہ رشید الجنجوهی وهو شقی کالامروہی ومن الملعونین فہولاء تسعة رهط کفرونا او سبونا وکانوا مفسدین۔ فایہا الشیخ انی اعلم انک رئیس هذه الثمانية وکمثل امام لتلك الفئة الباغية وهم لك کالتلا میذ فی الغواية او کالمسحورین۔

(مکتوب احمد طبع خاص ربوہ ۱۹۶۳ء، صفحہ ۹۱-۱۰۵، روحانی خزائن جلد ۱۱ (انجام آتہم) صفحہ ۲۳۶)

اس تحریر میں مرزا قادیانی نے ۱۸۹۶ء میں اپنے نامی مخالفین کے نام گنوائے ہیں جو یہ ہیں: مولوی غلام رسول عرف رسل بابا، مولوی اصغر، مولوی محمد حسین بٹالوی، سید نذیر حسین دہلوی، مولوی عبد الحق حقانی، پروفیسر محمد عبداللہ ٹوکی، مولوی احمد علی سہارنپوری، مولوی سلطان الدین جے پوری، مولوی محمد حسن امرہی، مولوی رشید احمد گنگوہی۔ اور ان بزرگوں کو مرزا صاحب نے ”تسعة اشرار“ کہنے کے بعد شیخ الاسلام مولانا بٹالوی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تحریک ختم نبوت میں تم ان سب کے امام ہو تم ان کے رئیس ہو۔ اور اس فہرست کے باقی لوگ تحریک میں گویا تمہارے شاگرد ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ تم نے ان پر جادو کر رکھا ہے کہ وہ اپنی عقل کو

استعمال کیے بغیر تمہاری ہاں میں ہاں ملاتے اور تمہارے پاؤں پر پاؤں رکھے جاتے ہیں۔ تم امام متکبر اہل ہوں، تم رئیس تجاوز کنندگان ہو، تم گمراہوں کے سردار ہو اور تم ہی وہ شخص ہو جس نے سب سے پہلے مجھے کافر کہا ہے۔  
مرزا قادیانی آپ کے بارے میں کہتے تھے:

یکفرنی شیخ و تبعوہ امة و ما ان اراہ کعاقل یتدبر شیخ نے میری تکفیر کی اور لوگوں نے اس کا اتباع کیا۔ میں تو اس کو بے عقل اور بے سمجھ پاتا ہوں۔“ (درشین)۔

اور مرزا قادیانی نے یہ بھی کہا ہے:

ابو جہل اس امت (مسلمہ) کا فرعون تھا کہ کیونکہ اس نے بھی نبی کریم کی چند دن پرورش کی تھی جیسا کہ فرعون مصری نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی تھی اور ایسا ہی مولوی محمد حسین صاحب نے ابتداء میں براہین پر ریویو لکھ کر ہمارے سلسلہ کی چند یوم پرورش کی۔“ (ملفوظات قادیانی، جلد ۳ صفحہ ۲۷۲)

یعنی مرزا غلام احمد قادیانی، مولانا محمد حسین بٹالوی کو اپنی امت کا فرعون قرار دیتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی تعزیریں بھی انسان کی سمجھ میں کبھی مشکل سے ہی آتی ہیں۔ یہاں جس تحریر میں مرزا صاحب، مولانا بٹالوی کو ذلیل کرنے کے لیے فرعون کے خطاب سے نوازر ہے ہیں اسی تحریر میں وہ اپنے علم و فضل اور عالم کان و مایکون ہونے کا مذاق بھی اڑوا رہے ہیں۔ ان کا کہنا کہ ابو جہل نے چند یوم تک آنحضرت ﷺ کی پرورش کی تھی جو ایک غلط بات ہے۔ نہ جانے یہ بات مرزا صاحب نے کس تاریخ میں پڑھی ہے یا سیرت کی کس کتاب میں یہ بات ان کی نظر سے گزری ہے کہ ابو جہل نے بھی آنحضرت ﷺ کی پرورش میں حصہ لیا ہے۔ اگر یہ بات مرزا صاحب کو الہام سے معلوم ہوئی تھی تو ان کی طرف الہامی پیغامات بھیجنے والے کے علم کا حدود اربعہ بھی واضح ہو جاتا ہے اور ہم قادیانیوں سے عرض کرتے ہیں کہ وہ اس بات کا ثبوت مہیا کریں کہ ابو جہل نے بھی آنحضرت ﷺ کی چند یوم تک پرورش کی تھی۔ اگر ثبوت نہ دے سکیں تو تسلیم کریں کہ مرزا صاحب کا علم ناقص تھا اور چونکہ مرزا صاحب تاحین حیات اس غلطی کا ازالہ نہیں کر سکے اس لیے یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام نہیں ہوتا تھا۔ اگر اللہ علیم وخبیر کی الہامی رہنمائی مرزا صاحب کو حاصل ہوتی تو انہیں اس غلطی پر باقی نہ رکھا جاتا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کو ایک دفعہ مولانا محی الدین عبدالرحمن لکھنوی نے فرعون قرار دیا، تاہم انہوں نے قادیانی کے مقابل خود کو موسیٰ نہیں کہا تھا۔ لیکن جب مولانا لکھنوی دیا حرم میں ۱۳۱۲ھ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تو مرزا قادیانی نے کہنا شروع کر دیا کہ لکھنوی صاحب انہیں فرعون اور خود کو موسیٰ قرار دے کر مجھ سے پہلے مر گئے ہیں، حالانکہ اگر وہ موسیٰ تھے تو انہیں میرے بعد مرنا چاہیے تھا۔ یہ کیا ہوا کہ فرعون تو زندہ ہے اور موسیٰ مر گیا۔ اس بات کا انہوں نے خوب پروپیگنڈہ کیا اور لکھا:

تجربہ یہ ہے کہ (لکھنوی کے) الہام کی رو سے میں تو فرعون ٹھہرا اور محی الدین صاحب قائم مقام موسیٰ ہوئے۔ پس چاہیے تھا کہ موسیٰ کی زندگی میں، میں مرجاتا۔ نہ کہ موسیٰ ہی ہلاک ہو جاتا... کیا یہ عجیب نہیں کہ جس کو انہوں نے فرعون قرار دیا تھا وہ تو اب تک زندہ ہے، بول رہا ہے... مگر وہ جو موسیٰ کے مشابہ اپنے تئیں سمجھتا تھا، وہ کئی سال ہو گئے کہ اس دنیا سے گذر گیا اور اب اس کا زمین پر نام و نشان نہیں۔ یہ کیسا موسیٰ تھا کہ فرعون کے سامنے ہی اس جہان کو چھوڑ گیا۔ غرض یہ الہام ان کا بھی جو مبالغہ کے رنگ میں تھا انہیں پر پڑا، اور جو معنی واقعات نے ظاہر کئے ہیں وہ یہی ہیں کہ جو پہلے ہلاک ہونے والا ہے وہی فرعون ہے... حج کرنا بھی اس کو مفید نہ ہوا اور مکہ اور مدینہ کی راہ میں ہی فوت ہو گیا۔ سو چونکہ عبدالرحمن محی الدین نے میرے ذلیل کرنے کے لئے تمام مسلمانان پنجاب کی طرف ایک عام سرکلر جاری کیا اور کہا کہ یہ مفتری ہے، کذاب ہے، منافق ہے، کافر ہے، فرعون ہے... سو (اس کی) اس سے زیادہ کیا ذلت ہوگی کہ وہ میری زندگی میں ہی ہلاک ہو گیا، اگر میں اس کے الہام کے مطابق فرعون تھا تو چاہیے تھا کہ میں اس کے سامنے ہلاک ہوتا نہ کہ وہ۔

(روحانی خزائن۔ ج ۲۲۔ ھجرت الوحی، ص ۳۷۰-۳۷۳)

ایک دوسرے مقام پر مرزا قادیانی نے یوں ارشاد فرمایا:

مولوی محی الدین صاحب کے خط میں بتصریح موجود ہے کہ انہوں نے مجھے فرعون قرار دیا ہے، اور اخویم حکیم نور الدین کو ہامان قرار دیا ہے۔ آپ موسیٰ صفات بنے ہیں مگر تجب کی بات یہ ہے کہ فرعون وہامان تو اب تک زندہ ہیں اور موسیٰ اس جہان سے گذر گیا۔ چاہیے تھا کہ الہامی تشبیہ کو پورا کرنے کے لئے ہمیں ہلاک کر کے مرتے، مگر یہ کیا ہے کہ آپ ہی ہلاک ہو گئے۔ کیا کوئی اس کا جواب دے سکتا ہے۔

(روحانی خزائن، ج ۲۴، حقیقۃ الوحی، ص ۳۶۹)

مرزا غلام احمد قادیانی کی اس تعلی کا جواب اسی خط میں موجود ہے جس کو بنیاد بنا کر انہوں نے درج بالا عبارات لکھی ہیں کیونکہ مولانا محی الدین عبدالرحمن لکھوی کے مکتوب گرامی میں کہیں اس بات کا اشارہ تک موجود نہیں ہے کہ وہ خود کو موسیٰ سمجھتے ہوں۔ خط یوں ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم... حامداً و مصلياً.

یا خبیر ا خبر نی مرزا کا کیا حال ہے۔ خواب میں یہ الہام ہوا: ان فرعون و هامان و جنود ہما کانوا خاطئین... و ان شانک هو الابرار۔ مرزا صاحب کی طرف سے جواب آیا کہ یہ الہام محتمل المعانی ہیں اور اس میں میرا نام نہیں، اور بڑے زور سے دعویٰ کیا کہ میرے نام سے الہام نہ بخشا جائے گا اور ہر دو الہام مذکور ماہ صفر کو ہوئے جب مرزا کا جواب آ گیا، بعد ازاں ماہ صفر کو یہ الہام خواب میں ہوا: مرزا صاحب فرعون... الحمد لله علی ذلک۔ اب مرزا کا دعویٰ بھی غلط ہو گیا اور مرزا صاحب مراد کو پہنچ گئے۔ اور جس وقت مجھ کو پہلا الہام ہوا تھا بیدار ہوتے ہی یہ تعبیر دل میں آئی کہ فرعون مرزا صاحب ہیں اور ہامان نور دین۔ مجھے اہل اسلام کی خیر خواہی کے لئے اطلاع دینی ضرورت تھی۔

العبد عبد الرحمن محی الدین لکھوی بقلمہ بتاریخ ۲۱ ماہ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ۔ (روحانی خزائن جلد ۲۲ ص ۳۶۷-۳۶۸)

اس خط میں مرزا غلام احمد کے فرعون اور حکیم نور الدین کے ہامان ہونے کا ذکر تو ملتا ہے لیکن یہ کہیں ذکر نہیں ہے کہ مولانا لکھوی خود بمنزلہ موسیٰ ہیں۔ اور جب انہوں نے خود کو موسیٰ قرار ہی نہیں دیا تو ان کی وفات سے وہ نتیجہ نکالنا جو مرزا قادیانی نے نکالا ہے، سراسر غلط ہے۔ تاہم اس بحث میں مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ اصول بیان فرما دیا ہے کہ جب کسی کے موسیٰ و فرعون ہونے کی بحث چھڑے گی، تو فیصلہ اس بات پر ہوگا کہ پہلے کون مرزا؟ ان کا کہنا یہ ہے کہ جس طرح اصل فرعون کی موت اصل موسیٰ کی زندگی میں ہوئی، اسی طرح ہر وہ شخص جو بمنزلہ فرعون ہوگا، اس شخص کی زندگی میں مرے گا جو بمنزلہ موسیٰ ہوگا، اسی لئے وہ مولانا لکھوی کی وفات کے بعد لاکر لاکر کہہ رہے تھے کہ دیکھو وہ لاش کس کی پڑی ہے اور ادھر یہ کون بول رہا ہے۔ دیکھو جو فرعون تھا، وہ تو مرزا پڑا ہے اور ادھر میں جو بمنزلہ موسیٰ ہوں تا حال زندہ ہوں۔

آئیے مرزا صاحب مرزا صاحب کے اس اصول کہ، موسیٰ و فرعون کی کشمکش میں فرعون پہلے مرتا ہے اور موسیٰ بعد میں، کی روشنی میں ان عبارات کو دیکھیں جن میں وہ خود اپنے آپ کو بمنزلہ موسیٰ اور مولانا محمد حسین بٹالوی کو فرعون قرار دے رہے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا ہے:

و اذ یمکر بک الذی کفر او قد لی یا ہا مان لعلی اطلع الی الہ موسیٰ و انی لاطنہ من الکا ذبین . . . اور ہ زمانہ یاد کر کہ جب ایک شخص تجھ سے مکر کرے گا اور اپنے رفیق ہامان کو کہے گا کہ فتنہ انگیزی کی آگ بھڑکا، اس جگہ فرعون سے مراد شیخ محمد حسین بٹالوی ہے اور ہامان سے مراد نو مسلم سعد اللہ ہے... اور پھر فرمایا کہ یہ فرعون ہلاک ہو گیا اور دوں ہاتھ اس کے ہلاک ہو گئے یعنی یہ شخص ذلیل کیا جائے گا۔

(روحانی خزائن۔ ج ۱۱۔ انجام آتھم ضمیمہ۔ ص ۳۲۰)

مرزا قادیانی نے ۳۰ نومبر ۱۹۰۲ کو صبح کی سیر کے موقع پر کہا:

خدا تعالیٰ نے ایک الہام میں محمد حسین کا نام فرعون رکھا ہے۔ ہامان، نذیر حسین تھا جو نامراد مر گیا، مگر فرعون آخر ایمان لایا تھا۔ ابن عربی کہتے ہیں کہ فرعون کا ایمان قرآن سے ثابت ہے اور وہ جہنم میں نہیں جائے گا کہ اس نے حضرت موسیٰؑ کی پرورش بطور باپ کے کی تھی شاید یہی وجہ ہو جس سے اس کو ایمان نصیب ہوا ہو۔

(اخبار الحکم قادیان ۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء ص ۶)۔

(مرزا قادیانی نے اپنی امت کا فرعون، محمد حسین کو قرار دے کر اپنی امت کو امت مسلمہ سے الگ کر لیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا ہے کہ ان کی امت کا فرعون، ابوجہل ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ کی امت کا فرعون، فرعون مصر تھا۔ تاہم مرزا صاحب فرماتے ہیں فرعون اس نیکی کی وجہ سے ایمان لے آیا تھا جو اس نے حضرت موسیٰ کی پرورش کر کے کی تھی، اور چونکہ محمد حسین نے بھی ابتداء میں ان کے سلسلہ کی پرورش کی ہے اس لئے اس نیکی کے بدلے میں اسے بھی ایمان لانے یعنی قادیانیت اختیار کرنے کی جزاء دی جائے گی۔ اور جس طرح بقول شیخ اکبر محمدی الدین ابن عربی فرعون ممتی ہے، محمد حسین بھی جنت میں جائے گا)۔

یہاں معلوم ہوتا کہ مرزا صاحب، مولانا محمد حسین کو فرعون قرار دیتے ہیں، اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ فرعون موسیٰ سے پہلے مرا کرتا ہے، لیکن مولانا محمد حسین بٹالوی تو مرزا صاحب قادیانی کے بعد فوت ہوئے ہیں، فرعون کیسے ہو گئے، موت و حیات کے اس کلیہ کے مطابق تو فرعون مرزا صاحب ہوتے ہیں جو مولانا محمد حسین



کی زندگی میں مر گئے تھے۔

پھر مرزا قادیانی یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس نیکی کی وجہ سے جو اس نے سلسلہ احمدیہ کی پرورش کی صورت میں کی تھی، محمد حسین کو وقت آخر ایمان نصیب ہو جائے گا یعنی وہ قادیانی ہو جائیں گے۔ اور یہ بات تو سبھی جانتے ہیں کہ وہ قادیانی نہیں ہوئے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ براہین کی حمایت اور سلسلہ کی پرورش نیکی شمار نہ ہوئی کہ اس کے بدلے میں انہیں قادیانیت والا نام نہاد ایمان نصیب ہوتا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے ملفوظات میں ان کا یہ فرمان موجود ہے:

محمد حسین کو فرعون کہا گیا اور نذیر حسین کو ہامان۔ ہامان کو ایمان نصیب نہ ہوا، اسی طرح نذیر حسین بے نصیب گیا، اور میرا استنباط ہے کہ جس طرح فرعون نے آمنت انه لا اله الا الذی آمنت به بنو اسرائیل کہا تھا ویسے ہی یہ (محمد حسین) بھی کہے گا۔ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ قرآن مجید سے یہ ثابت نہیں کہ فرعون جہنم میں جائے گا، یہ ہے کہ اس نے اپنی قوم کو جہنم میں دالا، شاید یہ رعایت اس کے ساتھ اس لئے ہے کہ اس نے موسیٰ کو پالا، پرورش کیا، تعلیم دلوائی، تربیت کی۔ (قادیانی ملفوظات۔ جلد ۴ ص ۲۴۴-۲۴۵)

نزول المسیح میں مرزا قادیانی نے واضح طور پر خود کو موسیٰ قرار دیا، لکھا ہے:

اور یاد کرو وہ زمانہ جب کہ ایک شخص تجھ سے مکر کرے کہ جو تیری تکفیر کا بانی ہوگا اور اقرار کے بعد منکر ہو جائے گا، یعنی مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور وہ اپنے رفیق کو کہے گا (یعنی مولوی نذیر حسین کو) کہ اے ہامان! میرے لئے آگ بھڑکا، یعنی کافر بنانے کے لئے فتویٰ دے میں چاہتا ہوں کہ موسیٰ کے خدا کی تفتیش کروں اور میں گمان کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے۔ اس جگہ خدا نے میرا نام موسیٰ رکھا، تا اس بات کی طرف اشارہ کرے کہ جس نظر سے یعنی نہایت تحقیر اور استخفاف سے فرعون نے موسیٰ کو دیکھا تھا اور کہتا تھا کہ یہ میرا ہی پرورش یافتہ ہے اور میں ہی اس کو ہلاک کرونگا، اور نیز اس فتح کی طرف اشارہ ہے جو مقدر تھا کہ مجھے موسیٰ کی مانند فرعون پر حاصل ہوگی۔ (روحانی خزائن۔ ج ۱۸۔ نزول المسیح ص ۵۳۰)

ان عبارات میں خود کو موسیٰ اور مولانا بٹالوی کو فرعون قرار دے کر ہوا یہ کہ مرزا قادیانی خود ۱۹۰۸ء میں چل بسے جب کہ مولانا بٹالوی ان کے بعد بھی کم و بیش ۱۲ برس زندہ رہے۔ اس تاریخی حقیقت کی روشنی آپ مرزا

قادیانی کی وہ عبارات دوبارہ ملاحظہ فرمائیں جو انہوں نے مولانا محی الدین عبدالرحمن لکھوی کی وفات کے بعد بڑے زور شور سے لکھی تھیں کہ دیکھو کون مرا پڑا ہے؟ اور کون زندہ ہے؟ مولانا لکھوی نے خود کو کبھی موسیٰ قرار ہی نہیں دیا جب کہ مرزا قادیانی نے واضح طور پر خود کو موسیٰ اور مولانا محمد حسین بٹالوی کو فرعون کہا تھا۔ اب اگر مرزا صاحب خود اپنے الہام کے مطابق موسیٰ تھے اور مولانا بٹالوی فرعون، تو الہامی تشبیہ کو پورا کرنے کے لئے مرزا صاحب کی مولانا محمد حسین بٹالوی کی وفات (۱۹۲۰ء) کے بعد مرتے۔ مگر یہ کیا کہ مولانا بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ تو زندہ تھے اور مرزا صاحب ۱۹۰۸ء ہی میں چل بسے۔ ہم مرزا صاحب کے اپنے الفاظ میں پوچھتے ہیں: کیا کوئی اس کا جواب دے سکتا ہے؟

در اصل مرزا قادیانی کے الہامات کہ وہ بمنزلہ موسیٰ اور مولانا بٹالوی فرعون ہیں، خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تھے۔ اگر وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتے تو مرزا صاحب خود اپنے بیان کردہ اصول کے مطابق بعد میں مرتے اور مولانا بٹالوی پہلے۔ مرزا صاحب پہلے مرکز نہ صرف یہ ثابت کر گئے کہ ان کا الہام کنندہ اللہ کے سوا کوئی اور ہے بلکہ یہ بھی ثابت کر گئے کہ وہ خود فرعون تھے اور مولانا بٹالوی بمنزلہ موسیٰ۔

جہاں تک مولانا محی الدین عبدالرحمن لکھوی کا تعلق ہے ہم بتا چکے ہیں کہ انہوں نے کبھی خود کو بمنزلہ موسیٰ قرار نہیں دیا بلکہ وہ اپنے فرمان میں جو انہوں نے مولانا محمد حسین بٹالوی کو بھیجا تھا اس جانب اشارہ کر چکے تھے کہ وہ مولانا بٹالوی کو بمنزلہ موسیٰ سمجھتے ہیں جیسا کہ مولانا بٹالوی لکھتے ہیں:

آپ (مولانا محی الدین عبدالرحمن لکھوی) نے خاکسار کو یہ فرمایا کہ میں نے ان لوگوں (قادیانیوں) کے مقابلہ میں تیرے قائم دائم رہنے کی بابت خدا تعالیٰ سے بطور استخارہ دعا کی تھی، اس کے جواب میں مجھے الہام ہوا ہے لکل فرعون موسیٰ۔ یعنی ہر فرعون نے راموسیٰ۔ لہذا آپ اس مقابلہ کے لئے قائم اور مستعد رہیں، ہم خدا تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں گے کہ وہ خدا تمہاری مدد کرے اور اس پر قائم اور مستقیم رکھے۔  
(روحانی خزائن۔ جلد ۳) (ماہنامہ اشاعت السنہ۔ جلد ۱۳)

مئی ۱۸۹۳ء میں مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک اشتہار بعنوان، شیخ محمد حسین بٹالوی کی نسبت ایک پیش گوئی، شائع فرمایا۔ یہ اشتہار ان کے ایک خواب کی بنیاد پر شائع کیا تھا جس کے مطابق مولانا بٹالوی (معاذ اللہ

(ارتداد اختیار کر کے مرزائی ہو گئے تھے۔ مرزا قادیانی نے لکھا:

شیخ محمد حسین ابوسعید کی آج کل ایک نازک حالت ہے، یہ شخص اس عاجز کو کافر سمجھتا ہے، اپنے بوڑھے استاد نذیر حسین دہلوی کو بھی اس نے اسی بلا میں ڈال دیا ہے۔ سبحان اللہ کافر ٹھہرانے کیلئے اس بیچارے نے کیا کچھ افتراء کئے ہیں۔ انہیں غموں میں مر رہا ہے کہ کس طرح ایک مسلمان کو تمام خلق اللہ کافر سمجھ لے۔ اگر کسی کے منہ سے نکل جائے کہ میاں کلمہ گوؤں کو کافر بناتے ہو، کچھ خدا سے ڈرو، تو دیوانہ کی طرح ان کے گرد ہوجاتا ہے اور بہت سی گالیاں اس عاجز (مرزا) کو نکال کر کہتا ہے کہ وہ ضرور کافر ہے اور سب کافروں سے بدتر ہے۔ ہم اس کے خیر خواہوں سے ملتی ہیں کہ اس نازک وقت میں ضرور اس کے حق میں دعا کریں، اب کشتی اس کی ایک ایسے گرداب میں ہے جس سے جانبر ہونا بظاہر محال ہے و انی رأیت ان هذا الرجل یؤمن بایمانہ قبل موتہ، و رأیت کما نہ ترک قول التکفیر و تاب و هذه رؤیائی و ار جو ان يجعلها ر بی حقاً، و السلام علی من اتبع الهدی -

راقم خاکسار غلام احمد از قادیان گورد اسپور۔ ۴ مئی ۱۸۹۳ء

(روحانی خزائن۔ جلد ۶، ج۶ الاسلام، ص ۵۸-۵۹) (مجموعہ اشتہارات قادیانی۔ جلد اول۔ ص ۴۱۵-۴۱۶)

اس اشتہار کی عربی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ میں (مرزا) نے دیکھا کہ محمد حسین بٹالویؒ نے میری تکفیر ترک کر دی ہے اور یہ اپنی موت سے پہلے مجھ پر ایمان لے آئے گا، یہ میرا خواب ہے اور مجھے امید ہے کہ میرا رب اس خواب کو سچا کرے گا۔

اس خواب کے ۱۹ ماہ بعد مرزا قادیانی کو اسی مضمون کا ایک اور خواب آیا جو قادیانی کے تذکرہ میں ۱۳

دسمبر ۱۸۹۴ء کے تحت درج ہوا ہے۔ اس کے مطابق مرزا قادیانی نے کہا:

ایک مرتبہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں محمد حسین کے مکان پر گیا ہوں اور میرے ساتھ ایک جماعت ہے ہم نے وہیں نماز پڑھی۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھتا ہوں کہ محمد حسین ہمارے مقابل پر بیٹھا ہے، اس وقت مجھے اس کا سیاہ رنگ معلوم ہوتا ہے اور بالکل برہنہ ہے، پس مجھے شرم آئی کہ میں اس کی طرف نظر کروں۔ پس اسی حال میں وہ میرے پاس آ گیا۔ میں نے اسے کہا کہ کیا وقت نہیں آیا کہ تو صلح کرے

اور کیا تو چاہتا ہے کہ تجھ سے صلح کی جائے۔ اس نے کہاں ہاں۔ پس بہت نزدیک آیا اور بغل گیر ہوا اور وہ اس وقت چھوٹے بچے کی طرح تھا۔ پھر میں نے کہا کہ اگر تو چاہے تو ان باتوں سے درگزر کر، جو میں نے تیرے حق میں کہیں، جن سے تجھے دکھ پہنچا۔ اس نے کہا میں نے درگزر کی۔ تب میں نے کہا کہ گواہ رہ کہ میں نے وہ تمام باتیں تجھے بخش دیں جو تیری زبان پر جاری ہوئیں، تیری تکفیر اور تکذیب کو میں نے معاف کیا۔ اس کے بعد ہی وہ اپنے اصلی قد پر نظر آیا اور سفید کپڑے نظر آئے۔ پھر میں نے کہا جیسا کہ میں نے خواب دیکھا تھا، وہ آج پورا ہو گیا۔ پھر ایک آواز دینے والے نے آواز دی کہ ایک شخص جس کا نام سلطان بیگ ہے جان کنڈن میں ہے۔ میں نے کہا کہ اب عنقریب وہ مر جائے گا کیونکہ مجھے خواب میں دکھلایا گیا ہے کہ اس کی موت کے دن صلح ہوگی۔

(قادیانی تذکرہ ص ۲۶۷-۲۶۸) (روحانی خزائن ج ۱۲، سراج منیر ص ۸۰-۸۱)

خیال گذرتا ہے کہ ان خوابوں کے علاوہ مرزا صاحب کو دیگر مواقع پر بھی ان کے الہام کنندہ نے بتایا تھا کہ مولانا بٹالوی مرزائی ہو جائیں گے جیسا کہ انہوں نے اپنی ۱۸۹۷ء کی تصنیف سراج منیر میں لکھا ہے:

شیخ محمد حسین بٹالوی (اڈیٹر) رسالہ اشاعت السنہ جو بانی تکفیر ہے اور جس کی گردن پر نذیر حسین دہلوی کے بعد تمام مکفروں کے گناہ کا بوجھ ہے اور جس کے آثار بظاہر نہایت ردی اور یاس کی حالت کے ہیں، اس کی نسبت تین مرتبہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنی اس حالت پر ضلالت سے رجوع کرے گا اور پھر خدا اس کی آنکھیں کھولے گا و اللہ علی کل شیء قدير۔ (روحانی خزائن ج ۱۲، سراج منیر ص ۸۰)

چونکہ مرزا قادیانی نے آپ کے قبول مرزائیت کی پیش گوئی کر رکھی تھی، اسلئے مرزا کے ارادت مولانا بٹالوی کی مرزائیت شکن سرگرمیوں سے ملول ہو کر مرزا صاحب سے سوال کرتے کہ حضرت! مولوی محمد حسین کے رجوع الی الحق کے متعلق آپ کی پیش گوئی کا کب ظہور ہوگا۔ اس پر مرزا صاحب اس دفتر بے معنی، کا تذکرہ بلطائف الحیل ٹال جاتے تھے۔ آخر خواب کے قریباً چار سال بعد انہوں نے مولانا بٹالوی کے قبول مرزائیت کی ایک مزیدارتوجیہہ کی اور اپنے رسالہ استفتاء میں جو ۱۶ مئی ۱۸۹۷ء کو شائع ہوا، لکھا:

مجھے معلوم نہیں کہ مولوی محمد حسین کا ایمان فرعون کی طرح ہوگا یا پرہیزگار لوگوں کی طرح،

مرزا صاحب کے ملفوظات میں بھی اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ لکھا ہے:

ابوسعید عرب صاحب نے اپنے ذوق سے بیان کیا کہ محمد حسین والی پیش گوئی یقیناً خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ فرمایا (مرزانے) اس میں کیا شک ہے، زور کے ساتھ یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ رجوع کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی مقدر کیا تھا، اصل میں محمد حسین زیرک آدمی تھا، مگر میں دیکھتا ہوں کہ ابتداء سے اس میں ایک طرح کی خود پسندی تھی، پس خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس طرح پر اس کا تنقیہ کر دے، یہ اس کے لئے استفراغ ہے۔ براہین میں ایک الہام درج ہے، جس طرح میں اس کا نام فرعون رکھا گیا ہے، اس نے بھی آخر یہی کہا تھا کہ آمنت انه لا اله الا الذی... اسلئے اس (محمد حسین) کے لئے آمنت بالذی کا وقت مقرر ہے۔

(قادیانی ملفوظات - ج ۲ ص ۲۵۲-۲۵۳)

مولانا دلاوریؒ اپنی تصنیف رئیس قادیان میں بتاتے ہیں کہ ان بیانات سے مرزا کی ہوشیاری اور موقع شناسی مترشح ہوتی تھی اور انہوں نے اپنے اور اپنے پیروؤں کے لئے یہ کہنے کی گنجائش رکھ لی تھی کہ فرعون کی طرح مرنے سے پہلے مولانا بنا لوی بھی اپنا عقیدہ تبدیل کر لیں گے لیکن وہ ذات شریف (شیطان) جس نے اپنے مطرود ہونے کے دن سے بنی آدم کو گزند پہنچانے کا عزم کر رکھا ہے اور اپنے ملبہموں کو ذلت اور رسوائی کے گڑھے میں دھکیلا اس کا دل پسند مشغلہ ہے قطعاً گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ حضرت، مسیح موعود، صاحب اور ان کے پیرو کسی پیش گوئی میں منہ کی کھانے اور ذلت اٹھانے سے بچ سکیں، اس لئے اب اس نے قادیانی صاحب پر یہ القاء کرنا شروع کیا کہ محمد حسین کا ایمان سعید لوگوں کی طرح ہوگا۔ چنانچہ اس القاء کے بموجب مرزا صاحب اپنی کتاب اعجاز احمدی میں، جو ۱۵ نومبر ۱۹۰۲ء کو شائع ہوئی، مولانا بنا لوی کے قبول مرزائیت پر کامل وثوق کا اظہار فرمایا۔

اعجاز احمدی میں مرزا قادیانی کے چند عربی اشعار مع اردو ترجمہ درج ذیل ہیں:

اغلط اعجازی حسین یعلمہ و هیئات ماحول الجهول اتسخر  
کیا میری کتاب اعجاز مسیح کی محمد حسین نے غلطیاں نکالیں۔ اور یہ کہاں ہو سکتا ہے اور محمد حسین کی کیا طاقت ہے  
کیا ہنسی کر رہا ہے،

وان کان فی شیء بعلم حسینکم فما لك لا تدعوه و الخصم یحصر

اور اگر تمہارا محمد حسین کچھ چیز ہے پس تو اس کو کیوں نہیں بلاتا اور دشمن سخت گرفت کر رہا ہے

و نحسبه كالحوث فات بنظمه متى حل بحر أنقنصمه و ناسر  
اور ہم تو اس کو ایک مچھلی کی طرح سمجھتے ہیں پس اس کی نظم پیش کر جب وہ شعر کے محروں میں سے کسی بحر میں  
داخل ہوگا تو ہم اس کو شکار کر لیں گے اور پکڑ لیں گے

و ان يا تنى اصبحة كاساً من الهدى فا حضره للا ملاء ان كان يقدر  
اگر وہ میرے پاس آئے گا تو اسی صبح ہدایت کا پیالہ پلاؤں گا۔ پس اس کو لکھنے کے لیے حاضر کر اگر وہ لکھنے کے  
لیے طاقت رکھتا ہے۔

اذا ما ابتلاه الله بالا رض سخطة بلا ثل قالوا مكرم و معزز  
جب خدا نے بے زاری کے طور پر اس (محمد حسین) کو زمین لائل پور میں دی تو مخالفوں (ثناء اللہ) نے کہا کہ اس کی  
بڑی عزت ہے

اذا نحن بارزنا فابن حسينكم و ان كنت تحمده فاعلن و اخبر  
جب ہم میدان میں آئے تو تمہارا حسین کہاں ہوگا اور اگر تو اس کی تعریف کرتا ہے پس اس کو خبر دے دے  
اتحسبه حياً و تا الله اننى اراه كمن يد فى و يفنى و يقبر

کیا تو اس کو زندہ سمجھتا ہے اور بخدا میں دیکھتا ہوں اس کو شمش اس شخص کے جو کشتہ ہے اور مر گیا اور قبر میں داخل ہو گیا  
و ما ان قنطننا و الر جاء معظم كذالك و حى الله يدرى و يخبر  
اور ہم اسکے (محمد حسین) ایمان سے ناامید نہیں ہوئے بلکہ امید بہت ہے اسی طرح خدا کی وحی خبر دے رہی ہے

سيبدي لك الرحمن مقسوم حبكم سعيد فلا ينسيه يوم مقدر  
تجھ پر خدا تعالیٰ تیرے دوست محمد حسین کا مقسوم ظاہر کر دے گا۔ سعید ہے پس روز مقدر اس کو فراموش نہیں کریگا  
و يحى بايدى الله و الله قادر و يا تى زمان الرشد و الذنب يغفر

اور خدا کے ہاتھوں سے زندہ کیا جائے گا اور خدا قادر ہے اور رشد کا زمانہ آئے گا اور گناہ بخش دیا جائے گا  
فيسقونه ماء الطهارة و التقى نسيم الصباتا تى برياً يعطر

پس پاکیزگی اور طہارت کا پانی اسے پلائیں گے اور نسیم صبا خوش بولائے گی اور معطر کر دے گی

و ان کلامی صادق قول خالقی و من عاش منکم برہۃ فسینظر

اور میرا کلام سچا ہے اور میرے خدا کا قول ہے۔ اور جو شخص تم میں سے کچھ زمانہ زندہ رہیگا وہ دیکھ لے گا

اتعجب من هذا فلا تعجبن له کلام من المولی و وحی مطہر

کیا تو اس سے تعجب کرے گا پس کچھ تعجب نہ کر یہ خدا کا کلام ہے اور پاک وحی ہے

و ما قلتہ من عند نفسی کراجم اریت و من امر القضا اتحیر

اور میں نے اپنے ہی دل سے اٹکل بات نہیں کی بلکہ کشفی طور پر مجھے دکھلایا گیا اور میں اس سے حیران ہوں

اقلب حسین یہتدی من یظنہ عجیب و عند اللہ ہین و ایسر

کیا محمد حسین کا دل ہدایت پر آجایگا یہ کون گمان کر سکتا ہے عجیب بات ہے اور خدا کے نزدیک سہل اور آسان ہے

ثلثہ اشخاص بہ قد رئیتہم و منهم الہی بخش فاسمع و ذکر

تین آدمی اس کے ساتھ اور ہیں۔ ایک ان میں سے الہی بخش اکوئنٹ ہے پس سن اور سنا دے

لعمرک ذقنا دون ذنب ر ما ہم فما سرنا الا دعاء یکرر

تیری قسم کہ ہم نے بغیر گناہ کے ان کے نیروں کا مزہ چکھا پس ہمیں یہی اچھا معلوم ہوا کہ ان کے حق میں دعا کرتے ہیں

متی ذکر وایغتم قلبی بذکر ہم بماکان وقت بالملاقات نبشر

جب وہ ذکر کئے جاتے ہیں تو میرا دل غمناک ہو جاتا کیونکہ یاد آتا ہے کہ ایک دن ہم ملاقات سے خوش ہوتے تھے

ء ار ضعت من غول الغلایا ابالوفا فما لک لا تخشی و لا تتفکر

کیا تجھے جھوٹ کا دودھ پلایا گیا، اے ثناء اللہ۔ پس تجھے کیا ہو گیا کہ نہ ڈرتا ہے نہ فکر کرتا ہے

عقرت بمد صحبتی یا ابالوفا بسبب و توہین فر بی سیقہر

اے ثناء اللہ تو نے مد میں ہمارے دوستوں کو رنج پہنچایا گالی سے اور تو بین سے پس میرا خدا غمناک غالب ہو جائیگا

(روحانی خزائن جلد ۱۹ ضمیمہ نزول المسیح (عجاز احمدی) ص ۱۵۰-۱۶۳)

مرزا غلام احمد قادیانی کے بقول یہ اعجازی قصیدہ ہے جو انہوں نے روح القدس کی مدد سے لکھا ہے۔

اس قصیدے میں آپ فرماتے ہیں کہ مجھے وحی آئی ہے کہ محمد حسین بٹالوی اور منشی الہی بخش مرزائی ہو جائیں گے۔ قدرت نے مرزا صاحب کے اس اعجازی قصیدے سے ان کے کذاب ہونے کا اعجازی نشان ظاہر کر دیا کہ نہ محمد حسین کبھی مرزائی ہوا اور نہ منشی الہی بخش واپس مرزائیت میں داخل ہوا۔

مرزا قادیانی یہ الہامی پیش گوئی کر کے کہ مولانا بٹالوی کا ایمان (قبولیت مرزائیت) فرعون کی طرح نہیں بلکہ سعید لوگوں کی طرح ہوگا، خود اپنے ہی بنائے ہوئے جال میں پھنس گئے مولانا کے شب و روز تریدید مرزائیت میں صرف ہوتے رہے، مرزا قادیانی اور ان کے مریدانگروں پر لوٹتے رہے اور تاویل میں کرتے اور ایک دوسرے کو تسلیاں دیتے رہے۔ جیسا کہ مرزا صاحب کے ۳ جنوری ۱۹۰۳ء کے ملفوظات میں محمد حسین اور اس کا رجوع کے عنوان سے لکھا ہے: اس پر ایک بھائی نے سوال کیا کہ حضور اب اسے (محمد حسین کو) کیا سمجھیں؟ (مرزانے) فرمایا کہ حکم حالت موجودہ پر ہوگا وہ دشمن ہی اس سلسلہ کا ہے، دیکھو جب تک نطفہ ہوتا ہے اس کا نام نطفہ رکھتے ہیں گو اس کا انسان بن جاوے، مگر جوں جوں اس کی حالتیں بدلتی جاتی ہیں اس کا نام بدلتا جاتا ہے آخر اپنے وقت پر جا کر انسان بنتا ہے یہی حال اس کا ہے۔ سردست تو وہ اس سلسلہ کا مخالف اور دشمن ہے اور یہی اس کو سمجھنا چاہیے۔

( قادیانی ملفوظات۔ جلد ۲۔ ص ۳۵۴ )

یہ ملفوظ مرزا قادیانی اور مرزائیوں کی بے بسی کے ساتھ ساتھ بقول مرزا اس بات کی شہادت ہے کہ ہمارے احباب کے پروپیگنڈے میں حقیقت کا کوئی عنصر نہیں ہے۔ اس ملفوظ کے چار سال بعد مولانا بٹالویؒ مرزا قادیانی کے مخالف ہی تھے جیسا کہ مرزا صاحب نے ۱۱ مئی ۱۹۰۷ء کا ایک خواب یوں بیان کیا ہے:

مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی کو دیکھا کہ وہ ہمارے مکان میں ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنے کسی آدمی کو کہا کہ مولوی صاحب کو خاطر داری سے کھانا کھلانا چاہیے ان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اس روایا سے معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم کہ وہ دن نزدیک ہے کہ خدا تعالیٰ مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب کی خود رہنمائی کرے کیوں کہ وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ یہ بھی ایک الہام سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ آخر وقت میں ان کو سمجھا دے گا کہ انکار کرنا ان کی غلطی تھی اور یہ کہ میں اپنے دعویٰ مسیح موعود میں حق پر ہوں، مگر معلوم نہیں کہ آخر وقت کے کیا معنی ہیں۔

( بدرقادیان ۱۶ مئی ۱۹۰۷ء۔ الحکم قادیان ۱۷ مئی ۱۹۰۷ء۔ منقول از قادیانی تذکرہ۔ ص ۷۱۸ )



اور پھر ایک مرتبہ لاچار ہو کر مرزا قادیانی نے کہا:

معلوم نہیں وہ کون سی بدی تھی جس نے اس کو سلسلہ کی شناخت سے محروم رکھا، تاہم جب تک وہ زندہ ہے ہم اس پیش گوئی کی کوئی تاویل نہیں کرتے جو اس کے متعلق ہے کہ وہ آخر رجوع کرے گا، اس میں دوسرے مولویوں کی نسبت ایک بات تو ہے، وہ یہ کہ جب کسی بات کو مان لے تو دلیری کے ساتھ اس کا اعلان کرتا ہے۔ ناظرین! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۹۳ء سے اپنی زندگی کے آخر تک شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ کے قبولیت مرزائیت کی پیش گوئیاں کرتے رہے، انہیں خواب بھی آتے رہے اور بقول ان کے وحی میں تو ان سے یہ بھی کہہ دیا گیا کہ نہ صرف مولانا بٹالوی، بلکہ منشی الہی بخش اکاؤنٹ (مصنف عصائے موسیٰ) بھی مرزائی ہو جائیں گے۔ یہ منشی صاحب جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو قادیانیوں کو فکر پڑ گیا کہ اگر وہ قبولیت مرزائیت کے بغیر فوت ہو گئے تو مرزا قادیانی کی پیش گوئی کا کیا بنے گا جیسا کہ سیرۃ المہدی حصہ سوم میں مرزا بشیر احمد قادیانی نے لکھا ہے:

میاں امام دین صاحب سیکھوانی نے مجھ سے بیان کیا کہ مصنف عصائے موسیٰ (منشی الہی بخش) کو جب لاہور میں طاعون ہوا تو حضرت مسیح موعود (مرزا) کے پاس یہ بات پیش ہوئی کہ حضور نے اعجاز احمدی میں لکھا ہے کہ مولوی محمد حسین اور مصنف عصائے موسیٰ رجوع کر لیں گے، اس پر آپ نے فرمایا ان کو مرنے دو، خدائی کلام کی تاویل ہو سکتی ہے۔

غرض منشی الہی بخشؒ اس دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ وہ مرزا قادیانی کے شدید مخالف اور تحریک ختم نبوت کے سرگرم رکن تھے، جہاں تک مولانا بٹالویؒ کا تعلق ہے تو مولانا دلاوریؒ، رئیس قادیان میں لکھتے ہیں کہ تردید مرزائیت ان کا دن رات کا مشغلہ تھا اور مولانا اور منشی الہی بخش نے:

نہ صرف قبول مرزائیت سے اعراض کیا بلکہ مرزائیت کا بہتسمہ لینے کی بجائے الٹا خیر وقت تک مرزائیت کے جسم پر چر کے لگاتے اور الہام صاحب کے سینہ پر مونگ دلتے رہے۔ (رئیس قادیان۔ ص ۱۳۳)

۱۵ جنوری ۱۹۰۷ء کی ڈیٹ لائن کے ساتھ ملفوظات کا مرتب لکھتا ہے:

’مولوی محمد حسین کا ذکر آیا کہ وہ رجوع کیوں کر کرے گا۔ (مرزا نے) فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی

مشکل بات نہیں۔ وہ جب چاہے دل پھیر دئے (قادیانی ملفوظات جلد ۹ ص ۱۶۹)۔

یعنی مرزا صاحب اپنی زندگی کے آخری مہینوں میں بھی مولانا بٹالویؒ کی مرزائی ہو جانے کے خواب دیکھتے تھے۔ آئیے اب دیکھتے ہیں کہ اس پیش گوئی کا کیا حشر ہوا؟

مرزا غلام احمد قادیانی کی موت کے آٹھ سال بعد دسمبر ۱۹۱۶ء میں سرگودھا میں حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اور مرزا محمود احمد خلیفہ قادیان کے ماموں، میر محمد اسحاق قادیانی کے مابین ایک تحریری مباحثہ ہوا۔ اس میں میر اسحاق قادیانی نے لکھا کہ:

مولوی محمد حسین صاحب فرقہ اہل حدیث کے ایڈووکیٹ اور لیڈر ہیں اور جو مرزا صاحب کا دعویٰ سن کر سب سے پہلے منکر ہوئے اور جو فتویٰ تکفیر مرزا صاحب کے بانی ہیں۔ (مباحثہ سرگودھا۔ صفحہ ۷۸)

میر محمد اسحاق قادیانی کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیانیوں کے نزدیک ۱۹۱۶ء میں یعنی مرزائی موت کے آٹھ سال بعد بھی شیخ الاسلام مولانا بٹالویؒ کی یہ حیثیت مسلمہ تھی کہ وہ بانی تکفیر مرزا ہیں اور وہی ہیں جو سب سے پہلے مرزا کا دعویٰ سن کر ان کے مخالف ہوئے تھے۔ اور اس تحریر سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۱۶ء تک وہ مرزائی نہیں ہوئے تھے اور نہ انہوں نے تکفیر مرزا سے رجوع کیا تھا۔ اس کے برعکس وہ نہ صرف ایک اہل حدیث مسلمان تھے بلکہ اہل حدیث کے لیڈر بھی شمار ہوتے تھے۔

اس سے اور آگے چلیں تو ہمیں حافظ عنایت اللہ اثری وزیر آبادی گجراتی کی یہ تحریر نظر آتی ہے:

۱۹۱۹ء میں، میں نے خلیفہ قادیان (مرزا محمود احمد) کو عرض کیا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی میری اور آپ کی زندگی میں اسلام پر فوت ہو کر آپ کے باپ کی پیش گوئی کو جھوٹا ثابت کریں گے کہ وہ مرزائی ہو کر مرے گا۔ جب میری یہ پیش گوئی اپنی ہر سہ قیود کے ساتھ پوری ہوئی تو میں نے اسے اہل حدیث (امرتسری) میں (اشاعت کے لیے) روانہ کیا۔ (الجسر البلیغ صفحہ ۲۷ حاشیہ در رسائل اہل حدیث جلد ۲ صفحہ ۱۹۶-۱۹۷)

یہ ۱۹۲۰ء کی بات ہے جب مولانا بٹالویؒ بقول حافظ عنایت اللہ، ان کی پیش گوئی کے مطابق حالت اسلام میں فوت ہوئے۔ مرزا محمود احمد قادیانی اور اس کے اخلاف اس طرح کی باتیں تو کرتے آئے ہیں کہ مولوی محمد حسین صاحب کے 'بھائی کے سسر کا پوتا' مرزائی ہو گیا تھا۔ یا مولوی صاحب کے 'بیٹے کے سارے' کا

ماموں زاد بھائی، مرزائی ہو گیا تھا۔ لیکن آج تک کسی قادیانی لیڈر یا محقق کو یہ کہنے کی جرأت نہیں ہو سکی کہ خود مولانا بٹالویؒ بھی مرزائی ہو گئے تھے۔ مرزا صاحب کی اس پیش گوئی کا من کل الوجوه جھوٹا ثابت ہو جانا مولانا بٹالویؒ اور دیگر مسلمانوں کے سامنے مرزا صاحب کی ابدی ذلت کا نشان ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کے حالات ایمان و اسلام میں مرنے کی شہادت وہ تعزیت نامہ بھی ہے جو انجمن اہل حدیث لاہور کی طرف سے آپ کی وفات کے موقع پر ہفت روزہ اخبار اہل حدیث امرتسر میں شائع ہوا تھا۔ یہ دستاویز ذیل میں نقل کی جاتی ہے:

تعزیت نامہ از انجمن اہل حدیث لاہور بخدمت و ارثان مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی اور افراد اہل حدیث اور دیگر مسلمان

نمے دائم حدیث نافرچوں است ہے پنم کہ عنواش بخون است

سچ ہے موت العالم کموت العالم۔ ایسے قحط الرجال زمانہ میں عالم بے مثل جناب مولانا ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی کا اس دار فانی سے رحلت فرمانا اہل اسلام اور خصوصاً جماعت اہل حدیث کے لئے ایسا صدمہ جانکاہ ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ مولانا مرحوم جامع منقول و معقول فروع و اصول اور خاص کر فن حدیث میں بحر بیکراں تھے اور اپنی نظیر آپ تھے اور جناب شیخ الکل دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان تلامذہ میں سے تھے جن پر ان کو فخر تھا۔ افسوس وہ نیک صورت جو کل ہمارے ساتھ تھے اور ہماری رہبری کا کام کرتی تھی آج ہماری نظروں سے پنہاں ہو کر جو رحمت الہی میں جاگزیں ہے یا واسع المغفرة یا وسیع الرحمة اس مغفور کو اپنی رحمت اور مغفرت کے سایہ میں ڈھانپ لے۔

مولانا مرحوم نے کتاب و سنت کی جو خدمات کی ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں اول اول جب فارغ التحصیل ہو کر عین عالم شباب میں رونق افروز لاہور ہوئے تو بھائی دروازہ مسجد مسنونہ میں ترویج کتاب و اشاعت سنت میں سرگرم رہے اور بعد ازاں مسجد چینیا نوالی میں اہل حدیث مرکز قائم کر کے وہ خدمات اسلامی انجام دیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ علیم کے ہاں ماجور ہوں گے رسالہ اشاعت السنہ کے ذریعے ایسی خدمات دینی انجام دیں کہ باید و شائد مضامین میں بے بہادر یا بہادیئے جس سے اہل علم عیش کراٹھے۔ بعد ازاں قادیانی فتنہ نے سراٹھا یا سب سے پہلے جس نے تقریر اور تحریر کی تردید میں قدم اٹھایا وہ مولانا موصوف ہی تھے تمام ہندوستان کے علماء سے مرزا قادیانی کے حق میں فتویٰ لے کر مرتب کیا اور اسے دنیا بھر میں شائع کیا۔ مرزا نے

دھمکی دی کہ ان پر عذاب الہی نازل ہوگا لیکن ان پر ایسی گیدڑ بھبھکیوں کا پشہ کے برابر بھی اثر نہ ہوا اور وہ آگ سے بڑھ کر ہمت و استقلال سے اس کی تردید میں سرگرم ہوئے۔ مولانا مرحوم کا زہد و تقویٰ اس درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا جو خاصانِ خدا کو حاصل ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ شب زندہ دار تھے اور اس حالت میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ یعنی عین اس حالت میں جب کہ وہ نماز تہجد پڑھ رہے تھے فاج لُح گرا اور قیام نماز تہجد میں ہی کھڑے کھڑے بیٹھ گئے اور پھر کوئی دنیا کی بات نہیں کی اور روحِ قفسِ عصری سے پرواز کر گیا۔

اہل حدیث کے حق میں ناموزوں لفظ و ہابی کا استعمال ترک کرانے کے لئے گورنمنٹ تک رسائی کی اور بالآخر یہ مکروہ لفظ قانوناً ناجائز قرار دلا کر ہی چھوڑا۔

الغرض جماعت اہل حدیث پر جو مولانا موصوف کے ہزار ہا احسانات ہیں جن سے عمر بھر شکر یہ ادا کرنے سے بھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ قوم کو ان کا نعم البدل عطا کرے اور مولانا کو اپنی رحمت میں جگہ دے اس دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔ عاجز: عبداللہ دبیر انجمن اہل حدیث لاہور

(فت روزہ اہل حدیث امرتسر ۲۔ اپریل ۱۹۲۰ء ص ۸)

اور حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے بھی اس موقع پر بایں الفاظ اپنے خیالات کا اظہار فرمایا تھا:

مرزا صاحب قادیانی اور مولانا بٹالوی

مولانا محمد حسین بٹالویؒ کے انتقال پر قادیانی اخبارات نے جس کمینگی کا ثبوت دیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ کوئی انہیں خانہ و خاسر لکھتا ہے، کوئی نامراد کہتا ہے کوئی کچھ۔ سب سے زیادہ افسوس الحکم کے اڈیٹر پر کہ وہ اصل حقیقت سے واقف ہے اور جانتا ہے کہ مرزا اور مولانا مرحوم میں سے کون نامراد مرزا۔ مولانا مرحوم اپنی زندگی کے تمام مراحل طے کر کے، بغیر کسی ہوس کو لئے ہوئے، صبح کے وقت تہجد کی نماز پڑھتے ہوئے، فاج لُح کے گرنے سے فوت ہو گئے۔ نہ کوئی حسرت آپ کو رہی، نہ کوئی پیش گوئی آپ کی حالت انتظار میں تھی، نہ کسی منکو حکم کی جدائی کا قلق تھا، تھا تو صرف یہ تھا خاتمہ بالآخر ہو جائے۔ بتائیے نامرادی کیسی؟

ہاں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مولانا اپنی زندگی میں تو کامیاب تھے ہی اپنی موت میں بھی کامیاب ہی ہوئے۔ وہ کیا تفصیل آتی ہے۔ سب سے پہلے قادیانی اخبار الحکم کا ایک نوٹ ملاحظہ ہو۔ اڈیٹر الحکم لکھتا ہے:

مولوی محمد حسین بٹالوی کی موت کی خبر میں نے فی الحقیقت رنج اور افسوس سے پڑھی۔ ہر چند وہ ہمارے سلسلہ کا دشمن اول تھا، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ ایک زبردست عالم اور اپنے عہد و عصر کا ذی علم

مناظر اور اہل قلم تھا۔ مجھ کو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے ۱۸۹۱ء سے ملاقات تھی۔ گویا ۲۸ برس کا ایک طویل زمانہ گزرتا ہے اور اسی وقت سے وہ سلسلہ عالیہ کا مکتب و مکفر تھا۔ گویا یوں کہو کہ سلسلہ احمدیہ کی مخالفت کی تاریخ میں مولوی محمد حسین کے باب کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ترتیب دیا ہے اور میں چشم دید واقعات کا گواہ ہوں۔۔۔

اب ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے میں تو ہمیشہ ان کی آخری زندگی میں یہی سمجھتا تھا کہ دراصل وہ رجوع کر چکے ہیں حضرت مولوی سرور شاہ سے وہ ملاقات کرنا چاہتے تھے اور ان کو تھلے میں گفتگو کے لئے بلا رہے تھے (تم سے تو مولانا بے تکلف تھے پھر تم کو اپنا رجوع بتانے کے لئے کیوں نہ بلا یا؟ ثناء اللہ) مگر شاہ صاحب کی مصروفیتوں نے موقع نہ دیا، معلوم نہیں وہ کیا حسرتیں دل میں لے گئے ہوں گے۔

میں مولوی صاحب کا صدق دل سے خیر خواہ تھا ان کی اولاد کا بھی شفیق و ناصح تھا اور اب بھی اپنے بچھڑنے والے قدیم آشنا کے خاندان کے ساتھ ہر نیکی اور خدمت کیلئے اپنے دل میں جوش پاتا ہوں زندگی نے وفا کی اور توفیق ربیع حال ہوئی تو سوانح حضرت مسیح موعود (مرزا) میں بسط سے ذکر کرونگا ورنہ: اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ (الحکم قادیان ۱۳۱۲ء ۱۹۲۰ء ص ۸)

حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ لکھتے ہیں:

اس ساری عبارت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب مرزا قادیانی کی مخالفت میں ناکام و نامراد رہے۔ اس کے جواب میں ہم اڈیٹر الحکم ہی کا ایک نوٹ نقل کرتے ہیں جو خاص قابل قدر ہے۔ غالباً وہ تو اس کو بھولا ہوگا، لیکن لوح محفوظ میں وہ ثبت ہے۔ الحکم نے بجواب اہل حدیث ایک دفعہ لکھا: یہ سچ ہے اور بالکل سچ ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب کے رجوع کے متعلق حضرت مسیح موعود (مرزا) کی پیش گوئی ہے مگر ہم نہیں جانتے کہ وہ کس رنگ میں پوری ہوگی ہاں ہمارا ایمان ہے کہ یہ ہو کر رہے گی۔

(الحکم قادیان ۲۸ فروری ۱۹۰۱ء ص ۸)

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں:

ناظرین! یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ مولانا بٹالوی کے حق میں مرزا کی پیش گوئی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں مرزا کی مخالفت چھوڑ کر ان کی طرف رجوع کریں گے۔ گویا الحکم کے ابوالحکم نے حسب سنت مرزا سے اس کو گول بنانا چاہا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ وہ کس رنگ میں پوری ہوگی۔ لیجئے ہم بتاتے ہیں اور مرزا جی کے تو

ل سے بتاتے ہیں جس سے تم کو مفر نہ ہو سکے سننے اور غور سے سننے

اقلب حسین یھتدی من یظنہ - عجیب و عند اللہ ہین و ایسر

(۱۶۱ ہجری ص ۵۱) ترجمہ کردہ مرزا صاحب: کیا محمد حسین کا دل ہدایت پر آجائے گا۔ یہ کون گمان کر سکتا ہے۔  
عجیب بات ہے اور خدا کے نزدیک سہل اور آسان ہے۔

اب تو شک نہ رہا کہ اس پیش گوئی سے مراد یہی ہے کہ مولانا بٹالوی ندگی کے کسی حصہ میں مرزا صاحب پر اعتقاد کر کے اپنا ایمان درست کر لیں گے۔ بس اب سوال یہ ہے کیا ایسا ہوا؟ کہ مولانا بٹالوی نے رجوع الی المرزا کیا ہوا؟ الحکم باتباع سنت مرزا نہایت صاف لفظوں میں اظہار کرتا ہے کہ مولانا بٹالوی نے رجوع کر لیا تھا چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

میں تو ہمیشہ ان کی آخری زندگی میں یہی سمجھتا تھا کہ دراصل وہ رجوع کر چکے ہیں۔

اس دعویٰ کی دلیل کیسی معقول پیش کی ہے کہ مولوی سرور شاہ سے ملنے کا خیال رکھتے تھے۔ ایسی زبردست جو کسی بڑے پروفیسر سے منقول ہے کہ زمین گول ہے کیونکہ چاول سفید ہیں۔ مجھے بھی اس تجربہ مرزا سی کی بنا پر یہ خیال تھا کہ یہ لوگ ایسا کہیں گے اس لئے میں جب مولانا مرحوم کے جنازہ پر گیا تو آپ کے ملنے جلنے والوں سے دریافت کیا کہ مولانا مرحوم آخری وقت تک مرزا کے حق میں کیسے تھے۔ سب نے کہا مخالف۔ پھر میں نے تحریری ثبوت تلاش کیا تو وہ بھی مل گیا۔ مولانا مرحوم ایک مضمون تردید مرزا میں شائع کرنا چاہتے تھے اسی مضمون کی کاپیاں مل گئیں جو ابھی چھپی بھی نہیں۔ میں نے وہ کاپیاں اپنے قبضہ میں کر لیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرحوم آخر دم تک اسی دم خم پر رہے جس پر آپ ابتدائے مخالفت میں تھے۔ ہاں مولوی سرور شاہ سے ملنے کی خواہش والی روایت اگر صحیح ہے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ آپ مولوی سرور شاہ کو خام مرزا کی جان کر مرزا کی مذہب کی غلطیاں بتانا چاہتے ہونگے غالباً مولوی سرور شاہ کو قرینہ معلوم ہو گیا ہوگا اسی لئے وہ ملنے نہیں گئے۔

سوال: کیا ایڈیٹر الحکم ۲۸ فروری ۱۹۰۱ء کا اپنا پرچہ دیکھ کر ہمیں بتائے گا کہ رجوع والی پیش گوئی کیسے صادق ہوئی، اگر وہ نہ بتا سکے تو ہم ہی سے پوچھ گاتو ہم اس کو اس کا جواب سمجھادیں گے۔ آہ!

تھے دو گھڑی سے شیخ شیخ بھگارتے وہ ساری ان کی شیخی جھڑی دو گھڑی کے بعد

(فت روزہ اہل حدیث امرتسر ۹۔ اپریل ۱۹۲۰ء۔ ۱۸۔ رجب ۱۳۳۸ھ۔ ص ۱۱۲۔ ۱۱۱)

حضرت مولانا محمد حسین بٹالویؒ کی آخری تحریر جس ذکر مولانا امرتسریؒ نے کیا ہے ہمارے سامنے نہیں

ہے، تاہم مرزا قادیانی کے دورِ آخر اور اس کی موت کے بعد کی چند قادیانی اور بٹالوی تحریریں ہم یہاں نقل کئے دیتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ آخردم تک رد قادیانیت پر تحریری کام کرتے رہے۔

ذیل کی تحریر حضرت مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالویؒ کا ایک مکتوب گرامی ہے جو انہوں نے ایک ایسے شخص کو لکھا جو شاہجہان پور میں مرزائیوں کے پروپیگنڈے سے پریشان تھا۔ یہ خط شخہ ہند میرٹھ کے ۱۹۰۳ء کے ایک شمارے میں شائع ہوا تھا، جہاں سے ہم نقل کر رہے ہیں۔

محی سید صاحب! السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

۱۱ مئی (۱۹۰۳ء) کا محبت نامہ وصول ہوا۔ ۱۹۰۲ء سے میں مرزا کی ایسی ہی خبر لے رہا ہوں جیسی آگے خبر لیتا تھا۔ اور اس کو ایسا ہی گمراہ خارج از اسلام سمجھتا ہوں جیسا آگے سمجھتا تھا۔ جلد ۱۹ رسالہ اشاعت السنۃ کے کئی نمبروں میں اس کے رد میں کئی مضامین شائع کر چکا ہوں جو ۱۹۰۲-۱۹۰۳ء میں شائع ہوئے ہیں۔ اس جلد کی قیمت تین روپے ہے، مگرا ملاحظہ کریں۔ اگر قیمت نہ دے سکیں تو محصول ڈاک ۲۔ آنے، خرچ رجسٹری ۲۔ آنے، کھل چار آنے کے ٹکٹ ارسال کریں۔ بعد مطالعہ و کار براری جلد مذکور اسی طور پر واپس کر دیں۔ میرا یہ خط جس کو چاہیں دکھائیں۔ مجھے کوئی لحاظ کسی مرزائی کا نہیں ہے۔ ابوسعید محمد حسین بٹالوی مہتمم اشاعت السنۃ

(شخہ ہند میرٹھ۔ ضمیمہ ۲۲ جولائی۔ یکم اگست ۱۹۰۳ء۔ ص ۶۔ ۷)

براہین احمدیہ جلد پنجم مرزا قادیانی کی موت کے بعد ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی۔ اس میں حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ سے مرزا قادیانی کا نثری خطاب تو صفحہ ۲۶۴ سے شروع ہوتا ہے، اور صفحہ ۳۱۵ سے ۳۳۵ عربی نظم لکھی ہے جس کے چند اشعار یوں ہیں:

و لولا ثلاث فیک تغلی لجتتنی فمنهن جہل ثم کبر مثور

اور اگر تین خصلتیں تجھ میں جوش نہ مارتیں تو تو میری طرف آجاتا۔ ان میں سے ایک تو جہالت ہے اور دوسری تکبر جو جوش مار رہا ہے۔

و آخر اخلاقٍ یبیدک سمہا هو الخوف من قومٍ بحمقٍ تنفروا

اور تیسرا غلط جسکی زہرتجھ کو ہلاک کر رہی ہے وہ اس قوم سے خوف ہے جو بوجہ اپنی حماقت کے نفرت کرتے ہیں

فای غبی انت یا ابن تصلفِ تری ثمراتی کلہا تمّ تقصر

پس اے لاف و گزاف کے بیٹے! تو کیسا غبی ہے کہ میرے تمام پھلوں کو تو دیکھتا ہے اور پھر کوتاہی کرتا ہے۔

سیہدیک ربی بعد غیبی و شقوۃ و ذلک من و حیاتی اتانی فا خبر

عنقریب خدا تجھے گمراہی کے بعد ہدایت دیگا۔ اور یہ مجھے خدا تعالیٰ کی وحی سے معلوم ہوا ہے پس میں خبر کرتا ہوں

و نحن علمنا المنتہی من و لینا فقرت بہ عینی و کنت انکر

اور تیرا انجام کام مجھے اپنے دوست خدا تعالیٰ سے معلوم ہوا۔ پس اس سے میری آنکھ کو ٹھنڈک پہنچی اور میں یاد دلاتا رہا

و واللہ لا انسی زمان تعلق و لیس فؤادی مثل ارضٍ تحجر

اور بخدا میں تعلق کے زمانہ کو بھولتا نہیں۔ اور میرا دل ایسا نہیں جیسا کہ زمین پتھر لی ہوتی ہے۔

اری غیظ نفسی لا ثبات لعلیہ۔ ل موج من الرّجا فیعلوا و یحدر

اور میں اپنے غصہ کو دیکھتا ہوں کہ اسکو کچھ ثبات نہیں وہ دریا کی اس موج کی طرح ہے جو ایک دم میں چڑھتی اور اترتی ہے

و ان قلت مرآ فی کلام لطا لما رایت اذنی منکم و قلبی مکسر

اور اگر میں نے کسی کلام میں کچھ تلخ کہا ہے، تو میں ایک زمانہ دراز سے تم سے دکھا اٹھاتا رہا اور میرا دل چور چور ہے۔

و ما جئتکم الا من اللہ ذی العلی۔ و ما قلت الا کلما کنت او مر

اور میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں اور میں نے وہی کہا ہے جو خدا نے فرمایا ہے

فانا کتبا فی البراہین کله امور علیہا کنت من قبل تعثر

پس ہم نے یہ سب الہامات براہین احمدیہ میں لکھ دیئے ہیں یہ وہ امور ہیں جن پر تو پہلے سے اطلاع رکھتا ہے۔

و ان کنت از معت النضال تهوراً۔ فنأتی کما یأتی لصید غضنفر

اور اگر تو نے لڑنے کا ہی قصد کر لیا ہے تو ہم اس طرح آئیں گے جیسا کہ شکار کے لئے شیر آتا ہے۔

و انت تظنّ بی الظنون تعیظاً و انّی بریء من امورٍ تصوّر

اور تو اپنے غصہ سے کئی بدگمانیاں مجھ پر کرتا ہے اور میں ان باتوں سے پاک ہوں جو تیرے تصور میں ہیں۔



نزلت بحر الداردار مهيمن و تاللة انك لا ترانى و تهذر  
میں اپنے خدا کے گھر کی وسط میں داخل ہوں۔ اور بخدا تو مجھے دیکھتا نہیں اور یونہی بکواس کرتا ہے۔

انا الليث لا اخشى الحمير و صوتهم و كيف و هم صدى و للصيد اذ ر  
میں شیر ہوں اور گدھوں کی آواز سے نہیں ڈرتا اور کیونکر ڈروں وہ تو میرے شکار ہیں اور شکار کیلئے میں نعرے مارتا ہوں

تبصر و انّ العمر ليس بدائم - كلالنا و ان طال الزمان سيندر

آنکھ کھول کہ عمر ہمیشہ نہیں رہے گی۔ اور ہر ایک ہم میں سے اگر چہ زمانہ لمبا ہو جائے ایک دن مر جائے گا

فان كنت جو عان الهدى فتحرنا الا اننا نقرى الضيوف و ننحر

پس اگر تو ہدایت کا بھوکا ہے تو ہماری طرف قصد کر ہم مہمانوں کی دعوت کرتے ہیں اور ان کیلئے ذبح کرتے ہیں

اثر ت غباراً للاً ناس ليحسبوا و جودى مضلاً للورى و ليكفروا

تو نے لوگوں کے لئے ایک غبار اٹھایا، تا میرے وجود کو گمراہ کرنے والا خیال کریں اور منکر ہو جائیں۔

ابتغى بمكرك ذلتى و هلاكى فذ لك قصد لست فيه مظفر

کیا تو اپنے مکر کے ساتھ میری ذلت اور ہلاکت چاہتا ہے۔ پس یہ وہ قصد ہے جس میں تو کامیاب نہیں ہوگا۔

فدع اياها المجنون جهداً مضياً كمثل نخل باسق لا يبعك

پس اے دیوانے اس بے ہودہ کوشش کو جانے دے۔ میرے جیسی بلند کھجور کاٹی نہیں جائے گی۔

يسب و ما ادرى على ما تسبني اطلب ثاراً ثاراً جدمدم

تو مجھے گالیاں دیتا ہے اور میں نہیں جانتا کہ کیوں دیتا ہے کیا میں نے تیری کسی جد کا خون کیا ہے جس کا پاداش تو

لینا چاہتا ہے۔

وانت الذى قلبت كل جريمة على كانى شر ناس و افجر

اور تو تو وہ ہے جس نے تمام جرائم میرے پر لٹا دیئے گویا میں بدترین مخلوقات اور سب سے زیادہ بدکار ہوں

اغرتك دنياك الدنية زينة - حذار من الموت الذى هو يبدر

کیا تیری ذلیل نیانے تجھے مغرور کر دیا۔ اس موت سے ڈر جو یک دفعہ تیرے پر وارد ہوگی

وما كنت في ايداء نفسي مقصراً - تمنيت عند جدار نالو تسور  
اور تو نے میرے ایداء دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ تو نے میری دیوار کے پاس تمنا کی کہ تو دیوار سے جست کر کے چلا جاوے۔

وان كنت تزينا فنبغي لك الهدى - صبرنا وان تغرى العدا او تهتر  
اور اگر تو ہماری عیب جوئی کرتا ہے تو ہم تیرے لئے ہدایت چاہتے ہیں۔ اور ہم صبر کرتے ہیں اگر چہ تو دشمنوں کو ہم پر اسکاوے یا ہماری بے آبروئی کرے۔

تريد هوانى كل يومٍ و ليلةٍ و تبغى لوجہ مشرقٍ لو يغبر  
ہر ایک دن اور رات تو میری ذلت چاہتا ہے اور روشن منہ کے لئے تو چاہتا ہے کہ وہ غبار آلودہ ہو جائے  
وما كنت في ايداء نفسي مقصراً تمنيت عند جدار نالو تسور  
اور تو نے میرے ایداء دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ تو نے میری دیوار کے پاس تمنا کی کہ تو دیوار سے جسے لگا کر چلا جاوے۔

و واللہ ان اجعل عليك مسلطاً فان يدى عما يجازيك تقصر  
اور بخدا اگر میں تیرے پر مسلط کیا جاؤں تو میرا ہاتھ تجھے سزا دینے سے قاصر رہے گا۔  
اتتنى امور منك قد شقّ وقعها على ولا كالسيف بل بهى ابهر  
بعض باتیں تیری میرے تک پہنچی ہیں جو میرے پر بہت گراں گذریں۔ نہ تلوار کی طرح، بلکہ کاٹنے میں اس سے بھی زیادہ۔

وان كنت تشتكى في مقالةٍ فما هو الا دون سيف تشهر  
اور اگر تو مجھ سے کسی کلام کے بارے میں رنجیدہ ہے تو وہ اس تلوار سے کمتر ہے جو تو کھینچ رہا ہے۔  
فلا تجز عن من كلمةٍ قلت ضعفها و انك للايذاء بالسوء تجهر  
پس ایسے کلمہ سے جزع مت کر جو اس سے دو چند تو کہہ چکا ہے۔ اور تو ایذا کے لئے کھلے کھلے طور پر ستاتا ہے  
ولا تبغ حرزات النفوس و هتكهم. و هل انت الا دودة يا مزور

اور تو برگزیدہ انسانوں کی موت اور پتک کا خواہاں نہ بن۔ اور تو کیا چیز ہے صرف ایک کیڑا۔ اے دروغ آراستہ کرنے والے۔

حسین د فاه القوم فی دشت کر بلا  
و کلمنی ظلماً حسین آخر  
ایک حسین وہ تھا جسکو دشمنوں نے کر بلا میں قتل کیا اور ایک وہ حسین ہے جس نے مجھ کو محض ظلم سے مجروح کیا۔  
ایا راشقی قد کنت تمدح منطقی و تثنی علیّ بالفیة و توقّر  
اے میرے پر تیر چلانے والے ایک زمانہ وہ تھا جو تو میری باتوں کی تعریف کرتا تھا اور محبت کے ساتھ میری تعریف کرتا تھا اور میری عزت کرتا تھا

و لله درک حین قرطت مخلصاً کتابی و صرت لکل ضالٍ مخفر  
اور تو نے کیا خوب میری کتاب براہین کا اخلاص سے ریو لو لکھا تھا اور ہر ایک گمراہ کے لئے رہنما ہو گیا تھا  
قطعت و داداً قد غر سناہ فی الصبا۔ و لیس فؤادی فی الواد یقصر  
تو نے اس دوستی کو کاٹ دیا جسکا درخت ہم نے ایام کودگی میں لگایا تھا مگر میرے دل نے دوستی میں کوئی کوتاہی نہیں۔  
مرزا قادیانی کے ان عربی اشعار اور ان کے اردو ترجمہ سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ شیخ الاسلام محمد حسین بٹالویؒ تری دید قادیانیت میں لکھنا بند کر دے گا، اور مرزائی ہو جائے گا، وغیرہ وغیرہ، پوری نہیں ہوئی بلکہ مولانا بٹالویؒ دستور سابق قادیانیت کے بچھے ادھیڑتے رہے۔

ذیل کی تحریر حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ کا ایک مکتوب مفتوح ہے جو آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو مخاطب کر کے مئی ۱۹۰۷ء میں رقم فرمایا تھا۔ اس میں آپ نے مرزا قادیانی کی پیش گوئی متعلقہ طاعون پر بحث کی ہے، اور اس کی کتاب حقیقۃ الوحی اور اس کے آخری فیصلہ بحق مولانا ثناء اللہ و ڈاکٹر عبد الحکیم خان پٹیلوی پر ریو لویا ہے۔ نیز استفسار مشتہرہ الحکم مورخہ ۳۰۔ اپریل ۱۹۰۷ء و اعلان مندرجہ الحکم قادیان ۱۰ جون ۱۹۰۷ء متعلقہ طاعون کا جواب دیا ہے۔ (یکتوب اثنائۃ الہ جلہ صفحات ۳۵۷-۳۸۴ سے نقل کیا جا رہا ہے)

اس کتوب کا پس منظر یہ ہے کہ مرزا قادیانی کا ایک استفسار ان کے اخبار الحکم قادیان ۳۰۔ اپریل ۱۹۰۷ء میں شائع ہوا، تو اس کے جواب میں حضرت شیخ الاسلام مولانا بٹالویؒ نے ایک خط ۱۷ مئی ۱۹۰۷ء کو مرزا

غلام احمد قادیانی کو بذریعہ ڈاک ارسال کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ آپ نے جو ۳۰۔ اپریل کے الحکم میں ایک یہ اصول بیان کیا ہے کہ:

جیسے بادشاہوں کی رسم ہے کہ جب ان کا غصہ کسی شہر پر نازل ہوتا اور اس میں قتل عام کا حکم دیا جاتا ہے تو جس شخص کو سلطنت سے کوئی خاص تعلق ہوتا ہے اس کی جان و عیال و اطفال کی نسبت شاہی فرمان جاری ہوتا ہے کہ ان پر کوئی سپاہی حملہ نہ کرے۔ ویسے ہی خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ جب زمین پر غضب الہی نازل ہوتا ہے تو جس شخص کو خدا تعالیٰ سے خاص تعلق ہوتا ہے اس کی نسبت ملائکہ کو حکم ہوتا ہے کہ اس گھر کے محافظ رہیں (یہ غلط ہے۔ جب کسی قوم پر عذاب الہی نازل ہوتا ہے تو خدا کے مقبولوں اور صالحین کو بھی وہ عذاب دیا دی شامل ہوتا ہے۔ پھر آخرت میں صالحین کا حشر ان کی نیت کے مطابق صالحین کے ساتھ ہوتا ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ میں متفق علیہ حدیث، اور جن کو اس عذاب دیا دی سے خدا تعالیٰ کو بچانا منظور ہوتا ہے ان کو خدا تعالیٰ اس قوم اور ان کی بستیوں سے نکل جانے کا حکم دیتا ہے جیسے حضرت لوط کو حکم ہوا تھا۔ دیکھو سورہ حجر۔ ع ۵۔ محمد حسین)۔ پھر اس کے بعد یہ کہا ہے کہ یہی وجہ ہے کہ جب طاعون دنیا پر نازل ہوئی تو اس کے ابتدائی زمانہ میں مجھے (قادیانی کو) الہام ہوا کہ انی احافظ کل من فی الدار یعنی میں ہر ایک شخص کو، جو اس گھر کی چار دیواری میں ہے، طاعون سے بچاؤں گا۔ چنانچہ تقریباً گیارہ برس کا عرصہ ہوا ہے جب یہ الہام ہوا تھا اور اس مدت تک لاکھوں انسان اس دنیا سے شکار طاعون ہو کر مر گئے۔ لیکن ہمارے اس گھر میں اگر ایک کتابھی داخل ہوا تو طاعون سے محفوظ رہا۔

پھر اس کے بعد (مرزا قادیانی نے) استفسار کیا ہے کہ: یہ کس قدر عظیم الشان معجزہ ہے۔ چاہیے کہ ہمارے مخالف مسلمان اور آریہ اور عیسائی اس بات کا جواب دیں۔

(شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بناوٹی لکھتے ہیں کہ) اس کے جواب میں چونکہ آپ نے اپنے مخالف مسلمانوں کو بھی مخاطب کیا ہے اور اس خاکسار (محمد حسین) کو اپنے مخالفین کا سرگروہ کہا ہوا ہے، لہذا میں اس استفسار کا یہ جواب دیتا ہوں کہ اس میں جو کچھ آپ نے کہا ہے محض خلاف واقعہ اور بالکل غلط ہے۔ اس میں آپ نے یہ بتایا ہے کہ آپ کا کوئی پیرو جو آپ کی چار دیواری میں تھا، طاعون سے ہلاک نہیں ہوا۔ اور چار دیواری کی تشریح اپنی کشتی نوح صفحہ ۱۰۶ سطر ۶ وغیرہ میں روحانی چار دیواری سے کی اور یہ بات کہی ہوئی ہے:

اس جگہ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہی لوگ میرے گھر اندر ہیں جو میرے اس خاک و خشک کے گھر میں بود و باش

رکھتے ہیں بلکہ وہ بھی لوگ بھی ہیں جو میری پوری پیروی کرتے ہیں اور میرے روحانی گھر میں داخل ہیں۔

اس تشریح کے مطابق اور نیز اس تعمیم اور فضل و رحم عمیم کے رو سے (جو ایک رہگذر کتے، آپ کے گھر میں داخل ہونے والے کو، بھی شامل ہے) اس پیش گوئی کا راست ہونا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ آپ کے پیروان (میریدوں) سے ادنیٰ سے ادنیٰ کتے کا درجہ رکھنے والا بھی شکار طاعون نہ ہوتا۔ حالانکہ آپ کے بڑے بڑے مشنری (آپ کی رسالت کی تبلیغ

کرنیوالے اور آپ کے مذہب کو دنیا میں پھیلانے والے) اور دارالامان قادیان کے مہاجر (اپنے وطن کو چھوڑ کر وہاں ڈیرے جمانیوالے) شکار طاعون ہو چکے ہیں، جن کی تعداد بہت ہے۔ مگر ہم سر دست تین شخصوں کے، جو سینکڑوں مرزائی اشخاص کے لیڈر تھے، نام پیش کرتے ہیں۔ اول مولوی برہان الدین چہلمی جو مرزائیان علاقہ جہلم اور اس کے اطراف کا پیشوا تھا۔ دوم مولوی جمال الدین بافندہ ساکن سیدوالہ ضلع منگلمری (حال ساہیوال، پنجاب، پاکستان) جو اس علاقہ کے مرزائیوں کا پیشوا تھا۔ سوم محمد افضل سابق اڈیٹر البدر جو آپ کے مذہب کی خدمت اور اخبار کے ذریعہ دنیا میں اسکی اشاعت کرنے میں آپ کے ان اصحاب کبار اور ناسبان ذوی الاقتدار سے تھا جنکے ذریعہ آپ کے مذہب کو دنیا میں رواج ہوا ہے اور وہ خاص دارالامان قادیان کی چار دیواری ظاہری و خاکی میں ڈیرہ جمانے کا شرف بھی حاصل کر چکا تھا (انکے علاوہ لاہور میں حکیم فضل الہی، مرزا غلام احمد کا گویا ایجنٹ تھا اور اس کا گھر مرزائیوں کا ہیڈ کوارٹر یا ہٹل تھا۔ وہ بھی طاعون سے ہلاک ہوا۔ اور بڑی سختی و عذاب سے مرا۔ محمد حسین)۔ ان کی نسبت میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ لوگ آپ کی پیروی میں اس رہگذر کتے (جو اتفاقاً آپ کے گھر داخل ہو جائے) کے برابر بھی نہ تھے کہ وہ طاعون کا شکار ہو گئے اور خدا تعالیٰ کے فرشتے ان کو طاعون سے بچا کر اس حکم الہی کے کہ: اس گھر کے محافظ رہو۔، کار بند نہ ہوئے۔

اس سوال کے جواب میں اگر آپ یہ کہیں گے کہ وہ لوگ طاعون سے ہلاک نہیں ہوئے تو اگرچہ اس جواب کو وہ لوگ جو آپ کی کورانہ تقلید اور اندھا دھند میریدی میں پھنسے ہوئے ہیں اور اپنا دین و ایمان و عقل سب کچھ فروخت کر کے: اگر یا بم خریدارے، فروشم دین و ایمان را، کا مصداق ہو گئے۔ یا وہ لوگ جو دل سے تو آپ کے معتقد نہیں مگر روٹیوں کی خاطر آپ کی ہاں میں ہاں ملا کر مصداق: ایں شکل برائے اکل، ہو رہے ہیں اور وہ غریب آدمی ہونے کے بعد صد بار و پندے کے مالک بن گئے ہیں، مان جائیں گے۔ ولیکن جن لوگوں کو آپ سے اس قسم کے تعلقات نہیں وہ اصل واقعات و وفات ان تینوں حواریوں سے بخوبی واقف ہیں، یا نیوٹرل (غیر فدرار)

مقامی اشخاص کی شہادت سے واقف ہو سکتے ہیں، وہ اس جواب کو ہرگز تسلیم نہ کریں گے۔ بلکہ دام افتادہ مریدوں میں سے بھی جو صرف دھوکہ میں آکر آپ کی مریدی میں پھنسے ہوئے ہیں اور وہ خاص دارالامان قادیان میں رہتے ہیں اور محمد افضل کی طاعونی موت سے واقف ہیں اور برہان جہلمی اور جمال سید والوی کی کیفیت موت طاعون، جہلم و سید والہ پہنچ کر معلوم کر سکتے ہیں، بھی اس جواب کو تسلیم نہ کریں گے اور اگر کچھ فہم وحس رکھتے ہوں گے تو آپ کی تقلید و مریدی کے پھندے سے نکل جائیں گے۔

اور اگر آپ اس سوال کا یہ جواب دیں گے کہ جو لوگ میرے مریدوں میں سے مبتلاء طاعون ہوئے ہیں وہ میرے پورے پیروں تھے اور انہیں میں سے یہ تینوں یا ایک محمد افضل حواری بھی تھا، خدا تعالیٰ نے مجھے ان کے پورے پیرو ہونے اور کامل الایمان ہونے سے مطلع نہیں کیا (چنانچہ یہ بات ایک آرگن میں آپ نے اپنی طرف سے چھپوا دی ہے) اور ان کی نسبت آپ یہ کہہ دیں گے کہ وہ لوگ اگرچہ میری خاک کی چاردیواری میں کتے کی طرح کبھی کبھی داخل ہوتے تھے مگر وہ میری روحانی چاردیواری میں داخل نہ ہوئے تھے، تو اس جواب کو کوئی اہل بصیرت، صاف فہم و انصاف تسلیم نہ کرے گا اور اس پر تعجب سے ایک یہ سوال کرے گا کہ ایک رہ گزر کتا (جو اتفاق سے آپ کے گھر میں داخل ہو جائے) صرف اس وجہ سے کہ وہ آپ کے دارالامان کی خاک کی چاردیواری میں داخل ہو گیا تھا اس طاعون سے بچ جاوے اور ایک مہاجر دارالامان اڈیٹر الہمدراوردو آپ کے مشنری و واعظ (برہان و جمال) باوجودیکہ وہ اپنی عمر کا ایک حصہ آپ کے مشن میں صرف کر چکے تھے صرف اس وجہ سے کہ وہ ہنوز پورے پیروں تھے، کچھ کچھ رہے تھے، طاعون کا شکار ہو گئے۔ یہ بوالجہی نہیں تو اور کیا ہے؟

دوسرا یہ سوال کہ جب تک آپ پورے پیرو ہونے کا کوئی معیار مقرر نہ کریں گے جس سے سچے اور جھوٹے اور مخلص و منافق کی تمیز ہو سکے اس پیش گوئی کو اپنی صداقت کا نشانہ اور اپنے دعویٰ کی برہان کیوں کر بنا سکتے ہیں؟ ایسا کوئی معیار مقرر نہ ہوگا تو آپ ہر شخص کی نسبت، گو وہ آپ کے گرم جوش مریدوں اور جانثاروں سے ہوگا، جب وہ طاعون سے مرے گا، یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ میرا پورا پیروں تھا اور خدا تعالیٰ نے مجھے اسکا خلاص و ایمان سے مطلع نہ کیا تھا۔ مثلاً اگر حکیم امت مرزا سیہ نور دین خلیفہ اول، یا آپ کے مدینہ علم لدنی کے دروازہ اور آپ کے وکیل بالخصوص مولوی محمد احسن خلیفہ دوم یا آپ کے حامی جانثار اپنی خاندانی ریاست کو آپ پر قربان کرنے

والے خان محمد علی خان خلیفہ سوم، یا آپ کے خلیفہ چہارم عبدالکریم متونی (جو طاعون سے بڑھ کر کارنیکل کے زخموں سے ہلاک ہوئے) کے دو قائم مقام اڈیٹر ان الحکم والبدرد طاعون سے ہلاک ہو جائیں گے تو آپ ان کی نسبت بھی بڑی دلیری سے یہ کہہ دیں گے کہ یہ سب کے سب منافق تھے، دل سے میرے پورے پیرو نہ تھے۔ اور اس عذرو حیلہ سے آپ کسی مخلص و صادق مرید کے طاعون سے فوت ہو جانے سے بھی اس پیش گوئی کو جھوٹی نہ ہونے دیں گے۔ خاکسار نے ان باتوں کے آپ کی طرف سے پیش ہونے کی پیش گوئی اشاعت السنۃ جلد ۲۰ کے صفحہ ۱۸ و صفحہ ۳۸ میں کر دی ہوئی ہے۔ لہذا اب مناسب نہیں کہ آپ میرے دوسرے سوال کے جواب میں یہ بات کہیں۔ بلکہ مناسب ہے کہ پوری پوری کامعیار ایسا مقرر کر دیں جس پر یہ سوال وارد نہ ہو۔ اس خط کا جواب ایک ہفتہ تک نہ آیا تو اس خط کو شائع کیا جائے گا۔

اس خط کا جواب ۲۲ مئی ۱۹۰۷ء کو مرزا صاحب کی طرف سے ایک ڈیپوٹیشن (deputation) کے ذریعہ (محمد حسین بناوٹی کو) موصول ہوا جس کا خلاصہ اسی کے الفاظ سے نقل کیا جاتا ہے۔ مرزا صاحب نے لکھا:

مکرمی حضرت مولوی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد دعوات مخلصانہ۔

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ آپ جیسے اہل علم و فراست سے اگرچہ ایسا اعتراض بعید ہے، مگر پھر بھی سوچتا ہوں کہ یہ مقتضائے بشریت ہے اور میں اپنی نسبت بھی تجربہ رکھتا ہوں کہ جب تک ایک امر پر میرا علم محیط نہ ہو جائے اور جیسا کہ شرط ہے وسعت معلومات نہ ہو جائے تب تک ممکن ہے کہ ایک رائے ظاہر کرنے میں غلطی کروں۔ بجز اس حالت کے کہ خدا تعالیٰ اپنے الہام خاص سے مجھے غلطی سے بچالے۔ عزیز من! خدا تعالیٰ نے جو مجھے میرے خاص رفیقوں کی نسبت طاعون سے محفوظ رہنے کی خبر دی ہے وہ یہ الفاظ ہیں: ان الذین آمنوا ولم یلبسوا ایما نهم بظلم اولئک لهم الامن و هم مهتدون (آپ کے الہام میں ان کا لفظ ہوگا۔ قرآن مجید میں یہ الہام نازل ہوا ہے تو اس میں الذین ہے۔ مرزا صاحب نے یہ الہام قرآن سے چرایا تو سہی مگر لفظ قرآن کو بدل دیا۔ سچے عیب کرنے کو بھی ہنر چاہیے۔ محمد حسین) پس جو لوگ خدا کے علم میں ایسے ہیں بے شک وہ ان کو بچائے گا، غرض یہ پیش گوئی مشروط بشرط ہے اور اس بحث میں پڑنا گویا متشابہات میں دخل دینا ہے۔ رہی یہ پیش گوئی کہ انی احافظ کل من فی السدار اس میں کوئی شرط نہیں اور گیارہ سال سے اسکی صداقت ثابت ہو رہی ہے۔ اگر کوئی شخص اس کی تکذیب

کرے کہ یہ خدا کا کلام نہیں، انسان کا افتراء ہے اور یہ کہے کہ میں بھی دعویٰ کرتا ہوں کہ میں آئندہ سال معہ جمیع من فی الدار کے طاعون سے محفوظ رہوں گا تو وہ ہرگز محفوظ نہ رہے گا۔ اب معاف فرمادیں آپ کے خط کا جواب اتنا لکھنا پڑا۔ خاکسار غلام احمد

(شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بنا لوائی بتاتے ہیں کہ) اور اس خط کے ساتھ ایک کتاب حقیقۃ الوحی بھی (مرزا صاحب نے) بھیجی جس کا قادیانی اخباروں میں بڑا ذکر و چرچا ہو رہا ہے۔ اس خط کے جواب میں خاکسار محمد حسین نے یہ کھلی چٹھی لکھی ہے جو ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

بتالہ ۲۸ مئی ۱۹۰۷ء۔ مائی اولڈ فرینڈ کرشن آف قادیان:.....

۱۔ آپ کا خط ۲۲ مئی کو ایک ڈیپوٹیشن (دند) کے ذریعہ جس کے پریسڈنٹ مولوی محمد احسن امر وہی تھے، اور وہی کتاب حقیقۃ الوحی لے کر آئے تھے، پہنچا جس کا خلاصہ اوپر منقول ہو چکا ہے۔ اس خط کو میں نے دیکھا اور کتاب حقیقۃ الوحی کو بھی میں نے دودن لگا کر اپنے رسالہ کا کام چھوڑ کر غور سے پڑھا۔ اس سے پہلے آپ کا آخری فیصلہ بحق مولوی ثناء اللہ الحکم ۱۷۔ اپریل ۱۹۰۷ء بھی پڑھا۔ اور اس کے بعد وہ فیصلہ، اور فیصلہ بحق ڈاکٹر عبدالحکیم خان، ایک مستقل تحریر میں جو آپ کی بنگلوری پارٹی کی طرف سے شائع ہوئی ہے دیکھا، اور اس سے پہلے فیصلہ بحق ڈاکٹر ریو یو ماہ اگست ۱۹۰۶ء میں دیکھا تھا۔ مگر افسوس سے کہا جاتا ہے کہ میرے خط ۱۷ (۱۹۰۷ء) مئی کا جواب نہ آپ کے اس خط (۲۲ مئی) میں ہے، نہ کتاب حقیقۃ الوحی میں، نہ ان فیصلہ جات میں، بلکہ آپ کے اس خط نے میرے اعتراض کو اور پختہ کر دیا ہے۔

پہلی پیش گوئی کے الفاظ اور اس کی شرح سے آپ نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ مجھے علم نہیں کہ وہ لوگ جو میرے خاص رفیقوں سے طاعون سے فوت ہو گئے ہیں یا آئندہ فوت ہو جائیں گے، وہ طاعون سے کیوں فوت ہوئے ہیں؟ اور مجھے علم نہیں کہ کون شخص میرے مریدوں سے اس پیش گوئی کی شرط: عدم ظلم، کے مطابق اس طاعون سے بچے گا؟ کیونکہ اس پیش گوئی کی اس شرط کو کہ: جو لوگ اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو نہ ملادیں گے وہی اس طاعون سے بچیں گے۔

خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ یہ شرط کس شخص میں میرے خاص رفیقوں میں سے پائی جاتی ہے، جو ایسا ہوگا وہی بچے



گا۔ میں نہیں جانتا کہ کون ایسا ہوں۔ اور کون بچے گا؟ اور وہ لوگ جو مبتلاء طاعون ہو گئے کیوں نہ بچے؟ اور یہی جواب بعینہ میرے اعتراض کا محل تھا کہ پوری پیروی کا کوئی معیار مقرر نہ ہوگا تو آپ اپنے خلفاء ربیعہ کے طاعون سے فوت ہو جانے پر بھی عذر کر کے اس پیش گوئی کو جھوٹی نہ ہونے دیں، عبارت خط اول خاکسار اور اشاعت السنہ جلد ۲۰ کا صفحہ ۳۸۱ اور ۳۸۰ وغیرہ ملاحظہ ہو۔

اس اعتراض کے علاوہ اس سے بھی بڑھ کر اس تشریح و عذر پر دوسرا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ باوجود اظہار اعتراف اس امر کے کہ پہلی پیش گوئی متشابہات سے ہے، اس کو اپنے منکروں و مخالفوں کے مقابلہ میں اپنی تائید و تصدیق کے لئے کیوں پیش کیا؟ کیا کبھی کسی سچے ملہم یا نبی نے آیات متشابہات کو اپنے منکروں اور مخالفوں کے سامنے اپنی تائید و تصدیق کے لئے پیش کیا ہے؟ اور آپ کم سے کم کوئی ایک ہی مثال اس کی پیش کر سکتے ہیں؟

اس باب میں قرآن مجید کا تو یہ فیصلہ ہے کہ آیات متشابہات تو صرف مومنوں کے ایمان و تسلیم کی نظر سے نازل کی گئی ہیں جو متشابہات کو سن کر کہتے ہیں آ منا به کل من عند ربنا (شروع سورہ آل عمران ملاحظہ ہو)۔ لہذا آپ کا اس پیش گوئی کو متشابہات سے قرار دینا اور پھر اس کو اپنے منکروں و مخالفوں کے مقابلہ میں اپنے دعویٰ الہام کے ثبوت کے لئے پیش کرنا کیونکر جائز و مناسب ہو سکتا ہے۔ اور یہ کیوں افسوس کا محل نہ ہو۔ آپ تو بزعم خود و بحسب اعتراف خویش درسی علم نہیں رکھتے، صرف لدنی علم کے مدعی ہیں۔ زیادہ تر افسوس مولوی محمد احسن و حکیم نور الدین پر ہے کہ وہ کسی قدر ظاہری و درسی علم بھی رکھتے ہیں اور پھر آپ کی بے سرو پا باتوں کو مان کر یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ وہ پچھلا لکھا پڑھا سب بھول گئے اور جو پڑھا لکھا تھا نیا نے سو وہ ایک دم میں بھلا دیا، کے مصداق بن گئے ہیں۔ یہ خط میرے پاس مولوی محمد احسن صاحب خود لائے اور پھر وہ آپ کو نہ کہہ سکے کہ یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے۔

تیسرا اعتراض اس پر یہ وارد ہوتا ہے کہ پہلے آپ کے اشتہار متعلق طاعون فروری ۱۸۹۸ء (جو ماہنامہ اشاعت السنہ جلد ۲۰ کے صفحہ ۱۹ میں منقول ہے) میں اس پیش گوئی میں یہ شرط: عدم ظلم، مذکور نہیں۔ بلکہ اسکے برخلاف آوی القریۃ کہہ کر تمام گاؤں کو جو چوہڑے، چمار، ہندو، آریہ وغیرہ ظالمین ساکنین گاؤں کو بھی شامل

ہے، بچانے کا وعدہ دیا گیا ہے۔

اور دوسرے اشتہار ۲۲۔ اپریل ۱۸۹۸ء (جو ماہنامہ اشاعت السنۃ جلد ۲۰ کے صفحہ ۲۳ میں) اور تیسرے اشتہار ۱ مارچ ۱۹۰۶ء میں بھی اس شرط کا نام و نشان نہیں۔ بلکہ تیسرے اشتہار میں دس لاکھ کی آبادی والے شہر کو بچانے کا وعدہ کیا ہے جو یقیناً ہندوؤں وغیرہ ظالموں کو شامل ہے، مرزائی پارٹی کے مخلصوں سے مخصوص نہیں کیونکہ ان کی تعداد ہنوز دس لاکھ کو نہیں پہنچی۔

اور چوتھے اشتہار میں (جو صفحہ ۴۳ جلد ۲۰ ماہنامہ اشاعت السنۃ میں شائع ہوا ہے) نیز اس شرط کا ذکر نہیں ہے۔

اور پانچویں اشتہار (رسالہ دافع البلاء مصنف مرزا قادیانی) میں (جو صفحہ ۴۸ جلد ۲۰ ماہنامہ اشاعت السنۃ میں منقول ہے) تو آپ نے اس کے برخلاف ایسی توسیع کردی کہ تمام موضع قادیان کو صرف اپنے وجود کا تخت گاہ ہونیکے سبب طاعون سے ایسا پاک و محفوظ قرار دیا ہے کہ باہر سے طاعون زدہ آنے والے اشخاص کو بھی اس قادیان نے طاعون سے بچالیا ہے۔ کیونکہ وہ قادیان خدا کے رسول (مرزا) کا تخت گاہ تھا۔

(شیخ الاسلام مولانا حافظ محمد حسین ٹالوٹی فرماتے ہیں): الغرض چار برس تک یہ پیشگوئی بغیر قید شرط مذکور شائع ہوتی رہی۔ پھر جب خاص قادیان میں طاعون واقع ہونے سے یہ پیش گوئی جھوٹی ہونے لگی۔ تب پانچویں سال ۱۹۰۲ء پہلے تو آپ نے رسالہ دافع البلاء میں اس جھوٹ کو سچ بنانے کیلئے یہ بات بنائی اور اس پیش گوئی میں یہ قید لگائی کہ قادیان میں طاعون آئے گا تو وہ جارف یعنی جھاڑودینے والا اور کتوں کی طرح مارنے اور بربادی و بالکل تباہی والا نہ ہوگا۔

پھر اس بات کی نسبت آپ کو یہ سوچھی کہ چار برس سے اصل پیش گوئی کے بعد پانچویں سال ایسی قید لگانا صریح بناوٹ اور ہنسی کا محل ہوگا تو پھر اس سے چھٹے مہینے آپ کی چھٹی تحریر (کشتی نوح مصنف قادیانی) شائع ہوئی۔ تو اس میں آپ نے اس پیش گوئی میں کامل پیروی اور تقویٰ... کی قید لگا دی۔ اور اس پیش گوئی کی یہ تفسیر کی کہ: تو اور جو شخص تیرے گھر کی چار دیواری کے اندر ہوگا وہ مکمل پیروی اور اطاعت اور سچے تقویٰ سے تجھ میں محو ہو جائے گا وہ سب طاعون سے بچائے جائیں گے۔، اس وقت آپ کو یہ عربی الہام نہ سوچھا اور نہ کشتی نوح میں درج ہوا۔ پھر ۱۹۰۳ء میں آپ کی ساتویں تحریر رسالہ مواہب الرحمن (مصنف مرزا قادیانی) شائع ہوا، تو اس وقت بھی

آپ کے ملہم کو یہ الہام عربی یاد نہ آیا اور نہ وہ اس رسالہ میں درج ہوا۔ اور جب دس برس تک اس الہام کا آپ کی تحریرات متعلقہ پیش گوئی طاعون میں نام و نشان نہ پایا گیا، بلکہ برخلاف اسکے، اس پیش گوئی میں چار برس تک اطلاق عموم چلا آیا۔ پانچویں برس قیدیں لگانا شروع ہوا۔

دوسری پیش گوئی کو تو آپ کھلے الفاظ میں غیر مشروط بشرط بتا چکے ہیں جس کی وجہ سے ایک کتا آپ کے گھر میں داخل ہونے والا طاعون سے بچ سکتا ہے۔ اس تعیم نے بھی میرے اعتراض کو اور پختہ کر دیا ہے کہ کتا تو صرف آپ کے گھر میں اتفاقاً داخل ہونے سے بچ گیا، برہان الدین جہلمی اور جمال سیدوالی جو اس مقدس گھر میں بارہا داخل ہو کر اس بیت کے مصداق بن چکے تھے:

سگ درگاہ مرزا شوچو خواہی قرب یزدانی کہ بر شیراں شرف دارد سگ این درگاہ خاقانی  
 اور خاص اڈیٹر البدر (افضل) جو اس گھر کا حضوری کتا تھا اور بحکم مثل مشہور: سگ حضوری بہ از برادر  
 دوری، ہزاروں بلکہ لاکھوں آفاقی (بیرون جات کے) مرزائیوں سے افضل، گویا اسم با مسمی تھا۔ وہ تسلیم و اعتراف  
 خلیفہ ثانی مولوی محمد احسن پریڈنٹ ڈیپوٹیشن حامل کتاب آسمانی ﴿ہیۃ الوئی﴾ اسی طاعون سے وہ ہلاک ہوا ہے،  
 اس طاعون سے نہ بچ سکا۔ یہ بولجی نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا آپ کے بلاغرض طبع دنیاوی معتقد اس پر یہ شعر نہ  
 پڑھیں گے:

حسن زبصرہ بلال از حبش صہیب از روم ز خاک مکہ ابو جہل این چہ بولجی ست

میرے اعتراض خط اول کو تو آپ نے اپنے جواب سے ان وجوہات کی شہادتوں سے پختہ کیا۔ اس  
 خط کے اخیر میں جو آپ نے کہا ہے (گویا میرے اعتراض کا دوسرا جواب دیا ہے) کہ جو شخص ان پیش گوئیوں کو جھوٹا کہے اور  
 انسانی افتراء قرار دے، وہ بھی ایسی پیشگوئی کرے کہ میں آئندہ سال مع جمیع من فی الدار طاعون سے محفوظ  
 رہے گا۔ اس چیلنج میں آپ نے مجھے شامل کر لیا ہے، گواخیر میں اس پر معافی چاہی اور اس پر غدر بھی کر دیا۔ یہ  
 آپ کا پرانا ہتھیار اور وہ ہتھکنڈا ہے جس سے آپ نے ہزاروں سادہ لوح اور حتماء مخلوق خدا کو دام میں پھنسا  
 رکھا ہے۔ اس ہتھکنڈے کا جواب آپ کو ماہنامہ اشاعت السنہ میں بارہا دیا گیا ہے مگر آپ بڑے صاحب حوصلہ  
 ہیں، ایک بات کا جواب بارہا سن کر اس کا اعادہ کر دیتے ہیں۔ لیجئے آپ کی خاطر اور آپ کے دام سے لوگوں کو

چھڑانے کی غرض سے پھر کہا جاتا ہے۔

یہ بات آپ ان لوگوں کو کہہ سکتے ہیں جو آپ کے مقابلہ میں الہام کے مدعی ہوں اور وہ بالمقابلہ آپ کے حق میں پیش گوئیاں کر چکے ہوں۔ جو لوگ بجز انبیاء علیہم السلام کسی کے الہام کو نہیں مانتے اور اس کو حجت شرعی نہیں جانتے اور خود الہام کے مدعی نہیں ہیں ان کے مقابلہ میں یہ بات کہنا دہوکہ دہی اور ابلہ فریبی ہے۔ اور یہ کام راست باز اور صادق مہموں کا نہیں ہے۔ ملہم کجا، کسی ادنیٰ عقل مند صاحب حیا و شرم کا یہ کام نہیں کہ جس امر کا کوئی منکر ہو اسی امر میں اس سے معارضہ بالمثل کا مطالبہ کرے۔ مثلاً ایک شخص کیمیا گری کا منکر ہے اس کو کوئی عقل مند صاحب حیا کیمیا گراپنی کیمیا گری کے ثبوت کے لئے یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر تم میرے کیمیا گر ہونے کو نہیں مانتے تو تم کیمیا بنا کر دکھا دو۔

ایسا ہی وہ شخص جو خود الہام کا مدعی نہ ہو، اور دوسرے کے دعویٰ الہام یا پیش گوئی کو دروغ جانتا ہو، اس کو مدعی الہام یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے الہام کو تم نہیں مانتے تو تم بھی اپنا الہام سناؤ، اور الہامی پیش گوئی کر کے دکھاؤ۔ اس کے جواب میں اس کے الہام کا منکر یہی کہے گا کہ میں الہام و پیش گوئی کا مدعی ہی نہیں تو میں بالمقابلہ پیش گوئی کیوں کروں؟ کیا میں بھی تمہاری طرح جھوٹا اور مفتری علی اللہ بنوں؟ یا اپنی دلی اور خیالی باتوں اور حدیث النفس کو الہام الہی قرار دوں؟ اگر کسی ناعاقبت اندیش نے آپ کے مقابلہ میں ایسا کیا ہے اور کسی مسخرے زلی نے بطور تمسخر آپ کے مقابلہ میں کوئی الہام گھڑ کر شائع کیا ہے، یا کسی علوم دین قرآن و حدیث و اصول و کلام سے محض ناواقف نے اپنی حدیث النفس (خیالی بات) کو الہام سمجھ کر آپ کے مقابلہ میں پیش کیا ہے اور وہ اپنے خیالی الہام یا تمسخر میں صادق نہیں نکلا اور ناکام رہا، تو اس پر آپ دوسرے اشخاص کو جو علوم دین سے واقف ہیں اور خداداد عقل و فراست رکھتے ہیں، قیاس نہ کریں اور یہ طمع نہ رکھیں کہ وہ بھی اپنی حدیث النفس کو الہام سمجھ کر یا دیدہ دانستہ خدا تعالیٰ پر افتراء کر کے آپ جیسی پیش گوئی کر کے آپ کے پھندے میں پھنس جائیں گے۔ اور اس ہتھکنڈے کی زد میں آجائیں گے۔

اس ابلہ فریب جواب میں جو آپ نے خاکسار کو بھی شامل کیا ہے، یہ محل شکایت و افسوس کا ہے، مگر چونکہ آپ نے عذر کر کے معافی بھی مانگ لی ہے لہذا میں آپ کو معاف کرتا ہوں بشرطیکہ آئندہ مجھ سے یہ چال

اختیار نہ کریں بلکہ یہ چال ابلہ فریب بالکل چھوڑ دیں اور کسی سے بھی جو آپ کی مانند مدعی الہام نہ ہو معارضہ بالمثل کا مطالبہ نہ کریں۔

مدعی الہام سے آپ کی اس چال کو اس لئے جائز تسلیم کیا گیا ہے کہ مکے والے مشرک لوگ قرآن کو افتراء کہتے اور خود اس کی مثل بنانے کے مدعی بنتے اور یہ کہتے لو نشاء لقلنا مثل هذا۔ تو ان کے جواب میں ان کے مدعی ہونے کی وجہ سے کہا گیا قل فأتوا بعشر سور مثله مفتريات یعنی تم مدعی ہو اور ہمارے رسول کو مفتری کہتے ہو تم بھی دس ہی سورتیں ایسی ہی بناؤ لی لا کر دکھاؤ۔ اس سے وہ عاجز آ گئے تو کہا فأتوا بسورة من مثله ایسی ایک ہی سورت بنا لاؤ۔

یہ معارضہ بالمثل کے مطالبہ کا جواب ہے۔ اب اس دھمکی کا جواب دیا جاتا ہے جو بالمقابلہ پیش گوئی کر نیوالے کو آپ نے دی ہے اور یہ کہا ہے کہ جو ایسی پیش گوئی کرے گا وہ ایک سال میں مبتلاء طاعون ہو جائیگا وہ جواب یہ ہے کہ اس دھمکی سے کوئی احمق ڈر جائے تو ڈرے اور جنہم میں پڑے۔ خس کم جہاں پاک عقل مند تو ایسی دھمکیوں سے نہیں ڈرتے اور وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ دھمکی صرف گیڈر بھمکی ہے۔ آپ کی ایسی پیش گوئی و دھمکی آگے کون سی سچی ہوگی ہے؟ کیا عبداللہ آتھم، لیکھ رام، مرزا احمد بیگ، داماد احمد بیگ، عبدالحق غزنوی وغیرہ آپ کی دھمکی اور پیش گوئی کے مطابق مرے ہیں؟ نہیں نہیں، ہرگز نہیں۔ پہلے تین گومر چکے ہیں مگر وہ مضمون پیش گوئی کو جھوٹا کر کے مرے ہیں۔ اور آخری دو اب تک (یعنی ۱۹۰۷ء میں) زندہ ہیں۔ میرے اس جواب سے آپ کو اور آپ کے مریدوں مقلدوں کو جوش تو آئیگا، مگر وہ جوش تب لائق لحاظ ہوگا جبکہ آپ لوگ ہمارے ان مضامین اشاعت السنہ کا جن میں ان اشخاص کا آپ کی پیش گوئی کو جھوٹا کر نیکا بیان ہے، جواب دیں گے۔

یہ آپ کے اس خط کا جواب ہے اور میرے خط کے جواب میں اس کے ناکافی ہونے کا ثبوت ہے۔ اسی میں فیصلہ آخری مولوی ثناء اللہ صاحب اور فیصلہ بحق ڈاکٹر عبدالکیم خان صاحب پر ریو بوجھی ہو گیا کہ وہ فیصلے محض مغالطے ہیں اور انہی فیصلوں کے ہم رنگ و ہم سنگ ہیں جو پہلے مخاطبوں عبداللہ آتھم وغیرہ کے حق میں آپ کر چکے ہیں اور ان فیصلوں میں وہی اہمال و اجمال ہے جو پہلے فیصلوں میں تھا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کے حق میں یہ الفاظ کہ اے خدا میری زندگی میں اس کو طاعون و ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے نابود کر، نہایت مہمل

ہے۔ نہ اس میں کوئی متعین میعاد ہے، نہ سبب خاص مرض الموت بیان ہوا، اور ایک کی زندگی میں دوسرے کا فوت ہو جانا قطعاً اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ وہ کاذب تھا اور زندہ صادق ہے۔ بہت سے صادقین گذر چکے ہیں (جیسے آنحضرت ﷺ اور بہت سے انبیاء بنی اسرائیل) جو کاذبوں کی زندگی میں بلکہ بعض صادق، کاذبوں کے ہاتھ سے فوت ہوئے۔ پھر کیا کوئی مسلمان، ان انبیاء کو صادق جاننے والا، یہ سمجھ سکتا ہے کہ فوت ہو جانے والے کاذب تھے اور زندہ رہنے والے صادق تھے نہیں نہیں، ہرگز نہیں۔ آپ بھی اس بات کو جانتے تھے اور اشاعت السنہ کے صفحہ ۱۱۳ تا ۱۲۲ تک ان نظائر کو دیکھ چکے تھے پھر آپ نے موت مخالف کو نشان صداقت خود ٹھہرایا ہے، تو صرف اس خیال سے کہ اشاعت السنہ کو میرے مرید کب دیکھتے ہیں کہ میرے اس دعویٰ نشان نمائی پر مجھے جھوٹا کریں گے اور اس دعویٰ کے بعد اگر میں ان مخالفوں کی زندگی میں مر گیا تو میری ٹانگ کو کس نے پکڑنا ہے اور میری لاش کو کس نے ہلا کر کہنا ہے کہ تو کیوں مر گیا؟ اور اگر بحسب اتفاق و حکم قضا و قدر میرا مخالف ہی کسی مہلک بیماری سے، جو ایک عام و معمولی امر ہے، نہ غیر معمولی و خارق عادت و معجزہ، تو میری پانچوں گھی میں ہیں۔

ڈاکٹر عبدالحکیم خان کے متعلق تو آپ کی پیش گوئی نہایت ہی مہمل و مجمل ہے اور اس میں ان کی موت کا کچھ بھی ذکر نہیں۔ اس کے الفاظ صرف یہ ہیں: خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں اور ان پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ فرشتوں کی کھینچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے۔ تو نے وقت نہ پہچانا نہ دیکھا نہ جانا۔ جس کا مطلب دوطن قائل ہے۔ اس واسطے اس پر آپ نے حاشیے چڑھا کر مطلب بتایا ہے جو ریو یو آف ریلی جنر ماہ اگست ۱۹۰۶ء اور اشتہار بنگلور میں بیان ہوا ہے۔ مگر پھر بھی مطلب صاف ظاہر نہ ہوا۔ ان میں ان کی موت اور اس کے سبب کی نسبت اتنا بھی ایما نہیں ہے جیسا کہ موت مولوی ثناء اللہ صاحب کی بابت ہے۔ ان کے فیصلہ کے متعلق جو اشتہار مطبوعہ بنگلور میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ: انکے اعتقاد میں اعتقاد اسلام اور آنحضرت ﷺ پر ایمان لانا شرط نجات نہیں، اسلام کا منکر اور آنحضرت ﷺ کا دشمن بھی اگر توحید پر قائم ہے، نجات پاسکتا ہے۔

اس کو ڈاکٹر (عبدالحکیم) صاحب نے نحض دروغ قرار دیا ہے۔ اور اخبار وطن میں مشتہر کر دیا ہے کہ میں نے ایسا ہرگز نہیں کہا۔ اصل عبارت ڈاکٹر (عبدالحکیم) صاحب کی اخبار وطن ۷ مئی ۱۹۰۷ء میں یہ ہے:

میرا یہ خیال ہرگز نہیں۔ میرے وہ الفاظ بتا دیں جن میں ایسا ظاہر کیا ہے۔ بلکہ میں نے تو یہ لکھا تھا کہ جو لوگ عمداً آنحضرت ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں وہ بے شک شقی و جہنمی ہیں۔ مگر جن پر آپ ﷺ کی تبلیغ نہیں ہوئی ان میں جو خدا پرست اور باعمل ہوں، نجات پاسکتے ہیں۔ جس پر مجھے مرتد کہا گیا۔ اب آپ ہی مرزا صاحب اور مرزائیوں نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ بے خبر کو خدا عذاب نہیں کرتا خواہ وہ مشرک و ظالم ہی کیوں نہ ہو۔ گویا کہ خدا کا ماننا اور عمل صالح تو ارتداد میں شامل ہوئے اور ظلم و شرک نجات میں۔

(وطن نمبر ۹ جلد ۷ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

اور جو ان (عبدالحکیم) کی نسبت اسی فیصلہ میں یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے یہ پیش گوئی کر دی ہے کہ مرزا تین سال کے عرصہ میں فنا ہو جائیگا۔ اگر واقعی انہوں نے یہ بات کہی ہے جو ان سے نقل کی گئی ہے تو اسکی نسبت ہمارا ریویو ہو چکا ہے کہ یہ ان کی اصول اسلام اور حکم الہام سے ناواقفی ہے۔ وہ اپنی خیالی بات اور حدیث انفس کو وحی الہی سمجھنے سے غلطی کھا گئے ہیں۔ ایسا ہی اس کہنے میں کہ: کاذب صادق کے سامنے ہلاک ہوگا۔، ان کو دھوکہ لگا ہے۔ مناسب ہے کہ وہ اس دعویٰ سے رجوع کا اشتہار دیں۔ اور اس قسم کی پیش گوئی کسی کے حق میں نہ کریں۔

ہمارے اس بیان میں جو اب خط بھی ادا ہوا اور آپ کے فیصلوں کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ اب آپکی کتاب حقیقۃ الوحی کی حقیقت بیان کی جاتی ہے۔ اور اس پر رائے زنی عمل میں آتی ہے۔

یہ کتاب (حقیقۃ الوحی) جس وقت میرے سامنے پیش ہوئی، میں نے اسی وقت قبل از مطالعہ اس کی نسبت خدا وافر است سے (جس کے آپ بھی اپنے خط میں معترف ہوئے ہیں) اور آپ کی مدت العمری حالت پر قیاس کرنے سے یہ رائے ظاہر کر دی تھی (جس کے اظہار سے آپ کے ڈیپوٹیشن کے ایک ممبر اور آپ کے خیالات والہامات کے آرگن احکم کے اڈیٹر مجھے روکتے بھی رہے) کہ اس کتاب میں وہی پرانی باتیں ہوں گی جو براہین احمدیہ، ازالہ اوہام، دافع الوسوس، انجام آتھم وغیرہ تصانیف میں پائی جاتی ہیں۔ اس بات کو دبی زبان سے پریسیڈنٹ ڈیپوٹیشن مولوی محمد احسن نے مان لیا اور یہ کہا تھا کہ: ہاں وہی باتیں،

پھر جب میں نے اس کو پڑھا تو میرا وہ ریویو جو فراست و قیاس سے کیا تھا، صحیح نکلا اور معلوم ہوا کہ اس کتاب کو نئی صورت میں نئے نام سے شائع کرنا صرف ناواقف لوگوں کو دھوکہ دینا ہے اور اس کتاب میں:

اکثر وہی اکاذیب، وہی مغالطات، وہی دعاوی فارغہ، وہی دلائل واپہیہ ہیں، اور وہی نشانات بعینہا و بالفاظہا مذکور ہیں جو پہلے کتب و رسائل مرزائیں پائے جاتے ہیں۔ اور کمتر (وہ ہیں) جو دوسری صورت اور دوسرے الفاظ و پیرائے میں وارد کئے ہیں وہ بھی باصلہ و بنظیرہ ان کتابوں میں موجود ہیں اور ان کا جواب بھی ماہنامہ اشاعت السنہ میں جلد ۱۳ سے ۲۰ تک ادا ہو چکا ہے۔

اس کی مثالیں آپ کے یہ دعوے و بیانات و نشانات ہیں کہ میری دعا یا مہابلہ یا پیش گوئی یا مخالفت کے اثر سے الہی بخش مصنف عصائے موسیٰ، منشی سعد اللہ لدھیانوی، مولوی عبدالجبار دہلوی، مولوی رسل بابا امرتسری، مولوی غلام دستگیر قصوری، مولوی ابوالحسن سیالکوٹی، مولوی زین العابدین مدرس عربی مدرسہ حمایت اسلام۔ امریکن الیگزینڈر ڈوئی وغیرہ وغیرہ فوت ہو گئے ہیں، اور میں (مرزا) اب تک اپنے دعویٰ الہام کے ساتھ زندہ ہوں، اور میرے مال دولت اور جماعت میں ترقی ہے۔ میں اس دعویٰ میں جھوٹا اور مخالف انکار میں سچے ہوتے تو میں ان کے سامنے مر جاتا، وہ میرے سامنے نہ مرتے۔ ان کا جواب اشاعت السنہ سنین گذشتہ میں ادا ہو چکا ہے کہ موت و حیات محق و مبطل ہونے کی دلیل نہیں، اور نہ مال و دولت و قلت و کثرت و دنیاوی ترقی و تنزل، بیماری و صحت، دلیل حقانیت و بطلان ہے۔ اور آپ کی دعا بد یا مخالفت میں کچھ اثر ہے تو بہت سے آپ کے مخالف جو پانی پی پی کر آپ کو کوستے ہیں، اب تک کیوں زندہ اور بٹے کئے دندناتے ہیں؟ اور آپ کی دعا خیر میں کچھ اثر ہے تو جن لوگوں سے آپ پانچ سو روپے فیس لیکر دعا کر چکے ہیں وہ اس اثر سے اب تک کیوں محروم ہیں؟ اور آپ کے مہابلہ میں کچھ اثر ہے تو صوفی عبدالحق کیوں اب تک زندہ ہیں اور اپنے حال میں خوش و خرم ہیں؟ جن نئے لوگوں کے اس کتاب میں آپ نے نام گن سنائے ہیں ان میں سے تو ایک بھی ایسا نہیں ہوا جس نے آپ سے مہابلہ کیا ہو۔ آپ اور آپ کے آرگن ریویو آف ریلی جنز، الحکم اور البدر، خدا تعالیٰ کا اور مواخذہ و اعتراض دنیا کا خوف اٹھا کر، برخلاف واقعہ ان لوگوں کی موت کو آپ کے مہابلہ کا اثر ٹھہراتے ہیں۔

اس جواب کی تفصیل اشاعت السنہ کی مذکورہ جلدوں میں موجود ہے۔ جس کو سبھی جلدیں میسر نہ ہوں وہ صرف جلد ۱۹ کو صفحہ ۱۱۶ سے ۱۳۲ تک اور جلد ۲۰ کو صفحہ ۱۱۲ سے ۱۴۰ تک ملاحظہ کرے۔ جلد ۱۹ کے صفحہ ۱۱ میں مرزا صاحب کی اس نیرنگی کو فروغ تیلی سے (جو ایک ہی تیل کو ایک مشکیزہ سے، اس کو مختلف ٹوٹیاں، لگا کر، نکال دیا کرتا تھا) تشبیہ دے کر



یہ ثابت کر دیا ہے کہ جو باتیں اس نے ۱۹۰۰ء میں کہی تھیں، وہی باتیں ۱۸۹۱ء میں کہی تھیں، جن کا جواب اس کو مل چکا ہے۔ اب وہی باتیں ۱۹۰۷ء میں کہی ہیں۔

اس مقام میں ایک اور جواب بھی پیش کیا جاتا ہے کہ اگر اس بات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ ان لوگوں کی موت آپ کی دعاء یا مبالغہ کا اثر ہے، تو اس سے آپ کے دعویٰ کے برخلاف یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ مثیل مسیح ہونے کے دعویٰ میں صادق نہیں، بلکہ آپ جیسا خونِ سفاک تو کسی نبی مصلح (رفیقارمر) کا نظیر و مثیل نہیں ہو سکتا۔ نبی تو خیر خواہ دشمنان ہوتے ہیں، دشمن ان کو مارتے تو وہ ان کیلئے دعا کرتے۔ ایک نبی کو قوم نے ایسا مارا کہ وہ خون آلودہ ہو گئے۔ آپ ﷺ چہرہ سے خون پونچھتے اور یہ دعا مانگتے اللھم اغفر لقومی فانہم لا یعلمون ہمارے مولیٰ و سید خاتم الرسل مکہ والوں سے مایوس ہو کر طائف پہنچے۔ جب طائف گئے کفار بجا اور وہاں کے سفہاء بد کردار نے آپ کو ہنسی میں اوڑا کر دیوار میں دھکیل کر طائف سے نکال دیا تو آپ کو اس غم و الم سے مقام قرن الثعالب میں پہنچ کر غم سے ہوش و افاقہ ہوا تو آپ کی تسلی و دل جوئی کیلئے خدا تعالیٰ نے حضرت اسرافیل کے ساتھ ایک فرشتہ ملک الجبال کو بھیجا، انہوں نے خدا کا سلام فرخندہ انجام، فرحت و عزت التیام پہنچا کر عرض کیا کہ آپ کی تنگی دل، غم و الم کو دیکھ کر خدا نے ملک الجبال کو بھیجا ہے، آپ حکم دیں تو یہ جبل بوئیس اور اس کے ساتھ والا پہاڑ زمین سے اکھاڑ کر ان کے سروں پر رکھ کر ان کو پکچل ڈالے۔ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا لا یارب۔ اے خدا میں ایسا نہیں چاہتا۔ ان لوگوں میں کوئی تو ایسا بھی نکلے گا جو لا الہ الا اللہ کہے گا اور تیری عبادت کرے گا۔

اور حضرت مسیح تو ایسے رحم مجسم تھے کہ وہ فوت ہو جانے کے بعد روز قیامت بھی اپنے مخالفوں کے لئے، جنہوں نے ان کی دعوت و نصیحت کے مخالف ہو کر ان کی پرستش کی ہے، دعا مغفرت ہی کریں گے۔ اور یہ کہیں گے: ان تعدد بہم فانہم عبادک و ان تغفر لہم فانک انت العزیز الحکیم (اے خدا تعالیٰ اگر تو میری نصیحت کی مخالفت کرنے والوں کو عذاب کرے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر معاف ہی کر دے تو تو غالب حکمت والا ہے)، ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کافروں، نافرمان برداروں کے لئے دعا مغفرت کی تھی۔ رب انہم اضللن کثیراً من... فمن تبعنی فانہ منی و من عصانی فانک غفور رحیم۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے سرکش مخالفین کے لئے بددعا کی تھی تو وہ ایک مدت دراز کے بعد، جب ان کو ان کی ہدایت سے ناامیدی ہو گئی تھی اور خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی ہو چکی تھی کہ اب وہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ و اوحی الی نوح انه لن یومن من قومك الا من قد آمن (ہود۔ ع ۴) پہلے تو وہ حضرات بھی قوم کو مدتوں وعظ کرتے رہے اور ان کی سختیاں سہارتے رہے اور گالیاں بدگوئیاں سنتے رہے۔ آپ (مرزا) نے تو نبوت کا چارج (عہدہ) لیتے ہی، پہلے ہی صحیفہ آسمانی کے نازل ہوتے ہی، اپنی قوم کو، جن کی ہدایت کے واسطے آپ مبعوث ہوئے تھے، کو سنا اور مارنا شروع کر دیا تھا۔ پھر آپ مثیل مسیح کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ یا کسی نبی اور مصلح کے ماشل کیونکر بن سکتے ہیں؟ اگر صرف نام کے مسیح ہونے کا دعویٰ ہے تو اس نام کے مسیح کے ساتھ لفظ خونی بڑھادینا اور خونی مسیح کہلانا مناسب ہے کیونکہ جو کوئی آپ کا مخالف ہو اس کے مارنے کو اپنی تبلیغ رسالت اور اس کے اظہار مخالفت سے پہلے ہی اس کو مارنے کے ہتھیار، بددعائیں اور منذر الہام خدا کی طرف سے، آپ ساتھ لائے ہیں۔ پھر جو شخص سینکڑوں مخالفوں سے مر جاتا ہے، اس کو اپنے ہی الہام، دعا کا اثر اور اپنی کرامت، آسمانی نشان قرار دیتے ہیں اور جو مخالفوں سے ہنوز زندہ ہیں ان کو منذر الہامات اور اندازی پیش گوئیوں کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ لہذا لقب مسیح بلا اضافہ لفظ خونی آپ کی قہاری شان کے شایان نہیں۔

اومائی اولڈ فرینڈ! (O My Old Friend) آپ کے اس قسم کے الہامات اہل عقل کی نظروں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ آپ ان سے کس کو ڈراتے ہیں۔ آپ کی ان خونریزیوں اور خون ریزی کی دھمکیوں کے متعلق ایک اور یہ بات بھی آپ کی توجہ و انصاف کے لائق ہے کہ آپ کے دعویٰ الہام و مسیحانیت وغیرہ کے منکر و مخالف سارے جہان میں سبھی لوگ تو ایسے نہیں جو دیدہ دانستہ، جحداً و عناداً انکار کرتے ہوں۔ بلکہ ان میں بہت ایسے بھی ہوں گے جو آپ کے دعویٰ و الہامات کو صحیح نہ سمجھنے اور ان پر حااطہ علمی نہ کرنے کی وجہ سے ان سے منکر ہوں گے۔ انہیں لوگوں سے آپ نے اس خاکسار کو شمار کیا، چنانچہ اس خط ۲۲ مئی ۱۹۰۷ء میں مجھ پر اسی نیک گمانی کا اظہار فرمایا ہے۔ اور میں حلفاً کہتا ہوں اور جس قسم کی حلف اور جس وقت جس دن جس مقام میں آپ چاہیں، میں اٹھانے کو تیار ہوں، کہ میں نے ابتداء سے آج تک آپ کا مقابلہ و معارضہ جحداً و عناداً نہیں کیا، بلکہ آپ کے دعویٰ جدیدہ اور ان کے دلائل مزخرفہ کو، جس کا شروع رسالہ فتح اسلام سے ہوا

ہے، اصول و عقائد اسلام کے مخالف سمجھ کر ان سے انکار کیا ہے۔

پھر ایسے لوگوں کے جواب میں، جب وہ آپ سے آپ کے دعاوی کی دلیل اور آپ کے الہامات کا ثبوت طلب کریں، آپ کا یہ کہنا کہ تم میرے الہامات کو نہیں مانتے، انفرء سمجھتے ہو تو تم قسم کھاؤ اور مبالغہ کرو، پھر تم ایک سال تک ہلاک کئے جاؤ گے، مدعی ممالکت حضرت مسیح یا کسی سچے ملہم اور ہادی کیلئے کب جائز و مناسب ہے؟ وہ ہلاک ہو گئے تو آپ سے ہدایت کون پائیں گے اور آپ کی بعثت اور نبوت کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ ایسے لوگوں، غیر معاندوں اور طالبان حق کو تو بحث و دلائل سے اپنے دعاوی سمجھانے مناسب ہیں اور اگر آپ میں روحانی اور برقی طاقت ہے تو انکی ہدایت روحانی برقی طاقت کی دعائے سحری سے مناسب ہے، نہ خون ریزی اور خون ریزی کی دھمکیوں سے۔

آپ کو مناسب تھا کہ ہماری باتوں اور سوالات کا جواب دیتے، نہ یہ کہ بلا جواب پرانی باتوں پر اکتفا کرتے۔ گزشتہ راصلوہ آپ آئندہ ہی مرد میدان بنیں اور جن پیش گوئیوں و نشانات کی تعداد آپ کبھی تین ہزار، کبھی تین لاکھ بتاتے ہیں، ان میں سے صرف تین جو بہت مشہور ہیں:

۱۔ تولید الہامی فرزند۔ ۲۔ نکاح زوجہ آسمانی۔ ۳۔ موت آتھم یا لیکھ رام یا شوہر ثانی زوجہ آسمانی۔

یا ان میں سے صرف ایک جس پر زیادہ یقین و اعتماد ہو، پر تحریری یا تقریری بحث کر کے ان کا صادق ہونا ثابت کر دیں۔ اگر آپ نے اس ایک یا تین کا من جانب اللہ ہونا اور کلام الہی سے اپنا مخاطب اور خدا تعالیٰ کا متکلم ہونا ثابت نہ کیا تو اس پر باقی تین ہزار یا تین لاکھ کا قیاس کر کے ان کا کمان لم یکن ہونا آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور اگر ان تینوں کا من جانب اللہ ہونا آپ نے ثابت کر دیا تو پھر باقی تین ہزار یا تین لاکھ میں ایک ایک کر کے بحث و مباحثہ کرنا پڑے گا۔ یہاں تک کہ جملہ پیش گوئیوں اور نشانات کا من جانب اللہ ہونا آپ ثابت کر دیں۔ کیونکہ اہل اسلام کے نزدیک مسلم و مقرر ہے کہ کسی سچے نبی یا ملہم کی، جو ہزاروں لاکھوں پیش گوئیوں کے من جانب اللہ ہونے کا دعویٰ کرے، کوئی ایک پیش گوئی جھوٹی نکلے تو وہ دعویٰ نبوت میں جھوٹا سمجھا جائے گا اور اس کی نبوت کا بالکل اعتبار نہ رہے گا۔

مگر مشکل اور سخت مصیبت تو یہ ہے کہ زمانہ تالیف کتاب دافع الوسوس سے یہ الہام اس میں درج

کر کے یا علی دعہم و ذرا عتہم و انصارہم یعنی اے علی (اپنی ذات اقدس کو مراد بتاتے ہیں) ان کی کھیتی اور مددگاروں کو (یعنی مولویوں اور ان کے مباحث کو) چھوڑ دے، مباحثہ کا دروازہ بند کر دیا ہے (گویہ بند کرنا صرف زبانی اور تقریری بحث میں ہے۔ تقریری بحث تو آپ کو بند نہیں ہوئی۔ اپنی اس کتاب ھقیقۃ الوبی کو دیکھیں، تقریری بحث ہی پر مشتمل ہے) اور زمانہ قدیم سے اپنے دعاوی کے ثبوت کے لئے آپ نے اسی ایک دلیل کو پناہ یا ہتھیار بنا رکھا ہے کہ: میرے نشانات کی نسبت قسم یا مبالغہ سے کہو کہ خدا کا کلام نہیں، محض افتراء ہے تو پھر ایک سال کے اندر ہلاک ہو۔

اس صورت میں فرمائیے آپ کے دعاوی کی صداقت آپ کے ان مخالفوں و منکروں پر جو معاند نہیں، کیوں کر ثابت و متحقق ہو۔ حسبہ للہ و نصحاء لخلق اللہ آپ اس سوال کا جواب ضرور دیں۔ آپ نہ دے سکیں تو اپنی امت کے حکیم مولوی نور الدین صاحب بہادر، یا اپنے وکیل بالخصوص و مناظر مولوی محمد احسن صاحب بہادر سے جواب دلوائیں۔

ایک واجب العرض گذارش یہ ہے کہ آپ کے غیر معاند خصوم سے آپ کے اس سوال کا کہ: میرے الہامات کو خدا کی طرف سے نہیں مانتے تو اس کے افتراء علی اللہ ہونے پر قسم کھاؤ اور موت کی سزا پاؤ۔ بے محل و نامناسب ہونا تو بیان ہو ہی چکا ہے۔ رہے وہ منکر و مخالف جو جحوداً و عناداً آپ کے دعاوی کو حق جان کر اور آپ کے الہامات کو من جانب اللہ مان کر ان سے انکار کرتے ہیں اور وہ ان فرعونی لوگوں کی مانند ہیں جن کے حق میں قرآن میں فرمایا ہے کہ: و جحدوا بہا و استیقنتھا انفسہم ظلماً و علواً انہوں نے روشن نشانی لاٹھی کا سانپ بن جانے کے من جانب اللہ ہونے کا یقین کر کے عناداً و جحوداً اس سے انکار کیا تھا۔ ان کی نسبت بھی اگر آپ مسیح علیہ السلام کی مثال ہیں، قسم کھا کر ہلاک ہو جانے کو نشان نہ بنائیں بلکہ ان کے لئے بھی وہی دعا کریں کہ خدا ان کا عناد و جحود دور کرے اور ان کو آپ کا مطیع کر دے۔

ان دونوں فریق کی نسبت یہ گذارش بھی بطور سفارش واجب العرض ہے کہ جو شخص آپ کے الہامات کو من جانب اللہ نہ مانے، محقق ہو معاند، اس کو یہ لازم نہیں کہ وہ آپ کو مفتری علی اللہ ہی قرار دے۔ کیا یہ جائز نہیں ہے کہ وہ آپ کے مقالات و الہامات کی نسبت یہ خیال رکھتا ہو کہ وہ آپ کے دل و دماغ کے خیالات ہیں

اور از قسم حدیث النفس۔ مگر چونکہ آپ ظاہر اُدرسی علوم سے امی ہیں اور فقراء اہل اللہ کی صحبت و ارشاد سے بھی محروم رہے ہیں۔ اور ان کے حالات متعلقات کشف و الہام سن سنا کر یا کتب میں دیکھ کر اس قسم کے بلکہ اس سے بڑھ کر آپ کے دل میں اور آپ کے دماغ میں پیدا ہوئے ہیں، ان کو آپ الہامات سمجھ لیتے ہیں۔ پس جس شخص کا آپ کی نسبت یہ خیال ہو وہ آپ کے مقالات و الہامات کو خدا کی طرف سے نہ مانے تو پھر اس کو عمداً افتراء علی اللہ بھی کیوں کر کہہ سکتے ہیں۔ لہذا اس سوال کو آپ حل کریں۔

یہ آپ کی کتاب حقیقۃ الوحی پر خاکسار کا مختصر ریویو ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ آپ کے قدیمہ مغالطات کا مجموعہ ہے گو فروغ تیلی کی طرح آپ نے اس کو بصورت دیگر پیش کیا ہے۔ الراتم۔ محمد حسین

مرزا غلام احمد قادیانی کی موت کے بعد ماہنامہ اشاعت السنہ جلد ۲۲ کے صفحات ۴ تا ۱۵۶ پر آسمانی مہدی اور اس کا رفیق کے عنوان سے شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ کا ایک طویل مقالہ شائع ہوا۔ ذیل میں اس کا ابتدائی حصہ نقل کیا جاتا ہے۔ مولانا بٹالویؒ بتاتے ہیں کہ:

اس مضمون میں ہم کو آسمانی مسیح اور اس کے رفیق مہدی کی نسبت اہل اسلام کا قدیم خیال بیان کر کے یہ ظاہر کرنا مدنظر ہے کہ یہ خیال عیسائی گورنمنٹ کیلئے خطرناک نہیں بلکہ اس خیال کے برخلاف زمینی مسیح اور اس کے مثیل وہم عصر وہم سیرت مہدی کی آمد کا خیال حکومت انگلشیہ اور ہر ایک گورنمنٹ کیلئے (اسلامی ہی کیوں نہ ہو) پرخطر ہے۔ اس مضمون میں ان دونوں خیال کی تصویر دکھا کر اور صرف خیال اول کے محل و ماخذ کی تفصیل کر کے انکے پولیٹیکل اثر و نتیجہ پر گورنمنٹ و پبلک کو آگاہ کرنا ہمارا مقصود ہے۔ ان خیالات اور ان کے ماخذ پر مذہبی یا علمی (محدثان یا متکلمان) بحث کرنا اور اس کے دلائل و اصول کا باہم موازنہ و مقابلہ کر کے صحیح خیال کی تصحیح و تائید اور ضعیف خیال کی تضعیف اور تردید کرنا ہمارا مطلوب نہیں ہے لہذا کوئی صاحب ہرگز مجاز نہ ہونگے کہ ہماری اس پولیٹیکل بحث کے مقابلہ میں مذہبی علمی بحث چھیڑ دیں اور کسی خیال قدیم یا جدید کے دلائل کی تصحیح یا تضعیف کے درپے ہو کر اس خیال کا قومی یا ضعیف ہونا ثابت کریں۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ اس مضمون میں آنے والے مہدی کے متعلق ان احادیث میں ہم کوئی محدثانہ کلام نہیں کریں گے۔ ان احادیث کو جیسی کیسی وہ ہیں بلا کلام نقل کر

کے ان کے مضامین سے نتیجہ مطلوبہ نکال لیں گے..... یہ مضمون ۱۸۹۷ء میں تالیف ہوا... مگر بعض پولیٹکل اور مذہبی مصالِح کی نظر سے اس کی اشاعت کو غیر ضروری سمجھ کر ملتوی کیا گیا۔ پھر اس مضمون کی اشاعت کی اس لئے ضرورت ہوئی کہ مرزا غلام احمد کرشن قادیاंनी (جو خود ہی مسیح موعود بن بیٹھا اور خود ہی مہدی مہبود) نے اپنی اس پالیسی کی وجہ گورنمنٹ کو یہ بتائی اور قادیاंनी اخباروں اور اپنی تصانیف میں یہ مشتہر کی کہ عموماً مسلمانوں کا خیال مسیح موعود اور امام مہدی کی نسبت گورنمنٹ کیلئے سخت خطرہ ہے اس لئے میں نے مسلمانوں کے دل و دماغ سے اس خیال کو محو کرنے کیلئے اپنا مسیح و مہدی ہونا (جو گورنمنٹ کی مخالفت کو ناجائز بلکہ مسئلہ جہاد کو حرام مطلق جانتا ہوں) تجویز کیا ہے تاکہ وہ مسلمان جو میرے پیرو ہوں کسی اور مسیح اور مہدی کے منتظر نہ رہیں (جو جو زیزی اور جہاد کرے) اور اس خطرناک خیال کا گورنمنٹ کو اندیشہ نہ رہے... مسلمانوں سے صرف اکیلا وہ اور اس کے پیرو خونی مسیح کی آمد سے مسئلہ جنگ و جہاد سے منکر ہیں اور اسی وجہ سے امیر افغانستان نے اس کے دو مریدوں کو قتل کر دیا ہے اور اس کی جان اور اس کے پیروان کی جان و اموال کو کسی اسلامی سلطنت میں امن نہیں ہے۔ یہ باتیں اس نے سول اینڈ ملٹری گزٹ ۱۲ و ۱۳ مئی ۱۹۰۷ء میں مشتہر کرائی ہیں اور عموماً مسلمانوں کو بدنام اور محل اہتمام والزام بنانے میں کوتاہی نہ کی تو اس کے حملے کا جمل جواب خاکسار نے اسی سول اینڈ ملٹری گزٹ کے پرچہ ۱۹ جولائی ۱۹۰۷ء میں ایسا درج و مشتہر کر دیا جس کے جواب میں اب تک مرزا اور اس کی پارٹی سے کچھ بن نہیں پڑا۔ اور چونکہ اس اجمال کی پوری تفصیل با دلیل میرے اس مضمون میں پائی جاتی ہے لہذا اس مضمون کی اشاعت اس وقت بہت ضروری معلوم ہوئی۔ مگر ہنوز یہ مضمون کا پی نہ ہوا تھا کہ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا قادیاंनी (علیہ مایستحقہ) اپنے سبھی دعاوی نام تمام اور پالیسیاں ناکام اپنی بغل میں دبا کر راہی ملک عدم ہوا اور مقولہ خس کم جہاں پاک کا صدق متوقع ہو گیا تھا لہذا پھر اس مضمون کی اشاعت کو ملتوی کرنے کا خیال پیدا ہو گیا۔

ہر چند اس مسیح ناکام اور مہدی بے نیل مرام کی موت سے پہلے اسکے نائبین نے رسائل و اخبارات قادیاंनी (ریویو، الحکم۔ بدر) میں ایسے مضامین شائع کئے تھے جس میں تمام اہل اسلام پر وہی حملہ اعتقاد آمد خوئی مہدی اور خاص کر اس خاکسار پر تجویز تناقض و تضاد انکار و اعتقاد آمد اصل مہدی کا الزام دورنی پایا جاتا تھا جس کا جواب با صواب ضروری تھا مگر اس خیال سے کہ جب کہ شہتیر خراباں خانہ افراءات و اتہامات ٹوٹ کر گر گیا

ہے تو چھت کی اینٹیں وکڑیاں بھی منتشر ہو جائیں گی، جڑھا کھڑگئی ہے تو شاخیں خود بخود خشک ہو جائیں گی، اس حملہ الزام کا جواب دینا اور ان کے مقابلہ میں اس مضمون کی اشاعت کرنا غیر ضروری سمجھا گیا تھا۔

پھر جب کہ مرزا قادیانی کے ان نائین نے اس مردہ استخوان کو کھڑا کر کے اپنے احمق دام افتادگان کی نظروں میں اس کو زندہ کر دکھایا اور بدست آویز منقولہ عزازیلیہ الاولیاء لایمونون جو تفسیر عزیزی وغیرہ میں منقول ہے حیات الانبیاء فی وفات الاولیاء کا مضمون اپنی جماعت کے حتماء کے خیالات میں سجا کر مسیحیت و مہدویت کا ڈھانچہ کھڑا کر ہی دیا اور اس کے خلفاء میں سے ایک کو خلیفۃ المہدی و امّ المسیح بنا دیا اور اس کو لقب امیر المؤمنین وغیرہ سے ملقب و مخاطب کر دیا اور اس مردہ کو زندہ کر دکھانے کے لئے اس بے تہذیبی و دروغ گوئی و بیہودہ سرائی و اثر خانی سے کام لیا کہ اس مردہ کی زندگی میں وہ کام نہ لیا تھا، لہذا اب پھر ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ اس مضمون کو چھاپ کر منتشر کر دیا جائے تاکہ اس سے اس متعارض حملہ اور ناحق الزام کا قلع قمع ہو اور آئے دن جھوٹی مسیحیت و جعلی مہدویت کی ایسی بیخ کنی ہو کہ پھر کوئی جھوٹا مسیح و جعلی مہدی بدست آویز دلائل شرعیہ و احادیث نبویہ مسیح و مہدی ہونے کا نام نہ لے سکے۔ بلا دلیل و بے وجہ بکواس کرنے سے کوئی اہل علم یا اہل قلم روک نہیں سکتا اس کے روکنے کیلئے خدا تعالیٰ کی قہری تجلی ضروری ہے جس نے قادیانی کو دبوچا ہے۔۔۔

اہل اسلام قدیم کا انبیا لے مسیح کی نسبت یہ خیال ہے کہ جو کچھ اس نے اپنے مشن کے متعلق پہلی آمد میں کیا، یا جو دوسری آمد میں اس سے وقوع میں آئیگا وہ از سر تا پا آسمانی اور روحانی تھا اور ہوگا۔ زمینی سازش و تدبیر اور انسانی طاقت و تاثیر کا وہ اثر تھا اور نہ ہوگا۔

آپؐ کی پہلی آمد کے آسمانی نشانات اور روحانی برکات اہل اسلام قدیم کے اعتقاد میں بہت ہیں کہ از انجملہ بعض قبل از ولادت آپؐ کی والدہ مریم صدیقہ کی پیدائش کے وقت سے ظہور میں آئے۔ بعض آپؐ کی پیدائش کے وقت اور بعض آپؐ کے زمانہ نبوت میں ظاہر ہوئے۔

از انجملہ اول، خدا تعالیٰ کا آپؐ کو ایک مقدس اور بابرکت خاندان سے پیدا کرنا (مرزا جاس خاندان سے پیدا ہوا اس کے تقدس سے قادیان، ہٹالہ، گورداسپور کے لوگ، جو اس کے باپ بھائیوں کو دیکھ چکے ہیں، بخوبی واقف ہیں۔ مرزا کے باپ کا کوئی سنی مذہب نہ تھا۔ نہ احکام مذہب نہ نماز روزہ حج زکوٰۃ کا وہ پابند تھا۔ اس کا ایک حقیقی بھائی عیاشی میں اس قدر مستغرق ہو گیا تھا کہ اس کا بدن و خون بگڑ گیا تھا اور

ناک پیچھی تھی۔ ایک بھائی ہلاک خوردوں کا پیشوا بن کر مسلمانوں سے الگ ہو گیا تھا۔ ایک اپنے عضو متاسل کو کاٹ کر بھڑا بن بیٹھا تھا۔ اس خاندان سے جس پر یہ مصرع صادق آتا تھا : ایں خانہ ہما آفتاب است، پیدا ہو کر اس کا دعویٰ کہ میں مسیح موعود ہوں، میں نبی ہوں، میں مہدی ہوں۔ کس قدر لغو تھا۔ اللہ اعلم حیث يجعل رسالته ) اور آپؐ کی والدہ مریم صدیقہ کو اچھی قبولیت سے قبول کرنا اور اس کو غیر معمولی طور سے بڑھانا، وہ ایک دن میں اس قدر بڑھتے تھے جیسے اور بچے سال بھر میں بڑھتے ہیں۔

فتقبلہا ربھا بقبول حسنٍ و انبتھا نباتاً حسناً و کفلھا زکریّا۔ (آل عمران ع ۴)۔  
کانت تنبت فی الیوم کما تنبت المولود فی العام۔ (جلالین لکھنوی۔ ص ۴۳)

(ماہنامہ اشاعت السنہ جلد ۲۲)

.....  
جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے مرزا غلام احمد نے ایک نہیں کئی پیش گوئیاں اس مضمون کی کر رکھی تھیں کہ مولانا بٹالوی مرزائی ہو جائیں گے۔ مرزا قادیانی اس دنیا سے یہ حسرت لے کر رخصت ہو گئے لیکن حضرت شیخ الاسلام مولانا بٹالویؒ کو اللہ تعالیٰ نے راہ ہدایت پر ہی گامزن رکھا، مرزائیوں نے پھر تو جیہیں شروع کر دیں کہ بیٹا بھی تو باپ کی مثل ہوتا ہے، کیا ہوا جو مولانا محمد حسین مرزائی نہیں ہوئے، ان کی اولاد میں سے کوئی نہ کوئی مرزائی ہو جائے گا اور بالآخر مرزا قادیانی کی پیش گوئیاں سچ ہو کر رہیں گی۔ اس بارے میں مرزائیوں کے دوسرے سربراہ مرزا محمود احمد نے بروایت الفضل قادیان ۲۰ جولائی ۱۹۳۰ء کو فرمایا کہ مولانا کے دو بیٹے اس کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے تھے، پھر مرزائیوں کے چوتھے سربراہ مرزا طاہر احمد نے اپنے دادے مرزا قادیانی کی پیش گوئی کو درست ثابت کرنے کے لئے ایک اور مرزائی کو مولانا بٹالوی کی اولاد میں سے ہونا قرار دے دیا جیسا کہ اس نے ۴۔ اکتوبر ۱۹۹۶ء کے خطبہ جمعہ میں آفتاب احمد خان امیر جماعت احمدیہ برطانیہ کی وفات پر تعزیتی بیان میں کہا:

آپ کے حالات زندگی یہ ہیں کہ ۲۴ ستمبر ۱۹۲۴ء کو آپ خان ثناء اللہ خان اور امۃ الجدید کے ہاں پیدا ہوئے، آپ کے نانا مکرم شیخ محمد (مرزا قادیانی کے) صحابی بھی اور آفتاب احمد خان مجھے بتایا کرتے تھے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی آپ کے آباء و اجداد میں سے کسی طرف سے ہیں... تو اب مسیح موعود (مرزا) کی محمد حسین بٹالوی کی اولاد میں تصدیق کرنے والے اور اول درجے پر خادم، خدمت کا مقام حاصل کرنے والوں



میں ایک ہمارے آفتاب صاحب بھی بنتے ہیں۔ (الفضل انٹرنیشنل ۲۲ نومبر ۱۹۹۶ء، ص ۸)

ناظرین! مرزا طاہر احمد اپنے سامعین کو بتا رہے تھے کہ ان کے امیر برطانیہ آفتاب احمد، مولانا بٹالوی کی اولاد میں سے تھے، لیکن پھر گھر کے ایک بھیدی نے مرزا طاہر احمد کے جھوٹ کا پول کھول دیا، یعنی اس خطبے کے بعد ایک مرزائی عبدالواسع نے الفضل ہی میں لکھا:

آفتاب احمد خان میری سب سے بڑی سگی پھوپھی کے بیٹے تھے اس طرح مولوی محمد صاحب جو کہ مولوی صاحب مزنگ والے کے نام سے زیادہ معروف تھے، مرحوم (آفتاب) کے نانا اور میرے دادا تھے... قبل از بیعت حضرت (مرزا قادیانی)، مولوی محمد حسین کے بڑے بھائی مولوی محمد علی صاحب کی دختر سے شادی کی تھی، اس شادی سے آپ کے دو بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں، ان سب کو آپ قادیان لے کر جاتے تھے اور ان سب کی بیعت بھی آپ نے کروائی کی تھی۔ آپ کی اہلیہ کی وفات کے وقت آپ کی صاحبزادیاں کم سن تھیں اس لئے آپ نے اپنے بڑے بیٹے شیخ عبدالعزیز کی شادی مولوی محمد حسین کی دختر سے کی۔ مولوی (محمد) صاحب نے دوسری شادی بعد از قبول احمدیت احمدہ بیگم سے کی، ان سے آپ کے چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ان میں سب سے بڑی ائمۃ المجید صاحبہ، آفتاب خان کی والدہ تھیں۔ اس طرح آفتاب کا مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے خاندان سے یا مولوی محمد صاحب کی دوسری اولاد سے خونی رشتہ نہیں ہے۔ یہ امر یقیناً باعث افسوس ہے کہ بٹالوی خاندان سے تعلق کے باعث مولوی (محمد) صاحب کی پہلی اولاد آہستہ آہستہ احمدیت سے دور ہوتی چلی گئی۔ لیکن اللہ کا کرم ہے کہ آپ کی دوسری اولاد کا رشتہ احمدیت سے مجموعی طور پر مضبوط ہے۔

اس تحریر سے دو باتوں کی وضاحت ہوتی ہے، ایک تو یہ کہ مرزا طاہر احمد کی روایت غلط ہے اور آفتاب احمد خان، مولانا محمد حسین کی اولاد میں سے یا ان کے خاندان سے نہیں ہیں، دوسرے یہ کہ مرزائی مولوی محمد کی پہلی اولاد (جسے اس نے مرزا سے بیعت بھی کروایا تھا) اس وجہ سے مرزائیت سے دور ہو گئی کہ اس کا تعلق مولانا بٹالوی کے خاندان سے رہا۔ یہ تبھی ممکن ہے کہ ان کا خاندان خود مرزائیت سے دور رہا ہو۔ اگر مولانا بٹالوی کے دو بیٹے بقول مرزا محمود احمد مرزائی ہو گئے تھے تو ان کا تعلق مرزائیت سے قرب کا باعث بنا چاہیے تھا، دوری کا نہیں۔

## براہین احمدیہ

مرزا غلام احمد قادیانی کی پہلی مشہور (لیکن نامکمل) تصنیف ”براہین احمدیہ“ ہے جسے انہوں نے انیسویں صدی کے آٹھویں عشرے کے اختتام پر لکھنا شروع کیا تھا۔ قادیانی حضرات کا کہنا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی سب سے پہلی باقاعدہ تصنیف ”براہین احمدیہ“ ہے۔ اس کتاب پر کام کا آغاز ۱۸۷۸ء کے اواخر میں ہوا اور اس کا مکمل مسودہ اپریل ۱۸۷۹ء تک تیار ہو چکا تھا جس میں بعد ازاں وقتاً فوقتاً حواشی کا اضافہ ہوتا رہا۔ اس کتاب کے اشتہارات ۱۸۷۷ء کے آخر میں شائع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اس کی پہلی اور دوسری جلد ۱۸۸۰ء میں چھپ کی گئی۔ تیسری جلد ۱۸۸۲ء میں اور چوتھی جلد ۱۸۸۴ء میں۔

(براہین احمدیہ، عرض ناشر ۲۲ مارچ ۱۹۶۸ء۔ لاہور۔ صفحہ ۳)

اس کتاب کی اشاعت کا اشتہار مرزا قادیانی نے یوں دیا:

اشتہار: تصنیف کتاب براہین احمدیہ بجمہت اطلاع جمیع عاشقان صدق و انتظام سرمایہ طبع کتاب

ایک کتاب جامع دلائل معقولہ در بارہ اثبات حقانیت قرآن شریف صدق نبوت حضرت محمد ﷺ جس میں ثبوت کامل من جانب کلام اللہ ہونے قرآن شریف اور سچا ہونے حضرت خاتم الانبیاء کا اس قطعی فیصلہ سے کیا گیا ہے کہ ساتھ اس کتاب کے ایک اشتہار بھی بوعده انعام دس ہزار کے اس مراد سے منسلک ہے کہ اگر کوئی صاحب جو حقانیت اور افضلیت فرقان شریف سے منکر ہے، براہین مندرجہ اس کتاب کو توڑ دے یا اپنی الہامی کتاب میں اسی قدر دلائل یا نصف اس سے یا ثلث اس سے یا ربع اس سے یا خمس اس سے ثابت کر کے دکھلا دے جس کو تین منصف مقبولہ فریقین تسلیم کر لیں تو مشتہر اس کو بلا عذر اپنی جائداد قیمتی دس ہزار پر قبضہ و دخل دے دے گا۔ بوجہ منکرانہ اصرار پنڈت دیانند صاحب اور ان کے بعض سکرٹریوں کی تصنیف ہوئی ہے اور نام

اس کتاب کا براہین الاحمدیہ علی حقانیت اللہ الفرقان و النبوة المحمدیہ رکھا گیا ہے۔ لیکن بوجہ ضخامت چھپنا اس کتاب کا خریداروں کی مدد پر موقوف ہے لہذا یہ اشتہار بجہت اطلاع جملہ اخوان مومنین و برادران موحدین و طالبان راہ حق و یقین شائع کیا جاتا ہے کہ بنیت معاونت اور نصرت دین متین کے اس کتاب کے چندہ میں بحسب توفیق شریک ہوں یا یوں مدد کریں کہ بنیت خریداری اس کتاب کے مبلغ پانچ روپے جو اصل قیمت اس کتاب کی قرار پائی ہے بطور پیشگی بھیج دیں تا سرمایہ طبع اس کتاب کا اکٹھا ہو کر بہت جلد چھپنی شروع ہو جائے۔ اور جیسے جیسے کتاب چھپتی جائے گی بخدمت جملہ صاحبین جو بنیت خریداری چندہ عنایت فرمائیں گے مرسل ہوتی رہے گی۔ لیکن واضح رہے کہ جو صاحب بنیت خریداری چندہ عنایت فرمائیں وہ اپنی درخواست خریداری میں بقلم خوش خط اسم مبارک و مفصل پتہ و نشان مسکن و ضلع وغیرہ کا کہ جس سے بلا ہرج اجزاء کتاب کے وقتاً فوقتاً ان کی خدمت گرامی میں پہنچتے رہیں، ارقام فرمائیں۔

المشتر مرزا غلام احمد رئیس قادیان ضلع گورداسپور ملک پنجاب (مجموعہ اشتہارات قادیانی جلد اول۔ ص ۱۸-۱۹)  
اس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں جو سفیر ہند امرتسر سے شائع ہوا تھا مرزا غلام احمد قادیانی ”اعلان“ کے عنوان سے لکھتے ہیں:

”کتاب ہذا بڑی مبسوط کتاب ہے یہاں تک کہ اس کی ضخامت سو جزء سے کچھ زیادہ ہوگی اور تا اختتام طبع وقتاً فوقتاً حواشی لکھنے سے اور بھی بڑھ جائے گی۔“

اور ”گزارش ضروری“ کے تحت مرزا صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں کتاب اب تین سو جزء تک بڑھ گئی ہے۔“  
کتاب کے چار اجزا شائع ہو چکے تو لوگ اس کے حصہ پنجم کا انتظار کرنے لگے جس کے متعلق مرزا قادیانی نے منشی رستم علی نامی اپنے ایک مرید کو ایک خط میں فرمایا:

”حسب تحریر آپ کو ایک خط انگریزی اور ایک اشتہار انگریزی بھیجا جاتا ہے کسی زیرک اور منصف مزاج کو ضرور دکھائیں۔ یہ خطوط انگریزی تمام پادری صاحبان ہندوستان و پنجاب کی خدمت میں بھیجے گئے ہیں۔ نیز پنڈتوں کے پاس بھی بھیجے گئے ہیں اور بھیجے جاتے ہیں اور سب کی کیفیت انشاء اللہ حصہ پنجم کتاب

(براہین احمدیہ) میں درج ہوگی۔ والسلام۔ غلام احمد۔ ۲۔ اپریل ۱۸۸۵ء (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ ص ۴)

اور ۵ جون ۱۸۸۵ء کو مرزا صاحب نے منشی رستم علی کو لکھا:

حصہ پنجم کتاب انشاء اللہ اب عنقریب چھپنا شروع ہوگا۔ (کتوبات احمدیہ جلد ۵، صفحہ ۵)

نیز اپنے مرید خاص میر عباس علی لدھیانوی کو مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک دفعہ لکھا:

یہ عاجز باعث درد سرد پہلو اس قدر بیمار ہا کہ بعض اوقات یہ عارضہ مقدمہ موت جو ہر بشر کے لئے ضروری ہے، معلوم ہوتا ہے۔ اب افاقہ ہے مگر کچھ درد باقی ہے، اسی وجہ سے تحریر جواب سے معذور رہا...

اس بات کی ابھی تسلی نہیں کہ عمر کا کیا حال ہے بعض عوارض لاحقہ میں اندیشہ موت کا پیدا ہو جاتا ہے۔ کام کتاب کتاب کا ہنوز شروع نہیں کیا گیا اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو یہ کتاب پوری ہو جائے گی۔ ۲۳ جون ۱۸۸۵ء مطابق

(کتوبات احمدیہ۔ جلد اول۔ ص ۸۷-۸۸)

۱۰ رمضان ۱۳۰۲ھ

ایک خط میں مرزا صاحب نے میر عباس علی لدھیانوی کو یوں رقم فرمایا:

جس قدر آنحضرت نے اشاعت دین اور اعلیٰ کلمہ اسلام کے لئے رنج اٹھایا ہے خدا تعالیٰ اسکے عوض

آپ پر اس طور سے راضی ہو کہ جیسا اپنے سچے خادموں اور مقبولوں پر راضی ہوا کرتا ہے آمین ثم آمین... اس عاجز کا یہ حال ہے کہ بعض گذشتہ اور تازہ الہامات سے قرب اجل کے آثار پائے جاتے ہیں گو صفائی سے نہیں

بلکہ مشتبا اور ذمعتین الہام ہیں تاہم فکر سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔ اسی وجہ سے میں اپنی تمام ہمت کو اس طرف مصروف کیا ہے۔ حصہ پنجم کی عبارت کو جلد مرتب اور با محاورہ کر کے اور جو کچھ اس میں زائد داخل کرنا ہے وہ

داخل کر کے تو کرا علی اللہ چھپوانا شروع کر دوں کہ اس ناپائندہ اور ہیج زندگی کا کچھ اعتبار نہیں۔ آپ بھی دعا کریں اور اخوی منشی احمد جان صاحب کو بھی لکھیں کیونکہ بعض تقدیرات بعض دعاؤں سے ٹل جاتی ہیں۔

(کتوبات احمدیہ۔ جلد اول ص ۸۹-۹۰)۔ (اس خط پر تاریخ درج نہیں ہے لیکن اس سے اگلا خط ۹ جون ۱۸۸۵ء کا ہے۔ بہاء)۔

ان خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۸۵ء میں براہین کا پانچواں حصہ لکھا جا چکا تھا اور چھپنے ہی والا تھا۔

پھر معلوم نہیں ہوسکا کہ اس مسودے کا کیا ہوا کہ جو حصہ پنجم مرزا صاحب کی وفات کے بعد شائع ہوا ہے اور جس کے متعلق عبدالمنان عمر قادیانی کہتے ہیں پانچویں جلد آپ (مرزا) کی وفات کے بعد ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی۔

اسے آپ نے اپنی زندگی ہی میں مکمل کر لیا تھا۔ (براہین احمدیہ۔ عرض ناشر۔ ۲۲ مارچ ۱۹۶۸ء۔ لاہور، صفحہ ۳) وہ تو چیزے دیگر

ہے کیونکہ اس میں تو ان اعتراضات پر مرزا صاحب نے بحث کی ہے جو ۱۸۸۵ء تک موجود ہی نہیں تھے اور اپنے مخالفوں کی ان تحریروں کے حوالے سے بات کی ہے جو ۱۸۸۵ء میں موجود نہیں تھیں اور جس بات کا ذکر مرزا صاحب نے اپنے درج بالا خطوط میں کیا ہے کہ وہ عنقریب (۱۸۸۵ء میں) چھپنے والے حصہ پنجم میں موجود ہو گی اس بات کا ۱۹۰۸ء والے پانچویں حصے میں ذکر تک نہیں ہے۔

مرزا قادیانی نے ۱۸۷۹ء میں اپنی کتاب ”براہین احمدیہ“ کا اشتہار دے کر لوگوں سے بطور امداد اور بطور پیشگی قیمت بہت سی رقم جمع کی تھی اور اس لیے بھی لوگ کتاب کے انتظار میں رہتے تھے لیکن جب ۱۸۸۰ء کا عشرہ گزر گیا اور ۱۸۹۰ء کے عشرے کے بھی دو سال گزر گئے اور کتاب کے بقیہ حصے شائع ہونے کے آثار نظر نہ آئے تو شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے یکم جنوری ۱۸۹۳ء کو مرزا صاحب کو لکھا:

”آپ مسلمانوں کا دس ہزار سے زیادہ روپیہ کتاب براہین احمدیہ کی قیمت اور قبولیت دعاؤں کی طمع دے کر خورد برد کر چکے ہیں اور کتاب براہین احمدیہ ہنوز دوطن شاعر کا مصداق ہے“۔

(روحانی خزائن۔ جلد ۵ ”دافع الوسوس“ صفحہ ۳۱۳)۔

اس کے جواب میں مرزا قادیانی نے مولانا بٹالوی مرحوم کو لکھا:

”آپ کا یہ خیال کہ گویا یہ عاجز ”براہین احمدیہ“ کی فروخت میں دس ہزار روپیہ لوگوں سے لے کر خورد برد کر گیا ہے، یہ اس شیطان نے آپ کو سبق دیا ہے جو ہر وقت آپ کے ساتھ رہتا ہے۔ آپ کو کیونکر معلوم ہو گیا کہ میری نیت میں ”براہین“ کا طبع کرنا نہیں۔ اگر براہین طبع ہو کر شائع ہوگئی تو کیا اس دن شرم کا تقاضا نہیں ہوگا کہ آپ غرق ہو جائیں“۔

(روحانی خزائن۔ جلد ۵ ”دافع الوسوس“ صفحہ ۳۰۶)۔

اور پھر مرزا غلام احمد قادیانی نے کتاب کا پانچواں حصہ مکمل کیا تو اس میں لکھا:

”یہ وہی ”براہین احمدیہ“ ہے جس کے پہلے چار حصے طبع ہو چکے ہیں بعد اس کے ہر ایک سر صفحہ پر ”براہین احمدیہ“ کا حصہ پنجم لکھا گیا۔ پہلے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ تھا مگر پچاس سے پانچ پر اکتفا کیا گیا اور چونکہ پچاس اور پانچ کے عدد میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے اس لیے پانچ حصوں سے وہ وعدہ پورا ہو گیا“۔

(صفحہ ۲۱۵ پانچواں حصہ براہین احمدیہ۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور)

براہین احمدیہ جسے مرزا قادیانی نے ۵۰ جلدوں میں لکھنے کا نہ صرف وعدہ کیا تھا بلکہ ان کی تحریروں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کتاب کو مکمل فرما چکے ہیں لیکن جب وہ کتاب مکمل صورت میں لوگوں کے سامنے نہ آئی اور وہ خود پانچ اور پچاس کو برابر قرار دینے کی تحریر غیر مطبوعہ صورت میں اپنے مریدوں کے حوالے کر کے مکمل کتاب کا اڑھائی ہزار صفحات کا مسودہ (ملاحظہ ہو سیرۃ المہدی میں مرزا بشیر احمد کا بیان) صندوق میں چھپا کر لالہ ملا وائل کی نظروں کے سامنے ففر وا ہو گئے تو ان کے مریدوں کو لینے کے دینے پڑ گئے۔

مرزا صاحب خود تو اپنی زندگی میں اس تحریک کو شائع کرنے کی ہمت نہ کر سکے جس میں انہوں نے پانچ اور پچاس کو برابر قرار دیا تھا۔ نہ ہی ۱۹۰۸ء میں شائع ہونے والی کتاب کو اپنی زندگی میں براہین احمدیہ حصہ پنجم کے نام سے عوام کے سامنے پیش کرنے کی جرأت کر سکے کہ اس حصہ میں تو وہ باتیں موجود ہی نہ تھیں جن کے متعلق وہ ۱۸۸۵ء میں کہہ چکے تھے کہ وہ عنقریب شائع ہونے والے حصہ میں موجود ہوں گی۔ مرزا صاحب کی موت کے بعد قادیانیوں کے لیے جب علی رؤس الاشهاد ۵ اور ۵۰ کے اعداد کو برابر ثابت کرنا ممکن نہ ہوا تو انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ براہین دراصل مکمل ہو چکی ہے اور مرزا صاحب کی وہ کتابیں جو ’براہین احمدیہ‘ کے چوتھے حصے کے بعد شائع ہوئی ہے دراصل براہین ہی کے باقی ماندہ چھیا لیس حصے ہیں۔

## شیخ الاسلام بٹالوی اور براہین احمدیہ

قادیانی حضرات براہین احمدیہ کو اپنے نبی کی معرکہ آراء کتاب بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کتاب نے دشمنوں کے منہ بند کر دیئے تھے کیونکہ اس کتاب میں مرزا صاحب نے اسلام کی سچائی کے دلائل کے انبار لگا دیئے تھے اور اسی لیے بہت سے علماء کرام نے اس کتاب کی تعریف کی تھی۔ اس کتاب کی تعریف کرنے والے علماء میں شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم بھی شامل تھے جو بعد میں مرزا صاحب کے مخالف ہو گئے تھے۔ مرزا صاحب اور مرزائی ہمیشہ انہیں طعن دیتے رہے کہ اب تم کس منہ سے مخالفت کرتے ہو کیونکہ تم نے تو اس کتاب کی تعریف کی ہوئی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے ”براہین احمدیہ“ پر موافقانہ ریویو لکھا تھا اور یہ اس وقت کی بات ہے جب مرزا صاحب نے ابھی مسیح یا نبی یا مہدی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور براہین کے مضامین کو علماء دیوبند و گنگوہ نے موجب کفر نہیں سمجھا تھا اور لوگوں کو تکفیر مرزا سے روکا بھی تھا۔“

(ماہنامہ اشاعت السنۃ جلد ۷، بر حاشیہ صفحہ ۱۷)

بعد میں مرزا صاحب کے دعوے سامنے آئے تو مولانا مرحوم نے رد قادیانیت کا محاذ سنبھال لیا۔

اس پر مرزا صاحب نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

”در حقیقت ان رسالوں (فتح اسلام، توضیح مرام) میں کوئی نیا دعویٰ نہیں کیا گیا بلکہ بلا کم و بیش یہ وہی

دعویٰ ہے جس کا ”براہین احمدیہ“ میں بھی ذکر ہو چکا ہے اور جس کی آں مکرم اپنے رسالہ ”اشاعت السنہ“ میں امکانی طور پر تصدیق بھی کر چکے ہیں۔“

(ماہنامہ اشاعت السنہ جلد ۱۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۳۶۲)

حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے جواب میں لکھا:

”جو امکان میں ریویو ”براہین احمدیہ“ میں بیان کر چکا ہوں اس کا اب بھی قائل ہوں مگر آپ نے اس امر ممکن سے جس کا میں نے امکان تجویز کیا تھا بڑھ کر ان رسائل میں دعویٰ کیا ہے۔ لہذا آپ کے لیے اس ریویو کی عبارات کافی و مفید نہ ہوں گی۔ آپ ان عبارات کو میرے سامنے پیش کیے بغیر ان سے استشہاد کریں گے تو آپ نقصان اٹھائیں گے بہتر ہے کہ آپ میری کلام مجھے دکھا کر شائع کریں۔“

(ماہنامہ اشاعت السنہ جلد ۱۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۳۶۶)

اور شیخ الاسلام مولانا بٹالویؒ نے مرزا قادیانی کو ۱۳ مارچ ۱۸۹۱ء کے خط میں یہ بھی لکھا:

”اپنے اس الہام کا جس میں آپ کے مسیح موعود ہونے کا اور ابن مریم کے موعود نہ ہونے کا دعویٰ ہے، فیصلہ براہین احمدیہ اور اشاعت السنہ کے ریویو براہین احمدیہ سے منظور کریں اور یہ اقرار تحریری دیں کہ اگر براہین احمدیہ اور اس کے ریویو سے یہ الہام غلط ثابت ہو تو ہم اس الہام کو غلط سمجھیں گے اور اس سے رجوع کا اشتہار دیں گے۔“

(ماہنامہ اشاعت السنہ جلد ۱۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۳۷۸)

اور آپ نے یہ بھی لکھا کہ:

میرے مضمون ریویو میں ایک حرف آپ کے اس دعویٰ جدید کا مصدق نہیں ہے نہ آپ نے اپنے براہین احمدیہ میں یہ دعویٰ (مسیح موعود ہونا) صراحتاً یا اشارتاً کیا اور نہ میں نے اس کی تصدیق و تائید میں کوئی کلمہ لکھا۔

(ماہنامہ اشاعت السنہ جلد ۱۲ نمبر ۱۲ صفحہ ۳۸۶)

لیکن مرزا صاحب تا عمر اپنی ہانکتے رہے، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے ساتھ بحث مباحثوں میں بھی مرزائی کہا کرتے تھے کہ تمہارے محمد حسین نے بھی ایک وقت میں اس کتاب کی تعریف کی تھی۔ بنا بریں حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے قادیانیوں کو مخاطب کر کے لکھا:

”اگر کسی صاحب کو یہ وہم گزرے کہ تصنیفات مرزا خصوصاً ”براہین احمدیہ“ اگر واقعی معقولیت سے



گری ہوئی ہیں تو اس زمانے کے علماء نے ان کی تعریف کیوں کی تھی؟ اس وہم کا دفعیہ یوں ہے کہ مرزا صاحب نے اس کتاب کے فوائد ایسے کچھ دلفریب بتائے تھے جن کو سن کر ہر ایک ہم درد اسلام گرویدہ ہو سکتا تھا جس کی مثال آج کل کی اشتہاری دوائیں ہیں کہ ایک ہی دوا کے ایسے فوائد بتائے جاتے ہیں کہ ضرور تمند کو گمان ہو جاتا ہے کہ یہ دوا واقعی ہر ایک مرض کے لئے مفید ثابت ہوگی۔ ہم ناظرین کی اطلاع کے لیے وہ فوائد نقل کرتے ہیں۔ ناظرین ان فوائد کو دیکھ کر اپنے اندر جو اثر پائیں گے اس سے اندازہ لگا سکیں گے کہ اس زمانے کے نیک مسلمانوں پر اس تحریر کا کیا کچھ اثر ہوا ہوگا؟ وہ فوائد بالفاظ مرزا صاحب یہ ہیں۔

بالآخر بعد تحریر تمام مراتب ضروریہ کے اس بات کا واضح کرنا بھی اس مقدمہ میں قرین مصلحت ہے جو کن کن قسموں کے فوائد پر یہ کتاب مشتمل ہے تا وہ لوگ جو حقانی صداقتوں کے جان لینے پر جان دیتے ہیں اپنے روحانی محبوب کی خوشخبری پائیں اور تان پر جو راستی کے بھوکے اور پیاسے ہیں اپنی دلی مراد کا راستہ ظاہر ہو جائے، سو وہ فوائد چھ قسم کے ہیں جو بہ تفصیل ذیل ہیں۔

اول اس کتاب میں یہ فائدہ ہے کہ یہ کتاب مہمات دینیہ کے تحریر کرنے میں ناقص البیان نہیں بلکہ وہ تمام صداقتیں کہ جن پر اصول علم دین کے مشتمل ہیں اور وہ تمام حقائق عالیہ کہ جن کی ہیئت اجتماعی کا نام اسلام ہے وہ سب اس میں مکتوب اور مرقوم ہیں اور یہ ایسا فائدہ ہے کہ جس سے پڑھنے والوں کو ضروریات دین پر احاطہ ہو جائے گا اور کسی مغوی کے پیچ میں نہیں آئیں گے بلکہ دوسروں کو وعظ اور نصیحت اور ہدایت کرنے کے لیے ایک کامل استاد اور ایک عیار رہبر بن جائیں گے۔

دوسرا یہ فائدہ کہ یہ کتاب تین سو محکم اور قوی دلائل حقیقت اسلام اور اصول اسلام پر مشتمل ہے کہ جن کے دیکھنے سے صداقت اس دین متین کی ہر ایک طالب حق پر ظاہر ہوگی، بجز اس شخص کے کہ بالکل اندھا اور تعصب کی سخت تاریکی میں مبتلا ہو۔

تیسرا یہ فائدہ کہ جتنے ہمارے مخالف ہیں یہودی، عیسائی، مجوسی، آریہ، برہموبت پرست، دہریہ، طبعیہ، اباحتی، لامذہب کے شہات اور وساوس کا اس میں جواب ہے اور جواب بھی ایسا کہ دروغ گو کو اس کے گھر تک پہنچایا گیا ہے اور پھر رفع اعتراض پر کفایت نہیں کی گئی بلکہ یہ ثابت کر کے دکھلایا گیا ہے کہ جس امر کو مخالف ناقص

الفہم نے جائے اعتراض سمجھا ہے وہ حقیقت میں ایک ایسا امر ہے کہ جس سے تعلیم قرآنی کی دوسری کتابوں پر فضیلت اور ترجیح ثابت ہوتی ہے نہ کہ جائے اعتراض۔ اور پھر وہ فضیلت بھی ایسے دلائل واضحہ سے ثابت کی گئی ہے کہ جس سے معترض خود معترض الیہ (اصل میں اسی طرح ہے۔ ناقل) ٹھہر گیا ہے۔

چوتھا یہ فائدہ ہے جو اس میں بمقابلہ اصول اسلام کے مخالفین کے اصول پر بھی کمال تحقیق اور تدقیق سے عقلی طور پر بحث کی گئی ہے اور تمام وہ اصول اور عقائد ان کے جو صداقت سے خارج ہیں بمقابلہ اصول حقہ قرآنی کے ان کی حقیقت باطلہ کو دکھلایا گیا ہے کیونکہ قدر ہر ایک جو ہر پیش قیمت کا مقابلہ سے ہی معلوم ہوتا ہے۔

پانچواں اس کتاب میں یہ فائدہ ہے کہ اس کے پڑھنے سے حقائق اور معارف کلام ربانی کے معلوم ہو جائیں گے اور حکمت اور معرفت اس کتاب مقدس کی کہ جس کے نور روح افروز سے اسلام کی روشنی بھی سب پر منکشف ہو جائے گی کیونکہ تمام وہ دلائل اور براہین جو اس میں لکھی گئی ہیں اور تمام کامل صداقتیں جو اس میں دکھائی گئی ہیں وہ سب آیات بینات قرآن شریف سے ہی لی گئی ہیں اور ہر ایک دلیل عقلی وہی پیش کی گئی ہے جو خدا نے اپنی کلام میں آپ پیش کی ہے اور اسی التزام کے باعث سے تقریباً بارہاں (اصل میں اسی طرح مرقوم ہے۔ ناقل) سپارہ قرآن شریف کے اس کتاب میں اندراج پائے ہیں۔ پس حقیقت میں یہ کتاب قرآن شریف کے دقائق اور حقائق اور اس کے اسرار عالیہ اور اس کے علوم حکمیہ اور اس کے اعلیٰ فلسفہ کو ظاہر کرنے کے لیے ایک عالی بیان تفسیر ہے کہ جس کے مطالعہ سے ہر ایک صادق اپنے مولیٰ کریم کی بے مثل و مانند کتاب کا عالی مرتبہ مثل آفتاب عالمتاب کے روشن ہوگا۔

چھٹا فائدہ یہ ہے کہ اس کتاب کے مباحث کو نہایت متانت اور عمدگی سے قوانین استدلال کے مذاق پر مگر بہت آسان طور پر کمال خوبی اور موزونیت اور لطافت سے بیان کیا گیا ہے اور یہ ایک ایسا طریقہ ہے جو ترقی علوم اور پختگی فکر اور نظر کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہوگا کیونکہ دلائل صحیحہ کے توغل اور استعمال سے قوت ذہنی بڑھتی ہے اور ادراک اور امور دقیقہ میں طاقت مدرکہ تیز ہو جاتی ہے اور باعزت و ورزش براہین حقہ کے عقل سچائی پر ثبات اور قیام پکڑتی ہے اور ہر ایک امر متنازعہ کی اصلیت اور حقیقت دریافت کرنے کے لیے ایک ایسی کامل استعداد اور بزرگ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جو کہ تکمیل قوائے نظریہ کا موجب اور نفس ناطقہ انسان کے لیے ایک منزل اقصیٰ کا

کمال ہے کہ جس پر تمام سعادت اور شرفِ نفس کا موقوف ہے۔ (براہین احمدیہ - صفحہ ۱۳۵، ۱۳۸)

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کہتے ہیں کہ یہ ہیں وہ فوائد جو ایک مومن مسلمان کو اس کتاب کی طرف مائل کرنے کے لیے کافی سے زیادہ ہیں۔ اسی لیے اس زمانہ کے مسلمانوں نے عموماً اور بعض علماء نے خصوصاً اس کتاب کی تعریف کی اور اس کی اشاعت میں مرزا صاحب کی مدد کی۔ لیکن غور طلب سوال یہ ہے کہ کیا یہ فوائد حاصل ہوئے بھی؟ اس کا صحیح جواب یہی ہے کہ جبکہ موعودہ کتاب ہی وجود میں نہیں آئی تو اس کے فوائد کیسے حاصل ہو سکتے۔ رہی یہ بات کہ کتاب کیسے وجود میں نہیں آئی، حالانکہ براہین احمدیہ کے نام سے یہ کتاب فروخت ہو رہی ہے۔ اس کا جواب بالا جمال یہ ہے کہ ان تین سو براہین حقہ میں سے ایک برہان بھی شائع نہیں ہوئی جس پر یہ کہنا بالکل بجائے۔

ہزاروں وعدوں میں گرا ایک ہی وفا کرتے قسم خدا کی نہ ہم ان کو بے وفا کہتے

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کہتے ہیں کہ دوسرا وہم یہ کیا جاتا ہے کہ مخالفوں نے اس (براہین احمدیہ) کا جواب دے کر دس ہزار روپیہ انعام وصول کیوں نہیں کیا۔ جس کا اشتہار مرزا صاحب نے دے رکھا تھا۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جس حالت میں دلائل ظہور پذیر ہی نہیں ہوئے تو جواب کس چیز کا ہوتا؟ آج تک مخالفوں کی طرف سے یہ معقول مطالبہ کیا جاتا رہا کہ وہ دلائل پیش کرو تو ہم غور کریں گے۔

ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ مرزا صاحب نے مطبوعہ براہین احمدیہ میں لکھا ہے کہ براہین احمدیہ جس میں تین سو دلائل حقیقت قرآن اور صداقت نبوت محمدیہؐ دیئے گئے ہیں ہم مکمل طور پر تصنیف کر چکے ہیں (صفحہ ۹۳، ۱۳۶، ۹۹) براہین احمدیہ ملاحظہ ہوں۔ اب حقیقت واقعہ سینئے۔ آپ (مرزا قادیانی) کتاب ہذا کے صفحہ ۵۱۲ پر لکھتے ہیں۔

ان براہین کے بیان میں جو قرآن شریف کی حقیقت اور افضلیت پر بیرونی شہادتیں ہیں۔

اس کے بعد چند آیات ترجمہ لکھ کر صفحہ ۵۶۲ پر کتاب کا خاتمہ ایسے ناپسندیدہ طریق پر کیا ہے جس پر کوئی قابل مصنف تو کیا معمولی مصنف بھی نہیں کر سکتا۔ مثلاً آپ لکھتے ہیں کہ سوئی بغیر دھاگہ کے ناکارہ ہے اور کوئی کام سینے کا اس سے انجام پذیر نہیں ہو سکتا۔ اس طرح عقلی فلسفہ بغیر تائید خدا کی کلام کے متزلزل اور غیر مستحکم اور بے شہادت اور بے بنیاد ہے۔

پائے استدلالیاں چوبیس بود پائے چوبیس سخت بے تمکین بود

حسب دستور یہ بھی نہیں لکھا کہ باقی مضمون آئندہ جلدوں میں شائع ہوگا۔ یہاں تک کہ اخیر میں ”باقی دارڈ“ بھی نہیں لکھا۔ اس کے تیس سال کے بعد براہین کی پانچویں جلد شائع ہوئی۔ اس کو صرف اپنی مسیحا کی ذکر سے پر کر دیا۔ چوتھی جلد کی انتہا کا کوئی ربط پانچویں جلد کی ابتدا کے ساتھ نہیں دکھایا۔ اس کے باوجود کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحب نے ایک بے نظیر کتاب (براہین احمدیہ) شائع کر کے اسلام کی بہت بڑی خدمت کی ہے جس پر بے ساختہ ہمارے منہ سے نکلتا ہے:

اللہ رے ایسے حسن پہ یہ بے نیازیاں بندہ نواز آپ کسی کے خدا نہیں

ہم خلیفہ قادیان (مرزا محمود احمد) اور امیر جماعت لاہور (مولوی محمد علی لاہوری) سے کہتے ہیں آپ دونوں صاحب گوچند مسائل میں باہم مختلف ہیں اسی لیے آئے دن ایک دوسرے کو مباحثہ کا چیلنج دیتے رہتے ہیں مگر اس امر پر متفق ہیں کہ مرزا صاحب کی تصنیفات خواص اور عوام کو مفید ہے۔ اسی لیے قادیانی اور لاہوری دونوں جماعتیں مرزا صاحب کی کتب کو مکرر، سہ کر چھپوا کر شائع کر رہی ہیں۔ آپ لوگوں کے اسی فعل پر ہماری درخواست متفرع ہے کہ وہ ”براہین احمدیہ“ جس کا مسودہ مرزا صاحب تیار کر چکے تھے اور جس کا ذکر مرزا صاحب نے اس کتاب کے صفحہ ۹۳ وغیرہ پر کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ جس کی عدم اشاعت کا اعتراف اور آئندہ اشاعت کا مژدہ مرزا صاحب نے ”آئینہ کمالات“ کے صفحہ ۳۰۶ پر دیا ہوا ہے۔ سب کام چھوڑ کر سب سے پہلے اس کتاب کے مسودہ کو شائع کر دیں تاکہ اسلام کی خدمت مکمل ہو جائے جس کے لیے مرزا صاحب مبعوث ہوئے تھے اور آپ نے اس کتاب کی تعریف کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اعلان کیا تھا کہ اس کتاب میں دھوم دھام سے تحانیات اسلام کا ثبوت دکھلایا گیا ہے کہ جس سے ہمیشہ کے مجادلات کا خاتمہ فتح عظیم کے ساتھ ہو جائے گا۔ (اشہار عرض ضروری ملحقہ براہین) اگر آپ لوگوں نے یہ اسلامی خدمت انجام نہ دی اور ہمارا یقین ہے کہ نہیں دیں گے۔ تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ مرزا صاحب کا یہ بیان متعلقہ تکمیل مسودہ کتاب حقیقت نہیں، بلکہ شاعرانہ تخیل تھا۔

(ناقابل مصنف مرزا، مصنفہ مولانا امرتسری، طبع جون ۱۹۳۳ء، امرتسر)

ایک دفعہ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے لکھا:

اہل حدیث (امرتسر) مورخہ ۵ جنوری ۱۹۴۰ء میں مرزا صاحب کی کتاب ”براہین احمدیہ“ کے متعلق ایک نوٹ لکھا گیا تھا جس میں ہم نے مرزا صاحب کی اس مایہ ناز تصنیف پر ریویو کیا تھا اور پوچھا تھا کہ مرزا صاحب نے اس کتاب میں صداقت اسلام پر جو تین سو دلائل لکھنے کا وعدہ کیا تھا وہ دلائل یا ان میں سے کوئی ایک دلیل کس صفحہ پر ہے؟ ہم نے یہ بھی لکھا تھا امرتسر یا لالہ پور میں ایک مجلس منعقد ہو جس میں یہ دلائل دکھائے جائیں۔ ہماری طرف سے صرف یہ سوال ہوگا کہ براہین کے اس صفحہ کا حوالہ بتایا جائے جہاں مرزا صاحب نے دلائل موعودہ کل یا کم سے کم ایک ہی دلیل لکھی ہو۔ کیسا صاف اور فیصلہ کن سوال ہے مگر قادیان سے جواب کی امید!!! اس خیال است و محال است و جنوں چنانچہ وہی ہوا کہ جواب میں ہمیں کوسا گیا، جب کوسے کوسے تھک گئے تو ہماری عربی تفسیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھ دیا کہ تم کیونکر بول سکتے ہو خود تمہاری عربی تفسیر کے خلاف فتویٰ لگا ہوا ہے۔ یہ تو وہی مثال ہوئی جو کسی مولوی صاحب نے ایک بے نماز کو کہا تھا کہ میاں نماز پڑھا کرو تو اس نے بڑی متانت سے جواب دیا کہ آپ نے اپنے بیٹے کی شادی کے موقع پر کھانے میں نمک بہت زیادہ ڈالا تھا۔ مولوی صاحب نے کہا میرے سوال سے اس کا کیا تعلق؟ ہوشیار طالب علم نے کہا کہ تعلق ہو یا نہ ہو۔ یونہی بات سے بات نکل آتی ہے۔ اچھا بھائی، ہماری تفسیر بھی غلط سہی۔ تو ہم اور مرزا صاحب دونوں برابر ہوئے۔ پس نہ ہم مسیح موعود ہیں اور نہ مرزا صاحب، قصہ ختم۔ (ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۸ مارچ ۱۹۴۰ء صفحہ ۵-۶)

قادیانیوں کے پاس لے دے کے ایک ہی بات تھی کہ شیخ الاسلام مولانا محمد حسینؒ بنا لوی نے براہین پر موافقانہ ریویو لکھا تھا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مرزائیوں کی اس بات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مرزا صاحب کی مایہ ناز کتاب ”براہین احمدیہ“ ہے اس میں مرزا صاحب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں اسلام کی صداقت پر تین سو دلائل لکھوں گا، ہم نے اس کی بابت اتباع مرزا سے بارہا یہ مختصر سوال پوچھا کہ وہ لوگ کوئی ایک دلیل ہی ہم کو دکھائیں کہ کہاں سے شروع ہوئی اور کہاں ختم ہوئی؟ خدا جانے یہ سوال کتنا وزنی ہے کہ نہ قادیان سے اس کا جواب آتا ہے نہ لالہ پور سے۔ اخبار الفضل ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء میں ایک طویل مضمون ہمارے جواب میں نکلا ہے۔ اس میں بھی ہمارے اصل سوال کا جواب دینے کی بجائے محض ادعا پر ادعا کیا گیا

ہے مثلاً کہا گیا ہے کہ آج سے نصف صدی پہلے ہزاروں نہیں لاکھوں مسلمان اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر چکے تھے۔ اس زمانہ میں یہ مرد خدا (مرزا قادیانی) کھڑے ہوئے اور دین اسلام کی حفاظت میں یہ کتاب لکھی۔ کوئی ثبوت پوچھے، تو کچھ نہیں بتا سکتے۔ ہم سے پوچھو تو ہم بتاتے ہیں کہ خود مرزا صاحب نے ہندوستان میں عیسائیوں کی کل تعداد پانچ لاکھ بتائی ہے مگر آپ نے یہ تفصیل نہیں بتائی کہ ان پانچ لاکھ عیسائیوں میں ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں، بھنگیوں اور دوسری پست قوموں میں سے کتنے کتنے افراد آئے تھے۔ مضمون نگار صاحب اگر اپنے دعوے میں سچے ہیں تو اس کا ثبوت پیش کریں کہ مرزا صاحب سے پہلے مسلمان لاکھوں کی تعداد میں عیسائی ہو چکے تھے۔ ہم تو مرزا صاحب کے اس دعوے کو بھی محض ادعا سمجھتے ہیں۔ آخر لے دے کے ہمارے جواب میں مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کا نام پیش کیا جاتا کہ انہوں نے ”براہین احمدیہ“ کی تعریف کی ہوئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا ممدوح محدث تھے اور محدثین کا اصول ہے کہ راوی اپنی جس روایت کی تکذیب کر دے وہ روایت حجت نہیں رہتی۔ مولانا موصوف اپنی آخری عمر میں مرزا صاحب کی کل باتوں کی تردید کرتے رہے۔ چنانچہ ایک دفعہ ہم نے ان سے پوچھا تھا کہ آپ نے ”براہین احمدیہ“ پر تحسین آمیز الفاظ میں تبصرہ (ریویو) کیا تھا اس کی وجہ کیا تھی؟ جواباً فرمایا کہ محض امکان تصور پر، اس کے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ قادیانی اہل علم ہمارے سوال کا جواب مولانا بٹالوی کے ریویو ہی میں بتادیں کہ مرزا صاحب کی تین سو دلائل حقہ میں سے کتنی دلیلیں براہین میں مرقوم ہیں اور وہ کس صفحہ سے شروع ہو کر کس صفحہ پر ختم ہوتی ہیں؟

(ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر، ۱۲۔ اپریل ۱۹۴۰ء، صفحہ ۴-۵)

## براہین احمدیہ معاصرین کی نظر میں

براہین احمدیہ ہر چہار حصہ کی اشاعت کے وقت عوام اہل اسلام کا رد عمل ملاحظہ تھا، ایک طبقہ نے اس تصنیف کو خوش آمدید کہا کیونکہ اس میں غیر مسلموں کے مقابلے میں اسلام کے دفاع کا دعویٰ کیا گیا تھا۔ تاہم ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو اس کے بعض مندرجات سے متفق نہیں تھا۔ جیسا کہ خود مرزا قادیانی، حضرت شیخ الاسلام مولانا بٹالوی کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

مخدومی مکرمی مولانا ناخویم مولوی محمد حسین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ آں مخدوم پہنچا، باعث ممنونی ہوا۔ الحمد للہ والممنہ کہ علماء شرع کی طرف سے حسن ظن اور رفق اور نرمی ظہور میں آئی۔ اور بعض نے طریق نزاع اختیار کیا ہے تو اس میں بھی حضرت ارحم الراحمین کی طرف سے کوئی مصلحت ہوگی۔ یہ عاجز بخوبی جانتا ہے کہ جناب الہی کی یہ عادت نہیں ہے کہ ایسے کاموں کو چپکے چپکے یک دفعہ کمال تک پہنچادے اور ہر یک قسم کے دل سے یک بارگی آمنا صدقنا کا اقرار کرادے۔ اگر ایسا ہوتا تو بہت سے ثواب کہ جوشدا اندا اور کمر و ہات کے دیکھنے پر موقوف ہیں، نیوں اور مرسلوں کو اور ہم لوگوں کو جو ان کے تبعین ہیں ہرگز حاصل نہ ہو سکتے، بلکہ انواع و اقسام کے اسرار مخفی رہ جاتے اور کئی قسم کی تائیدات اور برکات سماوی اور آیات رحمانی جن کا ظہور بروز کسی موذی کی ایذاء سے وابستہ ہے پردہ انخفا میں چھپی رہتی۔ ۱۵ فروری ۱۸۸۴ء مطابق ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ

(اخبار الحکم قادیان ۱۶ ستمبر ۱۸۹۹ء ص ۵-۶)

(یاد رہے کہ حضرت مولانا بٹالوی کے نام مرزا صاحب کا یہ خط ۱۸۸۴ء کے اوائل کا ہے، جب ان کی براہین احمدیہ کی چار جلدیں منظر عام پر آچکی تھیں۔ اس خط سے اس بات کی طرف اشارہ تک نہیں نکلتا کہ ان کا مسیحیت یا نبوت یا مہدویت کا کوئی دعویٰ ہے اور مرزا صاحب اپنے آپ کو نیوں اور مرسلوں کا قبیح بتاتے ہیں۔ ایسے ہی جذبات و خیالات کی وجہ سے مولانا محمد حسین ان کی حمایت کرتے تھے اور مولانا رشید احمد گنگوہی انہیں صالح مسلمان قرار دیتے تھے۔ بہاء)

نیز ایک تحریر میں مرزا غلام احمد قادیانی کہتے ہیں:

ہم نے صد ہا طرح کا فتور اور فساد دے کھ کر کتاب براہین احمدیہ کو تالیف کیا تھا اور کتاب موصوف میں تین سو مضبوط اور محکم عقلی دلیل سے صداقت اسلام کو فی الحقیقت آفتاب سے بھی زیادہ تر روشن دکھلایا گیا چونکہ یہ مخالفین پر فتح عظیم اور مومنین کے دل و جان کی مراد تھی اس لئے امراء اسلام کی عالی ہمتی پر بڑا بھروسہ تھا جو وہ ایسی کتاب لا جواب کی بڑی قدر کریں گے اور جو مشکلات اس کی طبع میں پیش آرہی ہیں ان کے دور کرنے میں بدل و جان متوجہ ہو جائیں گے مگر کیا کہیں اور کیا لکھیں اور کیا تحریر میں لاویں اللہ المستعان و اللہ خیر و ابقی۔ بعض صاحبوں نے قطع نظر اعانت سے ہم کو سخت تفکر اور تردد میں ڈال دیا ہے ہم نے پہلا حصہ جو چھپ چکا تھا اس میں سے قریب ایک سو پچاس جلد کے بڑے بڑے امیروں اور دولت مندوں اور رئیسوں کی خدمت میں بھیجی تھیں اور یہ امید کی گئی تھی جو امراء عالی قدر خریداری کتاب منظور فرما کر قیمت کتاب جو ایک ادنی رقم ہے بطور پیش گی بھیج دیں گے اور ان کی اس طور کی اعانت سے دینی کام باسانی پورا ہو جائے گا اور ہزار ہا بندگان خدا کو فائدہ پہنچے گا۔ اسی امید پر ہم نے قریب ڈیڑھ سو کے خطوط اور عرض بھی لکھے اور بہ انکسار تمام حقیقت حال سے مطلع کیا۔ مگر باستثناء دو تین عالی ہمتوں کے سب کی طرف سے خاموشی رہی۔ نہ خطوط کا جواب آیا، نہ کتابیں واپس آئیں۔ مصارف ڈاک تو سب ضائع ہوئے لیکن اگر خدا نخواستہ کتابیں بھی واپس نہ ملیں تو سخت دقت پیش آئے گی اور بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا (جیسا کہ ایک خط میں مرزا صاحب اپنے مدیر میر عباس علی لدھیانوی کو لکھتے ہیں:

آپ کی کوششوں سے دل بار خوش ہوتا ہے اور بار بار آپ کے لئے اور آپ کے معاونوں کے لئے دل سے نکلتی ہے خداوند کریم نہایت مہربان ہے اس کے تقضات سے بہت سی امیدیں ہیں اس کی راہ میں کوئی محنت ضائع نہیں ہوتی... جب یہ کتاب چھپنی شروع ہوئی تو اسلامی ریاستوں میں توجہ اور مدد کے لئے لکھا گیا تھا۔ بلکہ کتابیں بھی ساتھ بھیجی گئی تھیں۔ سو اس میں سے صرف ابراہیم علی خان صاحب نواب مالیر کوئلہ اور محمود علی خان صاحب رئیس چھتاری اور مدار المہام جو نہ گڈھ نے کچھ مدد کی تھی دوسروں نے اول توجہ ہی نہیں کی اگر کسی نے کچھ وعدہ بھی کیا تو اس کا ایفاء نہیں کیا بلکہ نواب صدیق حسن خان صاحب نے جو پال سے ایک نہایت مخالفانہ خط لکھا۔... ۲۱ جون ۱۸۸۳ء مطابق شعبان ۱۳۰۰ھ۔ مکتوبات احمدیہ جلد اول۔ ص ۲۷-۲۹)۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صدیق حسن خان مرحوم ۱۸۸۳ء کے نصف اول میں ہی قادیانی کی مخالفت شروع کر چکے تھے۔ بہاء، ہم نے کتاب براہین احمدیہ کو جو تین سو براہین قطعیہ و عقلیہ پر مشتمل ہے بغرض اثبات حقانیت قرآن شریف جس سے یہ لوگ بکمال نخوت منہ پھیر رہے ہیں تالیف کیا ہے... اب ہر ایک مومن کے لئے خیال کرنے کا مقام ہے کہ



جس کتاب کے ذریعے سے تین سو دلائل عقلی حقیقت قرآن شریف پر شائع ہو گئیں اور تمام مخالفین کے شبہات کو رفع اور دور کیا جائے گا وہ کتاب کیا کچھ بندگان خدا کو فائدہ پہنچائے گی...

(مجموعہ اشتہارات قادیانی۔ جلد اول۔ ص ۳۸-۴۶، اشتہار مندرجہ کتاب براہین احمدیہ جلد دوم ص ۱۰ تا ۱۱، ۱۸۸۰ء)

اور مرزا صاحب یہ بھی لکھتے ہیں؛

بعض صاحبوں نے اس کتاب کو محض خرید و فروخت کا ایک معاملہ سمجھا ہے اور بعض کے سینوں کو خدا نے کھول دیا اور صدق و ارادت کو ان کے دلوں میں قائم کر دیا ہے لیکن موخر الذکر ہنوز وہی لوگ ہیں کہ جو استطاعت مالی بہت کم رکھتے ہیں اور سنت اللہ اپنے پاک نبیوں سے بھی یہی رہی ہے کہ اول اول ضعفاء اور مساکین ہی رجوع کرتے رہے ہیں اگر حضرت احدیت کا ارادہ ہے تو کسی ذی مقدرت کے دل کو بھی اس کام

کے انجام دینے کے لئے کھول دے گا و اللہ علی کل شیء قدير۔ اشتہار ٹائٹل بیچ صفحہ آخری براہین احمدیہ جلد چہارم ۱۸۸۴ء

(مجموعہ اشتہارات قادیانی۔ جلد اول۔ ص ۵۷)

(کتاب مکمل نہ ہوئی، نہ مکمل کتاب طبع ہوئی ہوئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ ہی نہ تھا کہ یہ کتاب مکمل طبع و تالیف ہو۔ ابہاء)

## نشان نمائی کا قادیانی چیلنج

براہین کے دور میں نشان نمائی کے لئے چیلنج کرتے ہوئے مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا:

گزارش ضروری یہ ہے کہ عاجز مؤلف براہین احمدیہ حضرت قادر مطلق جل شانہ کی طرف سے مامور ہوا ہے کہ نبی ناصری اسرائیلی (سج) کی طرز پر کمال مسکینی فروتنی و غربت و تذلل و تواضع سے اصلاح خلق کے لئے کوشش کرے اور ان لوگوں کو جو راہ راست سے بے خبر ہیں صراط مستقیم (جس پر چلنے سے حقیقی توحیات حاصل ہوتی ہے اور اسی عالم میں بہشتی زندگی کے آثار اور قبولیت اور محبوبیت کے انوار دکھائی دیتے ہیں) دکھاوے۔ اسی غرض سے کتاب براہین احمدیہ تالیف پائی ہے جس کی ۳۷ جزء چھپ کر شائع ہو چکی ہیں اور اس کا خلاصہ مطلب اشتہار ہمارا ہی خط ہذا میں مندرج ہے لیکن چونکہ پوری کتاب کا شائع ہونا ایک طویل مدت پر موقوف ہے اسلئے یہ فرار پایا ہے کہ بالفعل بغرض اتمام حجت یہ خط (جسکی ۲۲۰ کا پی چھوئی گئی ہے) معہ اشتہار انگریزی (جس کی آٹھ ہزار کا پی چھوئی گئی ہے) شائع کیا جائے اور اس کی ایک ایک کا پی بخدمت معزز پادری صاحبان پنجاب و ہندوستان و انگلستان وغیرہ بلاد جہاں تک ارسال خط ممکن ہو، جو اپنی قوم میں خاص طور پر مشہور اور معزز ہوں، اور بخدمت معزز برہمنوں صاحبان و آریہ صاحبان و نیچری صاحبان و حضرات مولوی صاحبان (جو وجود خوارق و کرامات سے منکر ہیں اور اس وجہ سے اس عاجز سے بدظن ہیں) ارسال کی جاوے۔

یہ تجویز نہ اپنے فکر و اجتہاد سے قرار پائی ہے بلکہ حضرت مولیٰ کریم کی طرف سے اس کی اجازت ہوئی ہے اور بطور پیش گوئی یہ بشارت ملی ہے کہ اس خط کے مخاطب (جو خط پہنچنے پر رجوع بحق نہ کریں گے) ملزم و لاجواب و مغلوب ہو جائیں گے۔ بنا برعلیہ یہ خط چھپوا کر آپ کی خدمت میں اس نظر سے کہ آپ اپنی قوم میں معزز اور

مشہور اور مقتداء ہیں، ارسال کیا جاتا ہے اور آپ کے کمال علم اور بزرگی کی نظر سے امید ہے کہ آپ حسب اللہ اس خط کے مضمون کی طرف توجہ فرما کر طلب حق میں کوشش کریں گے اگر آپ نے اسکی طرف توجہ نہ کی تو آپ پر حجت تمام ہوگی۔ اور اس کا روائی کی (کہ آپ کو جرٹی شدہ خط ملا پھر آپ نے اس کی طرف توجہ کو مبذول نہ فرمایا) حصہ پنجم کتاب میں پوری تفصیل سے اشاعت کی جائے گی۔ اصل مدعا خط کے جس کے ابلاغ سے میں مامور ہوا ہوں، یہ ہے دین حق جو خدا کی مرضی کے موافق ہے صرف اسلام ہے اور کتاب حقانی جو منجانب اللہ محفوظ اور واجب العمل ہے صرف قرآن ہے۔ اس دین کی حقانیت اور قرآن کی سچائی پر عقلی دلائل کے سوا آسمانی نشانوں (خوارق و پیشگوئیوں) کی شہادت بھی پائی جاتی ہے جس کو طالب صادق اس خاکسار (مولف براہین احمدیہ) کی صحبت اور صبر اختیار کرنے سے بمعاینہ چشم تصدیق کر سکتا ہے۔ آپ کو اس دین کی حقانیت یا ان آسمانی نشانوں کی صداقت میں شک ہو تو آپ طالب صادق بن کر قادیان میں تشریف لائیں اور ایک سال تک اس عاجز (مرزا) کی صحبت میں رہ کر ان آسمانی نشانوں کا چشم خود مشاہدہ کر لیں لیکن اس شرط نیت سے (جو طلب صادق کی نشانی ہے) کہ کبچر و معائنہ آسمانی نشانوں کے اسی جگہ (قادیان میں) شرف اظہار اسلام یا تصدیق خوارق سے مشرف ہو جائیں گے۔ اس شرط نیت سے آپ آویں گے تو ضرور انشاء اللہ تعالیٰ آسمانی نشان مشاہدہ کریں گے۔ اس امر کا خدا کی طرف سے وعدہ ہو چکا ہے جس میں تخلف کا امکان نہیں۔ اب آپ تشریف نہ لائیں تو آپ پر خدا کا مواخذہ رہا اور بعد انتظار تین ماہ کے آپ کی عدم توجہی کا حال درج حصہ پنجم کتاب ہوگا۔ اور اگر آپ آویں اور ایک سال رہ کر کوئی آسمانی نشان مشاہدہ نہ کریں تو دوسور و پند ماہوار کے حساب سے آپکو ہر جانہ یا جرمانہ دیا جائیگا۔ اس دوسور و پند ماہوار کو آپ اپنے شایان شان نہ سمجھیں تو اپنے حرج اوقات کا عوض یا ہماری وعدہ خلافی کا جرمانہ جو آپ اپنی شان کے لائق قرار دیں گے ہم اس کو بشرط استطاعت قبول کریں گے طالبان حرجانہ یا جرمانہ کے لئے ضروری ہے کہ تشریف آوری سے پہلے بذریعہ جرٹی ہم سے اجازت طلب کریں اور جو لوگ حرجانہ یا جرمانہ کے طالب نہیں ان کو اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ بذات خود تشریف نہ لاسکیں تو آپ اپنا وکیل جس کے مشاہدہ کو آپ معتبر اور اپنا مشاہدہ سمجھیں روانہ فرمائیں مگر اس شرط سے کہ بعد مشاہدہ اس شخص کے آپ اظہار اسلام (یا تصدیق خوارق) میں توقف نہ فرمائیں۔ آپ اپنے شرط اظہار اسلام یا (تصدیق خوارق) ایک سادہ کاغذ پر جس پر چند

ثقافت مختلف مذاہب کی شہادتیں ہوں تحریر کر دیں جس کو متعدد اردو انگریزی اخباروں میں شائع کیا جائے گا۔ ہم اپنی شرط دو سو روپے ماہوار جرمانہ یا حرجانہ (یا جو آپ پسند کریں اور ہم اس کی ادائیگی کی طاقت بھی رکھیں) عدالت میں رجسٹری کرالیں اور اس کے ساتھ ایک حصہ جائیداد بھی بقدر شرط رجسٹری کرالیں۔ بالآخر یہ عاجز حضرت خداوند کریم جل شانہ کا شکر ادا کرتا ہے جس نے اپنے سچے دین کے براہین ہم پر ظاہر کئے اور پھر ان کی اشاعت کے لئے ایک آزاد سلطنت کی حمایت میں جو گورنمنٹ انگلشیہ ہے ہم کو جگہ دی۔ اس گورنمنٹ کا بھی حق شناسی کی رو سے یہ عاجز شکر یہ ادا کرتا ہے۔

الراقم خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور ملک پنجاب۔ مطبوعہ مرتضائی پریس لاہور۔

(مجموعہ اشتہارات قادیانی۔ جلد ۱۔ ص ۲۰-۲۲)

نیز میر عباس علی لدھیانوی کو مرزا صاحب قادیانی لکھتے ہیں:

اس عاجز نے ایک خاص معتبر لاہور میں بھیجا ہوا ہے اگرچہ ارادہ تھا کہ دو ہزار خط چھاپا جائے مگر دو ہزار نوٹس بھیجنے میں پانچ سو روپے خرچ آتا ہے کیونکہ ہر ایک خط رجسٹری ہو کر بصرہ چار آنہ جائیگا اس لئے بعض دوستوں کے مشورہ سے یہ قرین مصلحت معلوم ہوا کہ بالفعل صرف پانچ سو خط چھپوایا جائے جس میں کچھ انگریزی اور کچھ اردو ہوں گے۔ ان خطوط کے چھپوانے اور روانہ کرنے میں بھی ایک سو پچاس یا کچھ زیادہ روپے خرچ آجائیگا۔ مگر یہ کام اتنا جت کیلئے کیا گیا ہے تاہر یک ضلع میں بڑے بڑے پادریوں اور پنڈتوں کی طرف اور بعض راجوں اور رئیسوں کی طرف بھی اور بعض علماء اور گدی نشینوں کی طرف بھی روانہ کئے جائیں۔ اور پھر جب ان کی اطلاع پائی ہو کر آجائے تو ان سب کے نام بغرض اظہار اتمام جت حصہ پنجم میں درج کئے جائیں۔

..دوم مارچ ۱۸۸۵ء-۱۲ جمادی الاول ۱۳۰۲ھ (مکتوبات احمدیہ۔ جلد اول۔ ص ۸۸-۸۹)

(یاد رہے کہ اشتہاروں میں لکھتے ہیں کہ ۲۵ چھپوایا ہے، اور مرید کو جس سے چندے کی امید ہے لکھتے ہیں پانچ سو چھپوایا جائے۔ ایسا ہی ۸ ہزار اشتہار انگریزی کا حال بھی ہوگا، کیونکہ یہ اشتہارات تو عموماً بیرون ملک بھیجتا ہوں گے اور ان پر خرچ بھی بے پناہ آئے گا، وہ کون برداشت کرے گا۔ اور ڈاک خرچ ہی کے دکھ سے تو اتمام جت والا اشتہار کم تعداد میں شائع کیا جا رہا ہے۔ بہاء)

اس اشتہار کے بعد، جو غیر مسلموں کو مخاطب کر کے لکھا گیا تھا، ایک ہندو لکھنوی نے مرزا قادیانی سے خط و کتابت شروع کی، بعد ازاں وہ شخص قادیان آدھکا اور مرزا قادیانی کو رو برو ایک ماہ تک للکارا رہا۔ مقابلے میں مرزا صاحب آئیں بائیں شائیں کرتے رہے۔ (پنڈت لکھنوی کی سرگرمیوں کی روداد ہم متفرقات کے حصے میں نقل کر رہے ہیں)۔ ادھر حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ، ان دنوں مرزا صاحب کی دفاع اسلام اور تردید مذاہب غیر کی سرگرمیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، مرزا صاحب کی نشان نمائی کی طویل میعاد، اور نشان دیکھنے والے کا قادیان آکر رہنا ضروری قرار دینے پر تنقید کرتے ہوئے اشاعت السنہ میں لکھتے ہیں:

تھوڑا عرصہ ہوا کہ مرزا صاحب نے ایک اشتہار اردو و انگریزی میں شائع کیا تھا جس کا بیس ہزار پر چھپ کر ہندوستان وغیرہ بلاد میں شائع ہوا... اسکے بعد انہوں نے ایک خط اردو و انگریزی میں چھپوا کر شائع کیا جس کا مضمون یہ تھا کہ جس شخص کو قرآن کی صداقت اور آنحضرت ﷺ کی نبوت پر آسمانی نشانوں کی شہادت مطلوب ہو وہ ہمارے پاس آ کر ایک سال تک قیام کرے۔ اس اثنا میں خدا تعالیٰ اس کو آسمانی نشان مشاہدہ کرادے گا۔ اور اگر بالفرض کوئی نشان آسمانی اس کے مشاہدہ میں نہ آیا تو اس کو دو سو روپہ ماہوار کے حساب سے چوبیس سو روپہ حرجانہ خرچ خوراک و سکونت سے علاوہ دیا جاوے گا۔....

(شیخ الاسلام مولانا بٹالویؒ فرماتے ہیں) ہم اس مقام میں اس خط اور اس کے دعویٰ کی نسبت کوئی رائے قائم کرنا نہیں چاہتے اور نہ فریق مقابل کی سکوت سے کوئی نتیجہ نکالتے ہیں ہم صرف.. مؤلف براہین احمدیہ کو بطور مشورہ آئندہ کے لئے یہ رائے دیتے ہیں کہ اب وہ امور ثلاثہ معروضہ ذیل میں سے ایک امر ضرور اختیار کریں۔ (۱)۔ اشتہار کی میعاد میں تخفیف کریں اور بجائے ایک سال، ایک مہینہ یا زیادہ سے زیادہ سال کا ربع (یعنی تین مہینے) میعاد مقرر کریں۔ اور بصورت عدم مشاہدہ نشان آسمانی حرجانہ وہی چوبیس سو روپہ رہنے دیں

(۲)۔ یہ مناسب نہ سمجھیں تو لوگوں کو اپنے پاس بلانا ملتوی کریں۔ بجائے اسکے ان کو گھر بیٹھے بیٹھے آسمانی نشان دکھانے کی خدا سے التجا کریں۔ اور ایسی صورتوں میں وہ نشان دکھائیں جن کا وہ دور و نزدیک سے مشاہدہ و تصدیق کر سکیں۔ مثلاً کسی عظیم الشان کے ایک وقت خاص میں مرجانے یا ایک وقت خاص میں پیدا ہونے کی پیش گوئی کریں اور اس کو بذریعہ عام اخبارات و اشتہارات مشتہر کرادیں۔ چنانچہ پہلے خاص طور پر دینا مستحسن

وغیرہ کی موت سے وہ بعض لوگوں کو خبر دے چکے تھے جس کا ذکر وہ کتاب براہین احمدیہ میں کر چکے ہیں۔ ایسے واقعات کو منصف و طالبان حق ذاتی مشاہدہ یا عام تسامع و شہادت سے تصدیق کر لیں گے۔ اور مؤلف براہین احمدیہ کو اپنے دعویٰ میں سچا جان لیں گے۔ زبان سے مانیں خواہ نہ مانیں۔

(۳)۔ یہ نہ ہو سکے تو بالفعل عملی طور پر تائید کو ممتویٰ رہنے دیں۔ علمی تائید میں شب و روز مصروف ہوں اور کتاب براہین احمدیہ کے باقی حصے پورے کریں۔ اور اس میں نقلی و عقلی دلائل سے دین اسلام کی تائید عمل میں لائیں۔

(ماہنامہ اشاعت السنہ جلد ۸ ص ۱۷۷-۱۷۸ مختصر)

یہ تحریر غالباً دسمبر ۱۸۸۵ء کی ہے جو ۱۸۸۶ء کی پہلی سہ ماہی میں ماہنامہ اشاعت السنہ جلد ۸ کے نمبر ۷ میں شائع ہوئی ہے۔ اس تحریر میں شیخ الاسلام مولانا بٹالوی نے مرزا قادیانی کو مشورہ دیا ہے کہ وہ ادھر ادھر کی باتیں چھوڑ کر براہین احمدیہ کو مکمل کریں، یعنی اسلام کی حقانیت پر اپنے موعودہ تین سو دلائل علمی دنیا کے سامنے پیش کریں۔ اور نشان دیکھنے دکھانے کیلئے طویل مدتیں مقرر کرنا ترک کریں۔ سال بھر کون آکر قادیان میں رہے گا۔ اور مخالفین کو قادیان میں بلانے کی ضرورت بھی کیا ہے، لوگوں کو گھر بیٹھے نشان دکھائے جاسکتے ہیں۔ اور کچھ کر سکتے ہو تو ایک دو ماہ میں کر دکھاؤ۔

## چند قادیانی خطوط

مکاتیب احمد جلد اول میں مرزا غلام احمد قادیانی کے ۱۸۸۷ء میں لکھے جانے والے چار خطوط بنام شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ موجود ہیں جن میں مرزا قادیانی نے مولانا بٹالویؒ کے چند اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ چونکہ ہمارے سامنے شیخ الاسلام مولانا بٹالویؒ کے خطوط نہیں ہیں اس لئے یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ ان کے اعتراضات کی حقیقی صورت کیا تھی اور مرزا صاحب کے جوابات کس حد تک ان پر منطبق ہوتے ہیں۔ تاہم ان خطوط سے اتنا پتہ چل جاتا ہے کہ ۱۸۸۷ء میں مولانا بٹالویؒ مرحوم، مرزا صاحب کے اعمال و افعال پر تنقید کرتے تھے۔ مرزا قادیانی کے خطوط ملاحظہ فرمائیے:

﴿ از عائد باللہ الصمد غلام احمد بخد مت اخو کلیم کرم ابو سعید محمد حسین صاحب بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عنایت نامہ پہنچا، اشتہارات تلاش کر کے اور بعض مہمانوں سے لے کر ارسال خدمت ہیں۔ میں باعث بیماری و جمع الاذن حاضر نہیں ہو سکا کیونکہ مجھ کو درد گوش سے بشدت تکلیف ہے اور اندیشہ تپ بھی ہے۔ اعتراض احباب دربارہ کتب مؤلفہ ایں احقر معلوم نہیں کس صورت سے ہے، اگر توقف طبع کتاب پر ہے تو یہ امر قضا و قدر حضرت حکیم مطلق سے واقع ہو گیا ہے۔ شاید اس میں یہ مصلحت ہوگی کہ جو کچھ درمیانی کاروائیاں آج تک ہوئی ہیں ان کا وقوع میں آجانا قبل از طبع کتاب ضروری تھا۔ میں اس بات پر کبھی راضی نہیں ہوا اور نہ اب ہوں کہ کام طبع کتاب میں توقف ہو لیکن تمام توقعات قادر مطلق کی انواع و اقسام کی روکوں سے واقع ہوتی گئی ہیں۔ الوہیت کے زور اور قدرتیں بشریت کے ارادوں کو مضحمل اور کالعدم کر دیتی ہیں اور پھر جب خوب غور سے سوچیں تو اصل خیر بھی انہیں میں ہوتی ہے۔ انسان اپنی فطرت سے مستعجل اور زود پسند ہے اور یہی چاہتا ہے کہ جو کل ہونا ہے وہ آج ہی ہو جائے لیکن عادیۃ اللہ تانی اور توقف ہے جیسا کہ مدۃ نزول قرآن سے ظاہر ہے۔ غرض میرے ساتھ معاملہ حضرت عزوجل شانہ کچھ ایسا ہے کہ میں مردہ بدست زندہ ہوں اور اسکی مصلحت میری مصلحت پر مقدم آجاتی ہے وہ لوگوں کے لعن طعن کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ قادر ہے کہ انجام کار لوگوں کو

خوش کر دے اور جس بات کیلئے میرا سینہ کھول دیا ہے اس کیلئے ان کا سینہ بھی کھول دے و هو علی کل شیء قدير  
 اگر اس عاجز کی کتابوں پر اس صورت سے اعتراض ہو کہ ان میں بعض جگہ سخت الفاظ استعمال کئے  
 گئے ہیں تو میں منطقیوں کی طرح ان سے جھگڑنا نہیں چاہتا بلکہ میں سادہ طور پر بیان کرنا کافی سمجھتا ہوں کہ حکیم  
 مطلق نے میرے اجتہاد کو اسی طرف رجوع دیا اور میرے دل میں یہ نقش کر دیا کہ گو بظاہر ایسی تقریریں موجب  
 اشتعال ہونگی مگر ایک عجیب اثر ان میں یہ ہوگا کہ مخالفین کو خواب خرگوش سے بیداری حاصل ہوگی اور گو وہ کیسے  
 ہی بد تہذیبی سے پیش آئیں مگر ان کو ان تالیفات کی طرف، خواہ رد ہی کی نیت سے کیوں نہ ہو، رجوع ہو جائے  
 گا اور اس رجوع کا انجام نہایت مفید ہوگا۔ سو جس بات پر میری رائے قائم ہوگئی سو اگرچہ ابھی اس کے اخیر نتیجہ  
 کا وقت نہیں آیا مگر میں دیکھتا ہوں کہ صد ہا ہندوؤں کی نیت سے میری کتاب کو پڑھتے ہیں اور صد ہا ہندوؤں کے  
 خیالات پر اثر ہو گیا ہے اور بایں ہمہ اس عاجز کی تقریر میں وہ سختی نہیں جس سختی کو ہندوؤں نے ابتداء سے  
 استعمال کیا ہے۔ اب قصہ کوتاہ یہ کہ یہ طرز تحریر جس کے اختیار کرنے کے لئے حال تک میرا سینہ کھول دیا گیا تھا  
 اگرچہ وہ کسی معترض کی نظر میں صحیح ہو یا غیر صحیح مگر یہ وہ شے ہے جس پر میرا اجتہاد قائم کیا گیا اور اب میں نے  
 جس قدر درشت الفاظ کو استعمال کیا اسی قدر کو کافی سمجھا ہے اور آئندہ میں نے قصد کیا ہے کہ ہر ایک بات حلم اور  
 رفق سے بیان کی جائے اور اسی پر خدا تعالیٰ نے میرے دل کو قائم کر دیا ہے۔ سو میں جانتا ہوں کہ اس میں بھی  
 ایک حکمت تھی اور اس میں ایک حکمت ہے۔

اور جو آنحضرت نے پہلے خط میں ذکر فرمایا تھا کہ پیش گوئی فرزند کو رسالہ میں درج کرنا مناسب نہیں،  
 میں نے اب تک آپ کی خدمت میں اس وجہ سے اسکا جواب نہیں لکھا کہ خدا تعالیٰ نے اس معاملہ میں میری  
 رائے کو آپ کی رائے سے متفق نہیں کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُونَ مجھ کو منجانب اللہ اس بارے میں اعلان و  
 اشاعت کا حکم ہے اور جیسا کہ میرے آقا محسن نے مجھے ارشاد فرمایا ہے میں وہی کام کرنے کیلئے مجبور ہوں۔  
 مجھے اس سے کچھ کام نہیں کہ دنیوی مصلحت کا کیا تقاضا ہے اور نہ مجھے دنیا کی عزت و ذلت سے کچھ سروکار ہے  
 اور نہ اس کی کچھ پرواہ اور نہ اس کا کچھ اندیشہ ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جن باتوں کے شائع کرنیلئے میں مامور ہو  
 ں ہر چند یہ بدظنی سے بھرا ہوا زمانہ ان کو کیسی ہی تحقیر کی نگاہ سے دیکھے لیکن آنے والا زمانہ اس سے بہت سافائدہ



بعض احباب مجھ پر یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ اسراف کا خرچ ہے جو دو دوسو تین تین سو روپے ماہواری کا ہو جاتا ہے اور اسی خرچ نے طبع کتاب میں دقتیں ڈالیں اور انبار کا انبار قرضہ کا سر پر ہو گیا۔ اس کے جواب میں بھی یہی عرض کرتا ہوں کہ اگرچہ یہ اعتراض سچ ہے مگر یہ مہمانداری محض اللہ ہے اور اس میں بھی بارہا تواضع اور اکرام ضیف کیلئے حکم ہوا ہے نہ تخفیف مصارف کیلئے۔ تین سال کے عرصہ میں شاید چالیس ہزار سے کچھ زیادہ مہمان آئے ہونگے اور جہاں تک طاقت تھی حسب تو فیق ان کی خدمت کی گئی۔ سو بظاہر یہ نہایت درجہ کا اسراف معلوم ہوتا ہے لیکن اللہ جل شانہ کو اپنے افعال میں مصالح ہیں اور میں اسی کے حکم اور امر کا پیرو ہوں اور کسی دوسری کمیٹی یا جماعت کی پیروی نہیں کر سکتا اور نہ وہ اس کا روبرو میں کچھ دخل دے سکتے ہیں۔ جس قدر میرے پر قرضہ اور حقوق عباد کے بار ڈالے گئے ہیں میں جانتا ہوں کہ میں اپنی قوت سے اس بارگراں سے سبکدوش نہیں ہو سکتا بلکہ الہی طاقت مجھے سبکدوش کرے گی اس فوق الطاقہ کام میں کسی دوست کی کچھ پیش نہیں جاسکتی مگر وہ ایک ہے حقیقی دوست ہے جو ان غموں کے دور کرنے پر قادر ہے۔ والسلام ۸ ستمبر ۱۸۸۷ء

✽ مخدومی اخویم مولوی ابو سعید محمد حسین سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عنایت نامہ پہنچا۔ میں افسوس سے لکھتا ہوں کہ میری نسبت سوء ظن مسلمان بھائیوں کا کسی معقول وجہ پر مبنی نہیں ہے۔ میں ایسے مسلمانوں کی فتح بیخ پر راضی ہوں اور ان کا ظن کسی طور سے درست ہونے میں نہیں آتا۔ یہ تو بیخ بات ہے کہ مہمان نوازی کی نیت سے اور خود اپنی ذاتی ضروریات کی وجہ سے بہت کچھ روپے خرچ ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہوتا ہے لیکن یہ خیال کہ اکثر حصہ اس روپے کا وہی رقوم ہیں جو قیمت کتاب میں وصول ہوئیں، یہ ایک ضعیف خیال ہے جو حقیقت سے مطابقت نہیں رکھتا۔ واقعی حقیقت یہی ہے کہ جیسے مصارف زیادہ ہوتے گئے اللہ جل شانہ اپنے فضل و کرم سے ان کو انجام دیتا گیا۔ غایت مافی الباب یہ کہ عند الضرورت قیمت کتابوں میں سے بھی کچھ قدر قلیل خرچ ہوتا رہا اور کچھ انہیں درمیانی کاروائیوں میں خرچ ہوا جو کتاب کے متعلق تھیں۔ خیر سالین و معتز ضین کچھ سمجھیں اور کچھ خیال کر لیں لیکن مجھے خوب یقین حاصل ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے ایسی حالت میں موت نہیں دے گا کہ ان بد نظموں کا میرے پر کوئی اعتراض اس قسم کا باقی رہ جائے کہ جو کچھ اصلیت رکھتا ہو الم تعلم ان اللہ

طفل نوزاد کی نسبت میں نے کسی اخبار میں یہ مضمون نہیں چھپوایا کہ یہ وہی لڑکا ہے جس کی تعریف ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہارات میں مندرج ہے، ہاں کئی دفعہ گمان ہوتا ہے کہ وہی ہے کیونکہ:

۱۔ یہی لڑکا تین کو چار کرنے والا ہوا۔

۲۔ حضرت مسیح کے روز پیدائش میں ہوا۔

۳۔ سنا گیا ہے کہ اسی ماہ میں ستارہ مسیح بھی یورپ میں دکھائی دیا جیسا کہ نورافشاں میں درج ہے۔

۴۔ اس کے روز پیدائش میں بعد تولد یہ الہامات ہوئے اَنَا ارسلناہ شاهدآ و مبشراً کصیب مِّن السَّمَاءِ فِيهٖ ظِلْمَاتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ كُلُّ شَيْءٍ تَحْتَ قَدَمِيهٖ . سو میرے نزدیک اب تک یہ الہامات ذوالوجہ ہیں و دیگر علامات بھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ والسلام ۱۶ ستمبر ۱۸۸۷ء

(مرزا غلام احمد دیانی نے کہا کہ میری موت نہیں آئے گی جب تک بد نظریاں ختم نہ ہو جائیں۔ اس معاملے سے متعلق چند گزارشات

متفرقات کے حصے میں کی جارہی ہیں۔ بہاء)

✽ مخدوم مکرمی اخویم مولوی محمد حسین السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج ۲۸ ستمبر ۱۸۸۷ء کو آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ واضح رہے کہ اس عاجز کے قلم سے کوئی کلمہ رنج یا خفگی کا آپ کی نسبت نہیں نکلا۔ بلکہ میں ممنون ہوں کہ آپ بغیر اس کے کہ اصل حال سے واقف ہوتے میرے خیر خواہوں اور خیر اندیشوں اور نیک خیالوں میں رہے۔ سو میرے لئے آپ کا شکر کرنے کے لئے یہی کافی ہے اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ آپ میں سچی محبت رہی ہے اور میرا دل شہادت دیتا ہے کہ فقط ایک سچی محبت کے جوش سے آپ قلم و زبان سے میری کاروائیوں کی نصرت میں لگے رہے ہیں، سورنج اور خفگی کا کوئی محل نہیں۔ تا میں نے آپ پر ایک واقعی حال اظہار کیا پھر وہ سب واقعی عذرات آپ کی نظر میں ملتی نہ ہوئے تو بقول شخصے کہ طاقت بہماں داشت خانہ مہمان گذاشت۔ چند الفاظ مؤدبانہ ترک نزاع کے لئے میں نے استعمال کئے شائد انہیں الفاظ کو آپ نے کلمہ رنج و خفگی سمجھا ہوگا۔ مگر حاشا وکلا میرا وہ منشاء نہیں ہے جو آپ نے سمجھا۔ میں پھر بادب آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ آئندہ اخراجات کی کمی اور تخفیف کی فکر میں، میں آپ ہی ہوں، مگر گزشتہ

تدارک میرے حدامکان سے باہر ہے۔ اس قصور کا خود معترف ہوں کہ جو کچھ کتاب کی قیمت میں آیا وہ خرچ ہوتا رہا ہے (گزشتہ خط میں کہا کہ اس کا کچھ حصہ خرچ ہوتا رہا ہے۔ بہاء) مگر یہ بات کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک میرے وہ مصارف کس رنگ میں ہیں اور نکتہ چینوں کی نظر میں کس رنگ میں، اس میں بحث نہیں کرنا چاہتا، کیونکہ گذری ہوئی بات کو طول دینا کچھ فائدہ نہیں اور میری ناقص رائے میں آپ کا اس فکر میں پڑنا لایزم ہے۔ آں مخدوم سے شرعی یا عرفی طور پر کچھ مواخذہ یا مطالبہ نہیں ولا تذر وازرة و ذرا اخری میں نے سرمہ چشم آریہ کے پہلے صفحہ پر ہی اشتہار دے دیا ہے کہ جو شخص خرید کتاب پر ناراض ہو وہ فسخ بیع کر سکتا ہے۔ ایسے خطوط جب پہنچیں گے تو میں کوشش کرونگا کہ جلد تر کتابیں واپس لی جائیں اور ان کا روپیہ مسترد کیا جائے۔ سو وہ اشتہار اطلاع عام کیلئے کافی ہے۔ میں آپ پر مکرر ظاہر کرتا ہوں کہ میں آپ پر ہرگز ناراض نہیں ہوں لیکن اگر آپ خواہ نخواہ بات کو طول دیں تو میری طرف سے ناراض ہونا بے محل بھی نہیں۔ میں بشر ہوں اور بشریت کی صفات و لوازم سے نبی بھی الگ نہیں ہو سکتے جو شخص ان کے دل کو خوش کرے اس سے راضی ہو جاتے ہیں اور جو شخص ان کے دل کو خواہ نخواہ آزار پہنچائے اس سے وہ خوش نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ بشر ہیں۔ آپ کے سامنے قرآن و حدیث سے اسکے نظائر پیش کرنا حاجت نہیں۔

اور پھر آپ اپنے خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ گویا مجھے یہ الہام ہوا تھا کہ وہ لڑکا بہت قریب ہونے والا ہے۔ آپ میرے اشتہار ۸۔ اپریل ۱۸۸۵ء کو دیکھ لیں اس میں، وہ، کا لفظ نہیں بلکہ، ایک، کا لفظ ہے اور یہ آپ کا قول کہ: ایسی پیش گوئیوں سے بجائے نفع اسلام کو کمال نقصان پہنچے گا۔ میری دانست میں یہ کہنا اسکا حق ہے کہ ان پیش گوئیوں کا مقابلہ کر کے دکھاوے۔ میرے رسالہ سراج منیر اور اس کی تمام پیشگوئیوں کی بناء اسی پر ہے کہ اگر کوئی مخالف کسی پیشگوئی کا انکار کرے تو ایسی پیشگوئی پیش کرے۔ آپ فرماتے ہیں کہ: سراج منیر میں اسی طور کی پیش گوئیاں ہیں تو میری رائے ہے کہ سراج منیر کا طبع کرنا موقوف رکھا جائے کیونکہ ایسی کتاب سے مسلمانوں کا کمال ہتک ہوگا، اسکے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ بیشک سراج منیر میں اسی طرح کی پیشگوئیاں ہیں بلکہ سب سے بڑھ کر یہی پیشگوئی ہے، مگر دوسرا فقرہ آپ کا: ایسی پیشگوئیوں سے مسلمانوں کا کمال ہتک ہوگا، فراست پڑنی نہیں ہے۔ اور آپ کا یہ قول کہ: مجھے صرف یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کا زیادہ ہتک نہ ہو اور ان

کا مال ناحق برباد نہ ہو،۔ آپ کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ بیٹا پیدا ہونے سے مسلمانوں کا کسی قدر ہتک ہو گیا اور آئندہ سراج منیر کے چھپنے سے اس سے زیادہ ہوگا۔ سو میں کہتا ہوں کہ اگر پیشگوئیوں کا سچائی سے ظہور میں آجانا مسلمانوں کیلئے موجب ہتک ہے تو جس قدر یہ ہتک ہوا اتنا ہی تھوڑا ہے۔ ۲۷ جولائی ۱۸۸۶ء کو آریوں نے ایک اشتہار دیا تھا کہ ہمیں اپنے پرمیٹر کی طرف سے الہام ہوا ہے کہ ہرگز بیٹا پیدا نہیں ہوگا۔ ابد تک نہیں ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی ہندو منجم نے ان کی اطمینان کی ہوگی اور یہ اشتہار پنجاب اور ہندوستان میں شائع کئے گئے تھے۔ اب آپ سوچ کر دیکھیں کہ برطبق اشتہار ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء بیٹا پیدا ہو جانا جو مصدقہ پیشگوئی ہے، یہ موجب ہتک و ندامت آریوں اور دیگر مخالفوں کا ہوا، یا مسلمانوں کا اس سے ہتک ہو گیا۔ انجیل میں حضرت مسیح کی پیش گوئیاں آپ نے نہیں دیکھیں کہ بھونچال آویں گے، کال پڑیں گے، باپھیلے گی، لڑائیاں ہوویں گی۔ نہ کسی وقت کا پتہ نہ کسی مکان کا نشان۔ مگر اس وقت کے سچے عیسائیوں کا اس سے کچھ ہتک نہ ہوا۔ آپ کو یاد رہے کہ مخالفین خود ملزم ہیں کیونکہ وہ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہر ایک چیز کا اندازہ قیمت مقابلہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

والسلام۔ خاکسار غلام احمد، ۲۸ ستمبر ۱۸۸۷ء۔

✽ مخدومی مکرئی مولوی ابوسعید محمد حسین سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ میں افسوس سے لکھتا ہوں کہ میں آپ کے کسی حرف سے اتفاق نہیں کر سکتا جیسا کہ بظاہر سمجھا جاتا ہے آپ بھی میری رائے سے اتفاق نہیں کر سکتے تو پھر میری دانست میں خط و کتابت کی بات تو خاتمہ کو پہنچی۔ اب میری طرف سے تو یہ تحریر وادعی اور آخری خط ہی سمجھیں۔ اور آپ کو اختیار ہے کہ جس رائے پر آپ قائم ہیں اس کو اپنی طاقت قلمی سے، بخوبی ظاہر کریں۔ میں بجز اس زمانہ اور وقت کے کہ حضرت مقلب القلوب اور ہادی مطلق آپ کو آپ کے اس قول سے رجوع دلا کر میری رائے سے متفق کرے، آئندہ کوئی خط آپ کی طرف لکھنا نہیں چاہتا اور نہ اپنے اختیار اور مرضی سے بغیر کسی امر جدید پیش آنے کے، جس کا اب مجھے علم نہیں، لکھوگا۔ ہاں، آپ کے اس خط کی نسبت جس کو میں نے عزت کے ساتھ اپنے صندوق میں رکھ لیا ہے اگر مناسب سمجھا سراج منیر یا کسی دوسرے رسالہ میں بغرض ازالہ وساوس کچھ لکھوگا اور وہ بھی اس حالت میں کہ آپ کا یہ خط یا ایسا ہی کوئی اور مضمون آپ کے رسالہ یا کسی اور پرچہ میں شائع ہو جائے یا زبانی طور پر مختلف فرقوں میں شیوع پا جائے۔ سو

مناسب ہے کہ اب آپ بھی میری طرف خطوط بھیجنے سے مستتر چ رہیں اور بذریعہ تحریرات مطبوعہ اپنے بخارات نکالیں۔ خاکسار غلام احمد غفنی عنہ۔ ۵۔ اکتوبر ۱۸۸۷ء

(الحکم قادیان ۷ فروری ۱۹۰۴ء ص ۷)۔ (مکتوبات احمد۔ جلد ۱۔ ص ۳۰۳-۳۱۰)

مرزا غلام احمد قادیانی کے منقولہ بالا خطوط کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالویؒ نے درج ذیل معاملات میں مرزا صاحب کے ساتھ اختلاف کرتے ہوئے ان پر تنقید فرمائی ہے: ۱۔ اسراف۔ ۲۔ مسلمانوں سے براہین احمدیہ کیلئے حاصل کردہ چندے اور پیشگی رقوم کا ذاتی مصارف میں خرچ۔ ۳۔ ایسی پیش گوئیاں شائع کرنا جن سے مسلمانوں کی ہتک ہوتی ہے، اور پیش گوئیاں شائع نہ کرنے کا مشورہ۔ ۴۔ کتابوں میں مخالفین کے بارے میں سخت زبان کا استعمال۔

جواب میں مرزا غلام احمد نے مخالفین کے بارے میں سخت زبان استعمال کرنے کا پہلے تو دفاع کیا ہے اور پھر تسلیم کیا ہے کہ آئندہ ایسا نہیں کرونگا (لیکن پھر بھی باز نہیں آئے) براہین وغیرہ کی قیمت میں آنے والی رقوم کے بارے میں اقرار کیا ہے کہ واقعتاً انہوں نے دیگر مدت میں انہیں استعمال کیا ہے۔ پیشگوئیاں شائع کرنا دفاع کیا کیونکہ یہ ان کی شہرت کا سبب بن رہی تھیں۔ تاہم مولانا بٹالویؒ کے دلائل سے لاجواب ہو کر کہا ہے کہ آئندہ مجھے کوئی خط نہ لکھیں۔

اس دور میں بٹالوی قادیانی تعلقات کی نوعیت پر مرزا قادیانی کے ان خطوط سے بھی روشنی پڑتی ہے جو انہوں نے اپنے مریدوں کو لکھے تھے۔ مثلاً ۱۸۸۹ء میں مرزا قادیانی اپنے حواری حکیم نور الدین کو لکھتے ہیں: اس عاجز کا دماغ بہت ضعیف ہو گیا ہے۔ کوئی محنت کا کام نہیں کر سکتا۔ ایک خط کا لکھنا مشکل ہے۔ اللہ جل شانہ غائب سے قوت عطا فرمائے۔ مولوی محمد حسین بہت دور جا پڑے ہیں.... مولوی محمد حسین ایک مقام اور رائے پڑھ گئے ہیں اور وہ مقام اور رائے انہیں پسند آ گیا ہے۔ لیکن میں سچ کہتا ہوں اگر اس پر ان کی موت ہو، تو اس طبقہ میں جانا پڑے گا جس میں مجھو بین جایا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ صدق اور صادقین کی طلب ان میں پیدا کرے اور زنگ موجودہ سے انہیں نجات دے ورنہ ان کی حالت خطرناک ہے....

خاکسار غلام احمد۔ ۷ دسمبر ۱۸۸۹ء (مکتوبات احمدیہ۔ جلد پنجم نمبر ۲۔ ص ۷۴-۷۵)

اور ۱۸۹۰ء میں مرزا غلام احمد قادیانی اپنے حواری حکیم نور الدین کو لکھتے ہیں:

مولوی محمد حسین نے پختہ ارادہ مخالفانہ تحریر کا کر لیا ہے اور اس عاجز کے ضال ہونے کی نسبت زبانی طور پر اشاعت کر رہے ہیں۔ مرزا خدا بخش جو محمد علی خان صاحب کے ساتھ آئے ہیں ذکر کرتے ہیں کہ میں نے بھی ان کی زبانی ضال کا لفظ سنا ہے۔ کل بمشورہ مرزا خدا بخش و محمد علی خان صاحب ان کی طرف خط لکھا ہے کہ پہلے ملاقات کر کے اپنے شکوک پیش کرو۔ معلوم نہیں کیا جواب دیں۔ میں نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اگر آپ نہ آسکیں تو میں خود آسکتا ہوں۔ مگر ان کے اس فقرہ سے سب کو تعجب آیا کہ میں عقلی طور پر مسیح کا آسمان سے اترنا ثابت کر دوں گا۔ غزنوی صاحبوں کا جوش اس قدر ہے کہ ناگفتہ بہ۔ ایک صاحب محی الدین نام لکھو کے میں ہیں، انہوں نے اس بارے میں اپنے الہامات لکھے ہیں اور اذا تمنى القى الشيطان الى امينته کا نمونہ دکھایا۔ در حقیقت ان الہاموں سے اپنی پردہ درمی کی ہے۔ ان کے یعنی محی الدین اور عبدالحق کے الہامات کا یہی خلاصہ ہے کہ یہ شخص ضال ہے، جہنمی ہے۔ اور میں نے سنا ہے کہ ان لوگوں نے کچھ دبی زبان سے کافر کہنا شروع کر دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ ایک بڑے امر کو ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ ایک شخص محمد علی نام شاند گوجرانوالہ کا رہنے والا ہے، مولوی تو نہیں مگر خوش الحان واعظ ہے۔ اس نے سنا ہے کہ بٹالہ میں بڑی بد زبانی شروع کی ہے۔ مولوی محمد حسین بد زبانی تو نہیں کرتے مگر ضال کہتے ہیں۔ اور تعجب یہ کہ بعض لوگ کافر کہتے ہیں وہ اپنے خط میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بھی لکھ دیتے ہیں حالانکہ کفار کو ایسے لفظ لکھنے نہیں چاہئیں... والسلام خاکسار غلام احمد۔ ۱۵ جولائی ۱۸۹۰ء۔

(مکتوبات احمدیہ۔ جلد پنجم نمبر ۲ ص ۷۵)۔

ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ جوں جوں قادیانی تھیلے سے بلی باہر آتی جا رہی ہے حضرت بٹالویؒ ان کی تردید و مخالفت کی شروعات کرتے جا رہے تھے۔

## ہوتا ہے جادہ پیم پھر کارواں ہمارا

شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ اور مرزا غلام احمد قادیانی کے مابین ۱۸۹۱ء کی پہلی سہ ماہی میں کی ایک تاریخی مراسلت ہوئی جو ماہنامہ اشاعت السنۃ جلد ۱۲ اہب ۱۸۹۱ء (صفحات ۳۵۳ تا ۳۹۲) میں منقول ہے۔ اس خط و کتابت سے تحریک ختم نبوت کا کارواں جادہ پیم ہوا۔ اس سلسلے کا پہلا خط شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے لاہور سے تحریر کیا جو درج ذیل ہے:

لاہور ۳۱ جنوری ۱۸۹۱ء۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مکرمی جناب مرزا غلام احمد صاحب آپ کا رسالہ فتح اسلام امرتسر میں چھپ ہی رہا تھا کہ میں اتفاقاً امرتسر پہنچا۔ اور میں نے اس رسالہ کے پروف مطبع ریاض ہند سے منگا کر ان کو دیکھا اور پڑھوا کر سنا۔ اس رسالہ کے دیکھنے اور سننے سے مجھے یہ سمجھ میں آیا کہ آپ نے اس میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ موعود مسیح جن کے قیامت سے پہلے آنے کا خدا تعالیٰ نے اپنی کلام مجید میں اشارہ (مثلاً و ان من اهل الكتاب الا لیسو منن به قبل موته نساء) اور رسول خدا ﷺ نے اپنی کلام مبارک میں، جو صحاح احادیث میں موجود ہے، صراحۃً وعدہ دیا ہے، وہ آپ ہی ہیں جو مسیح ابن مریم کے مثیل کہلاتے ہیں، نہ وہ مسیح ابن مریم جن کو عام اہل اسلام مسیح موعود سمجھتے ہیں۔ مسیح بن مریم کو مسیح موعود سمجھنے میں عام اہل اسلام نے غلطی کی ہے اور دھوکہ کھایا ہے۔ اور ان احادیث کو، جو مسیح موعود کی نسبت صحاح میں وارد ہیں، غور سے نہیں دیکھا۔

میں نے اس اپنی سمجھ کی تصدیق کے لئے پہلے مولوی عبدالکریم عرف کریم بخش سیالکوٹی کی وساطت سے آپ سے دریافت کیا تھا کہ اپنے مسیح موعود ہونے سے آپ کی کیا مراد ہے۔ پھر مشفق مولوی نور الدین صاحب حکیم جموں کے ذریعہ سے یہ سوال کیا۔ مگر ان دونوں صاحبوں نے آج تک نہ تو آپ کی طرف سے میرے سوال کا کوئی جواب پہنچایا اور نہ خود کچھ کہا۔ اب میں بار سوم براہ راست آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ اس دعویٰ سے کیا آپ کی وہی مراد ہے جو اوپر معروض ہوئی؟ اور وہ آپ کے رسالے کے فقرات ذیل سے مفہوم

ہوتی ہے:

شکر کے سجدات بجلاؤ کہ وہ زمانہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمہارے بزرگ آباء گزر گئے، اور بے شمار روحیں اسی شوق میں سفر کر گئیں، وہ وقت تم نے پالیا۔ (فتح اسلام مضمّنہ مرزا قادیانی ص ۱۰)

مسح جو آنے والا تھا یہی ہے۔ (فتح اسلام ص ۱۵)

مسح کے نام پر یہ عاجز بھیجا گیا ہے تا صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کر دیا جائے۔ سو صلیب کے توڑنے اور خزیروں کے قتل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ (فتح اسلام ص ۱۷)

تیسرا نشان یہ ہے کہ: وہ بزرگ زیدہ نبی جس پر تم ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہو، اس پاک نبی نے اس عاجز کے بارے میں لکھا ہے جو تمہاری صحاح میں موجود ہے جس پر آج تک تم نے غور نہیں کی (فتح اسلام ص ۲۳)

یا اس دعویٰ سے آپ کی مراد کچھ اور ہے؟ وہی مراد ہے تو صرف ہاں یا نعم فرمادیں۔ زیادہ توضیح کی تکلیف نہ اٹھادیں۔ اور اگر اس دعویٰ سے کچھ اور مراد ہے تو اس کی توضیح کریں۔ اس خط کا جواب پا کر میں اس دعویٰ کی نسبت کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، بذریعہ تحریر ہو یا بواحد تقریر۔ امید کہ آپ جواب سے دریغ نہ فرمادیں گے۔ اور اگر جواب سے آپ نے سکوت فرمایا تو اس سے بحکم السکوت فی معرض البیان بیان یہ سمجھا جائے گا کہ اس دعویٰ سے آپ کی وہی مراد ہے جو خاکسار نے عرض کیا ہے۔ اور اس پر جو کہنا ہے سو کہا جائے گا۔ اس کے بعد آپ کو یا آپ کے اتباع کو کوئی تاویل کرنے کا موقع نہ ملے گا۔ اسی غرض سے اس خط کی نقلیں بعض خاص اتباع جناب کے پاس بھیجی گئی ہیں۔ آپ کا نا صحیح خیر خواہ: ابو سعید محمد حسین

☆ اس کے جواب میں مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت مولانا محمد حسین بٹالویؒ کو لکھا:

عنایت نامہ پہنچا۔ عاجز کی طبیعت علیل ہے۔ انوخیم منشی عبدالحق صاحب کو تا کید فرمادیں کہ جہاں تک جلد ممکن ہو معمولی گولیاں ارسال فرمادیں۔ توجہ سے کہدیں۔ افسوس میری علالت طبع کے وقت آپ عیادت کیلئے بھی نہیں آئے۔ اور آپ کے استفسار کے جواب میں صرف ہاں کافی سمجھتا ہوں۔ خاکسار غلام احمد ۵ فروری ۱۸۹۱ء

☆ اس کے جواب میں شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے لکھا:



لاہور ۱۱ فروری ۱۸۹۱ء۔ مکرمی جناب مرزا صاحب: آپ کا کارڈ میں نے وصول پایا۔ مجھے کمال افسوس ہے کہ مجھے آپ کے اس دعویٰ کا کہ میں مسیح موعود ہوں، خلاف مشتہر کرنا پڑا۔ اس الہام کو آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں تو خدا کی جناب میں دعا کریں کہ وہ مجھے اس خلاف سے روکے۔

آپ اگر اس دعویٰ میں حضرت خضرؑ کی طرح معذور ہیں تو میں اس کے انکار اور خلاف میں حضرت موسیٰؑ کی طرح مجبور ہوں (خضرؑ کا چلتی کشتی کے تختے کو اکھاڑ دینا، ایک بے گناہ لڑکے کی جان مارنا، ایک گرتی ہوئی دیوار کو کھڑا کر دینا۔ اور موسیٰؑ کا ان تینوں نغلوں پر معترض ہونا۔ سورہ کہف کے دسویں رکوع میں مذکور ہے) آپ کے رسائل تو ضیح المرام اور ازالۃ الالہام میرے خلاف کو نہیں روکیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ نقلی یا عقلی دلائل سے آپ اور آپ کے حواریین آپ کا مسیح موعود ہونا ثابت نہ کر سکیں گے تاہم آپ تینوں رسائل کی تین تین کا پیاں ارسال کریں۔ میں ان کو غور سے دیکھوں گا۔ انشاء اللہ۔ مولوی نور الدین صاحب نے میرے پاس کوئی رسالہ نہیں بھیجا۔ وہ مجھ سے صرف آپ کی وجہ سے ناراض ہیں۔ منشی عبدالحق کو آپ کا پیغام پہنچا دیا۔ میں آپ سے ملونگا، ان شاء اللہ، مگر جلد نہیں مل سکتا۔

آپ کا ناصح ابوسعید محمد حسین

☆ اس کے جواب میں مرزا غلام احمد قادیانی نے لکھا:

مخدومی مکرمی اخویم مولوی صاحب۔ عنایت نامہ پہنچا۔ اگرچہ خداوند خوب جانتا ہے کہ یہ عاجز اس کی طرف سے مامور ہے، اور ایسے امور میں جہاں عوام کے فتنے کا اندیشہ ہو، جب تک کامل اور قطعی اور یقینی طور پر اس عاجز پر ظاہر نہیں کیا جاتا، ہرگز زبان پر نہیں آتا۔ لیکن اس میں کچھ حکمت خداوند کریم کی ہوگی کہ اس نزول مسیح کے مسئلے میں جس کو اصل اور لب اسلام سے کچھ تعلق نہیں، اور ایک مسلمان پر اسکی اصل کیفیت کھولی گئی ہے، جس پر بوجہ اخوت حسن ظن بھی کرنا چاہیے (حسن ظنی کی ایک حد مقرر ہونی چاہیے۔ اگر کوئی مسلمان یہ دعویٰ کرے کہ میں نبی آخر الزمان ہوں، یا مجھے الہام میں شراب کی اجازت ہوگئی ہے، تو ہم اور آپ اس کے حق میں حسن ظن کریں گے؟ ہرگز نہیں۔ محمد حسین)۔ آن مکرم کو مخالفانہ تحریر کے لئے جوش دیا گیا ہے، اور میں جانتا ہوں کہ آپ کی اس میں نیت بخیر ہوگی۔ اور اگرچہ مجھے آپ کے استیصال کی نسبت شکایت ہو، اور اس کو رو برو یا غائبانہ بیان بھی کروں، مگر آپ کی نیت کی نسبت مجھے حسن ظن ہے۔ اور آپ کو زمانہ حال کے اکثر علماء بلکہ، اگر آپ ناراض نہ ہوں تو، بعض لہی جدوجہد کے کاموں

کے لحاظ سے مولوی نذیر حسین صاحب سے بھی بہتر سمجھتا ہوں (بے شک میں اس مدح سے ناراض ہوں۔ مولانا وشینا و شیخ اکل کے معلومات سے میرے معلومات کو وہ نسبت ہے جو بادشاہ سے ایک گداگر کو ہے۔ اس تفصیل معلومات کے مقابلہ میں میرے وہ کام لائق شمار نہیں ہیں۔ محمد حسین) اور اگرچہ میں آپ سے ان باتوں کی شکایت کروں، تاہم مجھے بوجہ آپ کی صفائی باطن کے، آپ سے محبت ہے۔ اگر میں شناخت نہ کیا جاؤں، تو میں سمجھوں گا کہ میرے لئے یہی مقدر تھا۔ مجھے فتح اور شکست سے بھی کچھ تعلق نہیں، بلکہ عبودیت اور اطاعت حکم سے غرض ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس خلاف میں آپ کی نیت بخیر ہوگی۔ لیکن میرے نزدیک بہتر ہے کہ آپ اول مجھ سے بات چیت کر کے اور میری کتابوں کو یعنی رسائل ثلاثہ کو دیکھ کر کچھ تحریر کریں۔ مجھے اس سے کچھ غم اور رنج نہیں کہ آپ جیسے دوست مخالفت پر آمادہ ہوں کیونکہ یہ مخالفت رائے بھی حق کے لئے ہوگی۔ کل میں نے اپنے بازو پر یہ لفظ اپنے تئیں لکھتے ہوئے دیکھا کہ: میں اکیلا ہوں اور خدا میرے ساتھ ہے، اور اس کے ساتھ مجھے الہام ہوا: ان معی ر بی سیہدین، سو میں جانتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ اپنی طرف سے کوئی حجت ظاہر کر دے گا۔ میں آپ کے لئے دعا کروں گا۔ مگر ضرور ہے کہ جو آپ کے لئے مقدر ہے وہ سب آپ کے ہاتھ سے پورا ہو جائے۔ حضرت موسیٰ کی جو آپ نے مثل لکھی ہے اشارۃ النص پایا جاتا ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ موسیٰ نے کیا۔ اس قصے کو قرآن شریف میں بیان کرنے سے غرض بھی یہی ہے کہ تا آئندہ حق کے طالب معارف روحانیہ اور عجائبات مخفیہ کے کھلنے کے شائق رہیں۔ حضرت موسیٰ کی طرح جلدی نہ کریں۔ حدیث صحیح بھی اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے (اس حدیث صحیح کا جس کی طرف آپ اشارہ کرتے ہیں یہ مطلب نہیں کہ خلاف شریعت پر سکوت کیا جائے۔ اور نہ قرآن میں یہ اشارہ ہے۔ محمد حسین)۔ اب مجھے آپ کی ملاقات کیلئے صحت حاصل ہے۔ اگر آپ بٹالے میں آجائیں تو اگرچہ میں بیمار ہوں اور دوران سراس قدر ہے کہ نماز کھڑے ہو کر نہیں پڑھی جاتی، تاہم افناں و خیزاں آپ کے پاس پہنچ سکتا ہوں۔ بقول رنگین وہ نہ آوے تو تو ہی چل رنگین اس میں کیا تیری شان جاتی ہے

ازالۃ الا وہام ابھی چھپ کر نہیں آیا۔ فتح اسلام اور توضیح المرام ارسال خدمت ہیں۔ الرام غلام احمد از قادیان

☆ اس کے جواب میں شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے لکھا:

لاہور ۱۶ فروری ۱۸۹۱ء۔ مکرمی جناب مرزا صاحب: آپ کا محبت نامہ اور پمفلٹ توضیح المرام (مصنف مرزا قادیانی) موصول ہوئے۔ توضیح کو میں نے دیکھا، اس نے میری مخالفت رائے کو اور پختہ کر دیا اور مجھے امید ہے کہ جو مخالف مضامین فتح اسلام اس کو دیکھے گا وہ اس مخالفت میں اور پختہ ہوگا۔ قیاس مقتضی ہے کہ ایسا ہی ازالۃ الاوبام ہوگا۔ مع ہذا میں اسکے مضامین کو دیکھنے یا سننے کے بغیر اپنے خلاف کا اشتہار کرنا، اور آپ کی شکایت استیصال کا مورد بننا نہیں چاہتا۔ لہذا ملتسم ہوں کہ اگر وہ رسالہ چھپ گیا ہو تو جلد ارسال فرمائیں۔ اور اگر اس کے چھپنے میں توقف ہے تو اس کے مضامین کو آپ زبانی بیان کریں، میں حاضر ہو کر سننے کو تیار ہوں، میں ایک شب کے لئے قادیان میں خود پہنچ سکتا ہوں، اور اگر اس سے زیادہ وقت آپ چاہتے ہیں، تو آپ بٹالہ میں تشریف لائیں اور جب تک چاہیں میرے غریب خانہ پر رہیں اور انظہار مافی الضمیر کریں۔

مولوی نور الدین صاحب سے آپ کے معاملہ میں جو مراسلت ہوئی ہے اس کی نقل اس غرض سے ارسال خدمت ہے کہ آپ اس مراسلت کی نسبت اپنی رائے ظاہر فرمائیں کہ وہ اس میں مصیب ہیں یا مخطی۔ مصیب ہیں تو اس کی توضیح سے مجھے متنبہ کریں، اور اگر مخطی ہیں تو ان کی خطا پر ان کو آگاہ فرمائیں۔ آپ رسالہ فتح اسلام میں ان کو نورانی اور روحانی بیان کر چکے ہیں، ان کے اس جواب سے اس کا خلاف مفہوم ہوتا ہے۔

آپ کا خیر خواہ۔ ابو سعید محمد حسین

☆ مرزا غلام احمد قادیانی نے اس کے جواب میں لکھا:

مخدومی مکرمی اخویم مولوی صاحب۔ محبت نامہ پہنچا۔ چونکہ آں مکرم عزم پختہ کر چکے ہیں تو پھر میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ اس عاجز کی طبیعت بیمار ہے۔ دوران سر اور ضعف بہت ہے، ایسی طاقت نہیں کہ کثرت سے بات کروں۔ جس حالت میں آں مکرم کسی طور سے اپنے ارادہ سے باز نہیں رہ سکتے اور ایسا ہی یہ عاجز اس بصیرت اور علم سے اپنے تئیں ناپید نہیں کر سکتا جو حضرت احدیت جل شانہ نے بخشا ہے، اس صورت میں گفتگو عبث ہے۔ رسالہ ابھی کسی قدر باقی ہے۔ ناقص کو میں بھیج نہیں سکتا۔ اس جگہ آنے کے لئے آں مکرم کو یہ عاجز تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ مگر ۲۶ فروری ۱۸۹۱ء کو یہ عاجز انشاء اللہ التقدر یو دیانہ کے ارادہ سے بٹالہ میں پہنچے گا، وہاں صرف آپ کی ملاقات کرنے کا شوق ہے، گفتگو کی ضرورت نہیں۔ اور یہ عاجز لہذا آپ کے ان الفاظ کے

استعمال سے جو مخالفانہ تحریر کی حالت میں کبھی حد سے بڑھ جاتے ہیں یا اپنے بھائی کی تذلیل اور بدگمانی تک نوبت پہنچاتے ہیں، معاف کرتا ہے و اللہ علی ما قلت شهید۔

چند روز کا ذکر ہے کہ پرانے کاغذات کو دیکھتے دیکھتے ایک پرچہ نکل آیا جو میں نے اپنے ہاتھ سے بطور یادداشت کے لکھا تھا۔ اس میں تحریر تھا کہ یہ پرچہ ۵ جنوری ۱۸۸۸ء کو لکھا گیا ہے۔ مضمون یہ تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مولوی محمد حسین صاحب نے کسی امر میں مخالفت کر کے کوئی تحریر چھپوائی ہے اور اس کی سرخی میری نسبت مکینہ رکھی گئی ہے۔ معلوم نہیں اس کے کیا معنی ہیں۔ اور وہ تحریر پڑھ کر کہا ہے کہ آپ کو میں نے منع کیا تھا، پھر آپ نے کیوں ایسا مضمون چھپوایا۔ ہذا ما ریت و اللہ اعلم بتاویلہ۔ چونکہ حتی الوسع خواب کی تصدیق کے لئے کوشش مسنون ہے اسلئے میں آنمکرم کو منع بھی کرتا ہوں کہ آپ اس ارادہ سے دست کش رہیں۔ خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں اپنے دعویٰ میں صادق ہوں، اگر صادق نہیں تو پھر ان يك كا ذبا کی تہدید پیش آئی ہو گی۔ لا تقف ما ليس لك به علم و لا تدخل نفسك فيما لا تعلم حقیقتہ یا اخی و فوض امری الی اللہ، یثو تک اجر صبرک یا اخی و انا انظر الی السماء و ارجو تائید اللہ و اعلم من اللہ ما لا تعلمون و السلام علی من اتبع الهدی (ترجمہ: جس چیز کا تجھے حال معلوم نہیں اس کے پیچھے نلگ اور جس چیز کی حقیقت تجھے معلوم نہیں اس میں دخل نہ دے۔ میرے معاملہ کو خدا کے سپرد کر۔ خدا تجھے اس کا اجر دے گا۔ میرے بھائی۔ اور میں آسمان کی طرف دیکھ رہا ہوں اور خدا کی تائید کا امیدوار ہوں۔ میں خدا کی طرف سے وہ علم دیا گیا ہوں جو تم نہیں دیتے گئے۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کا پیرو ہو)۔ حضرت اخویم جسی فی سبیل اللہ مولوی حکیم نور الدین اور آن مکر م کی تحریرات میں یہ عاجز دخل دینا نہیں چاہتا۔ خاکسار غلام احمد

(اور مرزا صاحب نے اپنے حواری اول حکیم نور الدین کو لکھا: محی خدوی اخویم السلام علیکم؛ آج مولوی محمد حسین صاحب نے صاف طور پر مخالفانہ خط بھیج دیا ہے جو آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں.... میرے نزدیک وہ نالائق جوش دکھائیں گے انہیں بہت کچھ اپنی علمیت پر ناز ہے مگر میں آپ کے لئے دعا کرونگا اور آپ کو اس کے رد کے لئے تکلیف دوں گا۔ خاکسار غلام احمد ۱۹ فروری ۱۸۹۱ء (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۲-ص ۹۳-۹۴)

☆ مرزا قادیانی کے مکتوب کا جواب شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی نے بایں الفاظ دیا:  
لا ہو ر ۲۱ فروری ۱۸۹۱ء۔ مکرمی جناب مرزا صاحب: محبت نامہ کے جواب میں عرض ہے کہ خاکسار شب و روز بطور استخارہ مسنونہ دست بدعا رہتا ہے اور جناب باری میں التجا کرتا ہے کہ آپ کے جواب و خطاب

میں خدا تعالیٰ مجھ سے اپنے حق سے زائد نہ کہلوائے اور میرے قلم سے ایسی بات نہ نکلوائے جسکی جواب دہی میرے ذمہ لازم ہو۔

مجھے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد لا تکلم بکلام تعذر منه غذا یعنی ایسی بات نہ کہہ جس کی بابت کل کو تجھے عذر کرنا پڑے (اکثر اوقات پیش نظر رہتا ہے۔ اور مجھے خدا تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ آپ کے خطاب میں کوئی ایسی بات نہ لکھوں گا جو آپ کی کلام کے منطوق یا قطعی مفہوم سے ثابت نہ ہو۔ اور میں اس جواب میں حسن ظنی ہاتھ سے نہ دوں گا (اس حد تک جس کا ذکر پہلے کر چکا ہوں) اور سوء ظنی سے کام نہ لوں گا۔ اور میں کوئی کلمہ توہین و تحقیر آپ کے حق میں نہ لکھوں گا۔ مگر ایسا کلمہ جس کو میں حق اور بحکم شریعت صادق سمجھوں گا (جیسے آپ کا بیع موعود نہ ہونا، یا اس دعویٰ میں آپ کا من جانب اللہ نہ ہونا) اس کو آپ توہین اور تحقیر سمجھیں تو میں معذور و مجبور ہوں و لکل امرء ما نوی (ہر آدمی کو اس کے فعل پر اس کی نیت کا پھل ملے گا)۔

الہام ۵ جنوری ۱۸۸۸ء کے مضمون کی سرخی جو آپ نے لکھی ہے وہ بڑھی نہیں گئی، اس کو واضح کر کے لکھیں۔ ازالۃ الادہام کے جس قدر اوراق چھپے ہیں، بچھج دیں باقی جب چھپیں، تب سہی۔ اور اگر مجھ کو اجازت ہو تو میں مطبع سے پروف دیکھ لوں۔

مجھے نہایت افسوس ہے اور بلحاظ آپ کے روحانی اور بے لگاؤ ہونے کے (جیسا کہ آپ مدعی ہیں) آپ پر شکایت ہے کہ آپ نے مولوی نور الدین صاحب کی مراسلت کے متعلق اپنی رائے ظاہر نہ فرمائی۔ آپ کی رائے ان کی فیور (تائید) میں ہے تو مجھ پر اس کا اظہار کرنے سے آپ کو تامل نہ چاہیے تھا۔ حق کہنا چاہیے گو تلخ معلوم ہو۔ اور اگر وہ میری فیور (تائید) میں ہے تو بھی اس کا اظہار آپ پر واجب تھا اور ان کی فہمائش آپ کا فرض تھا۔ وہ (حکیم نور دین) تو اپنا دین و دنیا آپ کی راہ میں کر چکے۔ کوئی دنیا دار ایک امر حق کے اظہار سے اعراض کرے تو کوئی تعجب و شکایت کا محل نہیں ہوتا۔

میں کوشش کروں گا کہ ۲۵ فروری ۱۸۹۱ء کو دس بجے دن تک بیٹالہ پہنچوں۔ کیا یہ امر ممکن ہے کہ اگر میں بیٹالہ نہ آسکوں تو امرتسر میں آپ سے ملوں۔ ممکن ہو تو بتائیے کہ امرتسر میں آپ کس وقت کی ٹرین میں آئیں گے اور کس مقام پر وقفہ کریں گے اور کس قدر کریں گے۔ آپ کا خیر خواہ قدیم۔ ابو سعید محمد حسین

☆ اس کا جواب مرزا غلام احمد قادیانی نے یوں دیا:

از عاجز عائد باللہ الصمد غلام احمد عا فاه اللہ و اید۔

بخدمت محبی اخویم مکرم ابو سعید محمد حسین صاحب۔ عنایت نامہ پہنچا۔ چونکہ یہ عاجز اپنی دانست میں ناتمام مضمون ازالۃ الاوہام کا آنمکرم کو دکھانا مناسب نہیں سمجھتا، اس لئے اجازت نہیں دے سکتا۔ مگر اس عاجز کی رائے میں صرف بیس پچیس روز تک رسالہ ازالۃ الاوہام چھپ جائے گا، کچھ بہت دیر نہیں ہے۔ پھر انشاء اللہ القدر سب سے پہلے یہ عاجز آنمکرم کی خدمت میں بھیج دیگا۔ آنمکرم کو معلوم ہوگا کہ درحقیقت ان رسالوں میں کوئی نیا دعویٰ نہیں کیا گیا بلکہ بلا کم و بیش یہ وہی دعویٰ ہے جس کا براہین احمدیہ میں بھی ذکر ہو چکا ہے جس کی آنمکرم اپنے رسالہ اشاعت السنۃ میں امکانی طور پر تصدیق کر چکے ہیں۔ پھر متعجب ہوں کہ اب پھر دوسری مرتبہ آنمکرم کو دیکھنے کی حاجت ہی کیا ہے۔ کیا وہی کافی نہیں جو پہلے آنمکرم اشاعت السنۃ نمبر ۶ جلد ۷ میں تحریر فرما چکے ہیں۔ جب کہ اول سے آخر تک وہی دعویٰ، وہی مضمون، وہی بات ہے، تو پھر آپ جیسے محقق کی نگاہ میں نیا معلوم ہو، کس قدر تعجب ہے۔

یہ عاجز رسالہ ازالۃ الاوہام میں آنمکرم کے ریویو کی بعض عبارتیں درج بھی کر چکا ہے۔ اس عاجز نے جو ۵ جنوری ۱۸۸۸ء کو خواب دیکھی تھی اسکی سرخی مکینہ تھا، جسکی حقیقت مجھے معلوم نہیں و اللہ اعلم بالصواب۔ پھر بھی میں آنمکرم کو اللہ نصیحت کرتا ہوں کہ اس سماوی امر میں آپ کا دخل دینا مناسب نہیں۔ مثیل مسیح کا دعویٰ کوئی امر عند الشرع مستبعد نہیں۔

اگر آپ ناراض نہ ہوں تو اس عاجز کی دانست میں اخویم مولوی حکیم نور الدین کے مقابل آپ کی تحریر میں کسی قدر سختی تھی۔ خدا تعالیٰ انکسار اور تذلل کو ہمیشہ پسند کرتا ہے، اور علماء کے اخلاق اپنے بھائیوں کے ساتھ سب سے اعلیٰ درجے کے چاہئیں، جس دین کی حمایت اور ہم دردی کے لئے دن رات کوششیں ہو رہی ہیں، وہ کیا ہے؟ صرف یہی کہ اللہ اور رسول کی منشاء کے موافق ہمارے جمیع احوال و افعال و حرکات سکنتات ہو جائیں۔ میرے خیال میں اخلاق کے تمام حصوں میں سے جس قدر خدا تعالیٰ تواضع اور فروتنی اور انکسار اور ہر ایک ایسے تذلل کو جو منافیِ نخوت ہے، پسند کرتا ہے، ایسا کوئی شعبہ خلق کا اس کو پسند نہیں۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ایک سخت بے دین ہندو سے اس عاجز کی گفتگو ہوئی اور اس نے حد سے زیادہ تحقیر دین متین کے الفاظ استعمال کئے۔ غیرت دینی کی وجہ سے کسی قدر اس عاجز نے و اغلظ علیہم ( کافروں پر سختی کر) پر عمل کیا۔ مگر وہ چونکہ ایک شخص کو نشانہ بنا کر درشتی کی گئی تھی اس لئے الہام ہوا کہ تیرے بیان میں سختی بہت ہے، رفق چاہیے رفق۔ اور اگر ہم انصاف سے دیکھیں تو ہم کیا چیز، ہمارا علم کیا چیز؟ اگر سمندر میں ایک چڑیا منتقل مارے تو اس سے کیا کم کرے گی۔ ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ جیسے ہم درحقیقت خاکسار ہیں، خاک ہی بنے رہیں۔ جب کہ ہمارا مولیٰ ہم سے تکبر اور نخوت پسند نہیں کرتا تو کیوں کریں۔ ہمارے لئے ایسی عزت سے بے عزتی اچھی ہے جس سے ہم مورد عتاب ہو جائیں۔

آپ کی تحریر اگر اس طرح پر ہوتی کہ:

جس قدر خدا تعالیٰ نے میرے پرکھو لائے، اگر آپ مہربانی فرما کر ملیں یا میں ملوں، تو بیان کرونگا، تو کیا اچھا ہوتا۔ یہ قاعدہ ہے کہ حالت اندرونی سے انسان کے منہ سے الفاظ نکلتے ہیں، وہی رنگ الفاظ میں بھی آجاتا ہے۔ میں نے اس فیصلہ میں مولوی نور الدین صاحب کا کچھ لحاظ نہیں کیا۔ اور محض اللہ انکرم کی خدمت میں عرض کی گئی ہے۔

اس عاجز کو پختہ طور پر معلوم نہیں کہ کس تاریخ اس جگہ سے یہ عاجز روانہ ہو۔ بعض موانع پیش آ گئے ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ شاید ایک ہفتہ کے اندر اندر روانہ ہو جاؤں اس صورت میں بالفعل ملاقات مشکل معلوم ہوتی ہے۔ لہذا اطلاعاً آپ کی خدمت میں لکھتا ہوں کہ اس عاجز کے لئے بٹالہ تشریف نہ لائیں کیونکہ کوئی پختہ معلوم نہیں۔ جس وقت خدا تعالیٰ چاہے گا، ملاقات ہو جائیگی۔ غلام احمد زاق دایان ۲۲ فروری ۱۸۹۱ء

☆ اس کا جواب شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے یوں دیا:

لا ہور ۲۴ فروری ۱۸۹۱ء۔ مکرمی جناب مرزا صاحب۔ میں بٹالہ کو تیار تھا کہ آپ کا خط موصول ہو کر مانع ہوا۔ آئندہ آپ جب عزم بٹالہ کریں مجھے دو روز پیشتر اطلاع دیں۔

جو امکان میں ریویو براہین احمدیہ میں بیان کر چکا ہوں اس کا اب بھی قائل ہوں مگر آپ نے اس امر ممکن سے، جس کا امکان میں نے تجویز کیا تھا، بڑھ کر ان رسائل میں دعویٰ کیا ہے۔ لہذا آپ کے لئے اس

ریویو کی عبارات کافی مفید نہ ہوں گی۔ آپ ان عبارات کو میرے سامنے پیش کرنے کے بغیر ان سے استشہاد کریں گے تو آپ نقصان اٹھائیں گے۔ بہتر ہے کہ آپ میری کلام کو مجھے دکھا کر شائع کریں۔ صاحب البیت ادری بما فیہ (گھر والا اپنے گھر کی چیز کا حال خوب جانتا ہے) رفق و ملاطفت و انکسار اختیار کرنے کے باب میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ سراسر حق ہے۔ مگر میں نے مولوی حکیم نور الدین صاحب کے خط میں (جس کی نقل آپ کے پاس بھیجی گئی ہے) کوئی کلمہ تکبر و تشدد نہیں لکھا۔

عزیز منشی نجف علی نے مجھے کہا ہے کہ (میرا) یہ کلمہ: ان کی (مرزا) کی بابت کچھ سننے اور کہنے کا حوصلہ ہے تو آئیے، سخت ہے۔ آپ بھی اسی کو سخت سمجھتے ہیں تو میں سچ کہتا ہوں (جیسا کہ میں منشی نجف علی کو کہہ چکا ہوں) کہ میں نے یہ کلمہ اس غرض سے نہ لکھا تھا کہ ان (مولوی نور الدین) کو علم اور لیاقت کے لحاظ سے حوصلہ ہے، تو آویں۔ بلکہ صرف اس نیت سے لکھا تھا کہ اپنے پیر پر اعتراض سننے کا حوصلہ یعنی صبر ہے تو آویں۔ اور اگر پہلے کی طرح طاقت صبر نہ ہو اور اعتراض سن کر خفا ہو جانا ہو تو خیر۔ یہ مطلب اس کلمہ سے پہلے فقرہ سے صاف مفہوم ہوتا ہے مگر حسن ظنی ہو تو سمجھ میں آوے۔ اور اگر آپ کسی اور کلمہ کو سخت سمجھتے ہیں تو اس سے مجھے اطلاع دیں۔ میں اس کلمہ کی نسبت اپنی نیت کو دیکھوں گا، پھر اس میں فساد پاؤں گا تو اس سے توبہ کروں گا۔

آپ نے میری تحریر کی نسبت تو رائے ظاہر فرمائی مگر حکیم صاحب کی تحریر کی نسبت کچھ نہ فرمایا، کہ میں نے خواہ کسی نیت، بھلی یا بری، سے ان کو یہ کلمہ یا کوئی اور کلمہ لکھا، مگر جو جواب انہوں نے تحریر فرمایا وہ درست و بجا ہے؟ اور ایک روحانی اور نورانی آدمی ایک طالب تحقیق کو ایسا جواب لکھ سکتا ہے؟

دہلی کے خط سے معلوم ہوا ہے کہ مولانا سید نذیر حسین صاحب محدثؒ کے پاس آپ کے رسائل نہیں پہنچتے۔ مناسب ہے کہ آپ ان کے پاس رسائل بھیج دیں۔ حکیم صاحب کے سپرد یہ امر نہ کریں۔ وہ ان لوگوں کے پاس رسائل نہ بھیجیں گے، جن کو وہ اپنے مذاق کے موافق نہیں سمجھتے۔ اس امر کی تصدیق چاہیں تو ان سے ان لوگوں کی فہرست طلب کریں جن کے نام انہوں نے رسائل روانہ کئے ہیں۔

اخیر میں، میں بھی آپ کو نصیحت کرتا ہوں (جیسے کہ آپ نے مجھے نصیحت کی ہے) کہ آپ اس دعویٰ سے کہ میں مسیح موعود ہوں، عیسیٰ بن مریم موعود نہیں ہے، دست کش ہو جائیں۔ یہ امر آسمانی نہیں ہے اور نہ یہ الہام رحمانی



ہے۔ یہ صرف آپ کا خیال ہے جس کو آپ الہام سمجھ بیٹھے ہیں۔ اس دعویٰ الہام میں اگر آپ سچے ہوں گے تو بخاری و مسلم وغیرہ کتب صحاح مہمل و بے کار ہو جائیں گی۔ بلکہ دین اسلام کے اکثر اصول و امہات مسائل بے اعتبار ہو جائیں گے۔ آپ کا ناصح مشفق ابو سعید محمد حسین (جلال دین شمس قادیانی آنجنمانی نے لکھا ہے کہ اس خط کا مرزا صاحب نے جواب نہیں دیا۔ اور ۳ مارچ کو وہ قادیان سے لدھیانہ چلے گئے۔ پھر ۶ مارچ کو مولوی محمد حسین صاحب نے مرزا صاحب کو خط لکھا جو یہ ہے):

☆ لاہور ۶ مارچ ۱۸۹۱ء۔ مکرمی جناب مرزا صاحب۔

میرے خط (۲۴ فروری) کا آپ نے جواب نہیں دیا۔ میں منتظر ہوں۔ حافظ محمد یوسف صاحب (جوان دنوں مرزا صاحب سے متاثر تھے اور ان کے حلقہ احباب میں شامل تھے) نے لکھا تھا کہ آپ ۸ مارچ ۱۸۹۱ء کو لاہور میں آکر ایک مجلس علماء میں گفتگو کریں گے۔ آج معلوم ہوا کہ آپ ماہ اپریل میں جمع کرنا چاہتے ہیں۔ میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ ماہ اپریل میں، میں ہندوستان میں ہوؤں گا۔ اور سنا ہے کہ مولوی احمد اللہ صاحب (امرتری) و مولوی عبدالجبار صاحب (غزنی) بھی ان دنوں سفر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لہذا آپ گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو ابھی کریں ورنہ ہم لوگ جو ارادہ رکھتے ہیں آپ پر ظاہر کر چکے ہیں۔ پھر آپ کو افسوس و شکایت کا موقع و محل نہ رہے گا۔ اس کارڈ کی ایک نقل قادیان بھیجی گئی ہے۔ ابو سعید محمد حسین۔ (اصل خط لو دہانہ بھیجا گیا، جہاں مرزا صاحب تین تاریخ مارچ کو بلا اطلاع خاکسار پہنچ گئے۔ اگر آپ اطلاع دیتے تو میں امرترباٹالہ میں آپ کو ملتا۔ محمد حسین)

☆ مرزا غلام احمد قادیانی نے اس کا جواب یوں دیا:

نحمدہ و نصلیٰ - مخدومی اخویم مولوی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آج لدھیانہ میں آپ کا محبت نامہ مجھ کو ملا۔ بظاہر مجھے گفتگو میں کچھ فائدہ معلوم نہیں دیتا۔ مجھے خدا تعالیٰ نے ایک علم بخشا ہے جس کو میں چھوڑ نہیں سکتا۔ ایسا ہی آپ بھی اپنی رائے کو چھوڑنے والے نہیں۔ مجھے ایک ایسا سبیل بخشا گیا ہے جو معرض بحث میں نہیں آسکتا و لیس الخبر کا للمعاینۃ۔ ہاں اس نیت سے میں مجلس علماء میں حاضر ہو سکتا ہوں کہ شاید خدا تعالیٰ حاضرین میں سے کسی کے دل کو اس سچائی کی طرف کھینچے، جو اس نے اس عاجز پر ظاہر کی ہے۔ سو اگر شرائط مندرجہ ذیل آپ قبول فرمائیں تو میں حاضر ہو سکتا ہوں۔

۱۔ اس مجمع میں حاضر ہونے والے صرف چند ایسے مولوی صاحب نہ ہوں جو مدعی کا حکم رکھتے ہیں، کیونکہ وہ مجھ سے بجز اس صورت کے ہرگز راضی نہیں ہو سکتے کہ میں ان کے خیالات و اجتہادات کا اتباع کروں۔ اور میری طرف سے بار بار ان کو یہی جواب ہے کہ ان ہدی اللہ ہو الہدی۔ اگر یہ مجمع کسی قدر عام مجمع ہوگا اور ہر ایک مذاق اور طبیعت کے آدمی اس میں ہوں گے، تو شائد کوئی دل حق کی طرف توجہ کرے اور مجھے اس کا ثواب ملے۔ سو میں چاہتا ہوں کہ یہ مجلس صرف چند مولوی صاحبوں میں محدود نہ ہو۔

۲۔ دوسری شرط یہ ہے کہ یہ بحث جو محض اظہاراً للحق ہوگی، تحریری ہوگی۔ کیونکہ بار بار تجربہ ہو چکا ہے کہ صرف زبانی باتیں کرنا آخر منجر بفتنہ ہوتی ہیں۔ اور بجز چند حاضرین کے دوسروں کو ان کی نسبت رائے لگانے کا موقعہ نہیں دیا جاتا، اور کیسی ہی عمدہ اور محققانہ باتیں ہوں، جلدی بھول جاتی ہیں۔ اور جن لوگوں کو غلو یا دروغ بیانی کی عادت ہے، خواہ وہ کسی گروہ کے ہیں، ان کو جھوٹ بولنے کی بہت سی گنجائش نکل آتی ہے۔ کوئی شخص محنت اٹھا کر، اور ہر ایک قسم کے اخراجات سفر کا متحمل ہو کر، اور بہت سی مغز خوری کرنے کے بعد کب روار کھ سکتا ہے، کہ غیر منتظم طریق کی وجہ سے تمام محنت اس کی ضائع جائے اور طالب حق کو اس کی تقریر سے فائدہ نہ پہنچ سکے۔ سو تحریری بحث کا ہونا ایک شرط ہے۔

۳۔ اس مجمع بحث میں وہ الہامی گروہ بھی ضرور شامل ہونا چاہیے، جنہوں نے اپنے الہامات کے ذریعہ سے اس عاجز کو جنمی ٹھہرایا ہے، اور ایسا کافر جو ہدایت پذیر نہیں ہو سکتا، اور مباہلہ کی درخواست کی ہے۔ الہام کی رو سے کافر اور ملحد ٹھہرانے والے تو میاں مولوی عبدالرحمن لکھو کی والے ہیں اور جنمی ٹھہرانے والے میاں عبدالحق غزنوی ہیں، جن کے الہامات کے مصدق و پیرو مولوی عبدالجبار ہیں، ہوان تینوں کا جلسہ بحث میں حاضر ہونا ضروری ہے تاکہ مباہلہ کا بھی ساتھ ہی قضیہ طے ہو جائے، اور اگر مولوی صاحب باہم مسلمانوں کے مباہلہ کو صورت پیش آمدہ میں ناجائز قرار نہ دیں تو مباہلہ بھی اسی مجلس میں ہو جائے کیونکہ یہ عاجز اکثر بار بار ہوتا ہے۔ بار بار سفر کی طاقت نہیں۔

۴۔ یہ کہ تحریری بحث کے لئے تمام مخالف الرائے مولوی صاحبوں کی طرف سے آپ منتخب ہوں۔ کیونکہ یہ عاجز نہیں چاہتا کہ خواہ مخواہ عن طعن اور تو تو میں میں متفرق لوگوں کا سننے۔ ایک مہذب اور شائستہ آدمی تحریری طور پر

سوالات پیش کرے، کہ اس عاجز کے اس دعویٰ میں، جس کی الہام الہی پر بنا ہے، کیا خرابیاں ہیں۔ اور کیا وجہ ہے کہ اس کو قبول نہ کیا جاوے۔ سو اس عاجز کی دانست میں اس کام کے لئے آپ سے بہتر اور کوئی نہیں۔

۵۔ یہ آپ کا اختیار ہے کہ جس تاریخ میں آپ گنجائش سمجھیں مجھے اور اخویم مولوی نور الدین صاحب کو اطلاع دیں۔ چونکہ یہ عاجز بیمار ہے اور مرض..... سے لاچار اور ضعیف بہت ہے، اس لئے اخویم مولوی نور الدین صاحب کا شامل آنا مناسب سمجھتا ہوں کہ اگر خدا نخواستہ اس عاجز کی طبیعت زیادہ علیل ہو جائے، جیسا کہ اکثر دورہ مرض کا ہوتا رہتا ہے، اور زیادہ بات کرنے سے سخت دورہ مرض کا ہوتا ہے، اس صورت میں مولوی صاحب موصوف حسب منشاء اس عاجز کے مناسب وقت کاروائی کر سکتے ہیں۔

۶۔ اگر آپ ہندوستان کی طرف سفر کرنا چاہتے ہیں، تو لدھیانہ راہ میں ہے۔ کیا بہتر نہیں کہ لدھیانہ میں ہی یہ مجلس قرار پائے۔ یہ عاجز بیمار ہے۔ حاضری سے عذر کچھ نہیں، مگر ایسی صورت میں مجھے بیماری کی حالت میں شدید سفر اٹھانے سے امن رہے گا۔ ورنہ جس جگہ غزنوی صاحبان اور مولوی عبدالرحمن (اس عاجز کو کھڑا اور کافر قرار دینے والے) یہ جلسہ منعقد ہونا مناسب سمجھیں تو اسی جگہ یہ عاجز حاضر ہو سکتا ہے۔

مکر یہ کہ ۲۳ مارچ ۱۸۹۱ء تاریخ جلسہ مقرر ہو گئی ہے اور یہ قرار پایا ہے کہ بمقام امرتسر یہ جلسہ ہو۔ اشتہارات عام طور پر اپنے واقف کاروں میں یہ عاجز شائع کر دے گا۔ ایسا ہی آپ کو بھی اختیار ہے۔ آپ بوایسی ڈاک جواب سے مطلع فرمادیں کہ جواب کا انتظار ہے۔

خاکسار غلام احمد زلدھیانہ محلہ اقبال گنج مکان شاہزادہ غلام حیدر ۸۔ مارچ ۱۸۹۱ء  
(شیخ الاسلام مولانا بٹالوی لکھے ہیں کہ شائد آپ (مرزا) کے ذہن میں تاریخ مقرر ہو گئی ہے۔ کیونکہ نہ آپ کے فریق مقابل نے اس تاریخ کو تسلیم کیا ہے، نہ جلسہ کے ذمہ داروں نے۔ ان میں سے ایک، علی شاہ توج کو چلے گئے، دوسرے، حافظ محمد یوسف نے آپ کو صاف جواب دے دیا اور یہ لکھا تھا کہ اس باب میں آپ محمد حسین سے جب چاہیں گفتگو کر لیں۔ ۸ تاریخ مارچ کی حاضری میسر نہیں ہوئی تو اب اور تاریخ میں جلسہ کر دینے کے ہم ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ پھر معلوم نہیں کہ اس تقرری تاریخ سے آپ کی کیا مراد ہے؟ محمد حسین)

☆ اس خط کا جواب شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی نے یوں دیا:

۹۔ مارچ ۱۸۹۱ء۔ مکر می جناب مرزا صاحب: آپ کو معلوم ہے کہ تجویز مجمع علماء کی تحریک میری طرف سے نہیں ہوئی لہذا میں ان شرائط کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا، جو میری ذات خاص سے متعلق نہ ہوں۔ مجمع کے

متعلق جو شرائط آپ تسلیم کرنا چاہتے ہیں ان لوگوں سے کرائیں جو آپ کے مدعی ہیں یا محرک سلسلہ مجمع ہیں۔ میں نہ مدعی ہوں، نہ محرک۔ میں تو صرف دوستانہ اور برادرانہ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ جس کے لئے نہ کسی مجمع کی حاجت ہے نہ کسی شرط کی ضرورت۔ میں نے پہلے بھی لکھا تھا اور اب پھر لکھتا ہوں کہ آپ ایک شب کے لئے میرا آنا کافی سمجھتے ہیں تو میں آپ کے پاس آتا ہوں۔ اور اگر زیادہ وقت چاہتے ہیں تو آپ تشریف لاویں۔ میں دعویٰ کے ساتھ تو نہیں کہتا مگر امید پر عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ اس خاکسار ناچیز کو اپنے دعاوی تسلیم کرا دیں گے، اور ان کو نصوص حدیثیہ سے مطابق کر کے دکھادیں گے تو میں مولوی عبدالجبار و مولوی عبدالرحمن کو، گو آپ کے تابع اور موافق نہ کر سکوں مگر، خاموش اور غیر معارض و غیر معترض تو ضرور کر دوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اور اگر آپ دونوں شق قبول نہ کریں تو تحریری گفتگو مسائل پر شروع کر دیں۔ پس اگر آپ کے دلائل یہی ہیں جو توضیح المرام اور فتح اسلام میں ہیں، تو مجھے اجازت دیں کہ میں ان پر شرعی بحث و کلام کروں۔ اور اگر اور بھی دلائل ہیں جو ازالہ الاہام میں مکتون ہیں، تو آپ ازالہ اوہام کو جلد میرے پاس بھیج دیں۔ یا بصورت توقف طبع رسالہ اس کے دلائل کا خلاصہ خطوط کے ذریعہ سے ظاہر کریں۔ انشاء اللہ یہ تحریری گفتگو اس انداز سے چلتی رہے گی جس انداز سے اب تک میری اور آپ کی مراسلت ہو رہی ہے۔

آپ کا ناصح مشفق۔ ابو سعید محمد حسین

☆ اس کا جواب مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ دیا:

مخدومی کمری اخویم مولوی صاحب۔ عنایت نامہ پہنچا۔ اس عاجز کے لئے بڑی مشکل کی بات یہ ہے کہ طبیعت اکثر دفعہ ناگہانی طور پر ایسی علیل ہو جاتی ہے کہ موت سامنے نظر آتی ہے (آپ کی یہ حالت جو کئی سال پہلے سے ہے، آپ کے دعویٰ مثیل مسج ہونے کو توڑ رہی ہے۔ مثل اور مثیل ہونے کیلئے ہمہ وجوہ پوری مشابہت کا ہونا شرط ہے۔ اور آپ خود اس مشابہت تامہ کے براہن کے صفحہ ۴۹۱ میں مدعی ہیں۔ چنانچہ آپ کے اور ہمارے خطوط آئندہ میں یہی لفظ مشابہت تامہ براہن سے نقل کیا گیا ہے، اور حضرت مسج کا یہ حال تھا کہ وہ باذن اللہ مردوں کو زندہ کرتے، اندھے مادرزاد اور کوڑھی کو اچھا کرتے۔ آپ کیسے مثیل مسج ہیں کہ اپنے آپ کو اچھا نہیں کر سکتے؟ آپ کے مرید ایسا مشابہت تامہ کی نظر سے آپ کی شان میں اشعار ذیل لکھ چکے ہیں:

سب مر بیضوں کی ہے تمہیں پہ نگاہ تم سیمیا بنو خدا کے لئے

کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسج کے جس کی مماثلت کو خدا نے بنا دیا

مگر اپنا حال دیکھ کر آپ کو اور آپ کے مریضوں کو اب یہ شعر پڑھنا مناسب معلوم ہوتا ہے

جو طیب اپنا تھا وہ خود مرض سے ناچار ہے      مژدہ بادے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

میرے عزیز دوست ثابت العرش ثم انقش - پہلے آپ اپنے لئے مسیح نہیں اور خود صحت حاصل کریں پھر اور بیماروں کے لئے مسیح ہونے کا دعویٰ کریں - اور اگر آپ اس کے جواب میں کہیں کہ میں صرف روحانی مسیح ہوں، روحانی امراض کا علاج کرنے آیا ہوں، لہذا میرا خود بیمار ہنا اس دعویٰ مسیحی کے منافی نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں آپ مشابہ مسیح کہلاتے، مثل مسیح ہونے کا دعویٰ نہ کرتے۔ مثل بھی کیسے؟ آسمانی نشان دکھانے کے مدی - آپ یہی نشان آسمانی کیوں نہیں دکھاتے کہ خود بیمار نہ ہوں، اور صحت و توانائی حاصل کر لیا اس کام کو پورا کریں جو آپ کے ذمہ مسلمانوں کا ایک دین (قرض) لازم ہے۔ وہ کام براہین احمدیہ کا اتمام ہے جس کے عوض میں آپ مسلمانوں سے ہزار بار وپہ وصول کر چکے ہیں۔

یہ نشان آسمانی دکھانا آپ کے اختیار میں نہیں ہے تو آپ آسمانی نشان دکھانے کے دعویٰ سے دست بردار ہو جائیں۔ اور مثل مسیح ہونے کے دعویٰ کی غلطی کا شہاد دیں۔ حضرت مسیح ابن مریم سے کسی خاص امر میں مشابہت ہے تو صرف شبیہ یا مشابہ مسیح کہلائیں۔ اور قرآن مجید اور محاورات عرب کی طرف رجوع فرما کر یہ امر اپنے خیال میں لادیں کہ مماثلت کے لئے تامہ مشابہت کا ہونا شرط ہے۔ محمد حسین) اور کچھ کچھ علامت تو دن رات شامل حال ہے۔ اگر زیادہ گفتگو کروں تو دورہ مرض شروع ہو جاتا ہے۔ اگر زیادہ فکر کروں تو وہی دورہ شامل

حال ہے۔ (اس صورت میں جلسہ عام میں گفتگو کرنے کا کیوں دعویٰ کرتے ہیں۔ وہاں حکیم نوردین صاحب کی امداد کا بھروسہ ہے، تو جلسہ خاص کے لئے کیوں ان کو نہیں بلا لیتے۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ فریق مقابل سے آپ خاص کر اس خاص کارو گفتگو کے لئے منتخب کرنا چاہتے ہیں، جس کو فریق ثانی بھی، امید ہے کہ پسند کریں گے، پھر آپ کی طرف سے بوقت دورہ مرض حکیم صاحب پیش ہوں اور جو گفتگو ہو وہ تحریری ہو۔ جو آخر چھپ کر عام میں منتشر ہو۔ تو اس صورت میں یہ جلسہ خاص، جلسہ عام کے حکم میں ہو جائے جو فائدہ آپ جلسہ عام سے مد نظر رکھتے ہیں، اس جلسہ خاص سے حاصل ہو۔ بہتر ہے کہ آپ اس جلسہ کا موقعہ دیں، مگر اس میں جلدی کریں تو میں اس جلسہ کے لئے اپنا سفر ملتوی کر سکتا ہوں، محمد حسین)، چونکہ آپ

کا آخری خط آیا، معلوم ہوتا تھا کہ گویا بشمولیت مولوی عبدالجبار صاحب لکھا گیا ہے، اس لئے جواب اس طرز سے لکھا گیا تھا۔ یہ عاجز غلبہ مرض سے بالکل نکما ہو رہا ہے۔ یہ طاقت کہاں ہے کہ مباحث تقریری یا تحریری

شروع کروں (اس حال کو ناظرین دیکھیں کہ کہیں مباحثہ سے انکار ہے، کہیں تردید و اقرار ہے۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ظلمت اور دوستانہ گفتگو کی طرف بلا یا جاتا ہے تو ضعف و بیماری کے عذر سے انکار کیا جاتا ہے۔ اور مجلس عام میں مباحثہ کرنے کو مستعدی ظاہر کی جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مستعدی صرف اس وجہ سے ہے کہ انعقاد مجلس عام کی ان کو امید نہیں، لہذا بے فکری سے دعویٰ کیا جاتا ہے۔ محمد حسین)، محض خدا کے فضل سے یہ

تینوں رسالے لکھے گئے اور وہ بھی اس طرح کہ اکثر دوسرا شخص اس عاجز کی تقریر کو لکھتا گیا، اور نہایت کم اتفاق ہوا کہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا ہو۔ اتنی فرصت نہیں ہوتی جو عبارت کو عمدگی سے درست کر دیا جائے۔ آپ کے معلومات حدیث میں بہت وسیع ہیں۔ یہ عاجز ایک امی اور جاہل آدمی ہے (یہ الفاظ آپ کے دل میں ہوتے اور تو انہما لکھے

جاتے تو یہ آپ کی فضیلت اور کمال ثابت کرتے۔ مگر ان الفاظ کا لکھا جانا لوگ تب مانتے جب کہ مولوی محمد اسماعیل ساکن علی گڑھ کے حامی ڈاکٹر جمال الدین نامی کے آپ کے حق میں اس قدر کہنے پر کہ: آپ علی لیاقت نہیں رکھتے اور اپنی عجز بیانی اور خوف استغاثی کی وجہ سے (آپ نے) علی گڑھ میں وعظ کہنے سے انکار کیا تھا، آپ ناخوش نہ ہوتے اور ان الفاظ کے سبب غیظ و غضب میں آکر بے چارہ نہ کردہ گناہ مولوی محمد اسماعیل کے حق میں رسالہ فتح اسلام کے صفحہ ۳۲ میں یہ کلمات نہ لکھتے:

رہی یہ بات کہ آپ کی عالمانہ عظمت اور ہیبت سے میں ڈر گیا ہوں۔ تو اس کے جواب میں آپ یقیناً سمجھیں کہ جو لوگ تارکی اور نفسانی ظلمتوں میں مبتلا ہیں اگر وہ دنیا کے تمام فلسفہ اور طبعی کے جامع بھی ہوں، تب بھی میری نگاہ میں ایک مرے ہوئے کیڑے سے ان کی زیادہ وقعت نہیں۔ مگر آپ اس مرتبہ علم کے آدمی بھی نہیں، صرف پرانے خیالات کے ایک خشک ملا ہیں اور وہی کمیٹنگی جو تارک ایک خیال ملاؤں میں ہوا کرتی ہے، آپ کے اندر موجود ہے اور آپ کو پتہ ہے کہ اکثر میرے پاس محقق اور جامع فنون اور معلومات وسیع رکھنے والے آتے اور اسرار و معارف سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں کہ اگر میں ان کے مقابل پر آپ کو وظیفہ مکتب بھی ہوں تو اس قدر کلمہ سے بھی آپ کو وہ عزت دوں گا جس کے آپ مستحق نہیں۔ محمد حسین، نہ عبادت ہے نہ ریاضت، نہ علم نہ لیاقت۔ غرض کچھ بھی چیز نہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک امر قہر اور قطعی اور یقینی تھا۔

اس عاجز نے پہنچا دیا۔ ماننا، نہ ماننا، اپنی اپنی رائے اور سمجھ پر موقوف ہے۔ درحقیقت میرے لئے یہ کافی تھا کہ میں صرف الہام الہی کو ظاہر کرتا (کافی نہیں بلکہ لازمی اور ضروری تھا کہ اگر آپ اس الہام کو الہام سمجھتے تھے تو اس کو اپنے خاص حواریوں پر ظاہر فرماتے، نہ یہ کہ اردو زبان میں چھاپ کر تمام جہان میں شائع کرتے۔ اہل اللہ پر جو ایسے معارف و حقائق کھلتے ہیں، جن پر ظاہر شریعت کی شہادت نہیں ہوتی، تو وہ ان کو عامہ مسجدین شریعت پر ظاہر نہیں کیا کرتے۔ کبھی کسی سے نہ سنا ہوگا کہ حضرت خضرؑ کسی اور ولی نے اپنے ایسے مکاشفات کا اشتہار دیا ہو، اور ظاہر شریعت کا کچھ لحاظ نہ کیا ہو۔ اس قسم کے اشتہارات کے سبب آپ کے دوست، جو آپ پر حسن ظنی رکھتے تھے اور آپ کو الہامی جانتے تھے، وہ بھی آپ سے ناخوش ہو گئے ہیں۔ جو کلمات وہ کہتے ہیں، ہم انکو بخوف ملال خاطر ساسی نقل نہیں کر سکتے۔ محمد حسین)۔ لیکن میں نے اپنے

رسالوں میں قال اللہ وقال الرسول کا بیان اسلئے مختصر سا کر دیا ہے (قال اللہ، قال الرسول کا کیا بیان کیا؟ نیچریت اور باطنیت کا دروازہ کھول دیا۔ آیات اور الفاظ قرآن، جبریل، ملیئۃ القدر، نزول ملائکہ، قبض ارواح وغیرہ، کے وہ معنی کئے کہ اس میں نیچر یوں کے بھی کان کاٹے۔ بلکہ آریہ اور برہموساج کے، جن کے رد و مقابلہ کے آپ بظاہر مدعی ہیں، اصول اختیار کئے۔ آپ اس قال اللہ وقال الرسول کے بیان سے خاموش رہتے تو آپ کے حق میں بہتر تھا۔ محمد حسین) کہ شاید لوگ اس سے نفع اٹھائیں مجھے اس سے کچھ بھی انکار نہیں کہ خدا تعالیٰ آئندہ کسی کو اس کی روحانی حالت کے لحاظ سے درحقیقت مسیح بنا کر دمشق کی شرقی طرف اس طور سے اتار دے) اب اس قسم کا اقبال و اقرار آپ کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔ اور آپ کو اس حدیث صحیح مسلم کا مصداق نہیں بنانا جس میں مسیح کے مشرق دمشق میں اترنے کا بیان ہے۔ اس حدیث میں ابن مریم کے نزول کا ذکر ہے، نہ کہ کسی روحانی مسیح یا مثیل مسیح کا۔ اور جس حالت میں آپ اس خط میں اور عبدالحق غزنوی کی درخواست مہابلا کے جواب میں، جس کو آپ پنجاب گزٹ میں مشہور کر چکے ہیں، صاف اظہار کر چکے ہیں کہ ابن مریم فوت ہو گیا ہے، وہ اپنے خاکی وجود سے آسمان سے نہ اترے گا، تو پھر ان اقراروں سے آپ کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ محمد حسین) جیسے مسافر ایک جگہ سے دوسری جگہ جا

اترتے ہیں (یہ تاویل نزول بھی صریح انکار حدیث نزول سے بدتر ہے۔ نزول کے یہی معنی مراد ہیں تو آپ اس نزول کو اپنے لئے کیوں تجویز نہیں کرتے، کسی آئندہ مسیح سے اس نزول کو کیوں مخصوص کرتے ہیں۔ آپ خود مسافرانہ طور پر دمشق میں جا کر اتر سکتے ہیں۔ بہتر ہے دمشق سے ہو آئے پھر سچ سچ کے مسیح کہلائے۔ محمد حسین) کچھ تعجب نہیں کہ اس زمانے میں کوئی دجال بھی ہو (اس میں آپ اپنی اس تاویل دجال پر کہ اس سے: دنیا پرست یک چشم جو دین کی آنکھ نہیں رکھتا۔ فتح اسلام ص ۱۲۔ مراد ہے، پردہ ڈال کر یہ جتنا ناچاہتے ہیں کہ سچ سچ کے دجال سے بھی ہم کو انکار نہیں، شاید کوئی ہو۔ مگر یہ خیال نہیں فرماتے کہ جس حالت میں ہم مسیح بن مریم کے دوبارہ دنیا میں آنے سے صاف انکار کر چکے ہیں، تو اب اس دجال کے ماننے سے کیا فائدہ؟ اس سے ہم اس حدیث کے، جس میں دجال کا اور مسیح ابن مریم کے نزول کا ذکر ہے، اور اسی مسیح ابن مریم کے ہاتھ سے دجال کے مارے جانے کا ذکر ہے، کب مصدق بنتے ہیں۔ محمد حسین)، حضرت مہدی بھی ہوں اور پھر اسلام میں سینفی طاقت پیدا ہو جائے (اس لفظ سے آپ نے ہندوؤں اور عیسائیوں کے اس دعویٰ کو کہ اسلام بزدل شمشیر پھیلا ہے، مدد دی۔ اور اہل اسلام کے ان بیانات کی طرف تو جد نہ کی کہ اسلام اپنی صداقت سے پھیلا ہے۔ محمد حسین) اور تمام لوگ مسلمان ہو جائیں۔ مگر جو خدا تعالیٰ نے اس عاجز پر کھولا ہے صرف اتنا ہے، کہ یہ عاجز روحانی طور پر مثیل مسیح ہے اور روحانی طور پر موعود بھی ہے۔ اور نیز یہ کہ کوئی مسیح آسمان سے خاکی وجود کے ساتھ اترنے والا نہیں (اس نئی کوناظرین خیال میں رکھیں۔ اس نئی کے ساتھ آپ کسی اثبات سے جو حدیث مسیح کی نسبت ظاہر کریں، مثبت و مصدق نہیں ہو سکتے۔ اس نئی کا ذکر اس سے پہلے تینوں حواشی میں ہوا ہے۔ محمد حسین) ظلی اور مثالی طور پر مسیح کے آنے سے مجھے انکار نہیں بلکہ ایک کیا ہزار مسیح بھی کہا جائے تو میرے نزدیک ممکن ہے۔ میرے نزدیک احادیث صحیحہ بھی حقیقی طور پر مسیح کے اترنے کے بارے میں وہ زور نہیں دیتیں جو آج کل کے علماء خیال کر رہے ہیں۔ مسیح کا اترنا سچ، مگر ظلی اور مثالی طور پر۔

مولوی عبدالرحمن صاحب اپنے الہامات کے حوالہ سے اس عاجز کو ضال و مضل قرار دے چکے ہیں اور ایسا کافر جس کو کبھی ہدایت نہیں ہوگی۔ اور میاں عبدالحق غزنوی بھی اپنے الہام کے حوالہ سے اس عاجز کو جہنمی قرار دے چکے ہیں۔ اور مولوی عبدالجبار صاحب فرماتے ہیں کہ جو کچھ میاں عبدالحق صاحب کے الہام ہیں، میں ان پر ایمان لاتا ہوں کہ وہ صحیح اور درست ہیں۔ اب آپ کے کہنے سے وہ کیا سمجھیں گے (میں نے سمجھانے کا وعدہ نہیں کیا۔ صرف یہ وعدہ کیا ہے کہ میرے مان لینے کے بعد وہ آپ پر معترض نہ رہیں گے اور معارضہ نہ کریں گے۔ محمد حسین) اور آپ انہیں کیا سمجھائیں گے۔ یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے جس طرح چاہے گا، اس کی راہ پیدا کریگا۔ اگر آپ کی ملاقات ہو، تو میں خوشی سے چاہتا ہوں۔ مگر آپ کے آنے کا کراہیہ میرے ذمے رہے۔ میں آپ کو مالی تکلیف نہیں دینی

چاہتا۔ یہ بہتر ہے کہ آپ اس جگہ آجائیں۔ بہر حال ملاقات کی خوشی تو اس بیماری کی حالت میں ہوگی۔ ازالۃ  
الادہام عنقریب طیار ہوتا ہے۔ بھیج دوں گا۔ ابھی کچھ باقی ہے۔  
والسلام۔ غلام احمد

☆ جواب از شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی

لاہور ۱۳ مارچ ۱۸۹۱ء۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مکرمی جناب میرزا صاحب:

آپ کے خط کے جواب میں کوتاہی سخی کرتا ہوں اور مکلف ہوں کہ اگر آپ زیادہ بحث و کلام کی  
طاقت نہیں رکھتے اور مجھے جلد دیکھنا چاہتے ہیں تو صرف اتنا کریں کہ اپنے اس الہام کا جس میں آپ کے مسیح  
موعود ہونے کا، اور ابن مریم کے موعود نہ ہونے کا دعویٰ ہے، فیصلہ براہین احمدیہ اور اشاعت السنہ کے ریویو براہین  
احمدیہ سے منظور کریں۔ اور یہ اقرار و وعدہ تحریری دیں کہ اگر براہین اور اس کے ریویو سے یہ الہام غلط ثابت ہوا  
تو ہم اس الہام کو غلط سمجھیں گے اور اس سے رجوع کا اشتہار دیں گے۔ یہ فیصلہ منظور ہو تو صرف اس عبارت کی  
تحریر پر اکتفا کریں، اس میں اور کوئی قید نہ بڑھائیں۔ آپ خط سابق میں دعویٰ بھی کر چکے ہیں کہ ہم نے  
براہین احمدیہ سے بڑھ کر کچھ نہیں کہا، بلا کم و بیش وہی کہا جو اس میں کہا تھا اور تم (اے محمد حسین) اس کی تصدیق کر  
چکے ہو۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ میں براہین احمدیہ اور اشاعت السنہ کے ریویو براہین کو حکم بناتا ہوں۔ آپ اس تحکیم  
کو منظور کریں گے، تو میں اس امر کے تصفیہ کیلئے آپ کے پاس انشاء اللہ پہنچوں گا۔ اس سے بڑھ کر کوتاہ کلامی کیا  
ہو سکتی ہے اور انصاف پسندی کی کون سی حد باقی رہتی ہے۔

آپ نے اس تحکیم کو منظور نہ کیا تو میں بسم اللہ پڑھ کر آپ کے اس الہام کا جواب لکھنا شروع کروں گا۔  
اور اس مراسلت کی نقل تمام و کمال چھاپ دوں گا۔ پھر آپ کسی وجہ سے شکایت کا حق نہ رکھیں گے اور استعجال کو  
میری طرف نسبت نہ کر سکیں گے۔ میرے وہاں جلد آنے کے لئے یہ بھی ایک شرط ہے کہ میں ازالۃ الادہام کے  
اوراق جس قدر چھپ چکے ہیں، یہاں دیکھ لوں، باقی پھر سہی۔ فتح اسلام اور توضیح المرام کی دو دو تین تین کا  
پیاں اور بھیجئے۔ اکثر لوگ مانگتے ہیں۔ آپ کا نا صح مشفق۔  
ابوسعید محمد حسین

☆ مرزا غلام احمد قادیانی نے جواباً لکھا:



مخدومی مکرمی... آپ کا خط آج کی ڈاک میں مجھ کو ملا اور اس کے پڑھنے سے مجھ کو بہت ہی افسوس ہوا کہ آپ مکالمات الہیہ کے امر کو لہو و لعب میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اس عاجز (مرزا) نے براہین کے صفحہ ۴۹۸، ۴۹۹ میں اس ظاہری عقیدے کی پابندی سے جو مسلمانوں میں مشہور ہے، یہ عبارت لکھی ہے کہ: یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر مسیح کے حق میں پیش گئی ہے۔ اور جب حضرت مسیحؑ دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو انکے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق میں پھیل جائیگا۔ چونکہ اس عاجز کو حضرت مسیح سے مشابہت تامہ ہے، اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیش گوئی میں ابتداء سے اس عاجز کو بھی شریک رکھا ہے۔ فقط۔ (اس لفظ فقط کا مطلب ہم نہیں سمجھتے کہ کیا ہے۔ اگر اس سے یہ ظاہری معنی مراد ہیں کہ بس اتنی ہی بات ہم نے براہین احمدیہ میں اس مضمون کے متعلق کہی ہے، تو یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اس کے متعلق کچھ اور بھی لکھا ہے جو ہمارے جواب آئندہ میں منقول ہے۔ اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے الہام سے لکھا ہے۔ اور اگر اس لفظ سے کچھ اور مطلب ہے تو وہ محتاج بیان ہے۔ محمد حسین) لیکن ان عبارتوں کو اس امر کیلئے دستاویز ٹھہرانا کہ براہین میں اول یہ اقرار ہے، اور پھر اسکے مخالف یہ دعویٰ۔ ایسا خیال سراسر غلط اور دور از حقیقت ہے۔ اے میرے عزیز دوست! اس عاجز کے اس دعویٰ کی جو فتح اسلام میں شائع کیا گیا ہے اپنے علم اور عقل پر بنا نہیں، تا ان دونوں بیانات میں بوجہ اتحادِ بنا صورت تناقض پیدا ہو۔ بلکہ براہین کی مذکورہ بالا عبارتیں تو صرف اس ظاہری عقیدے کی رو سے ہیں۔ جو سرسری طور پر عام طور پر اس زمانہ کے مسلمان مانتے ہیں۔ اور دعویٰ کی بنا الہام الہی اور وحی ربانی پر ہے پھر تناقض کے کیا معنی ہیں۔ میں خود یہ مانتا ہوں اور تسلیم کرتا ہوں کہ جب تک خدا تعالیٰ کسی امر پر بذریعہ اپنے خاص الہام کے مجھے آگاہ نہ کرے میں خود بخود آگاہ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ امر میرے لئے کچھ خاص نہیں۔ اس کی نظیریں انبیاء کی سوانح میں بہت ہیں۔ مہم لوگ بغیر سمجھائے نہیں سمجھتے لا علم لی الا ما علمنی ربی بلکہ خدا تعالیٰ کا سمجھنا بھی جب تک صاف طور پر نہ ہو، انسان ضعیف البیان اس میں بھی دھوکہ کھا سکتا ہے۔ فذہب وھلی کی حدیث آپ کو یاد ہی ہوگی (یہ حدیث صحیح بخاری میں صفحہ ۵۵۱ منقول ہے۔ اس میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ کو خواب میں آپ کے دارالرحمۃ کی صورت دکھائی گئی کہ وہ ایک کھجوروں والی جگہ ہے۔ آپ ﷺ نے اس خواب کی تعبیر سوچی تو آپ کا خیال یمامہ کی طرف گیا۔ مگر آخر وہ جگہ مدینہ نکلے۔ مگر اس حدیث سے آپ (مرزا) کے سابق اعتقاد نزول جسمانی مسیح کو کوئی تعلق نہیں۔ وہ اعتقاد آپ کے الہام کی تاویل سے نہ تھا بلکہ نصوص صحیحہ سے۔ محمد حسین) اب خدا تعالیٰ نے فتح اسلام کی تالیف کے وقت مجھے سمجھا یا تب میں سمجھا اس سے پہلے کوئی اس بارے میں الہام نہیں ہوا کہ درحقیقت وہی مسیح

آسمان سے اتر آئے گا۔ اگر ہے تو آپ کو پیش کرنا چاہیے (سیاق عبارت ۴۹۹ برابین احمد یہ اور اس کا ایک فقرہ اس بیان سامی کے الہامی ہونے پر شاہد ہے جو ہمارے آئندہ خط ۱۵ مارچ ۱۸۹۱ء کے آخر میں منقول ہے۔ مگر امید نہیں کہ آپ اس کو بلا تاویل مان لیں۔ محمد حسین)۔ ہاں یہ عاجز روحانی طور پر مثیل موعود ہونے کا براہین میں دعویٰ کر چکا ہے۔ جیسا کہ اسی صفحہ ۴۹۸ (براہین) میں موعود ہونے کی نسبت یہ اشارہ ہے صدق اللہ ورسولہ چونکہ آپ نے اپنے ریویو میں اس دعویٰ کا رد نہیں کیا، اسلئے اپنے اس معرض بیان میں سکوت اختیار کر کے، اگرچہ ایمانی طور پر نہیں، مگر امکانی طور پر، مان لیا۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس عاجز نے خدا تعالیٰ سے الہام پا کر براہین احمدیہ میں ابن مریم کے موعود یا غیر موعود ہونے کے بارے میں کچھ بھی ذکر نہیں کیا صرف ایک مشہور عقیدہ کے طور سے ذکر کر دیا تھا۔ آپ کو اس جگہ اوپر پیش کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ ہمارے نبی ﷺ بھی بعض اعمال میں جب وحی نازل نہیں ہوتی تھی، انبیاء بنی اسرائیل کی سنن مشہورہ کا اقتداء کیا کرتے تھے۔ اور وحی کے بعد جب کچھ ممانعت پاتے تھے، تو چھوڑ دیتے تھے۔ اس کو تو ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے، آپ جیسے فاضل کیوں نہیں سمجھیں گے۔ مجھے نہایت تعجب ہے کہ آپ یہی طریق انصاف پسندی کا قرار دیتے ہیں، کیا اس عاجز نے کسی جگہ دعویٰ کیا ہے کہ میرا ہر ایک نطق وحی اور الہام میں داخل ہے۔ اگر آپ طریق فیصلہ اسی کو ٹھہراتے ہیں، تو بسم اللہ میرے رسالہ کا جواب لکھنا شروع کیجئے آخر حق کو فتح ہوگی۔

میں نے آپ کو ایک صلاح دی تھی کہ عام جلسہ علماء کا بمقام امرتسر منعقد ہو اور ہم دونوں حسبہ اللہ و اظہار الحق اس جلسہ میں تحریری طور پر اپنی اپنی وجوہات بیان کریں اور پھر وہی وجوہات حاضرین کو پڑھ کر سنا دیں اور وہی آپ کے رسالہ میں چھپ جائیں۔ دور نزدیک کے لوگ خود دیکھ لیں گے۔ جس حالت میں آپ اس کام کے لئے ایسے سرگرم ہیں کہ کسی طرح رکنے میں نہیں آتے اور جب تک اشاعت السنہ میں عام طور پر اپنے مخالفانہ خیال کو شائع نہ کر دیں، صبر نہیں کر سکتے تو کیا اس تحریری مباحثہ میں کسی فریق کی کسر شان ہے۔

میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس جلسہ میں خاک کی طرح متواضع ہو کر حاضر ہو جاؤنگا اور اگر کوئی ایسی سخت دشنامی بھی کرے جو انتہاء تک پہنچ گئی ہو، تو میں اس پر بھی صبر کرونگا۔ اور سراسر تہذیب اور نرمی سے تحریر

کر دو ٹوگا۔ خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے، جو اس نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے (تواضع، صبر اور نرمی کا ایک نمونہ یہی پرائیویٹ اور دوستانہ مراسلت ہے جس میں آخر آپ ایسے گھبرا گئے ہیں کہ اپنے مخاطب، جس کی نیت اور علم اور تہذیب کی باجا تعریف بھی کرتے چلے آئے ہیں، کے خیال اور استدلال کی نسبت لبو و لعب کے الفاظ استعمال کر گئے ہیں۔ مجلس عام میں یہ الفاظ استعمال ہوتے تو خدا جانے کیسا اشتعال پیدا کرتے۔ یہی الفاظ آپ کے الہام و خیال و مقال کی نسبت فریق ثانی کی زبان سے نکلے تو اس کا نتیجہ جو ظاہر ہوتا، وہ ظاہر ہے۔ آخری تحریر میں تو آپ نے کھلم کھلی گالیاں دی ہیں۔ اگلا خط ملاحظہ ہو۔ مجھ کو مرزا صاحب سے خط و کتابت کرنے کا دو دفعہ اتفاق ہوا ہے۔ ایک دفعہ حال میں، اور ایک دفعہ اس سے پہلے ۱۸۸۷ء میں۔ حال کی مراسلت تو ہدیہ ناظرین ہے۔ ۱۸۸۷ء کی مراسلت کو ہم ریو یو کے ذیل میں نقل کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ اس دو دفعہ کی مراسلت سے ہم کو تو یہی ثابت ہوا ہے کہ مرزا صاحب کا حوصلہ ٹھوڑا ہے۔ آپ گفتگو سے گھبر جاتے ہیں۔ ایسا ہی ہم نے ان لوگوں سے سنا ہے جن کو آپ سے بالمشافہ گفتگو کا اتفاق رہا ہے کہ آپ گفتگو کرنے سے گھبر جاتے ہیں۔ اور اپنے مخالف کے حق میں بے جا الفاظ کہہ دیا کرتے ہیں۔ وچ ہذا ہم کو مرزا صاحب سے مجمع عام میں گفتگو کرنے سے عذر نہیں وہ صبر اور نرمی نہ کریں گے تو انشاء اللہ ہم کریں گے، اور ان کی سخت باتیں سنیں گے۔ مگر اس جلسہ کا اہتمام اپنے ذمہ نہیں لے سکتے۔ یہ اہتمام وہ اپنے ذمہ لیں جو اس مجمع کے شائق و خواہندگان ہیں، ہم شریک جلسہ ہونے کو حاضر ہیں بشرطیکہ وہ اس میں جلد کریں۔ ماہ اپریل ۱۸۹۱ء میں سفر پیش آ گیا تو میں شریک نہیں ہو سکتا۔ اور اگر آپ اوائل اپریل میں انتظام جلسہ کر کے مجھے اطلاع دیں تو میں سفر ملتوی کر سکتا ہوں۔ محمد حسین) اگر آپ مجھے اب بھی اجازت دیں تو میں اشتہارات سے اس جلسہ کیلئے عام طور پر خبر کر دوں۔ اب میری دانست میں خفیہ طور پر آپ کا مجھ سے ذکر کرنا مناسب نہیں (خفیہ مذاکرہ کا کون خواہنگار ہوا ہے۔ آپ کو اختیار ہے۔ اس پرائیویٹ گفتگو میں جو میں قبل از انعقاد جلسہ عام چاہتا ہوں جس قدر لوگوں کو چاہیں شامل کر لیں۔ الغرض جس قدر جلد ممکن ہو مجھے بات چیت کرنے کا موقع دیں۔ مجھ سے گفتگو کرنے کو جلسہ عام پر موقوف نہ رکھیں، وہ وقوع میں آتا نظر نہیں آتا۔ محمد حسین) جب آپ بہر حال اشاعت پر مستعد ہیں، تو محض اللہ اس طریق کو منظور کریں۔ خاکسار غلام احمد از لودیانہ ۱۴ مارچ ۱۸۹۱ء

(اسی روز مرزا صاحب نے مولوی محمد احسن امرودی کو خط لکھا: مکرمی محبی اخویم السلام علیکم۔ عنایت نامہ بیچ کر آپ کی محبت اور اخلاص اور اعتقاد پر اس امتحان کے وقت میں خبر پاکر نہایت درجہ خوشی ہوئی خدا تعالیٰ آپ کو اس سے بھی بڑھ کر استقامت بخشے مولوی محمد حسین بٹالوی بار بار اپنے خطوط میں اپنی مخالفت کا اظہار کر رہے ہیں میں نے مولوی صاحب کو لکھا تھا کہ آپ ایک جلسہ عام علماء وغیرہ کو کر کے بعض شکوک اپنے تحریری طور پر پیش کیجئے اور اسی جلسہ میں تحریری طور پر آپ کو جواب دیا جائے گا اور وہ دونوں تحریریں عام لوگوں کو سنادی جائیں گی اگر یہ طریق شافی و کافی نہیں ہوگا تو پھر آپ اشاعت السنہ میں درج کریں بالموافقہ گفتگو میں ایک خاص برکت ہوتے ہیں جو اس مخالفتا نہ تحریر میں ایک زبانی الہام کا مخالف ہرگز نہیں پاسکتا جو ایک گوشہ میں بیٹھ کر کوئی یکطرفہ تحریر کرنا چاہتا ہے لیکن مولوی محمد حسین صاحب ایسے جلسہ کو قبول نہیں کرتے لیکن اپنے طور پر اپنی مخالفت عام طور پر یہ مشہور کر رہے ہیں اور اب اشاعت السنہ میں اپنے خیالات کو تحریر کرنا چاہتے ہیں اس عاجز نے محض اللہ بہت سمجھا یا کہ آپ بمقام امرتسر علماء کے جلسہ میں تحریری طور پر مجھ سے گفتگو کریں شائد خدا تعالیٰ آپ کے دل کو اتراقی کی طرف پھیر دیوے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے لیکن اب تک انہوں نے قبول نہیں کیا۔ آج پھر اس عاجز نے خط لکھا ہے۔ رسالہ ازالہ اوہام شاید میں دن تک چھپ چکا ہے جس جزو کے قریب ہوگا انشاء اللہ القدر پھینچنے کے بعد آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔ اگر آنکرم کے پاس وہ کاغذات پہنچے ہوں جو مولیٰ عبد الجبار صاحب و مولیٰ اسماعیل صاحب نے لکھے ہیں تو مہربانی فرما کر اس سال

☆ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی علیہ الرحمہ نے مرزا قادیانی کے مکتوب کا یہ جواب لکھا:

لاہور ۱۵ مارچ ۱۸۹۱ء۔ مکرئی جناب مرزا صاحب:

آپ کے خط کو میں نے کمال افسوس سے پڑھا۔ اس کے شروع میں جو الفاظ لہو و لعب استعمال کئے گئے ہیں وہ بڑے موہم ہیں، اور ان کا اثر دور تک پہنچ سکتا ہے (یعنی ان آیات و احادیث تک جو نزول مسیح ابن مریم کے باب میں وارد ہیں۔ محمد حسین) ایسے الفاظ آپ اس شخص کے مقال و استدلال کی نسبت استعمال کر سکتے تھے، جو آپ کو ملہم سمجھے اور آپ کے الہام زیر بحث کو الہام رحمانی تسلیم کرے۔ اور پھر اس کا معارضہ صرف اپنے بے دلیل خیال سے کرے۔ اور جو شخص آپ کو اور آپ کے الہام کو ایسا نہ سمجھے اور آپ کے اس غلط خیال کو، جس کو آپ الہام سمجھتے ہیں، احادیث صحیحہ اور اصول مسلمہ سے رد کرے اس کے مقال و استدلال کی نسبت آپ کو ان الفاظ کا استعمال کرنا کیا جائز ہے۔ ہرگز نہیں۔ آپ مجمع عام میں خاکساری اور تواضع کا وعدہ دیتے ہیں مگر ایک پرائیویٹ تحریر میں تو آپ سے یہ نہ ہوسکا۔ گزشتہ راصلوات آئندہ احتیاط۔ براہین احمدیہ کے مضمون نزول جسمانی مسیح کو آپ ایک غلط خیال جانتے تھے تو آپ نے ایک خط میں یہ کیوں لکھا تھا کہ:

در حقیقت ان رسالوں میں کوئی نیا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ بلکہ بلا کم و بیش وہی دعویٰ ہے جس کا براہین احمدیہ میں بھی ذکر ہو چکا ہے، جس کو آنمکرم اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں امکانی طور پر تصدیق کر چکے ہیں۔ پھر متعجب ہوں کہ اب پھر دوسری مرتبہ آنمکرم کو لکھنے کی حاجت ہی کیا ہے۔ کیا وہی کافی نہیں جو پہلے آنمکرم اشاعت السنہ جلد سات میں تحریر فرما چکے ہیں۔ جبکہ اول سے آخر تک وہی دعویٰ، وہی مضمون، وہی بات ہے، تو پھر آپ جیسے محقق کی نگاہ میں نیا معلوم ہو۔ کس قدر مقام تعجب ہے (مکتوب مرزا قادیانی ۲۳ فروری ۱۸۹۱ء)،

جس پر تحکیم براہین احمدیہ اور یو یو براہین احمدیہ کی طرف آپ کو بلایا گیا تھا۔ آپ اگر ایسا نہ لکھتے بلکہ بجائے اس کے یوں لکھتے کہ براہین احمدیہ میں ہم نے غلطی کی ہے اور اس میں عوام جہال یا علماء اہل ضلال، جو مسیح کا جسمانی نزول مانتے ہیں، کی تقلید اختیار کر کے وہ بات لکھی تھی، اب ہم کو یہ حق سوجھا جو اور مسلمانوں کے

کیا، ہمارے خیال میں بھی نہ گزرا تھا، تو آپ کو تحکیم براہین و رویو براہین کی طرف نہ بلایا جاتا۔ اب آپ براہین کے مضمون مذکور کو غلط بتاتے ہیں لہذا میں بھی اب اس کو حکم نہیں بناتا کیونکہ اس الہام کی تغلیط مضمون براہین احمدیہ کی تسلیم پر موقوف نہیں۔ احادیث صحیحہ اور اصول مسلمہ اتفاقہ سے اسکی تغلیط آسانی سے ممکن ہے۔ اگر آپ مجھے گفتگو کا موقع دیں۔

آپ اس گفتگو کے لئے انعقاد مجمع عام کو شرط ٹھہراتے ہیں جس سے گفتگو میں التواء ہوتا جاتا ہے۔ میری طرف سے آپ کو اختیار ہے آپ شوق سے مجمع کریں اور اس کا اہتمام اپنے ذمہ لیں۔ میں بھی اس مجمع میں اگر وطن میں رہا (اب میں نے عزم سفر خج کر دیا ہے، لہذا ماہ اپریل ۱۸۹۱ء تک یہ شرط بھی معاف۔ محمد حسین) تو شریک ہو جاؤنگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ مگر اس مجمع سے پہلے خاص مجھ سے ایک پرائیویٹ جلسہ میں اپنے خیال و مقال کی بابت گفتگو کرنے سے آپ کیوں رکتے ہیں۔ کیا وہ گفتگو انعقاد مجمع عام کیلئے ایک مانع اور روک ہو جائے گی؟ جس فائدہ کی آپ مجمع عام سے امید رکھتے ہیں وہ اس مجمع سے، جب وہ ہو، حاصل کریں اس سے پہلے مجھ سے تو دحرانی بات کر لیں۔ اس خط کے جواب میں آپ نے مجھے بلایا تو میں پہلے چند اصول، جن پر ہمارا آپ کا فیصلہ ہوگا، آپ سے تسلیم کراؤنگا، اسکے بعد گفتگو کیلئے حاضر ہوں گا۔ اور اگر آپ نے مجھے نہ بلایا تو میں اپنے خیال کا اظہار اشاعت السنہ میں کر دوں گا۔ بالفعل اتنا ہوگا کہ اس تمام کارپانڈنس (correspondence) کو جس سے میری رائے اور آپ کے خیالات و دلائل کا ناظرین کو اجمالی علم ہو سکتا ہے، میں چھاپ دوںگا۔ آئندہ جو وقوع میں آئے گا، وقتاً فوقتاً مشتہر کیا جائے گا۔

آپ اعتقاد نزول جسمانی مسیح کو جو زمانہ تالیف براہین احمدیہ میں آپ رکھتے تھے اور اس کے صفحہ ۴۹۸-۴۹۹ میں ظاہر کر چکے ہیں، آنحضرت ﷺ کے اس فعل کی جو باقتداء سنن مشہورہ انبیاء بنی اسرائیل آپ نے کیا، پھر بحکم وحی اس کو چھوڑ دیا، یا اس خیال کی جو کسی الہام کے معنی سمجھنے میں آپ ﷺ کے دل میں گزرا پھر وہ غلط ثابت ہوا، نظیر ٹھہراتے ہیں اور یہ غور نہیں فرماتے کہ وہا معتقاد احادیث صحیحہ اور ان کے معانی قطعہ اتفاقہ سے آپ کے دل میں مستحکم تھا جس کو آپ نے کمال وضاحت سے بیان کیا اور اب اس کا خلاف ایک ایسے خیال سے کیا جس کا ان احادیث پر عرض کرنا اور در صورت اختلاف اس خیال کو غلط سمجھنا آپ کو واجب تھا اور اگر اب

وہ اعتقاد آپ کے نزدیک سنن مشہورہ بنی اسرائیل یا الہام کی غلط تاویل کی نظیر ہو گیا تھا تو آپ پر اس امر کا اظہار واجب تھا اور اس مضمون کا اشتہار عین فرض کہ براہین احمدیہ کے صفحہ ۴۹۸-۴۹۹ میں جو ہم نے حضرت مسیح علیہ السلام کا دنیا میں دوبارہ آنا اور جسمانی نزول فرمانا بیان کیا ہے وہ مطلب الہام کو غلط سمجھنے یا اس وقت کے گمراہ مسلمانوں (جن کو آپ یہودیوں سے ملا سکتے ہیں، دیکھو فتح اسلام، ص ۱۲، ۱۵، وغیرہ) کی تقلید سے تھا، اب ہم کو خدا کی طرف سے یہ الہام ہوا ہے کہ اس نزول جسمانی سے روحانی نزول مراد ہے اور ابن مریم سے غلام احمد بن غلام مرتضیٰ مراد ہے اور یہ ہرگز جائز نہ تھا جیسا کہ آپ نے اپنے ایک خط (۲۳ فروری ۱۸۹۱ء) میں صاف لکھا ہے اور فتح اسلام میں بھی بتایا ہے کہ جو کچھ ہم نے اب دعویٰ کیا ہے یہ بلا کمی بیشی براہین احمدیہ میں موجود ہے۔ میرے عزیز دوست آپ مضمون براہین احمدیہ اور اس نئے دعویٰ دونوں کو سچا کرنا چاہتے ہیں اور ناخ و منسوخ دونوں کو تسلیم کراتے ہیں جو کمال درجہ کا مغالطہ ہے جس سے ادنیٰ منصف کو احتراز واجب ہے، چرچائے کہ آپ جیسا ملہم ہو۔ اب بھی وقت ہے اپنے سابق عقیدے کی غلطی یا منسوختی کا اشتہار دیں ورنہ لوگ آپ کو مضمون براہین سے الزام دیں گے۔

روحانی طور پر آپ کے مسیح یا مثیل ہونے (جس کا بیان صفحہ ۴۹۸ وغیرہ براہین احمدیہ کے ہے) کے امکان پر میرا سکوت کیا، اس کا صریح اقرار اشاعت السنہ نمبر ۷ جلد ۷ میں صفحہ ۱۹ موجود ہے۔ مگر اس سکوت یا اقرار سے آپ کے جدید دعویٰ کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ پھر آپ کس خیال سے بار بار میری کلام کا حوالہ دیتے ہیں اور رسالہ ازالۃ الادہام میں اس کو نقل کرنے کا ذکر فرماتے ہیں۔

میرے پیارے دوست میرے مضمون ریویو کا ایک حرف آپ کے اس دعویٰ جدید کا مصدق نہیں ہے۔ نہ آپ نے براہین احمدیہ میں یہ دعویٰ صراحتاً یا اشارہ کیا، نہ میں نے اس کی تصدیق و تائید میں کوئی کلمہ لکھا۔ آپ سخت غلطی کریں گے اگر میری عبارت ریویو سے اس جدید دعویٰ کے اثبات کے درپے ہوں گے۔ میں کیونکر آپ کے اس دعویٰ پر، اگر وہ ہوتا، سکوت کر سکتا تھا جس حالت میں آپ خود اس کی تکذیب کر چکے ہیں اور براہین احمدیہ کے صفحہ ۴۹۸ میں اس کے برخلاف یہ تصریح کر چکے ہیں:

یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیش گوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ دین

اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ ظہور میں آئے گا اور جب وہ مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمع آفاق اور اقطار میں پھیل جائیگا۔ لیکن اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ خاکسار اپنی غربت اور انکسار اور توکل اور ایثار اور آیات اور انوار کی رو سے مسیح کی پہلی زندگانی کا نمونہ ہے (ان اوصاف میں سے ایک بھی وصف مسیح کا آپ میں نظر نہیں آتا۔ بلکہ ان اوصاف کا کلی خلاف آپ میں پایا جاتا ہے مسیح میں اور آپ میں ایسا فرق نظر آتا ہے جیسا زمین آسمان میں فرق ہے۔ محمد حسین) اور اس عاجز کی اور مسیح کی فطرت باہم نہایت ہی متشابہ واقع ہوئی ہے، گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں اور سجدے اتحد ہے کہ نظر کشفی میں نہایت ہی باریک امتیاز ہے اور نیز ظاہری طور پر بھی ایک مشابہت ہے اور وہ یوں کہ مسیح ایک کامل اور عظیم الشان نبی یعنی موسیٰ کا تابع اور خادم دین تھا اور اس کی انجیل توریت کی فرع ہے اور یہ عاجز بھی اس جلیل الشان نبی کے احقر خاد میں سے ہے کہ جو سید الرسل اور سب رسولوں کا سر تاج ہے۔ اگر وہ حامد ہیں تو وہ احمد ہے اور اگر وہ محمود ہیں تو وہ محمد ﷺ۔ سو چونکہ اس عاجز کو حضرت مسیح سے مشابہت تامہ ہے اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیشگوئی میں ابتداء سے اس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے۔ یعنی حضرت مسیح پیش گوئی متذکرہ بالا کا ظاہری اور جسمانی طور پر مصداق ہے اور یہ عاجز روحانی اور معنوی طور پر اس کا مورد ہے۔

اس عبارت کے سیاق سے اور اس کے ان الفاظ سے کہ: اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ آپ نے اس مقام میں کہا ہے وہ الہام سے کہا ہے صرف یہودیوں (بزع جناب مسلمانوں) کی تقلید سے نہیں کہا۔ بناء علیہ یہ جدید الہام اس الہام قدیم کے مخالف ہے مگر شاید اس میں آپ یہ عذر کریں کہ الہام کی عبارت ایک حد تک ختم ہو چکی ہے اور اس کی آخری عبارت جس میں مسیح کے جسمانی مصداق ہونے کا بیان ہے غیر الہامی ہے۔ لہذا میں اس عبارت کو الہامی ٹھہرا کر تناقض کا الزام نہیں دیتا، صرف یہی چاہتا ہوں کہ آپ مضمون عبارت مذکور کے غلط ہونے کا اشتہار دیں اور اس مضمون اور مضمون الہام جدید کو ایک نہ کہیں۔

مولوی نور الدین کے خط کی نسبت آپ نے اب تک رائے ظاہر نہیں کی۔ میں پھر اس کا مطالبہ کرتا ہوں (اب تک آپ نے اس خط کی نسبت رائے ظاہر نہ کی جس سے آپ کا بے ریا، باخدا ہونا جیسا ثابت ہے، ناظرین پر مخفی نہیں۔ محمد حسین) فتح اسلام اور توضیح المرام دونوں منگائے گئے تھے آپ نے ارسال نہیں کئے (بعد میں رسائل آگئے) آپ کا ناصح مشفق۔ ابو سعید محمد حسین

☆ شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس خط کے جواب میں ۲۹ مارچ کو لودہانہ سے ایک خط پہنچا، جو نہ تو مرزا کے قلم کا لکھا ہوا تھا، اور نہ اس پر ان کا دستخط ثبت تھا۔ اور اس کے ساتھ مرزا کا وہ اشتہار پہنچا جو ۲۶ مارچ ۱۸۹۱ء کو انہوں نے شائع کیا تھا۔ ہم نے اس خط کو اس پر یادداشت ذیل لکھ کر واپس کیا: اس خط پر مرزا غلام احمد صاحب کا دستخط نہیں ہے لہذا واپس ہے وہ اس پر توجہ دلانا چاہتے ہیں تو اس پر دستخط کر کے واپس کریں۔

آج یکم اپریل (۱۸۹۱ء) کو اس خط کی نقل واپس آئی ہے جس پر مرزا صاحب کی قلم سے یہ عبارت ثبت ہے:

السلام علیکم۔ اس عاجز کی منشاء کے موافق ہے۔ خاکسار غلام احمد ۳۱ مارچ ۱۸۹۱ء۔

جس سے صاف ثابت ہے کہ اس خط کا راقم کوئی اور شخص ہے۔ مرزا صاحب صرف اس کے مصدق و موافق ہیں۔ لہذا ہم اس خط کو اس رسالہ میں نہیں دیتے۔ اور اسکے راقم کو (جس کو ہم پہچان گئے ہیں اور اس کے غیر مہذب اور بے ادب ہونے کے سبب جس کا ثبوت عنقریب اس کی ایک تحریر سے ناظرین کو ملے گا) اپنا مخاطب بنانا پسند نہیں کرتے۔ ہاں اس خط کے مضمون کا جس کے مرزا صاحب مصدق ہیں، جواب دینا ہمارا فرض ہے۔ سو ذیل میں معروض ہے:

اس خط میں ہمارے خط مورخہ ۱۵ مارچ ۱۸۹۱ء کی کسی بات کا جواب نہیں ہے۔ صرف اسی پرانے دعویٰ کا اعادہ ہے کہ پرائیویٹ گفتگو میں کچھ فائدہ نہیں لہذا ہم جلسہ عام میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں جس کو آپ نے اشتہار ۲۶ مارچ میں طعن و طنز سب و شتم سے محلی و مزین کر کے ادا فرمایا ہے (جیسے اپنے مخاطبین کے حق میں نام لے کر آپ کا یہ کہنا کہ وہ علم کی پردہ دری کراتے ہیں، اور ان کی یہ حرکت کہ وہ ان کے دعویٰ پر قبل از مباحثہ کتنی چینی کرتے ہیں حیا اور ایمان کے مخالف ہے جو اس کہنے کے برابر ہے کہ وہ بے ایمان و بے حیا ہیں وغیرہ وغیرہ جو اصل اشتہار ۲۶ مارچ ۱۸۹۱ء میں ملاحظہ کے لائق ہیں)۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس خط اور اس اشتہار سے آپ نے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات کو قطع کر دیا ہے اور خصمانہ مباحثہ کی بنا کو قائم و مستحکم کر دیا۔ لہذا ہم بھی آپ سے دوستانہ و برادرانہ بحث بلکہ پرائیویٹ ملاقات تک نہیں چاہتے اور خصمانہ مباحثہ کیلئے حاضر و مستعد ہیں آپ جس دن اور جس مقام مباحثہ کرنا چاہیں، ہم حاضر ہیں۔ ہمارے میدان ہمارے جگہاں ہمیں گو۔ انعقاد مجلس عام کا انتظام آپ کے ذمہ ہے کیونکہ پہلے آپ ہی اس کے مدعی بنے ہیں۔ اور بعد تقرری تاریخ و مقام و حسن انتظام حاضر ہونا ہمارے ذمہ (مگر قبل از مباحثہ ازالۃ الالہام بھیج دیں۔ تمام نہیں، تو جس قدر چھپا ہے اسی قدر سہی۔ محمد حسین) آپ



جانتے ہیں کہ ماہ اپریل میں ہمارا عزم سفر تھا، اسی مباحثہ کے شوق سے ہم نے اس عزم کو فسخ کیا ہے (بحالت مجبوری سفر پیش آ گیا تو جہاں جاؤنگا وہیں سے پہنچوگا۔ جب آپ بلائیں گے۔ سفر خرچ دینا تو آپ مان ہی چکے ہیں۔ محمد حسین)۔ اب ماہ اپریل کو بھی آپ نے ٹلایا (جیسا کہ ۸ مارچ پھر ۲۳ مارچ کو مقرر کر کے ٹلایا اور اس کا ابقاء و اہتمام نہ کیا) تو لوگ آپ کی طرف گریز کو منسوب کریں گے اور صاف کہیں گے کہ آپ جلسہ عام کے حیلے و بہانہ سے مباحثہ کو ٹلاتے ہیں۔

یہ اصل مدعا کا جواب ہے۔ رہا جواب سب و شتم و طعن و طنز۔ سو ہماری طرف سے یہ ہے اور انشاء اللہ

آئندہ بھی ہمیشہ یہی رہے گا

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ لکنو گفتی جواب تلخ مے زید بدل لعل شکر خارا

یہ بدگوئی آپ جیسے مسیح ثانی الہامیوں کے لئے سزاوار ہے۔ اور نورانی روحانی اشخاص کے اپنے بھائیوں سے ایسے ہی اخلاق ہونے چاہئیں۔ آپ اپنے خط ۲۳ فروری اور باقی خطوط کو ملاحظہ فرمائیں اور اپنے گریبان میں منہ ڈال کر انصاف سے کہیں کہ آپ کے الفاظ اشتہار کی نسبت آپ کے وہ خطوط و فقرات کیا کہہ رہے ہیں۔ اسی غرض سے ہم نے ان فقرات پر نوٹ لگائے تھے آپ نے ہم پر احسان کیا کہ ہمارے نوٹوں کی طرف ناظرین کو توجہ کرنے کا جلد موقع دیا۔ اور ہمارے حاشیہ (مکتوب مرزا، ۱۴ مارچ) کو بخوبی تصدیق کیا۔ ان الفاظ کی تحریر سے آپ نے ایک احسان ہم پر یہ کیا ہے کہ ہماری ۱۸۸۷ء کے بعد کی رہی سہی حسن ظنی کو خیر باد کہلایا۔ اور اس امکانی تصدیق کو جو ریو یو براہین احمدیہ میں ہو چکی تھی وہ آپ کے جدید الہامات کی نسبت رائے ظاہر کرنے سے مانع تھی، آپ نے اٹھا دیا، لہذا ہم کو اس بدگوئی کے مقابلہ میں شکر یہ واجب ہے نہ اس کی جواب دہی ترکی بہ ترکی۔ اس جواب کیلئے اور بہت لوگ ہیں۔ اور کلوخ انداز را پاداش سنگ ست، پر عمل کرنے کو مستعد۔ بہتر ہے کہ آپ اس عادت کو جو ابتدائے زمانہ تالیف براہین احمدیہ سے آپ نے اختیار کر رکھی ہے چھوڑیں۔ اور اس شعر کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں

دہن خویش بدشام میا لا صائب کیں زر قلب بہر کس کہ دہی باز آید

## قادیانی اشتہار ۲۶ مارچ ۱۸۹۱ء

اوپر منقول ایک خط میں مرزا قادیانی کے اشتہار ۲۶ مارچ ۱۸۹۱ء کا ذکر ہے، جو یوں ہے:

ناظرین پر واضح ہو کہ مسیح ابن مریم کے نزول کی حقیقت جو خدا تعالیٰ نے اس عاجز پرکھولی ہے جس کے بارے میں کچھ تھوڑا سا رسالہ فتح اسلام اور توضیح مرام میں ذکر ہے اور رسالہ ازالہ اوہام میں مبسوط اور مفصل طور پر اس کا بیان ہے۔ ایسا ہی ملائکہ اور لیلیۃ القدر اور معجزات مسیح کے بارے میں جو کچھ ان رسالوں میں لکھا گیا ہے، قبل اس کے جو علماء اسلام غور سے ان مباحث کو پڑھیں اور تدبر سے ان کے مطلب کو سوچیں، یونہی مخالفانہ خیالات خلق اللہ میں پھیلا رہے ہیں، اور عوام الناس کو اپنے بے اصل وساوس سے ہلاک کرتے جاتے ہیں، حالانکہ رسالہ توضیح مرام کے آخر میں نصیحتاً لکھا گیا تھا کہ جب تک تینوں رسالوں کو دیکھ نہ لیں کوئی رائے ظاہر نہ کریں۔ مگر وہ آخر تک صبر نہ کر سکے۔ کسی نے کہا یہ شخص ضال اور مضل ہے اور کسی نے کہا کہ بے جاتا دبلیں کرتا ہے اور کسی نے کہا کہ اس کو مالینو لیا ہے اور چونکہ اکثر لوگ ان میں موتی عقل آدمی ہیں اور کجی سے بہ نسبت راستی کے زیادہ پیار کرنے والے ہیں اس ان مولوی صاحبوں کے بیانات کا ان (عوام) کے دلوں پر سخت اثر پڑا اور عوام الناس کی تو یہ پہلے ہی سے عادت ہے کہ وہ اصل حقیقت پر غور کم کرتے ہیں اور ایک خود غرض یا کوتاہ فہم، مولوی کے بیان کو فیصلہ ناطق سمجھ لیتے ہیں۔ اسی ضرر رسان سیرت نے انہیں طرح طرح کے گڑھوں اور غاروں میں ڈال دیا ہے لہذا قرین مصلحت سمجھ کر کل مخالف الرائے علماء کے مقابل محض اللہ یہ اشتہار جاری کیا جاتا ہے کہ اگر ان کو اس عاجز کے دعاوی مذکورہ بالا کے قبول کرنے میں شرعی عذر ہو یا وہ یہ خیال کرتے ہوں کہ

اس عاجز کے یہ دعاوی قال اللہ وقال الرسول کے برخلاف ہیں تو وہ ایک عام مجلس مقرر کر کے تحریری طور پر اس عاجز سے مقاصد مذکورہ بالا میں مباحثہ کر لیں تاکہ جلسہ عام میں حق ظاہر ہو جائے اور کوئی فتنہ بھی پیدا نہ ہو کیونکہ مجرذ بانی بیانات میں انواع اقسام کی خرابیوں کا احتمال ہے، سو مناسب ہے کہ ان سب میں سے وہ مولوی صاحب جو کمالات علمی میں اول درجہ کے خیال کئے جائیں وہی فریق ثانی کی طرف سے اس مباحثہ کے لئے مختار مقرر ہوں اور فریق ثانی کے لوگ اپنے اپنے معلومات سے ان کو مدد دیوں اور وہ (ذکیل صاحب) بذریعہ تحریر ان سب دلائل کو اس عاجز کے سامنے پیش کریں مگر مناسب ہے کہ اختصار اور حفظ اوقات کی غرض سے اپنے کل دلائل اول پرچہ ہی میں پیش کر دیں اور اس عاجز کی طرف سے بھی صرف ایک پرچہ اس کے جواب میں ہوگا۔ وہی دونوں پرچے سوالات و جوابات کے حاضرین کو سنائے جائیں اور اخباروں میں چھپوادیئے جائیں۔ اس سے حق اور باطل خود روشن ہو جائے گا اور تحریرات ہر دو فریق سے ہر ایک حاضر اور غائب کو خوب سوچ کے ساتھ حق کے سمجھنے اور رائے لگانے کا موقع مل جاوے گا۔ اگرچہ کتاب ازالہ اوہام چھپ رہی ہے جو چھپس جزاء کے قریب ہوگی اور یہ تمام مباحثہ مع دیگر معارف و حقائق کے اس میں کامل طور پر درج ہیں، مگر یہ مولوی صاحبان اس کو ہرگز نہیں دیکھیں گے تا ایسا نہ ہو کہ آنکھیں کھل جائیں اور حق کو قبول کرنا پڑے بلکہ میں نے سنا ہے کہ ان حضرات میں سے اکثر مولوی صاحبان یہ کوشش کر رہے ہیں کہ کوئی مسلمان ان کتابوں کو نہ دیکھے۔ یسیدون ان یطفئوا نور اللہ بافواہم لیکن یہ اشتہار بہر حال انہیں دیکھنا پڑے گا، اور عوام الناس اگرچہ بڑی کتابوں کو نہیں پڑھتے، مگر اس مختصر اشتہار کے مضمون سے بے خبر نہیں رہ سکتے لہذا میں نے اتمام حجت کی نیت سے اس کو لکھا ہے اور میں باآواز بلند کہتا ہوں کہ میرے پر خدا تعالیٰ نے اپنے الہام اور القاء سے حق کھول دیا ہے اور وہ حق جو میرے پر کھولا گیا ہے وہ یہ ہے کہ درحقیقت مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے اور اس کی روح اپنے خالہ زاد بھائی یحییٰ کی روح کے ساتھ دوسرے آسمان پر ہے۔ اس زمانہ کے لئے جو روحانی طور پر مسیح آنے والا تھا جس کی خبر احادیث صحیحہ میں موجود ہے وہ میں ہوں۔ یہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے جو لوگوں کی نظروں میں عجیب اور تحقیر سے دیکھا جاتا ہے اور میں کھول کر کہتا ہوں کہ میرا یہ دعویٰ صرف مبنی بر الہام نہیں بلکہ سارا قرآن شریف اس کا مصدق ہے۔ تمام احادیث صحیحہ اس کی صحت کی شاہد ہیں۔ عقل خداداد بھی اس کی مؤید ہے۔ اگر مولوی

صاحبوں کے پاس مخالفانہ طور پر شرعی دلائل موجود ہیں تو وہ عام جلسہ کر کے بطریق مذکورہ بالا مجھ سے فیصلہ کریں بے شک حق کو غلبہ ہوگا میں بار بار کہتا ہوں کہ میں سچ پر ہوں مولوی صاحبان سر اسرا اپنے علم کی پردہ دری کراتے ہیں جب کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ دعویٰ قرآن اور حدیث کے برخلاف ہے۔ اے حضرات اللہ جل شانہ آپ لوگوں کے دلوں کو نور ہدایت سے منور کرے۔ یہ دعویٰ ہرگز قال اللہ وقال الرسول کے برخلاف نہیں بلکہ آپ لوگوں کو سمجھ کا پھیر لگا ہوا ہے۔ اگر آپ لوگ جلسہ کے لئے مقام و تاریخ مقرر کر کے ایک جلسہ عام میں مجھ سے بحث تحریری نہیں کریں گے تو آپ خدا تعالیٰ کے نزدیک اور نیز راست بازوں کی نظر میں بھی مخالف حق ٹھہریں گے اور مناسب ہے کہ جب تک میرے ساتھ بالموجہ تحریری بحث نہ کر لیں اس وقت تک عوام الناس کو بہکانے اور مخالفانہ رائے ظاہر کرنے سے اپنا منہ بند رکھیں اور یہی آیت کریمہ لا تقف ما لیس لك به علم سے ڈریں ورنہ یہ حرکت حیا اور ایمان اور خدا ترسی اور منصفانہ طریق سے برخلاف سمجھی جائے گی اور واضح رہے کہ اس اشتہار کے عام طور پر وہ تمام مولوی صاحبان مخاطب ہیں جو مخالفانہ رائے ظاہر کر رہے ہیں اور خاص طور پر ان سب کے سرگروہ یعنی مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی۔ مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی۔ مولوی عبدالرحمن لکھو کے والے۔ مولوی شیخ عبید اللہ بنی۔ مولوی عبدالعزیز صاحب لدھیانوی معہ برادران اور مولوی غلام دستگیر قصوری۔ ۲۶ مارچ۔ المئنتھتھر مرزا غلام احمد قادیانی

(مجموعہ اشتہارات قادیانی۔ جلد ۱۔ ص ۲۰۲۔ ۲۰۳)

## فتنہ قادیانی

ابھی فتنہ ہے کوئی دن میں قیامت ہوگا

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حسین بٹالویؒ اپنے ماہنامہ اشاعہ السنہ جلد ۱۳ کے ادارے میں رقم طراز ہیں:

ہمارے ناظرین اس دفعہ اشاعہ السنہ میں صرف مرزا قادیانی کے متعلق ایک ہی مضمون سو بھی شخصی و جزئی بحث کا متضمن دیکھ کر متعجب ہونگے اور شائد زبان حال یا قال سے مجھ کو اس مصرع سے خطاب کریں: کجا بود اشہب کجا تاختی۔ اور کہیں کہ اشاعہ السنہ تو شخصی و جزئی مباحث سے قلم کو روک چکا اور مسلمانوں کی باہمی نزاع کی موتونی کے درپے، اور اتفاق و اتحاد میں کوشاں تھا۔ اب اس کو کیا ہو گیا ہے کہ ایک مسلمان سو بھی کیسا؟ ولی، مجدد، ملہم، محدث سے جالپٹا اور ایسا لپٹا کہ مسائل کلی و اتفاقی زیر بحث کو یکخت بھول گیا۔ لیکن وہ مہربان اگر صبر و تحمل کو کام میں لا کر اس مضمون کو اور اس قسم کے مضامین آئندہ کو اول سے آخر تک پڑھ جائیں گے تو امید ہے کہ اشاعہ السنہ کو اس روش کی تبدیلی اور موجودہ قیل و قال پر نہ صرف معذور رکھیں گے بلکہ مصیب و ماجور قرار دیں گے۔ اور یہ یقین کر لیں گے کہ اس کے یہ مباحث جزئی و شخصی نہیں بلکہ کلی و قومی ہیں اور ان میں کسی مسلمان یا ملہم مجدد و محدث کا مقابلہ نہیں بلکہ نیچریوں، آریوں، عیسائیوں اور فلسفیوں کی جماعتوں سے، جن میں در پردہ مخاطب (مرزا) بھی شامل و داخل ہے، مقابلہ ہے اور ان میں بحث ابھی کسی خاص مسئلہ جزئی میں نہیں ہوئی بلکہ ان کلیات و امہات مسائل پر بحث ہے جو اسلام اور جملہ ادیان سماویہ کے اصل اصول ہیں۔ اور وہ یہ جان لیں گے کہ میرزا قادیانی جو ایک وقت تک فرقہ ہائے مذکورہ بالا کا مقابل اور تائید اسلام کا مدعی تھا اب وہ اپنی نبوت کا مدعی ہو گیا ہے۔ اور اصول اسلام کے برخلاف نیچریہ، نصاریٰ، آریہ اور فلاسفہ کے اصول کو از سر نو زندہ کرنا چاہتا

ہے۔ مگر آزانجا کہ اس کو اس امر کا خوب یقین ہے کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ و السلام کا صریح مقابل ہو کر اپنی نبوت کا سلسلہ قائم نہیں کر سکتا اور اس صورت خروج و مقابلہ میں کوئی مسلمان اس کی دعوت قبول نہ کرے گا اور وہ مسلمانوں کو اپنے دام میں لانے اور دعویٰ کو ان سے قبول کرانے کی غرض سے بظاہر اسلام اور اتباع خیر الا نام کا مدعی ہے اور خدا و رسول کی کلام کو پھیر پھار کر اپنے دعویٰ باطلہ کے ثبوت پر دلیل ٹھیراتا اور واقفوں میں پھیلاتا اور اہل اسلام کی سبک میں کہتا ہے کہ مسیح موعود جس کے قیامت سے پہلے آنے کی قرآن و حدیث میں خبر ہے، میں ہوں۔ اور حضرت مسیح ابن مریم نبی اللہ فوت ہو چکے ہیں وہ اب دنیا میں نہیں آسکتے۔ اور ان کے معجزات مشہورہ احیاء موتی و خلق طیور کو ماننا شرک ہے اور آنحضرت ﷺ کا معراج میں آسمان پر جانا اور حضرت عیسیٰ کا آسمان پر زندہ رہنا ایسے خوارق سے ہیں جن سے ایمان بالغیب ٹوٹ جاتا ہے۔ اور میرے لئے خدا تعالیٰ نے خوارق کا دروازہ کھول دیا ہے۔ میں ہر شخص کو خوارق اور آسمانی نشان دکھا سکتا ہوں اور میں بطور استعارہ ابن اللہ کہلا سکتا ہوں اور میں مسلمانوں کا وہ امام ہوں جس کو وہ امام مہدی سمجھ رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور انکے پرائیویٹ جلسوں میں ایسی پیش گوئیاں سناتا ہے جن کی تفصیل کا یہ وقت نہیں ہے اور ان دعویٰ و خیالات میں کامیابی ہی ظاہر کر رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ ساٹھ ہزار اشخاص اس کے پاس آچکے ہیں جن کی مہمان داری پر وہ دس ہزار روپے کے قریب خرچ کر چکا ہے اور بہت سے لوگوں نے اس کو مسیح موعود و امام وقت مان لیا ہے۔

اس کے ان دعویٰ و بیانات سے مسلمانوں کے مذہب و امن میں جس قدر انقلاب واقع ہونے کا اندیشہ ہے، وہ مخفی و محتاج بیان نہیں ہے۔ اس صورت میں اشاعت السنہ کا خصوصیت کے ساتھ فرض ہے کہ وہ فتنہ کور کے اور جملہ مضامین سابق کو چھوڑ کر ہمہ تن اسی کے دعویٰ کے رد کے درپے ہو۔ اس کے اصول باطلہ کا ابطال کرے اور اصول حقہ اسلامیہ کی حمایت عمل میں لاوے اس کی موجودہ جماعت و جمعیت کو تتر بتر کرنے میں کوشش کرے اور آئندہ مسلمانوں خصوصاً اہلحدیث کو جن کا یہ خادم ہے اس جماعت میں داخل ہونے سے بچاوے کیونکہ اسی (اشاعت السنہ) نے قادیانی کے سابق دعویٰ حمایت اسلام اور مقابلہ مخالفین اسلام و وعدہ تائید دین بنشانہائے آسمانی و نصرت اصول اتفاقی اسلامی سے دھوکے میں آ کر ریویو براہین احمدیہ مندرجہ نمبرے وغیرہ

جلدے میں اس کو امکانی ولی و ملہم بنایا اور لوگوں میں اس کا اعتبار جمایا تھا جس کو یہ حضرات اپنے دعاوہ مستحدہ کی تائید میں اب پیش کر رہے ہیں۔ اور اس کی عبارات اپنی تحریرات و رسائل میں نقل کر کے ان سے فائدہ اٹھا رہے اور اپنے دعاوی کی صحت ثابت کر رہے ہیں۔ اشاعت السنہ کا ریویو براہین احمدیہ اس کو امکانی ولی و ملہم نہ بناتا تو وہ اپنے سابقہ الہامات مندرجہ براہین احمدیہ کی وجہ سے تمام مسلمانوں کی نظروں میں بے اعتبار ہو جاتا کیونکہ بہت سے علماء مختلف دیار ہندوستان و پنجاب و عرب کا ان الہامات کے سبب اس کی تکفیر و تفسیق و تبدیلیج پر اتفاق ہو چکا تھا۔ صرف اشاعت السنہ کے ریویو نے فرقہ اہلحدیث اور اپنے خریداروں کے خیال میں اسکے الہام و ولایت کا امکان جمارکھا اور اس کو حامی اسلام بنا رکھا تھا۔ لہذا اسی (اشاعت السنہ) کا فرض اور اس کے ذمہ یہ ایک قرض تھا کہ اس نے جیسا اس کو دعاوی قدیمہ کی نظر سے آسمان پر چڑھایا تھا ویسا ہی ان دعاوی جدیدہ کی نظر سے اس کو زمین پر گرا دے اور تلافی مافات عمل میں لاوے۔ اور جب تک یہ تلافی پوری نہ ہو لے، تب تک بلا ضرورت شدید کسی دوسرے مضمون سے تعرض نہ کرے۔

اسی وجہ سے نمبر ۱۲ جلد ۱۲ اور اس جلد ۱۳ کے تین نمبروں میں اسی کے متعلق بحث ہوئی ہے اور آئندہ بھی انشاء اللہ تا انفصال مقال و انقطاع جدال حضرت قادیانی اس میں یہی بحث رہے گی۔

اس وقت تک تو صرف مراسلت فریقین طبع ہوئی ہے جس سے اہل بصیرت و انصاف کو بخوبی ثابت ہوگا کہ یہ شخص اپنے اقوال و بیانات میں صادق اور اپنے حال میں مستقیم اور اپنے دعاوی میں نیک نیت نہیں ہے اور ان حالات کے ساتھ وہ کسی طرح ملہم نہیں ہو سکتا، اور جن پر یہ ثبوت مخفی رہے گا ان کو اشاعت السنہ نمبر ۴ جلد ۱۳ میں یہ امر مبرہن کر کے دکھایا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور آئندہ ریویو میں یہ ثابت کیا جائے گا کہ مرزا قادیانی ان دعاوی اور اعتقادات میں اصول اسلام کا مخالف ہے۔ اور اصول نیچر یہ، آریہ، نصاریٰ و فلاسفہ کا مقلد و موافق ہے اور الہام موعود مسیحائی کجا یہ کسی الہام کے دعویٰ میں صادق نہیں ہے اور اس اعتقاد و عمل و اخلاق کے شخص کا شرعاً و عقلاً ملہم ہونا ممکن ہی نہیں۔ ایسا شخص ملہم و خطاب الہی کا مخاطب ہو تو الہام کا اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ اور جملہ ملہمین انبیاء اور اولیاء سابقین کے حق میں یہ ظن بد پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ بھی ایسے ہی تھے۔ حاشا جنابہم عن ذلك۔ اور اس ریویو میں یہ بیان ہوگا کہ قادیانی کا یہ دام الہام کیونکر پھیل گیا ہے اور اس کی کلام کا بعض لوگوں

پراثر کیوں پڑ جاتا ہے اور اشاعت السنہ کی کاروائی پر مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں نے اب تک کیا سلوک کیا اور کیا آئندہ ہوگا۔ اور اس کا اثر فریقین پر کیا پڑے گا۔

اس وقت جو سلوک ان سے ہوا وہ یہ ہے: ۱۔ خریداری اشاعت السنہ کو موقوف کرنا یا اسکی واجبی قیمت دبا رکھنا۔ ۲۔ رسائل و اخبارات میں عامیانہ گالیاں دینا۔ ۳۔ گمنام خطوں کے ذریعہ گالیاں سنانا اور دھمکانا۔ آئندہ اس سلوک سے ڈرانا اور دھمکانا کہ اگر تم مخالفت مرزا سے باز نہ آؤ گے تو ہم اور بھی گالیاں دیں گے۔

اس سلوک کا اثر وہ حضرات تو یہ سوچ بیٹھے ہیں کہ صاحب اشاعت السنہ گالیوں سے ڈر کر ساری مخالفت چھوڑ دے گا۔ مگر ان کا یہ خیال سودائے محال ہے۔ صاحب اشاعت السنہ تمہاری مخالفت کو اپنا دین و ایمان سمجھتا ہے اور گالیوں کے خوف سے اپنے ایمان کو نہ چھوڑے گا، ان گالیوں کا اثر تم ہی پر پڑے گا۔ اول: منصف اور مہذب لوگوں پر تمہارا کمزور ہونا ثابت ہوگا۔ دوم: اشاعت السنہ کا صبر اور گالی کا جواب نہ دینا تم پر دنیا و آخرت میں ناگہانی بلاناازل کرے گا۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن اجابت از در حق بہر استقبال مے آید  
سوم: اشاعت السنہ کے دوست و حامی ان گالیوں کا ایسا جواب دینے لگے کہ پھر تم گالیاں دینا بھول جاؤ گے۔ وہ جواب دشنام بدشنام نہ ہوگا بلکہ اور ہی قسم کا جواب ہوگا جو سراسر تہذیب و عدل پر مبنی ہوگا۔ جو لوگ خیر خواہ طرفین ہیں وہ ان حضرات کو سمجھائیں کہ وہ گالی گلوچ سے باز آویں ورنہ جوابی کاروائی پر جو اس جانب سے ہو، ہم پر افسوس شکایت نہ کریں

(ماہنامہ اشاعت السنہ۔ جلد ۱۳ ص ۲۲۳)



## اشتہار ۲۶ مارچ ۱۸۹۱ء پر تبصرہ

مرزا غلام احمد قادیانی نے ۲۶ مارچ ۱۸۹۱ء کو ایک اشتہار شائع کر کے علماء اسلام کو مناظرے کی دعوت دیتے ہوئے شرائط مناظرہ بیان کی تھیں۔ شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے اس اشتہار پر جامع تبصرہ فرمایا جس کا ایک حصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ مولانا بٹالویؒ، مرزا صاحب کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

اس اشتہار (۲۶ مارچ ۱۸۹۱ء) میں جو آپ نے لکھا ہے کہ توضیح مرام کے اخیر میں نصیحہ لکھا بھی گیا تھا کہ جب تک تینوں رسالوں (فتح اسلام، توضیح مرام، وازالہ ادہام) کو دیکھ نہ لیں کوئی رائے ظاہر نہ کریں (یعنی آپ کے ان اقوال پر کوئی رائے ظاہر نہ کریں: ۱۔ کسی بشر کا آسمان پر چڑھنا اور اترنا سنت اللہ اور فطرت، قانون قدرت یا نینجر، کے برخلاف ہے اور خدا کا دنیا میں ایسے خوارق دکھانا اپنی حکمت کو اور ایمان بالغیب کو تلف کرنا ہے۔ توضیح المرام ص ۹-۱۰ اور ۲۔ مطلق نبوت ختم و محدود نہیں ہوئی۔ صرف نبوت تامہ ختم ہوئی ہے اور نبوت جزئی، جس کا دوسرا نام محدثیت ہے، کا سلسلہ ہمیشہ کیلئے جاری رہے گا۔ توضیح ص ۱۹ اور ۳۔ مسیح اور آپ (مرزا) کے دل میں جو قوی محبت ہے اس نے خدا کی محبت کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ ان دونوں محبتوں کے ملنے سے، جو درحقیقت نرمادہ کا حکم رکھتی ہیں، تیسری چیز پیدا ہوئی ہے، جس کا نام روح القدس ہے، وغیرہ) مگر وہ (علماء معترضین) آخر تک صبر نہ کر سکے۔ یہ عجیب مغالطہ ہے جو:

چہ دلا و راست دزدے کہ بکف چراغ دارو

کا مصداق ہے۔ آپ خیالات فاسدہ و مقالات نیچر یہ و فلاسفہ و نصاریٰ کا علی رؤس الاشهاد اشتہار کریں اور ان کو اردو زبان میں چھاپ کر ملکوں میں پھیلا دیں اور پھر علمائے وقت سے یہ درخواست کریں کہ وہ اس پر کچھ نہ بولیں۔ اور اپنے ایمانی فرض، انکار و تغیر منکر، کے تارک رہیں اور آپ کے پاس خاطر سے آگ کی لگام تھام کر اپنے منہ پر چڑھ لیں۔ اور اس احمق کی نظیر بن جائیں جس نے ایک چالاک چور پکڑا تھا۔ اس چالاک چور نے اسے کہا کہ چھوڑ دے میرا پھوڑا دکھتا ہے، تو اس سادہ لوح نے اس کو چھوڑ دیا اور وہ شاطر فونوچکر ہو گیا۔ حضرت مرزا صاحب! اسی قسم کے مغالطات کے ذریعہ آپ نے غیر اقوام سے اپنا الوسیدھا کیا ہے۔

مسلمان اور ان کے حق گو علماء ایسے احمق نہیں ہیں کہ وہ آپ کے دھوکہ میں آئیں اور آپ کے رسالہ ازالہ اوہام کے انتظار میں ان خیالات و معاملات پر جن کو وہ کفر سمجھتے ہیں سہکتے ہو رہیں۔

مطالب فتح اسلام اور توضیح مرام کا سمجھ میں آنا دلائل ازالہ اوہام پر موقوف تھا تو آپ نے ازالہ اوہام سے پہلے ان کو شائع کیوں نہ کیا۔ دلیل اور مدعا کو اکٹھا مشتہر کیا ہوتا۔ کیا یہ بھی کسی منصف حق گو اور انصاف پرزدہ کا دستور ہے کہ دعویٰ آج کرے اور اس کے دلائل اگلے سال یا چھ مہینے بیان کرے۔ ومعہذا اپنے معترض و مخالف سے یہ درخواست کرے کہ ایک سال یا چھ مہینے تک (جب وہ دلائل پیش نہ کرے) سہکتے رہے۔

اس اشتہار میں جو آپ نے لکھا ہے کہ: اختصار اور حفظ اوقات کی غرض سے (آپ ایسے اختصار پسند اور محافظ اوقات ہیں تو اپنی تصنیفات میں کیوں اس امر کی رعایت نہیں کرتے۔ براہین احمدیہ میں ایک صفحہ کے مطلب کو دس صفحہ میں ادا کیا ہے ایک مطلب کو کئی کئی دفعہ بیان کیا ہے۔ باری ہمد آہ مباحثہ کو دو ہی تقریروں میں محدود اور ختم کرنے کی وجہ اختصار اور حفظ اوقات بتاتے ہیں تو اس سے بجز اس کے کیا سمجھا جائے گا کہ یہ آپ کا عذر و بہانہ ہے اور حقیقت میں آپ کی نیت مغالطہ ہی ہے) کل دلائل اول پرچہ میں ہی پیش کر دیں اور اس عاجز کی طرف سے بھی صرف ایک ہی پرچہ اسکے جواب میں ہوگا اور وہی دونوں پرچے سوالات و جوابات حاضرین کو سنائیں جائیں گے (جس سے آپ کا مقصود یہ ہے کہ بجز ان دو پرچوں کے فریقین میں سے کوئی کچھ نہ کہے اور نہ زبان پر کوئی حرف لائے۔ اور ان دونوں ہی پرچوں کی تحریر سے مباحثہ ختم ہو اور معہذا پہلی تحریرِ خصم کی دوسری آپ کی چنانچہ خط نمبری ۸ میں منقول ہے۔ آپ نے اس مدعا کو خوب واضح و مشرک کر کے بیان کیا ہے) یہ ایک ایسا مغالطہ ہے کہ جس کی مخترع صرف آپ کی ذات ہے۔ آپ سے پہلے (ہمارے علم و گمان میں) یہ کسی مغالطہ دینے والے کو نہیں سوجھا۔ اسی قسم کے مغالطات آپ کی مدۃ العمری کی فتح مندی کے مدار و مناظر ہیں۔

ہر شخص جس کو فہم و انصاف اور احقاق حق سے ادنیٰ تعلق ہو۔ یہ بات بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ امور عظام میں منازعت واقع ہو اور بحث و مناظرہ سے ان کا تصفیہ منظور ہو تو وہ صرف ایک سوال و جواب (بایوں کہیں کہ ایک تحریر اور اس کے جواب سے) ہرگز ہرگز انفصال پذیر اور طے نہیں ہو سکتے اس تحریر کو پیش کرنے والا خواہ کیسا ہی اور بیڑ (قوی التاثر مقرر) (orator) وسیع النظر مستدل اور معقول و مقبول کا فاضل اجل ہو اور وہ اپنی تحریر میں خواہ کیسے ہی پر زور دلائل سے لکھے، اور اس میں دفع و دخل مقدر کر دے اور خصم کے دلائل کا کمال و وسعت سے جواب دے مگر پھر بھی اسکی طاقت بشری علمی اور خوش تقریری سے یہ امر خارج ہے کہ دوسری تحریر پیش کرنے والے کو (جو اس کا خصم ہو) اپنی

تحریر میں کوئی غلط اور بے جا بات نہ لکھنے دے اور وہ اس تحریر (ثانی) میں کوئی ایسی بات نہ لکھ سکے جس سے پہلی تحریر کے قوی دلائل اور صحیح بیان میں نافیہم وکم علم ناظرین کو دھوکہ اور مغالطہ پیدا ہو سکے۔

کسی بشر سے (خواہ کیسا ہی عالم فاضل ہو) یہ کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ خدا تعالیٰ نے (جو ہر امر پر قادر ہے اور وہ ہر شخص کے سینہ کی باتوں کو، مافیہ ہوں یا تہیہ خوب جانتا ہے۔ اور جس سچائی کو چاہے لوگوں کے دلوں میں ڈال سکتا اور جس مغالطہ سے چاہے ان کو بچا سکتا ہے) اپنی کلام پاک (قرآن مجید وغیرہ کتب) میں ایسا نہیں کیا کہ اپنے صادق و بے عیب کلام میں نادان اور کم فہم لوگوں کے دھوکہ دینے اور شبہ ڈالنے کا امکان باقی نہ رکھا ہو۔

یہ ہوتا تو قرآن مجید پر کوئی مخالف اسلام کسی قسم کا اعتراض نہ کرتا اور بے انصافی اور عناد سے اس کی صحیح اور سچی باتوں میں تعارض و تناقض پیدا کر کے نادان اور نافیہم کو دھوکہ میں نہ ڈالتا اور کسی عالم خادم قرآن کو ان مغالطات کے جواب دینے کا موقع نہ ملتا، حالانکہ ہم صاف دیکھتے ہیں کہ ہزاروں ملحد اور اسلام کے مخالف قرآن کی بیسیوں باتوں پر بے جا اعتراض کرتے ہیں اور قرآن کے خادم دن رات ان کے اعتراضات کے جواب ورڈ کے درپے رہتے ہیں (یہ قرآن پر ایمان لانے والوں کیلئے مثال دی گئی ہے۔ اب ہم نئی روشنی پر جان قربان کرنے والوں کے لئے ایک مثال پیش کرتے ہیں: اعلیٰ اعدائوں میں وکلاء مدعی اور مدعا علیہ میں مباحثہ ہوتا ہے، تو مدعی کا وکیل اپنے دعویٰ کے دلائل بیان کرتا ہے، پھر مدعا علیہ کا وکیل اس کا جواب دیتا ہے، اور اس کے مقابلہ میں اپنے دلائل بیان کرتا ہے۔ پھر مدعی کے وکیل کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اس جواب کا جواب دے اور اس کے دلائل کو توڑے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ صرف جائین کا ایک دفعہ بیان لے کر فیصلہ کیا جائے۔ ہمارے مرزا کا طرز سب سے نرالا ہے۔ نہ تو قرآن کے موافق ہے نہ قانون عدالت کے۔ بلکہ آپ کے ہاں صرف ایک ایک دفعہ کے بیان سے مباحثہ ختم ہو کر حکم اخیر صادر ہو جاتا ہے) اور جس حالت میں خداوند عالم قادر مطلق نے (باوجود قدرت و وسعت کے) ایسا نہیں کیا کہ اپنی صرف ایک دفعہ کی کلام سے بے انصاف خصوم کی دہان بندی کر دی ہو اور خدا مان قرآن کیلئے اعادہ و توضیح مراسم کی خدمت باقی نہ چھوڑی ہو، تو پھر کوئی بشر اپنی ایک ہی تقریر و تحریر میں ایسا کب کر سکتا ہے؟

اس سے کس و ناکس کو، بشرطیکہ فہم و انصاف رکھتا ہو، یہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ جو شخص اظہار صواب و احقاق حق کے دعویٰ سے مباحثہ کرنا چاہے اور پھر اپنے خصم سے یہ شرط تسلیم کرائے کہ پہلے وہ صرف ایک تحریر میں اپنا ثبوت پیش کرے، اس کے بعد یہ اس کا جواب تحریر کرے گا اور پھر اس کو ایک لفظ یا ایک حرف بولنے یا کہنے کی اجازت نہ دے گا، وہ درحقیقت احقاق حق و اظہار صواب کے لئے مناظرہ و مباحثہ کرنا نہیں چاہتا اور

اس دعویٰ میں وہ نیک نیت نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ صرف مجادل اور مفاخر اور بدنیت ہے جو حاضرین و سامعین کو دھوکہ دے کر اپنا بول بالا کرنا اور اپنے خصم پر کوئی مغالطہ دے کر الزام قائم کرنا چاہتا ہے۔ و بس۔

اس شخص کی حمایت میں اگر کوئی یہ عذر کرے کہ حضار مجلس کیا سبھی ایسے ہوں گے جو اس شخص کے دھوکہ میں آجائیں گے، اور اگر ہوں بھی تو یہ دھوکہ اس تحریر کے اشتہار اور بعد مجلس اسکے مغالطہ کے اظہار سے رفع ہو سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی خاص مجلس کے سبھی لوگوں کا ایسا ہونا ممکن ہے کہ وہ اس تحریر کے مغالطات پر بلا اظہار و اعلام غیر مطلع نہ ہوں۔ ممکن کیا بہت دفعہ ایسا واقع ہو چکا ہے خصوصاً ان مجالس میں جس کی میجرائٹی (majority) میں پارٹی فیلنگ ہو (یعنی اکثر اراکان کو اپنی جماعت کی رائے کی بیوجہ حمایت کا خیال ہو)۔ رہا بعد مجلس بذریعہ تحریرات و اخبارات اس مغالطہ کا اظہار و اشتہار، سوا اگرچہ ممکن ہے مگر یہ اس مجلس کے خیال شکست اور الزام خصم کو اٹھا نہیں سکتا۔ ایک مجلس میں سامعین کے دھوکہ کھا جانے کے سبب جو الزام خصم پر قائم ہو جاتا ہے وہ: آن قطرہ بایران رسید، کا مصداق بن جاتا ہے جس کی پوری تلافی اور اصلاح عادۃً محال ہے و لن یصلح العطار ما افسدہ الذہر۔ اور اگر وہی تحریرات خارج از مجلس مناظرہ اصلاح و احقاق حق کیلئے کافی ہیں تو پہلے انعقاد مجلس اور بالمشافہ تحریری مباحثہ کی کیا ضرورت ہے، اور یہ کام جو آخر کار تحریر سے لینا پڑے پہلے ہی بذریعہ تحریر کیوں نہ لیا جائے؟

اس بیان سے واضح ہے کہ جو آپ نے جانبین سے ایک ایک تحریر ہونے اور پہلے تحریر اپنے خصم کی جانب سے وقوع پانگی شرط لگائی ہے، یہ کمال درجہ کا مغالطہ ہے اور بدینتی پڑتی ہے اور جو آپ فرماتے ہیں: میں کھول کر کہتا ہوں کہ میرا دعویٰ صرف مبنی براہام نہیں بلکہ سارا قرآن شریف اس کا مصدق ہے تمام احادیث صحیحہ اس کی صحت کی شاہد عدل ہیں۔،

مرزا صاحب! آپ ایسا نہ کہیں تو آپ کی بات کون سنے؟ مگر ایسا کہنا ایک اور دلیل راہ اور بے باکانہ دھوکہ دینا ہے جس کو صدق و راستی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیا آپ الحمد سے والناس تک ہر ایک آیت سے اپنا مسیح موعود ہونا ثابت کر سکتے ہیں؟ اس دعویٰ میں آپ سچے ہیں تو پہلے قرآن کی پہلی سورت فاتحہ، اور بخاری کی پہلی حدیث انما الاعمال سے یہ دعویٰ ثابت کریں۔ پھر دوسری آیات و احادیث کو دیکھا جائے گا۔

اور اگر سارے قرآن اور تمام احادیث سے وہ بعض آیات و احادیث مراد ہیں جن سے آپ غلط فہمی سے متمسک ہوئے ہیں تو اس صورت میں سارا قرآن، اور تمام احادیث، کے الفاظ کیا معنی رکھتے ہیں؟ کیا الہامی اور راست بازوں کی یہ شان ہے کہ ایسی انکل پچو باتیں کہہ دیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ: اگر آپ لوگ جلسہ کیلئے تاریخ مقام مقرر کر کے ایک جلسہ عام میں مجھ سے تحریر نہ کریں گے تو آپ خدا کے نزدیک اور راست بازوں کی نظروں میں مخالف حق ٹھہریں گے۔

مرزا صاحب! مباحثہ کے شائق اور پہلے مدعی آپ ہوئے ہیں لہذا یہ تقرر اور انتظام مجلس آپ کا فرض ہے۔ ومعہذا ہم اشاعت السنہ نمبر ۱۲ جلد ۱۲ کے صفحہ ۳۸۸ میں چھاپ چکے ہیں کہ آپ جس دن اور جس مقام میں مباحثہ کرنا چاہیں ہم حاضر ہیں۔ ہماں میداں ہماں چوگان ہماں گو۔ جو ایک عام تقرر ہے۔ اس کے بعد ہم بذریعہ تار آپ کو بلا چکے ہیں جس کے جواب میں آپ نے اس شرط کو پیش کیا جس کا بدینتی اور فساد پر مبنی ہونا ابھی ثابت ہو چکا ہے۔ اس شرط کے ساتھ مباحثہ کا دعویٰ اور اقبال صریح انکار کے برابر ہے۔ اب فرمائیے خدا کے، نیز راست بازوں کی نظروں میں کون شخص مخالف حق ہے؟ اور مباحثہ سے گریز کرنے والا کون ہے؟ آپ کچھ نہ بولیں گے تو ناظرین اور خود انصاف کریں گے۔ زمانہ مصنفین سے خالی نہیں ہے

(ماہنامہ اشاعت السنہ۔ جلد ۱۳۔ ص ۱۳ تا ۱۴)

## شیخ الاسلامؒ اور حکیم نور الدین کا مباحثہ ۱۸۹۱ء

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حسین بٹالویؒ، اثنائے السنہ جلد ۱۳ نمبر ایک میں منقول بالا تبصرہ کے بعد لکھتے ہیں:

اب ہم وہ گفتگو نقل کرتے ہیں جو ہم میں اور خیالی مسیح (مرزا قادیانی) کے ایک فرضی حواری میں ہوئی ہے۔ اس کے بعد وہ گفتگو نقل کریں گے جو خیالی مسیح سے دوبارہ ہوئی۔ اس کے بعد اس سب گفتگو کے نتائج بیان کریں گے جن سے ناظرین اور منصفین کو پورا یقین ہوگا کہ آپ اور آپ کے حواریوں کے سبھی دعاوی اور مقالات مغالطات پر مبنی ہیں۔

فرضی حواری سے ہمارے پرانے دوست مولوی حکیم نور الدین ساکن بھیرہ ضلع شاہ پور مقیم و ملازم ریاست جموں مراد ہیں۔ وہ اپنے احباب کے سامنے اپنے حواری ہونے کا دعویٰ کر چکے ہیں ان کے اس ادعاء پر ہم نے ان کو فرضی حواری کہا ہے۔ آپ کے نام ہم نے ایک خط لکھا تھا جس کی نقل ذیل میں معروض ہے:

☆ لاہور۔ ۱۰ فروری ۱۸۹۱ء۔ (نمبر ۶۱)۔ محی مولوی نور الدین صاحب السلام علیکم

اس کارسپانڈنس (correspondence) (یعنی خط و کتابت مرزا صاحب) کی نقل اس غرض سے آپ کے پاس بھیجی گئی ہے کہ آپ بھی کچھ کہنا چاہتے ہیں تو کہیں۔ میں مستعد ہوں کہ مرزا صاحب کے دعویٰ کی تغلیط کروں۔ آپ ہمیشہ اور لوگوں سے گفتگو کرتے ہیں، مگر میں نے ایک دفعہ مرزا صاحب کی بابت آپ کو کچھ کہا تو آپ ناخوش ہو گئے (میں نے آپ کو صرف اس قدر کہا تھا کہ آپ قادیان گئے تھے، مرزا صاحب کو اتمام کتاب براہین احمدیہ کیلئے کیوں نہ کہا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں ان کی شان کو اس سے ارفع جانتا ہوں کہ ان کو ایسا کہوں۔ میں نے کہا اس میں کوئی گستاخی یا بے ادبی نہیں ہے، یہ تو صرف ایک نصیحت ہے۔ جس پر آپ خفا ہو گئے۔ اس کے بعد آپ ایک دفعہ لاہور تشریف لائے تو اپنی عادت قدیم مہربانی کے مطابق مجھے نہ ملے۔ اور اس کی وجہ میرے بھائی صاحب کے پاس یہ بیان کی کہ ہم ان کے پاس استغاثہ کے لئے جاتے ہیں مگر وہ ہمارے پیر کی بدگونی کرتے ہیں جس سے رنج پہنچتا ہے اور بجائے فائدہ نقصان حاصل ہوتا ہے۔ اسی نظر سے ہم نے اس خط میں لکھا تھا کہ حوصلہ ہو تو آئیے۔ یعنی اپنے پیر مرزا پر اعتراض کرنے کا حوصلہ ہے تو

آئیے)۔ اب بھی وہی حال ہے تو خیر، اور اگر ان کی بابت کچھ کہنے سننے کا حوصلہ ہے تو بہتر ہے لاہور میں تشریف لائیں اور ان کے معاملے میں گفتگو کریں۔ توضیح مرام اور ازالۃ الاوہام سے اس دعویٰ کی تصحیح نہ ہوگی۔ آپ سے کچھ ہو سکتا ہے تو کریں۔ ابھی وقت ہے۔ اب کی دفعہ لاہور میں آپ سے ملتا جو کچھ آپ نے مجھ سے اور میں نے آپ سے ان کے باب میں کہا (یعنی مرزا صاحب کے باب میں اس استفسار کی وجہ یہ ہے کہ سیالکوٹ کے بعض علماء اور حکیم جی کے دوستوں سے میں نے سنا تھا کہ حکیم جی نے ان لوگوں کے پاس بیان کیا تھا کہ مولوی محمد حسین مجھے اب کی دفعہ لاہور میں ملے تو میں نے ان سے پوچھا کہ کیا مرزا صاحب کو آپ دیوانہ جانتے ہیں۔ انہوں نے کہا نہیں۔ پھر میں نے کہا جھوٹا جانتے ہیں۔ انہوں نے کہا نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ اس دعویٰ مسیحیت کو کیوں نہیں مانتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس میں صرف یہی عذر ہے کہ وہ موعود مسیح نہیں ہو سکتے۔ اور چونکہ یہ بات خلاف واقعہ تھی، اور میں نے ان سے بجز، اس کے کہ مرزا صاحب کو میری طرف سے یہ پیام پہنچادیں کہ، آپ مسیح موعود کیوں ہو سکتے ہیں؟ مرزا صاحب کے متعلق اور کچھ نہ کہا تھا۔ اس لئے یہ استفسار کیا تھا۔ میرے اس استفسار کا جواب آپ نے اسی وجہ سے نہ دیا کہ آپ کا بیان خلاف واقعہ تھا۔ اس سے انکار کریں گے تو اس کی تفصیل ہم قلم میں لائیں گے)، اس کو بعینہ یا اس کا مضمون نقل کریں۔ مجھے اس سے ایک مطلب نکالنا ہے۔ محمد حسین

☆ اس خط کا جواب جو حکیم نور الدین صاحب نے دیا، ذیل میں منقول ہے:

مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جناب والا کوخا کسار بہت مدت سے مرزا جی کے خلاف پر مستعد یقین کرتا ہے۔ جناب سورج کے سامنے نجوم کے شعاع کو کون دیکھتا ہے۔ ابھی مرزا زندہ ہیں۔ میں آپ کے دعاوی اور علم سے ناواقف نہیں۔ اور یہ امر اب پبلک کے سامنے آ گیا ہے۔ اب پرائیویٹ خط و کتابت بند کیجئے۔ میں لوگوں سے مباحثہ کرونگا۔ مجھے اختیار ہے۔ مجھے کچھ ضرورت نہیں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عقائد کی اصلاح کروں۔ اس سے زیادہ میں اس لئے نہیں لکھتا کہ میں آپ سے مایوس ہوں (آپ کے بیری تو مایوس نہیں ہیں۔ وہ اب تک مجھ سے مباحثہ کرنے کا دم مار رہے ہیں، اور اپنے خط نمبر ۵ منقولہ ص ۳۷۱ جلد ۱۲۔ اشاعت السنہ نمبر ۱۲ میں اپنے تمام مخاطبین و مخاطبین سے اسی خاکسار کو گفتگو کیلئے منتخب کر چکے ہیں۔ آپ کیسے ان کے باخلاص مرید ہیں کہ آپ مایوس ہو بیٹھے۔ حضرت حکیم صاحب آپ مایوس نہیں خائف ہیں۔ اور آپ یقیناً جانتے ہیں کہ گفتگو سے آپ عہدہ برآ نہ ہو سکیں۔ مسئلہ نسخ بعض آیات قرآن کے مباحثہ کے دن اور اشاعت السنہ کے مضامین جن کی کتابیں آپ ہمیشہ سے رطب اللسان رہے ہیں، چنانچہ آپ کے خطوط شاہد عدل موجود ہیں، آپ بھول نہ گئے ہوں گے)

نور الدین۔ ۳، پھاگن

شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالوی بتاتے ہیں کہ: اس خط کی تحریر سے حکیم صاحب نے تو مباحثہ کو ختم کیا۔ اور یہ جان لیا تھا کہ چلو چھٹی ہوئی، اس بلا سے جان بچی۔ مگر خدا نے نہ چاہا کہ اس سے ان کو بچا وے اور

انکے انکار کا عجز پر مبنی ہونا چھپا رہنے دے، لہذا حق تعالیٰ نے حافظ محمد یوسف ضلع دار انہار کے دل میں اس خیال کا القاء کیا کہ جس طرح ہو سکے جانین کو ایک جگہ جمع کریں اور ان کی باہم گفتگو کرا دیں۔ پس پہلے تو حافظ صاحب بہر اہی نشی عبدالحق، حکیم صاحب کے پاس جموں پہنچے۔ مگر وہاں سے واپس آئے تو مایوسی کے مظہر ہوئے۔ پھر جب حکیم صاحب بہ شمولیت راجگان جموں، لاہور میں آئے تو اس وقت حافظ صاحب لاہور میں نہ تھے۔ اس وجہ سے حکیم صاحب ہمارے قابو میں نہ آئے (ہر چند اور لوگوں کے ذریعہ ہم طالب مباحثہ ہوئے) اور حکیم صاحب اپنے مسیح کے پاس لودھانہ جا پہنچے۔ ۱۲۔ اپریل کو مولوی فضل الدین ساکن گجرات لودھانہ سے آ کر خاکسار کو لاہور میں ملے تو مظہر ہوئے کہ آپ کے مقابلہ اور مباحثہ کیلئے مرزا صاحب تیاری کر رہے ہیں۔ کل مولوی نور الدین اور ان کے ایک شاگرد کو روانہ کریں گے۔ ۱۳، تاریخ اپریل کو حافظ محمد یوسف بھی لاہور پہنچ گئے اور ادھر سے حکیم صاحب رونق افروز لاہور ہو کر نشی امیر الدین کے مکان پر فروکش ہوئے۔ رات کے دس بجے نشی امیر الدین کے بھائی حاجی محمد دین، حافظ جی کا یہ پیغام لائے کہ حکیم صاحب تشریف لے آئے ہیں آپ صبح آویں اور ان سے گفتگو کریں۔ میں نے ان کے پیغام کا جواب یہ دیا کہ میں گفتگو کیلئے تب آؤں گا جب حکیم صاحب کا دستخطی رقعہ متضمن درخواست مباحثہ پاؤں گا کیونکہ وہ اپنے خط میں گفتگو سے انکار کر چکے ہیں۔ لہذا اگر میں بلا درخواست پہنچا تو وہ کہیں گے ہم تو مباحثہ سے انکار کر چکے ہیں پھر آپ کیوں آئے۔

حاجی صاحب میرے جواب سے آشفته خاطر ہوئے اور یہ مضمون زبان پر لائے کہ آپ نہ آئیں گے تو وہ لوگ (سیحائی پارٹی) ہم لوگوں کو (جو آپ کے ہم خیال ہیں) گریز کی طرف منسوب کریں گے۔ اور اس بات کے مظہر ہوئے کہ حکیم صاحب اس مضمون کا رقعہ نہ لکھیں گے۔ اس پر میں نے کہا حکیم صاحب نہ لکھیں تو یہ بات حافظ صاحب تحریر کر کے میرے پاس بھیج دیں کہ حکیم صاحب آپ کے نام رقعہ لکھنے سے انکار کرتے ہیں، مگر ہم لوگ آپ کو ان سے گفتگو کیلئے بلاتے ہیں۔ یہ جواب لے کر حاجی صاحب خفگی کے ساتھ واپس ہوئے اور تھوڑی دیر کے بعد میاں رجب دین کو لے کر میرے پاس آئے اور حافظ جی کا وہی پیام لائے۔ میں نے اس کے جواب میں پھر وہی بات کہی۔ مگر میاں رجب دین نے میرے اس جواب کی مخالفت میں بہت زور دیا اور یہ کہا کہ اگر آپ نہ آئے تو ہم لوگوں پر گریز کا الزام قائم ہو جائے گا۔ اور جب خط کا ذکر آیا تو انہوں نے ایک



خط بھی حافظ صاحب کا جیب سے نکال کر پیش کیا (جس کا مضمون غالباً وہی تھا جو ڈیڑھ بیٹھ پنجاب گزٹ نے اپنے پرچہ ۲۵-۱ اپریل ۱۸۹۱ء میں شائع کیا ہے) مگر چونکہ اس خط کا مضمون وہ نہ تھا جو میرا مطلوب تھا، بلکہ وہ مضمون مطلوب اور قاصدوں کے زبانی پیام کے مخالف تھا، لہذا میں نے اس خط کو پڑھ کر واپس کیا اور اسکے ساتھ خوش طبعی سے یہ بھی کہا کہ اس خط کو آپ یا حافظ صاحب شہد لگا کر چاٹ لیں۔ اس پر بھی میاں رجب دین نے اپنی بات پر اصرار نہ چھوڑا۔ آخر میں نے ان کے اصرار پر صبح کو مجلس میں حاضر ہونا قبول کیا۔

صبح کو پھر میاں رجب دین اور ان کے بعد میاں محمد چٹو میرے بلانے کو آئے۔ میں ان کے ہمراہ صبح کے ساڑھے چھ بجے منشی امیر دین صاحب کے مکان پر پہنچا تو وہاں بڑا مجمع پایا جو میرے پہنچنے کے بعد اور زیادہ ہو گیا تھا۔ اس مجمع کے ارکان (سابق اور لاحق) سے خصوصیت کے ساتھ لائق ذکر یہ اصحاب و احباب ہیں۔ مولوی عبدالرحمن خلف الرشید مولوی محمد بن بارک اللہ، مولوی محمد عبداللہ پروفیسر عربی کالج لاہور، فقیر سید جمال الدین نج عدالت حقیفہ لاہور، مولوی عبدالعزیز رکن انجمن حمایت اسلام و ملازم سر رشتہ تعلیم پنجاب، وغیرہ۔

خاکسار (محمد حسین) مجلس میں پہنچا تو بعد سلام و مزاج پر سی حضار سب سے پہلے جو کلمہ زبان پر لایا وہ یہ تھا کہ: حافظ (یوسف) صاحب آپ نے جو مجھے بلایا ہے تو کس غرض سے بلایا ہے؟ حافظ صاحب نے فرمایا کہ: اس غرض سے بلایا ہے کہ آپ مرزا صاحب کے متعلق حکیم صاحب سے گفتگو کریں۔ اس کلمہ (یا جو اس کے ہم معنی ہو) کے سوا حافظ صاحب نے اس وقت ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا۔ نہ مجھے کچھ کہا نہ حکیم (نور الدین) صاحب سے۔ پھر خاکسار نے حکیم صاحب سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے مولوی فضل الدین کی زبانی سنا ہے کہ آپ لو دہانہ سے مجھ سے مباحثہ کرنے کو تشریف لائے ہیں۔ حکیم صاحب نے کہا کہ یہ بات غلط ہے (ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ حکیم صاحب کا بیان غلط ہے یا مولوی فضل الدین کا۔ اس سے ہم کچھ بحث نہیں۔ حکیم (نور الدین) صاحب نے آخر حافظ یوسف کے حکم سے بحث کرنا قبول کر لیا، یہی ہمارے اس مدعا کیلئے کہ حکیم صاحب سے ہمارا مباحثہ ہوا، کافی ہے) مگر میں حافظ محمد یوسف کے حکم میں ہوں۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں تو اب میں گفتگو کو حاضر ہوں۔

پھر خاکسار (محمد حسین) نے کہا کہ قبل از بحث مقصود چند اصول آپ سے تسلیم کرانا چاہتا ہوں، کیونکہ بحث سے پہلے یہ اصول طے ہو جائیں گے تو اثناء بحث میں دلائل کے رد و قبول میں اختلاف نہ ہوگا۔ انہی

اصول موضوعہ مسلمہ کو دلائل میں پیش کیا جائے گا۔ حکیم نور الدین صاحب نے اس امر کو منظور کیا اور حسب ذیل سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

﴿۱۔ محمد حسین: کتاب وسنت اتفاقی حجج شرعیہ ہیں (یعنی قرآن وحدیث کے شرعی دلائل ہونے میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں گواجماع و قیاس کے دلیل شرعی ہونے میں بعض علماء کا اختلاف ہے)﴾  
 ﴿حکیم (نور الدین) صاحب نے فرمایا: مسلم ہے۔﴾

﴿۲۔ محمد حسین: سنت سے وہ اقوال وافعال (لائق اقتداء) (یہ اسلئے کہا گیا ہے کہ بعض افعال آنحضرت ﷺ کے آپ ﷺ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ امت کو ان کی پیروی جائز نہیں، جیسے چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح) و تقریرات نبویہ (تقریر سے وہ فعل یا قول مراد ہے جو آنحضرت ﷺ کے سامنے کسی نے کیا یا کہا۔ اور آنحضرت ﷺ نے اس سے منع نہ کیا) مراد ہیں جو کتب حدیث میں مروی ہیں۔﴾  
 ﴿حکیم صاحب: مسلم ہے۔﴾

﴿۳۔ محمد حسین: کتب حدیث سے صحیحین بلا وقفہ و نظر سنت نبویہ کی مثبت و شاہد ہیں۔﴾

﴿حکیم صاحب: صحیحین کو میں بہت معتبر سمجھتا ہوں۔ بخاری کو اقدم جانتا ہوں۔﴾

﴿۴۔ محمد حسین: اس تفاوت اور تقدیم مرتبہ بخاری کا اثر یہی ہوگا کہ عندالتعارض بخاری کی حدیث مقدم ہوگی۔ اور جو حدیث مسلم کی بخاری کے معارض نہ ہو وہ بھی بخاری کی طرح بلا وقفہ تسلیم کی جاوے گی۔﴾  
 ﴿حکیم (نور الدین) صاحب: مسلم ہے۔﴾

﴿۵۔ محمد حسین: ان دو کتابوں میں جرح مدفوع ہے (یعنی ان کتب کی احادیث پر جو اعتراض کئے گئے ہیں، ان کو بعض محدثین نے اٹھا دیا ہے۔ اب ان کتب کی احادیث پر کسی کا اعتراض سنا نہیں جائے گا) اور ان کتابوں کی کسی حدیث کی توہین یا رد اہل بدعت کی شان ہے۔﴾

﴿حکیم صاحب: مسلم ہے﴾

﴿۶۔ محمد حسین: آپ اپنی رائے سے جرح و تعدیل احادیث غیر صحیحین کا منصب رکھتے ہیں۔﴾

﴿حکیم نور الدین صاحب: نہیں۔﴾

﴿۷۔ محمد حسین: حدیث کی روایت اور راوی کی رائے میں فرق ظاہر ہے (روایت وہ ہے جس کو راوی آنحضرت ﷺ سے

نقل کرتا ہے۔ رائے وہ بات ہے جو وہ اپنی سمجھ اور فکر سے کہتا ہے)

﴿حکیم نور الدین صاحب: مسلم ہے۔﴾

﴿۸۔ محمد حسین: الفاظ کتاب اللہ اور حدیث کو ظاہر معنی پر حمل کرنا واجب ہے اور ان کی تاویل بلا مانع قوی اور حجت قطعی جائز نہیں کیونکہ یہ تاویل لغت اور شرع سے امان کی رافع ہے (یعنی اگر لفظ کے ظاہری معنی بلا وجہ ترک کر کے اس کے تاویلی معنی مراد لینا جائز کہے جائیں تو نہ شرع کا اعتبار رہتا ہے نہ عام بول چال کا۔ اور ہر شخص کو اختیار ہو جاتا ہے کہ جس لفظ کے جو معنی چاہے مراد لے۔ مثلاً لفظ صلوة یا نماز سے اپنی خواہش نفسانی کو رد کرنا مراد لے، اور معمولی نماز چھوڑ بیٹھے۔ اور لفظ پانی سے پیشاب مراد قرار دے اور لفظ روپے سے کوڑی مراد چھرا لے۔ و بناء علیہ کوئی پانی مانگے تو پیشاب کر دے اور ہزار روپے کا قرار کر کے یہ کہہ لے کہ ہم نے ایک ہزار کوڑی دینے کا قرار کیا تھا)

﴿حکیم نور الدین صاحب: رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور قرآن شریف کے کلمات طیبات ایسے معاملات میں جو عملی طور پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو کر کے دکھا دیا ہے، یا صحابہ کے زمانہ میں بلا انکار انہوں نے عمل میں لا کر دکھا دیا ہے انکے وہی معنی ہیں جو تعامل سے ثابت ہوئے۔ باقی پیشگوئیوں یا اخبار میں ایسا کوئی مجازی استعارہ لینا قوی دلیل سے ممکن ہے۔ (حکیم صاحب نے شروع تقریر میں تو ظاہری معنی مراد لینے کے لئے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کے عمل کو شرط ٹھہرایا، جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ جو اقوال نبوی اور آیات قرآنیہ عقائد کے متعلق ہیں یا وہ اخبار و پیشین گوئیوں کے متعلق ہیں، ان کے ظاہری معنی مراد لینا ضروری نہیں، ان میں جو تاویل کوئی چاہے کر سکتا ہے مگر آخر تقریر میں آپ نے اس شرط عمل کو اٹھا دیا اور صاف فرما دیا کہ پیش گوئیوں کے مضمون اخبار و آیات میں بھی، کوئی مجازی استعارہ مراد لینا قوی دلیل سے ممکن ہے جس کا صاف یہ مفہوم ہے کہ اگر اس استعارہ کے مراد ہونے پر قوی دلیل نہ ہو تو معنی حقیقی، جو ظاہری معنی ہیں، چھوڑ کر مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں ہیں۔ ہم نے اس وقت حکیم صاحب کو اس اضطراب و تحالف کا الزام نہ دیا اور ان کی شروع تقریر کا کچھ لحاظ نہ کیا صرف ان کی تقریر کا آخری حصہ سے اپنا کام نکال لیا)

﴿محمد حسین: آپ کی تقریر سے یہ سمجھ میں آیا ہے کہ جن الفاظ نبوی یا کلمات قرآنی کے معنی عمل نبوی سے مفہوم نہ ہوئے ہوں ان الفاظ کے معنی لغوی میں تاویل جائز ہے اگر دلیل قوی ہو۔ اس کا لازمہ یہ ہے کہ اگر اس تاویل پر کوئی دلیل نہ ہو تو وہ تاویل بھی ویسی ہی ناجائز ہے جیسے کہ عملی معنوں میں تاویل ناجائز ہے۔﴾

﴿حکیم نور الدین صاحب: بہر حال یہ میرا مسلم ہے۔﴾

﴿۹۔ محمد حسین: حقیقت مجاز سے مقدم ہے۔ اور حقیقت کی علامات یہ ہیں۔ ۱۔ معنی کا متبادر ہونا (معنی کا قریب الفہم ہونا)۔ ۲۔ ایک امر جائز پر اس لفظ کا اطلاق (اطلاق جائز، ایک چیز پر ایسا لفظ بولنا جو حکم عرف یا لغت اس پر بولا جاسکے جیسے زید کو انسان)۔ ۳۔ اس کے نفی کی عدم صحت (یعنی نفی کا صحیح نہ ہونا جیسے زید کے تئیں یہ کہنا کہ وہ انسان نہیں ہے، جو صحیح نہیں ہے)

علامات مجاز اس کے مخالف یہ ہیں: ۱- قرینہ کا وجود۔ ۲- امر محال پر لفظ کا اطلاق۔ ۳- نفی کی صحت

﴿حکیم نور الدین: مجھے کچھ معلوم نہیں کہ مولوی صاحب نے یہ اصطلاح سلف صالحین سے کہاں سے لی ہے

(حکیم صاحب کے اس جواب کا یہ مطلب ہے کہ جو اصطلاح سلف صالحین صحابہ و تابعین سے منقول نہیں وہ لائق قبول و اعتبار نہیں ہے۔ ان کے اس جواب کو نکر خا کسار کے علاوہ علماء حاضرین مجلس، مولوی محمد عبداللہ و مولوی عبدالرحمن لکھوی، بھی حکیم صاحب پر معترض ہوئے۔ ان کے اعتراض اسی وجہ سے قلم بند نہ ہوئے تھے کہ وہ حکیم صاحب سے مباحثہ و مناظرہ کرنے والے نہ تھے۔ ہوتے تو وہ اعتراض بھی قلم بند ہو جاتے۔ ان اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ پچھلی اصطلاحات علیہ کا سلف صالحین صحابہ و تابعین سے منقول ہونا شرط قبولیت و اعتبار ہے تو آپ ہی، حکیم صاحب، اصطلاحات اصول حدیث، مرفوع، موقوف وغیرہ، یا اصطلاحات نحو یہ مثلاً فاعل مرفوع ہوتا ہے اور مفعول منصوب، جن کو آپ مانتے، سلف صالحین سے ثابت کریں۔ اور جو آپ نے خود اصل ہشتم کے جواب میں لفظ مجاز و استعارہ کو استعمال کیا ہے، اسی کو سلف صالحین سے ثابت کر دکھائیں۔ حکیم صاحب اس پر بہت گھبرائے اور اس اعتراض کے جواب میں پہلے تو وہ یہ بولے کہ میں اپنے الفاظ، مجاز و استعارہ، کو واپس لیتا ہوں۔ مگر آخر خا کسار کی جوابی تقریر، جس میں بحث لفظی کو چھوڑ کر مضمون اصول نہم آپ سے تسلیم کرایا گیا ہے، کو سن کر اس واپسی کو بھول گئے۔ اور ہمارے اصل نہم کا مضمون مان گئے۔ یا شاید وہ عمدایہ سمجھ کر کہ میں لفظ مجاز و استعارہ کو واپس لوں گا، تو اپنے ہمزیرے کے الہامات و تاویلات کے تمام تار و پود کو جو صرف مجاز و استعارہ پر مبنی ہیں توڑنے والا بنوں گا۔ اس سخن پر آپ کی رائے قائم نہ رہی اور خا کسار کی جوابی تقریر کو مان گئے۔

حکیم صاحب کے اس جواب پر مولوی عبدالرحمن صوفی صافی جو اس سے پہلے چپ چاپ بیٹھے تھے بایں اعتراض معترض ہوئے کہ یہاں، مسئلہ حقیقت و مجاز میں، تو حکیم صاحب سلف صالحین کی نقل کے طالب ہوئے ہیں مگر آیات قرآن و حدیث نبویہ کی ان تاویلات میں جو مرزا غلام احمد کرتے ہیں، جیسے دجال سے مراد نیا دار ہونا، اور ابن مریم سے مراد مثیل ابن مریم اور لیلۃ القدر سے زمانہ ظلمت وغیرہ، وہ سلف صالحین سے نقل و شہادت کے کیوں طالب نہیں ہوتے۔ پھر مولوی صاحب نے دینی جوش میں آ کر یہ فرمایا کہ جو شخص الفاظ قرآن و حدیث کے ایسی تاویلی معنی کرے جو صحابہ و تابعین وغیرہ سلف صالحین نے نہ کئے ہوں وہ بدعتی و گمراہ و طغی ہے۔ اور یہ کہہ کر آپ اس مجلس سے چلے گئے۔ جس کا ذکر مرزا صاحب کے خط نمبر ۸ و ضمیمہ پنجاب گزٹ ۲۵۔ اپریل ۱۸۹۱ء ص ۳ میں ہوا ہے۔ مولوی صاحب کے جوش میں آنے اور مجلس سے اٹھ جانے کی وجہ ایک تو یہی تھی کہ جو بات حکیم صاحب نے اس جواب میں اختیار کی تھی، اس کے وہ خود پابند نہ تھے، لہذا انکا یہ بات کہنا صرف جدال پر مبنی تھا جس سے مولوی صاحب کو نفرت ہوئی، اور ان کو حکیم صاحب کی ہدایت سے مایوسی ہوئی۔ دوسری وجہ یہ کہ حکیم صاحب کے حق میں مولوی صاحب کو خدا تعالیٰ طرف سے ایک یہ الہام ہوا و ان تدعوہم الی الہدیٰ فلن یتھتدوا اذاً ابداً، یعنی اگر تو ان کو ہدایت کی طرف بلائے گا تو وہ کبھی ہدایت پذیر نہ ہوں گے۔ دوسرا الہام یہ ہوا: و یضلل اللہ الظالمین و یفعل اللہ ما یشاء یعنی خدا ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ان الہامات سے مولوی صاحب نے رواگنی فیروز پور کے وقت مجھے خاص اپنی زبان سے اطلاع دی تھی اور خود ہی اس کی یہ تفسیر فرمائی تھی کہ جو شخص صحابہ و تابعین وغیرہ سلف صالحین کے اتفاق سے اختلاف کرتا ہے وہ ان پر ظلم کرتا ہے۔ اور فرمایا کہ ہم لوگ اہل سنت و الجماعت اسی وجہ سے کہلاتے ہیں کہ ہم سنت یعنی آنحضرت ﷺ کے قول و فعل کے پابند ہیں اور جماعت یعنی صحابہ و تابعین کے پیرو ہیں۔ ہم اس جماعت کی اتباع چھوڑنے سے اہل سنت سے خارج ہو جاتے ہیں اور ظالم بنتے ہیں۔ اور خا کسار کو یہ فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کے مقابلہ میں تیرے قائم رہنے کی بابت خدا تعالیٰ سے بطور استخارہ دعا کی تھی، اس کے جواب میں مجھے یہ الہام ہوا ہے لکل فرعون موسیٰ۔ یعنی ہر فرعون نے راموسیٰ لہذا آپ اس مقابلہ کے لئے قائم اور مستعد رہیں۔ ہم خدا تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں گے کہ وہ خدا تعالیٰ تمہاری مدد کرے۔ اس پر قائم و مستقیم رکھے)

﴿محمد حسین: میں لفظی بحث کو ترک کر کے صرف اس کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ آپ نے پچھلے جواب میں تسلیم کیا ہے کہ لفظ کے ایسے معنی جس کو استعارہ کہا جاتا ہے قوی دلیل سے لئے جائیں گے۔ بلا دلیل ایسے معنی نہ لئے جائیں گے۔ پس میں انہیں معنی کو مجاز کہتا ہوں جن کو آپ نے استعارہ کہا ہے۔ اور آپ کے جواب سابق سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کوئی استعارہ بلا دلیل قوی کسی لفظ سے مراد نہ ٹھہرائیں گے۔ میرے لئے یہی تسلیم آپ کی کافی ہے۔ اس معنی کو آپ مجاز کہیں یا نہ کہیں۔﴾

﴿حکیم نور الدین صاحب نے، اس کے جواب میں کوئی عذر و انکار پیش نہیں کیا اور سکوت سے اس کو تسلیم فرمایا۔﴾  
 ﴿۱۰۔ محمد حسین۔ محال اور مجہول الکنہ میں فرق ہے۔ اول کی تسلیم جائز نہیں، دوسرے کی جائز ہے۔﴾  
 ﴿حکیم نور الدین صاحب: مسلم ہے۔﴾

﴿۱۱۔ محمد حسین: عادت کا خلاف جائز ہے۔ بناء علیہ معجزات انبیاء و کرامات اولیاء جو عام عادات کے برخلاف معلوم ہوتے ہیں، واجب التسلیم ہیں اگر انکا ثبوت ہو۔﴾

﴿حکیم صاحب: یہ بھی ایک خاص عادت اللہ ہے (آپ فرماتے ہیں کہ معجزہ و کرامت بھی خدا کی ایک خاص عادت ہے اس میں آپ نے معجزہ کو تودی زبان سے مانا ہے۔ مگر اس کے خوارق عادت ہونے سے انکار کیا۔ اور یہ خیال نہ فرمایا کہ مخاطب نے بھی اس کو مطلق عادت کا خارق نہیں کہا۔ صرف عام عادت اللہ کا خارق قرار دیا ہے جس سے صاف مفہوم ہوتا ہے کہ معجزہ خدا کی خاص عادت کا جو انبیاء کے ساتھ رہی ہے اسکے نزدیک بھی خارق نہیں۔ پھر اس بات کہنے کی آپ کو کیا حاجت تھی)﴾

﴿۱۲۔ محمد حسین: قانون قدرت جسکو بعض لوگ خدا کا قانون بنائے بیٹھے ہیں واقع میں خدا کی قدرت کا قانون و معیار نہیں ہے۔﴾

﴿حکیم نور الدین صاحب: ہاں انسان کے محدود تجربے اور مشاہدے قانون قدرت پر حاوی نہیں ہو سکتے۔﴾

﴿۱۳۔ محمد حسین: آپ آنحضرت ﷺ کے معراج جسمانی کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟ (اس میں آپ خوب قابو میں آ گئے ہیں۔ جس قانون قدرت کی دست آویز سے آپ کے پیرورانکے مرید صحیح احادیث کو رڈ کر رہے ہیں، اس سے آپ تمسک نہ کر سکیں گے اور ان احادیث کو رڈ کرنے پر قادر نہ ہوں گے)﴾

﴿حکیم نور الدین صاحب: میں نے اس مسئلہ میں غور نہیں کیا کہ جسدی ہے یا روحانی۔ نفس معراج کا اقرار ہے۔ (اس میں آپ نے سفید جھوٹ سے کام لیا ہے۔ آپ مدتوں سے کتب حدیث کی، جن میں معراج نبوی کا ذکر ہے، ورق گردانی کر رہے ہیں۔ اور عام

مسلمانوں کا یہ اعتقاد کہ آنحضرت ﷺ کو جسمانی معراج ہوا ہے، جانتے ہیں۔ اور خاص کر اپنے استاد مولوی محمد سہارنپوری ثم الہکی سے، جو پرانے خیالات کے آدمی ہیں، حدیث معراج کے یہی معنی سن چکے ہونگے کہ آنحضرت ﷺ اس جسم مبارک سے آسمانوں پر گئے۔ اور ادھر اپنے پیغمبر صاحب اور ان کے مریدوں کے خیالات و مقالات پبلک میں شائع ہوتے دکھ رہے ہیں۔ پھر کیا ایسی حالت میں ممکن ہے کہ آپ نے اس مسئلہ میں کچھ نہ سوچا ہو کہ ہمارے پیغمبر کا خیال صحیح ہے یا پرانے مسلمانوں کا۔ بلاغذرتا مل محض تقلید اپنے پیغمبر کا یہ خیال کہ معراج صرف روحانی ہوا ہے مان لیا ہو؟ ہر گز نہیں۔ آپ سچے ہیں تو اس پر قسم کھائیں۔ مگر یہ مسئلہ یاد رکھیں کہ قسم میں تو یہ جائز نہیں اور قسم اسی معنی پر واقع ہوتی ہے جو اس کے معنی دوسرا سمجھے

﴿۱۴﴾ محمد حسین: غیر نبی کا الہام دوسرے شخص پر حجت شرعی ہے یا نہیں؟

﴿حکیم نور الدین صاحب: غیر نبی کا الہام نبی کے صریح الہام کے خلاف ہو تو حجت نہیں اور اگر کسی ایسے معاملے میں ہو کہ اس میں صریح حکم نبی کا خلاف نہیں ہے تو ممکن ہے کہ کسی کے لئے حجت ہو مگر حجت شرعی نہیں۔ (آپ کے جملہ ممکن ہے، اور پھر اسکے استثنیٰ، مگر حجت شرعی نہیں، کو خیال میں لائیں۔ یہ کیسے اضطراب پڑتی ہیں؟ غیر نبی کا الہام شرعی حجت نہیں تو پھر کیسی حجت ہے؟ اور یہاں شرعی حجت کے سوا کس حجت سے بحث ہے)

﴿۱۵﴾ محمد حسین: صحابی کی ایسی تفسیر آیات قرآن جسکے معنی سمجھنے میں محض رائے کا دخل نہ ہو، حکماً مرفوع ہے یا نہیں

﴿حکیم نور الدین صاحب: صحابی کی ایسی تفسیر کوئی حکماً حجت نہیں۔ (اس جواب میں اور جواب سوال نمبر ۱۶ میں آپ نے سلف صالحین کا خلاف کیا۔ اور اپنی اور اپنے پیغمبر مرزا کی تاویلات بدعیہ مخالفہ سلف صالحین کے لئے راستہ نکالا ہے۔ سلف صالحین تو ہر بات میں صحابہ کے اقوال و آثار کی پیروی کرتے اور ان کی آراء کو بھی اپنی آراء سے مقدم سمجھتے۔ آپ ان کی ایسی تفسیر کو بھی نہیں ماننے جس کا آنحضرت ﷺ سے مسوع ہونا متعین ہے، اور اس میں رائے محض کا دخل نہیں ہے)

﴿۱۶﴾ محمد حسین: در صورت عدم حجیت وہ دوسروں کی تفسیر بالرائے سے مقدم ہے یا نہیں۔

﴿حکیم صاحب: صحابی کی تفسیر کو مقدم کرنا کوئی ضرورت نہیں۔

﴿۱۷﴾ محمد حسین: نبوت ختم ہو چکی ہے یا نہیں۔

﴿حکیم صاحب: نبوت تشریحی ختم ہو چکی ہے۔ کوئی شخص شرع جدید نہیں لاسکتا۔

﴿۱۸﴾ محمد حسین: کوئی جدید نبی ہو سکتا ہے جو تشریح جدید نہ کرے۔ شرع محمدی کے تابع ہو اور نبی کہلائے۔ جیسے

انبیاء بنی اسرائیل تو ریت کا اتباع کرتے تھے اور نبی کہلاتے تھے۔

﴿حکیم نور الدین صاحب: کوئی بعید نہیں۔ (ہو) اس میں تو آپ نے حد کردی۔ پیروی قرآن و حدیث اور اتباع سلف صالحین و عام مومنین سب کو بالائے طاق رکھ کر اپنے پیغمبر مرزا کی تقلید اختیار کی ہے۔ جس میں وہ سرسید احمد خان کے مقلد بنے ہیں جو ختم نبوت سے بتا دیل انکار کر کے، کالون، لوتھر، بابو کیٹب، چندر سین اور دیانند سرتی کو نبی یا پیغمبر قرار دے چکے ہیں)

﴿۱۹۔ محمد حسین: آیت خاتم النبیین نبوت کو ختم کرتی ہے، آپ نبی جدید کی تجویز پر کیا دلیل رکھتے ہیں؟﴾  
 حکیم صاحب: خاتم النبیین کی آیت تشریحی انبیاء کے ختم کی دلیل ہے۔ نبی بلا تشریح کے وجود کی مانع نہیں ہے۔  
 ایسے نبی کے دلائل میں اس وقت پیش نہیں کرتا (مجلس مناظرہ کے بعد آپ کو اپنے اس جواب کی مضرت سوجھی تو آپ نے حافظ محمد یوسف مہتمم انقعا جلسہ سے یہ بات کہی کہ اس جواب میں کہیں علماء امتی کاننبیاء بنی اسرائیل درج کرادو۔ حکیم صاحب کے لود ہانہ روانہ ہو جانے کے بعد حافظ صاحب نے نقشی عبداللہ نقشہ نویس اور میاں الرحمٰن بخش درانی فروش کے سامنے خاکسار سے اس امر کی درخواست کی۔ خاکسار نے اس کے جواب میں یہ بات کہی کہ اس جواب کے ساتھ یہ حدیث چسپاں نہیں ہو سکتی، ہاں وہ اس جواب کو واپس لیں اور بجائے اس کے یہ جواب دیں کہ اس وقت نبی تو کوئی نہیں ہو سکتا، اس وقت کے علماء مشابہ انبیاء ہیں، تو اس جواب کے ساتھ وہ حدیث بخوبی چسپاں ہو سکتی ہے۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے، جس مقام میں چاہیں اس حدیث کو درج کر دیں۔ حافظ صاحب اپنے قلم سے اس حدیث کو درج نہ کر سکے، اور اپنی نوکری پر چلے گئے۔ پھر خاکسار نے بذریعہ ڈاک وہ کاغذ جس میں اصول و سوالات درج تھے ان کے پاس بھیج دیا اور ان کو اختیار دیا کہ جہاں چاہیں، اس حدیث کو درج کریں۔ انہوں نے وہاں سے بھی اس کاغذ کو بلا تصرف و تبدل واپس کیا، اور کہیں اس حدیث کو درج نہ فرمایا جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی کہیں اس کا مساع نہ پایا۔ ہم اب بھی حکیم کو اختیار دیتے ہیں کہ جہاں چاہیں اس حدیث کو چسپاں کر دیں، اگر گنجائش پاویں۔ ہمارے نزدیک تو یہ حدیث تب ہی ان کی متمسک ہو سکتی ہے جب کہ وہ اس جواب کو بدل دیں۔ اور یہ جواب دیں کہ اب نبی کوئی نہیں ہو سکتا، علماء امت، انبیاء بنی اسرائیل کے مشابہ ہیں) ﴿۲۰۔ محمد حسین: لفظ عیسیٰ بن مریم اور دجال کے اصلی معنی (جس کی تاویل محتاج دلیل ہو) آنحضرت ﷺ اور صحابہ و تابعین کے زمانہ میں اس وقت تک کیا سمجھے گئے۔﴾

﴿حکیم نور الدین صاحب: مجھے تمام لوگوں کے کل اقوال کی خبر نہیں۔﴾  
 ﴿۲۱۔ محمد حسین۔ میں نے نہ تمام لوگوں کے اقوال پوچھے ہیں، نہ کل اقوال۔ جن لوگوں کے اقوال پر آپ کو اطلاع ہے، ان کا کیا خیال تھا۔﴾

﴿حکیم صاحب: ابن مریم سے قرآن میں عیسیٰ نبی اللہ اسرائیلی مراد ہے اور دجال کی نسبت مختلف خیال ہیں۔ ابن صیاد کو حضرت عمرؓ دجال سمجھتے اور اس پر قسم کھاتے تھے (اس میں دھوکہ ہے جس کا بیان تترہ جواب نمبر ۲۲ میں عنقریب آئے گا)﴾  
 ﴿۲۲۔ محمد حسین: احادیث نبویہ میں جو ابن مریم کا لفظ وارد ہے اس کے معنی صحابہ و تابعین وغیرہ مسلمین نے جہاں تک آپ کو علم ہے، کیا سمجھے ہیں۔ اور دجال کی نسبت جو آپ نے اختلاف بیان کیا ہے، اس کی ایک شق آپ نے بیان کی ہے دوسری نہیں کی۔ اب بیان فرمائیے کہ سوائے ابن صیاد کے بھی صحابہ و تابعین نے کسی کو دجال سمجھا ہے۔﴾

﴿حکیم نور الدین صاحب: مجھے یاد نہیں کہ سوائے ابن صیاد کے کسی کو دجال کہا گیا ہو اور ابن مریم کے ساتھ کسی نے، جہاں تک مجھے یاد ہے، اسرائیلی کی قید نہیں لگائی۔

﴿۲۳۔ محمد حسین: آنحضرت ﷺ کے وقت میں ابن مریم کا لفظ قرآن میں اور پھر آنحضرت ﷺ کے کلام میں اور عام لوگوں کی کلام میں جب کبھی بولا جاتا تھا تو اس لفظ کے اصل معنی کیا سمجھے جاتے تھے۔ آیا وہی حضرت عیسیٰ ابن مریم اسرائیلی یا کوئی اور معنی بھی کسی کے خیال میں آئے تھے۔

﴿حکیم نور الدین صاحب: قرآن شریف میں جہاں ابن مریم آیا ہے وہاں تو وہی عیسیٰ ابن مریم سمجھے جاتے تھے اور احادیث میں بھی جو ابن مریم بولا گیا تھا اس کی تصریح صحابہ کی جانب سے میں نے نہیں دیکھی کہ آیا وہ اس کو مثیل مسیح سمجھتے تھے، یا واقعی نبی اللہ بنی اسرائیلی مراد لیتے تھے۔

﴿۲۴۔ محمد حسین: آٹھویں اصول میں آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ احادیث اور اقوال کے اصلی معنی.....

شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالوی بتاتے ہیں کہ:

سوال نمبری ۲۴، اس حد تک پہنچا تھا کہ حکیم صاحب مجلس سے رخصت کے خواستگار ہوئے۔ اس وقت جناب مولوی محمد عبداللہ پروفیسر عربی کالج لاہور نے فرمایا کہ ان اصول و سوالات و جوابات پر فریقین کے دستخط مثبت ہونے چاہئیں۔ و بناء علیہ وہ اصول و سوالات و جوابات اس مجلس میں اول سے آخر تک لفظ بلفظ پڑھے گئے۔ پھر حکیم صاحب نے اس کو اپنے ہاتھ میں لے کر ملاحظہ فرما کر تسلیم کیا، اور پہلے اس پر اپنا دستخط کرنا چاہا مگر پھر فرمایا کہ یہ دوسرے کاغذ پر صاف ہو جائیں گے تو اس پر دستخط کرونگا۔ اور یہ کہہ کر مجلس سے کھڑے ہو گئے اور دوسرے جگہ کھانا کھا کر اپنے آقا راجہ صاحب کے پاس چلے گئے۔ اس کے بعد اکثر ارکان مجلس اپنے اپنے مکانات کو تشریف لے گئے۔ صرف خاکسار اور جناب مولوی محمد عبداللہ اور چند دیگر احباب تقریباً ایک گھنٹہ تک وہاں ٹھہرے۔ اور ان اصول و سوالات و جوابات کی دو نقلیں کرا کے اصل سے ان کا مقابلہ کرتے رہے۔ اس کے بعد ہم بھی وہاں سے مرخص ہوئے اور ان دونوں میں سے ایک نقل پر خاکسار نے اپنے دستخط کر کے حکیم صاحب کا دستخط مثبت کرانے کی غرض سے اس کو حافظ جی کے سپرد کیا اور یہ کہہ دیا کہ جس وقت حکیم



صاحب واپس آئیں اور مباحثہ پورا کرنا چاہیں اس وقت ہم لوگوں کو بھی طلب کریں۔ تھوڑی دیر کے بعد حکیم صاحب اس مکان میں واپس آگئے تو آپ نے اس صاف شدہ نقل کو ملاحظہ فرمایا اور مطابق اصل پا کر اس پر دستخط کرنا چاہا۔ مگر بیان کیا جاتا ہے کہ حافظ محمد یوسف نے ان کو دستخط کرنے سے روک دیا، جس کی وجہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔ اس نقل میں حکیم صاحب نے اس قدر اضافہ کرنا چاہا کہ جواب نمبری ۱۸ یا ۱۹ میں کہیں پر حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرا ٹیل کو درج کیا جائے جس کو حافظ صاحب نے منظور کر لیا، اور دوسرے دن کاغذ واپس دینے کے وقت اس کی تعمیل کیلئے مجھے مامور کیا۔ خاکسار اس وجہ سے جو قبل ازیں عرض کر چکا ہے، اس کو قبول نہ کر سکا۔

(ماہنامہ اشاعت السنہ - جلد ۱۳ - ص ۳۲۱۳)

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حسین بٹالویؒ بتاتے ہیں کہ: اس دن بارہ بجے دن سے رات کے چار بجے تک حکیم صاحب لاہور میں رہے اور اپنے پیر کے بعض نئے حواریوں کو (جن میں حافظ محمد یوسف صاحب، ونشی الہی بخش صاحب شامل و حاضر تھے) حضرت مسیح کے سولی پر چڑھائے جانے اور ہڈی نہ ٹوٹنے کے سبب سے سولی سے زندہ اتر آنے اور پھر اپنی موت سے وفات پانے کا حال، جیسا کہ سرسید احمد خان کی تفسیر میں درج ہے، سناتے رہے۔ مگر خاکسار سے مباحثہ کرنے کا حرف زبان پر نہ لائے۔ بلکہ باوجودیکہ میاں رجب الدین و میاں محمد چٹوٹ نے ان کو بہتیرا اکسایا اور مباحثہ پر آمادہ کیا مگر وہ اپنے کمان افسر حافظ محمد یوسف کی ماتحتی اور پھر ان کی غیر حاضری کے عذر سے اس مباحثہ سے جان بچاتے رہے۔ اور ادھر حافظ صاحب، جو مباحثہ سے ان کی جان بچانے کا ان کو شاید وعدہ دے چکے تھے، کہیں مفقود الخبر ہو گئے۔ اور مزید تفصیل و تفتیش کے بعد ونشی محمد بخش کے پاس پہنچنے پر رات کے بارہ بجے کے قریب وہ اس مکان میں آئے۔

اس وقت حکیم صاحب نے حافظ یوسف صاحب اور دیگر حاضرین و معتقدین سے یہ عذر پیش کر کے کہ: جموں میں ہمارا بہت جلد جانا ضروری ہے اور در صورت توقف مسلمانوں کا حرج عظیم متصور ہے، رخصت کے خواستگار ہوئے۔ حاضرین مجلس پر ان کے عذر و تقریر کا ایسا اثر پڑا کہ ان کو رخصت دینے کے سوا کچھ نہ سوچا۔ پھر آپ نے ایک شب کے لئے لودہا نہ جانے، اور وہاں سے اسباب اور اہل بیت کو لانے کی ضرورت کو ظاہر کیا اور ۱۵ تاریخ کو پانچ بجے صبح کے لودہا نہ کی طرف کوچ کیا۔ وہاں جا کر آپ کو جموں کا وہ ضروری کام بھول گیا

اور وہ عذر بھی آپ کے خیال سے جاتا رہا۔ وہاں آپ نے ۱۸۔ اپریل تک قیام و آرام فرمایا۔ دو پہر ۱۹۔ اپریل (۱۸۹۱ء) کو لاہور پہنچ کر جموں کی طرف منہ کیا۔

ہم لوگ جو حکیم صاحب کے شبینہ مشورہ اور دیرینہ ارادہ سے واقف نہ تھے ۱۴۔ اپریل کو تمام دن ان کے منتظر رہے۔ رات ہوئی تو ان کی یاد آوری اور طلبی سے مایوس ہو کر اس امر پر آمادہ ہو گئے کہ علی الصباح بلا طلب و اجازت حکیم صاحب کے فردگاہ پر دھاوا کریں گے۔ اور بر طبق، تو مان نہ مان میں تیرا مہمان، خود جا کر خواستگار اتمام مباحثہ ہوں گے۔ یہ سوچ کر رات ہی کو رقععات اطلاعی و طلبی بنام شرکاء مجلس تحریر کئے جو نماز صبح کے بعد ان لوگوں کے مطالعہ میں آئے۔ و مجملہ ان اصحاب و احباب مولوی محمد عبداللہ تو بعد نماز صبح اپنے مکان سے چل بھی پڑے تھے۔ اور بعض دیگر احباب کے رقععات منضمین وعدہ شمولیت پہنچ گئے تو ایک منجر صاحب یہ منحوس خبر لائے کہ حکیم صاحب تو کچھ رات رہتے یعنی ۴ بجے کے بعد لاہور کو چھوڑ گئے۔ یہ سن کر ان حضرات عازمین شراکت مجلس کی خدمت میں اور قاصد روانہ کئے جو ان کو اس تکلیف تشریف آوری سے روکیں۔

اس کے بعد جو کاروائی ہم نے کی اور طرف ثانی سے ہوئی اس کا بیان ہم بعد میں کریں گے، اس سے پہلے ہم اس مباحثہ کے واقع ہونے، اور اس واقعہ کے صحیح ہونے اور ان سوالات و جوابات کے حکیم صاحب اور خاکسار کے مابین دائر ہونے پر اس مجلس کے ارکان و اعیان کی جن کے نام نامی ہم قبل ازیں درج کر چکے ہیں شہادت پیش کرتے ہیں جسکی وجہ یہ ہے کہ مرزا صاحب، خاکسار اور حکیم صاحب کے مباحثہ کرنے کا انکار کر چکے اور یہ فرما چکے کہ: آپ کا تو درمیان قدم ہی نہ تھا یعنی تو تو اس مجلس میں بطور ویڈیوں کے بلا گیا تھا اور بات چیت جو ہوئی تھی سو حافظ محمد یوسف کی حکیم صاحب یا مولوی عبدالرحمن سے ہوئی تھی۔ تو کون ہے کہ ہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہوتا ہے اور خود بخود مبارز و مباحث بن بیٹھا ہے۔

ان تقریرات و بیانات صداقت آیات ان حضرات تقدس سمات سے (جو ضمیمہ پنجاب گزٹ ۲۵۔ اپریل ۱۸۹۱ء میں شائع کر چکے ہیں) ممکن بلکہ بظن غالب مظنون ہے کہ اصلی حقیقت سے ناواقفوں پر برا اثر ہو۔ اور وہ ان بیانات پر اعتماد کر کے دعویٰ مباحثہ کو غلط سمجھیں۔ لہذا ضرورت ہوئی کہ حضار مجلس سے ایسے اعیان کی شہادت کو جن کی وجاہت اور صداقت میں ان حضرات کو جائے کلام نہ ہو پیش کیا جائے۔ اس کے بعد جواب نمبری ۲۴ کا تہہ درج

کیا جائے گا۔ اس کے بعد کچھلی کاروائی فریقین کا بیان ہوگا۔

## مولوی محمد عبداللہ پروفیسر عربی کالج لاہور کی شہادت

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خاکسار اس گفتگو میں جو ۱۴۔ اپریل ۱۸۹۱ء کو کنشی امیر الدین کے مکان پر مابین جناب مولوی حکیم نور الدین اور جناب مولوی ابوسعید محمد حسین ہوئی تھی، اول سے آخر تک حاضر تھا۔ خاکسار کے سامنے یہ سوال و جواب مرقوم الصدر مابین مولوی صاحب و حکیم صاحب مدوحین کے ہوئے۔ آخری تقریر نمبری ۲۴ کے بیان میں جناب مولوی ابوسعید محمد حسین نے اصول مہدہ میں سے اصل نمبری ۸ کا حوالہ دیا۔ اس پر خاکسار نے عرض کی کہ اس تمام تحریر پر، جواب تک ہوئی ہے، فریقین کے دستخط ہو جانے مناسب ہیں تاکہ حوالہ کے وقت کسی کو اپنے مسلمات سے اعراض و انکار کی گنجائش نہ رہے۔ خاکسار کی یہ گزارش مقبول و منظور ہوئی اس پر منشی محمد دین (یہ سعادت مند نوجوان علی گڑھ کالج میں بی اے کی کلاس کے طالب علم ہیں اور لاہور کے باشندے ہیں اور ہمارے عزیز تلمیذ ہیں۔ محمد حسین) صاحب نے جو یہ سوال و جواب لکھتے جاتے تھے اول سے آخر تک تمام تقریر سنائی پھر جناب حکیم صاحب نے خود بھی اپنے ہاتھ میں لے کر اور اس تحریر کو پڑھ کر فرمایا کہ اسکو صاف کر لینا چاہیے، میں دستخط کر دوں گا۔ اب منشی محمد امیر الدین اور حافظ محمد یوسف نے کسی قدر اصرار کے ساتھ جناب حکیم صاحب کو مجلس سے اٹھالیا اور حکیم صاحب ان کے ہمراہ کہیں تشریف لے گئے۔ حکیم صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد بہت سے اصحاب جن میں خاکسار بھی تھا تقریباً ایک گھنٹہ یا اس سے کسی قدر زائد دیر تک اس مجلس میں حاضر رہے جب اس اثنا میں حکیم صاحب واپس تشریف نہ لائے تو خاکسار مولوی ابوسعید محمد حسین سے رخصت ہو کر اور یہ عرض کر کے چلا آیا کہ پھر گفتگو کے وقت سے آپ مجھے اطلاع دیجئے گا میں انشاء اللہ حاضر ہو جاؤں گا۔ چنانچہ میں اس روز تمام دن منتظر رہا۔ ۱۵۔ اپریل کو صبح کے وقت مولوی صاحب مدوح کی طرف سے ایک رقعہ اس مضمون کا خاکسار کے پاس آیا کہ حکیم صاحب نے تو مباحثہ کے لئے نہیں بلا یا مگر ہم چاہتے ہیں کہ خود وہاں جائیں اور ان سے مباحثہ پورا کرنے کی درخواست کریں لہذا آپ تشریف لے آویں، حسب وعدہ آپ کو مطلع کیا گیا۔ چنانچہ خاکسار یہ رقعہ دیکھنے کے بعد مکان سے چلا۔ اثنائے راہ میں مولوی

صاحب ممدوح کا ایک اور آدمی ملا جس نے مولوی صاحب کی طرف سے بیان کیا کہ اب آپ تکلیف نہ کریں۔ حکیم صاحب رات کے پانچ بجے لود ہانہ چلے گئے۔ یہ پیام سن کر خاکسار راستہ سے واپس چلا آیا۔

العبد، محمد عبداللہ عفی عنہ اول مدرس عربی اور نینٹل کالج لاہور

☆ خان بہادر فقیر سید جمال الدین رئیس و آزریری اسٹنٹ کمشنر لاہور کی شہادت:

جب راقم وہاں گیا تو اس وقت حکیم صاحب اور مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب کے مابین سوال و جواب ہو رہے تھے۔ اور راقم کے سامنے اخیر میں یہ سوالات و جوابات پڑھے گئے تو حکیم صاحب نے فرمایا کہ صاف ہو جاویں تو پھر دستخط کر دوں گا۔ پھر حکیم صاحب کسی ضرورت کے واسطے تشریف لے گئے۔

راقم فقیر جمال الدین عفی عنہ

☆ شیخ خدا بخش نج عدالت خفیہ لاہور کی شہادت:

۱۲۔ اپریل ۱۸۹۱ء کو میں مولوی محمد عبداللہ ٹوکنی اور فقیر جمال الدین کے بعد اس مجلس میں گیا تھا، نہ اس خیال سے کہ میں مناظرہ میں شامل ہوں بلکہ مناظرہ کا مجھ کو علم بھی نہ تھا۔ میں وہاں مولوی نور الدین کے ساتھ کسی جگہ جانے کیلئے کسی اور معاملہ دنیاوی کی خاطر گیا تھا کہ وہ وقت مولوی نور الدین نے میرے ساتھ کہیں جانے کے لئے مقرر کیا ہوا تھا۔ بہر حال میں نے گفتگو مابین مولوی محمد حسین اور مولوی نور الدین ہوتی سنی۔ آخر کار تنگی وقت کے سبب مولوی نور الدین کو بعض ان کے احباب نے اٹھایا اور گفتگو مذہبی کے واسطے آئندہ کے لئے التواء کرنا پڑا۔

پھر ۱۔ اپریل ۱۸۹۱ء کو لود ہانہ سے میرے نام خط مولوی نور الدین صاحب کا آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ مولوی محمد حسین کی خبر تار برقی لود ہانہ میں بنام مرزا غلام احمد پہنچی ہے کہ مولوی نور الدین جو بحث شروع کر کے بھاگ گیا ہے اس کو واپس کرو، ورنہ شکست یافتہ سمجھے جاؤ گے۔ مولوی نور الدین نے مجھ کو لکھا کہ عام جلسہ کا انتظام ہو تو مع مرزا صاحب کے لاہور وہ پہنچیں اور مجھ کو نیز ایما تھا کہ مولوی محمد حسین کی خدمت میں عرض کی جاوے کہ ۱۲۔ اپریل کو قریب نو بجے دن کے جو ان کو یک لخت جانا پڑا کیسا ضروری امر تھا۔ میری رائے میں ۹

بچے جو مولوی نور الدین نے گفتگو ختم کی اس میں ضرورت واقعی تھی۔ بعد وصول رقعہ مولوی نور الدین کے منشی عبد الحق کے ساتھ بخدمت مولوی محمد حسین صاحب چپراسی روانہ کیا اور عبد الحق صاحب نے بخدمت مولوی محمد حسین خط مرزا غلام احمد کا پیش کیا۔

آخر ۱۷۔ اپریل ۱۸۹۱ء کو منشی عبد الحق نے مجھ کو لکھا کہ مولوی محمد حسین نے بجواب خط مرزا صاحب لکھ دیا ہے کہ بعد مطالعہ کتاب از الہ اوہام بحث کے واسطے تاریخ مقرر کریں گے۔ الغرض ۹ بجے تک ۱۲۔ اپریل ۱۸۹۱ء گفتگو ہر دو صاحبان کی ہوتی میں نے سنی۔ آخر کار سوالات و جوابات میرے سامنے بموجہ ہر دو فریق پڑھے گئے اور ان کو صحیح مانا گیا، مگر مولوی نور الدین نے کہا کہ بعد صفائی کے دستخط کریں گے۔

کیم مئی۔ احقر خدا بخش۔

☆ مولوی عبدالعزیز ملازم سررشتہ تعلیم و رکن انجمن حمایت اسلام کی شہادت:

میں اس جلسے میں اول سے آخر تک موجود تھا اور جس قدر واقعہ مولوی محمد عبداللہ ٹوکنی نے تحریر فرمایا ہے، میرا اس سے کلی اتفاق ہے۔ عبدالعزیز ۲ مئی ۱۸۹۱ء

مرزا قادیانی اور ان کے حواری، ان شہادات کو دیدہ عبرت سے پڑھیں اور تھوڑی دیر کے لئے اپنے اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں۔ اور پھر خوف آخرت و ننگ دنیا کو پیش نظر رکھ کر انصاف سے کہیں کہ اس واقعہ کے بیان میں کون سچا ہے اور کون جھوٹا؟ ان شہادتوں کو وہ صادق اور کافی نہ سمجھیں تو ان اعیان سے یا انکے برابر صادق القول اور وجہہ اشخاص کی شہادت سے یہ ثابت کریں کہ یہ مباحثہ حافظ محمد یوسف اور حکیم صاحب یا مولوی عبدالرحمن کے مابین ہوا تھا۔ اور ان سوالات و جوابات کا سلسلہ انہی حضرات میں جاری تھا۔ ابو سعید محمد حسین ایک گوشہ میں وزیٹروں کی لائن میں چپ چاپ بیٹھا تھا۔ ایسے اعیان ان کو شہادت کے لئے میسر نہ آئیں تو اپنے ہی حامیوں اور تسلی یافتہ حواریوں میں سے جن کے نام ضمیمہ پنجاب گزٹ سیالکوٹ ۲۵۔ اپریل ۱۸۹۱ء میں مشتمل کر چکے ہیں تین اشخاص حافظ محمد یوسف، منشی الہی بخش، منشی عبد الحق سے اس مضمون کی شہادت دلوادیں۔ مگر ان کی شہادت ہم حلف سے لیں گے اور خاص مجلس میں جن الفاظ سے چاہینگے یہ مضمون کہلوائیں

گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات میں ایسے لوگ بھی ہیں جو دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز، عمل کر کے تاویل و توریہ کے ساتھ تھوڑا سا جھوٹ بولنا بھی جائز سمجھتے ہیں۔ ہم ان سے ایسے الفاظ سے حلفی شہادت لیں گے جن میں وہ تاویل و توریہ نہ کر سکیں گے۔ اور پہلے ان کو یہ مسئلہ سمجھا دیں گے کہ حلف میں توریہ جائز نہیں، وہ دوسرے کی نیت پر واقع ہوتی ہے۔

## تمتہ جواب نمبری ۲۴:

شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالوی فرماتے ہیں کہ اس جواب کے شروع میں، ایک سطر، کا اعادہ کر کے جواب کو پورا کیا جاتا ہے:

آٹھویں اصل۔ (یا محاورہ عام کے مطابق آٹھواں اصول)۔

﴿محمد حسین: آپ (حکیم صاحب) تسلیم کر چکے ہیں کہ:

۱۔ احادیث و قرآن کے اصلی معنی (یعنی حقیقی) بلا دلیل قوی ترک کرنا اور اسکے مجازی معنی بلا وجہ قوی مراد لینا جائز نہیں ہے اور امید ہے کہ صحابہ کو بھی آپ اس قاعدہ سے ناواقف یا دیدہ دانستہ اس کے مخالف نہ قرار دینگے کیونکہ وہ لوگ آپ سے اور اس وقت کے تمام لوگوں سے افتقد و اورع تھے اور محاورات عرب اور خطابات سیدالرحم و العرب سے بخوبی واقف تھے اور اصول صحیحہ کے پابند۔

۲۔ اور جواب نمبری ۲۳ میں آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ، یہ لفظ (مسح ابن مریم) قرآن میں آیا تو صحابہ نے اس سے حضرت عیسیٰ نبی اللہ کو مراد سمجھا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس لفظ کے اصلی معنی یہی (عیسیٰ نبی اللہ) ہیں۔ یہ معنی اصلی نہ ہوتے تو قرآن میں وہ اس لفظ سے یہ مراد نہ سمجھتے۔

ان دونوں مقدمات مسلمہ جناب کو ملانے سے صاف اور قطعی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ لفظ حدیث میں وارد ہوا تو وہاں بھی صحابہ نے اس لفظ سے حضرت عیسیٰ نبی اللہ کو مراد سمجھا۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ ان (صحابہ) سے اس کے برخلاف اس لفظ سے مثیل مسح یا اور معنی مجازی مراد سمجھنا اب تک ثابت نہیں ہوا، جس کا آپ نے بھی جواب نمبری ۲۳ میں اعتراف کر لیا ہے۔ اس قطعی نتیجہ کے ابطال و مقابلہ میں اگر آپ یہ کہیں کہ قرآن میں اس لفظ کے

نازل ہونے کے وقت تو اس کے اصلی معنی حضرت عیسیٰ نبی اللہ تھے مگر حدیث میں اس لفظ کے استعمال کئے جانے کے وقت وہ معنی اصلی نہ رہے۔ یا یہ کہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب اصلی معنی کو بلاوجہ ترک کرنے عدم جواز سے واقف نہ تھے۔ یا وہ باوجود واقفیت اس قاعدہ صحیحہ کے پابند نہ تھے، تو آپ کی بات کا کوئی جواب نہیں ہے: این ست جوابت کہ جوابت ندہم

جواب نمبری ۲۱ و ۲۳ میں تو حکیم نور الدین صاحب نے مسیح ابن مریم کے لفظ کا قرآن میں وارد ہونا تسلیم کر لیا تھا مگر اپنے پرائیویٹ جلسوں میں حضرت مسیح کا سولی دیا جانا، اور پھر اپنی موت سے فوت ہو جانا، تلقین فرماتے رہے تھے، اس لفظ کو قرآن میں وارد ہونے سے انکار کیا تھا، اور صاف فرما دیا کہ مولوی صاحب (یعنی محمد حسین) سخت غلطی کرتے ہیں کہ بار بار اس لفظ کے قرآن میں وارد ہونے پر زور دے رہے ہیں۔

آپ کے اس اقرار کو ان حواریوں نے مان لیا۔ اور ایک مولوی حافظ بھی آپ کے اس انکار کا مصدق ہوا۔ دوسرے دن اس امر کا تذکرہ خاکسار کے پاس میاں رجب الدین اور خواجہ محمد دین نے کیا تو خاکسار نے اسی وقت قرآن سے ایسی آیات کا نشان دیا جن میں یہ لفظ وارد ہے۔ پھر مجمع عام وعظ جمعہ میں ان آیات قرآنیہ کو پڑھ کر سنادیا (قرآن میں کئی جگہ لفظ عیسیٰ بن مریم وارد ہے۔ دیکھو آل عمران۔ ع ۵۔ نساء ۲۲ وغیرہ۔ کئی جگہ لفظ مسیح ابن مریم۔ دیکھو مائدہ۔ ع ۳ و ۱۰، توبہ۔ ع ۵۔ کئی جگہ لفظ عیسیٰ ابن مریم ہے، دیکھو بقرہ، ع ۱۱۔ مائدہ، ع ۵۔ مریم ع ۲۔ کئی جگہ صرف ابن مریم۔ دیکھو زخرف ع ۶۔ مومنون ع ۳) ہم کو ان حواریوں کی زود اعتقادی پرافسوس نہیں ہے کیونکہ وہ قرآن سے ماہر نہیں اور بعض تو بالکل ان پڑھ ہیں۔ افسوس تو حکیم صاحب پر ہے جنہوں نے اس انکار میں غضب ڈھایا۔ اس میں آپ نے دیدہ دانستہ نئے حواریوں کو دہوکہ دیا تو محل افسوس ہے اور اگر یہ انکار ناواقفی پر مبنی ہے تو پھر آپ کا دعویٰ قرآن دانی محل تعجب ہے۔

جواب نمبر ۲۱ میں آپ نے اس لفظ کی مراد میں اختلاف ظاہر کیا ہے، اور اس اختلاف کی ایک شق کو کہ حضرت عمرؓ، ابن صیاد کو دجال کہتے اور اس پر قسم کھاتے تھے، بیان کیا۔ پھر سوال نمبری ۲۲ میں دوسرے شق اختلاف کے بیان کا آپ سے مطالبہ ہوا تو آپ نے یہ کہہ دیا کہ مجھے یاد نہیں کہ سوائے ابن صیاد کسی کو دجال کہا گیا ہو۔ اس سے آپ نے یہ بتایا کہ دجال صرف ابن صیاد بالاتفاق مراد ہے، اور ہماری یاد میں اس مراد کا کوئی

مخالف نہیں۔ ان جوابات میں آپ نے کئی وجہ سے دجل (حق باطل کا غلط) اختیار کیا۔

وجہ اول یہ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ابن صیاد کو دجال کہنا یہی معنی نہیں رکھتا کہ وہ آپ کے نزدیک دجال موعود تھے۔ کیوں یہ جائز نہیں کہ آپ نے اس کو مجملہ ان میں دجالوں کے سمجھا ہو جن کے پیدا ہونے کی خبر حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں موجود ہے: عن ابی ہریرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تقوم الساعة حتی یبعث دجالون کذا بون قریباً من ثلاثین کلہم یزعم انہ رسول اللہ ، مسلم۔ ص ۳۹۷۔

قيل لعل عمر اراد بذلك ان ابن صياد من الدجالين الذين يخرجون فيدعون النبوة او يضلون الناس ويلبسون الامر عليهم لا انه المسيح الدجال -مرقاة حاشیة مشکوٰۃ صفحہ ۴۷۹۔  
ملا علی قاری نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ شائد عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے یہ مراد ہو کہ ابن صیاد ان دجالوں میں سے ہے جو نبوت کا دعویٰ کریں اور لوگوں کو بہکا دیں اور انکے دین کو گڈمڈ کر دیں گے، نہ یہ کہ وہ مسیح دجال موعود ہے۔ اس وجہ سے معاملہ دجال و ابن صیاد کے متعلق ایک مغالطہ ثابت ہوا۔

وجہ دوم: یہ کہ فرض کیا اور مان لیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی خیال تھا کہ ابن صیاد (ابن صیادینہ کا یہودی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اس میں بعض ایسی عجیب باتیں موجود تھیں جو دجال میں ہونگی۔ پھر وہ مسلمان ہو گیا اور اس نے حج بھی کیا۔ اس کے مسلمان یا دجال ہونے میں صحابہ میں اختلاف رہا) وہی دجال موعود تھا مگر جب اس فرضی خیال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق کو روک دیا اور صاف فرمایا۔ فقال عمر بن الخطاب ذرني يا رسول الله ا ضرب عنقه فقال له رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان یکن فلن تسلط علیه وان لم یکن فلا خیر لك فی قتله۔ (صحیح مسلم۔ ص ۳۹۸)۔

فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان یکن هو فلسنت صاحبه انما صاحبه عيسى بن مريم والا یکن هو فلیس لك ان تقتل ر جلاً من اهل العهد - (مشکوٰۃ۔ ص ۴۷۹)۔

چنانچہ بخاری و مسلم میں آیا ہے، کہ اے فاروق، یہ ابن صیاد وہی دجال (موعود) ہے تو تجھے اسکے قتل پر تسلط نہ ہوگا کیونکہ اس کا قاتل حضرت عیسیٰ ہوگا۔ اور اگر یہ اور دجال ہے تو اس کا قتل کرنا اچھا نہیں کیونکہ یہ ذمی (عہدی) ہے



جن کا قتل کرنا جائز نہیں۔ تو پھر کیونکر ممکن تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ کا وہ فرضی خیال قائم رہتا؟ کیا یہ امر ممکن اور بلحاظ کمال حضرت عمرؓ کے اتباع و اتقاء میں جائز ہے کہ آنحضرت ﷺ آپ کو دجال موعود کی نسبت یہ خبر دیں کہ وہ حضرت عیسیٰ بن مریم کے ہاتھ سے قتل کیا جائے اور پھر حضرت عمرؓ اسی کو دجال موعود سمجھیں۔ ہرگز نہیں۔ آپ نے قول فاروقی کے یہ معنی بتا کر اور اس کے مخالف قول نبوی سے چشم پوشی کر کے مسلمانوں کو سخت دھوکہ دیا ہے اور اس میں دجل سے خوب کام لیا ہے۔

وجہ سوم: سلف صحابہ میں جو اختلاف تھا، وہ ابن صیاد کے باب میں تھا کہ آیا وہ دجال ہے یا نہیں، نہ دجال موعود کے باب میں (جس کی علامات و خواص صحیح حدیثوں میں یہ آئے ہیں کہ۔ ۱۔ وہ مردہ کو زندہ کرے گا۔ ۲۔ اس کے ساتھ دوزخ و بہشت ہوگا۔ ۳۔ اس کی پیشانی پر ک ف ربیعنی کا فرکتوب ہوگا۔ ۴۔ حضرت عیسیٰ کے ہاتھ سے مارا جائے گا، وغیرہ) کہ آیا وہ بجز ابن صیاد کوئی اور شخص ہے یا نہیں۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ امام ابوسلیمان خطابی نے فرمایا کہ ابن صیاد کے باب میں جب وہ بڑا ہوا، سلف کا اختلاف ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ اپنے کفریات سے تائب و مسلمان ہوا اور مدینہ میں فوت ہوا۔ اور اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی تو اس کا منہ کھول کر لوگوں کو دکھایا گیا اور ابن عمرؓ و جابرؓ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ ابن صیاد دجال ہے۔

قال الخطابي و اختلف السلف في امره بعد كبره فروى عنه انه تاب من ذلك القول ومات بالمدينة و انهم لما اردوا الصلوة عليه كشفوا عن وجهه حتى رآه الناس قيل لهم اشهدوا قال و كان ابن عمر و جابر فيما روى عنهما يحلفان ان ابن صياد هو الدجال لا يشكان فيه فقيل لجابر انه اسلم۔ فقال و ان سلم۔ فقيل انه دخل مكة و كان في المدينة، فقال و ان دخل ( صحیح مسلم۔ ص ۳۹۷ )

اور یہ اختلاف صحابہ یا تابعین کا ہم نے کہیں نہیں دیکھا کہ دجال جس کے خواص و علامات مذکورہ حدیث میں آئی ہیں وہ بجز ابن صیاد کوئی نہیں ہے۔

حکیم نور الدین صاحب نے اس (اول) اختلاف کو یہ (دوم) اختلاف قرار دیا اور دجل اختیار کر کے مسلمانوں کو دھوکے میں ڈالا۔ آپ سچے ہیں تو کم سے کم ایک صحابی یا ایک تابعی سے بنقل صحیح یہ ثابت کر دکھائیں کہ ابن

صیاد کے سوا کوئی دجال نہیں جس میں علامات مذکورہ کتب حدیث پائی جائیں گی۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عمرؓ و حضرت جابرؓ کے اقوال کو اپنے خیال کی تائید میں پیش کریں گے تو سخت پچھتائیں گے۔ ان سے آپ یہ نفی ثابت نہ کر سکیں گے۔

بالجملہ دجال کے متعلق جو کچھ آپ نے کہا ہے اس میں دجل سے پورا کام لیا ہے اور حق کو باطل سے ملا دیا ہے اور حق یہ ہے کہ دجال موعود اور اس کی صفات موجودہ کتب حدیث کسی اختلاف کا محل نہیں گو بعض صحابہ نے دجال کی بعض صفات کا محل ابن صیاد کو بھی بنایا ہے، اور اس کو مجملہ دجالہ شمار کیا ہے۔

## مباحثہ سے پچھلی کاروائی

شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ بتاتے ہیں کہ حکیم نور الدین صاحب مباحثہ چھوڑ کر لوہا نہ چلے گئے تو خاکسار نے دوسرے دن اس پر اطلاع پا کر حافظ محمد یوسف صاحب اور میاں رجب الدین صاحب کو بلایا اور ان سے سبب تشریف بری حکیم صاحب دریافت کیا۔ حافظ صاحب نے بیان کیا کہ حکیم صاحب کو جموں میں جلد جانا ضروری تھا۔ وہ جلد نہ جاتے تو مسلمانوں کا سخت حرج ہوتا، اس لئے ہم نے ان کو مرخص کیا۔ اور کہا کہ کاغذ اصول و جوابات پر حکیم صاحب نے دستخط کرنا چاہا تھا، لیکن ہم نے ان کو دستخط کرنے سے روک دیا۔ اور کہا کہ حکیم صاحب یہی خوف کرتے تھے کہ اگر میں بلا اتمام مباحثہ چلا جاؤنگا تو مولوی جی (محمد حسین) کہیں گے کہ وہ شخص بھاگ گیا مگر ہم نے اس خوف سے ان کو مطمئن کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ جو الزام وہ آپ پر لگائیں گے وہ ہم اپنے ذمہ لیں گے۔ آپ اس الزام سے بری سمجھے جائیں گے۔ پھر حافظ صاحب نے اپنے بیان کی تصدیق میاں رجب الدین صاحب اور خواجہ محمد دین صاحب سے کہ وہ بھی ان کے ساتھ آئے تھے کرادی۔ اور خاکسار سے یہ درخواست کی کہ آپ حکیم صاحب کی اس کاروائی پر جو کہنا چاہتے ہیں ہم کو کہیں حکیم صاحب پر کوئی الزام عائد نہ کریں۔

میں نے اس کے جواب میں حافظ جی سے کہا کہ آپ جو کہتے ہیں اور جو آئندہ چاہتے ہیں وہ صرف آپ کی دوست پروری اور پردہ پوشی ہے۔ آپ نے جب حکیم صاحب کو دیکھا کہ وہ ان اصول و جوابات کی

تسلیم سے بے دست و پا ہو گئے ہیں لہذا اب وہ مباحثہ کے لئے مجلس میں آئیں گے تو الزام کھائیں گے۔ اور خفت اٹھائیں گے۔ اور یہ امر آپ پر نہایت شاق گذرا اور دوستی کے اور حکیم صاحب اس مروت کے کہ وہ آپ کے کہنے سے مباحثہ کے لئے مستعد ہوئے مخالف معلوم ہو لہذا آپ نے اس کا غد پران کا دستخط نہ ہونے دیا اور ان کو یہ وعدہ دے کر کہ ہزیمت کا الزام ہم اپنے ذمہ لیں گے، ان کو بھاگ جانے کا مشورہ دیا۔ مگر آپ کی اس کاروائی سے حکیم صاحب الزام ہزیمت سے بری نہیں ہو سکتے اگرچہ وہ آپ ہی کے کہنے سے خاکسار کے مخاطب و مناظر ہوئے تھے مگر آخر مخاطب ہوئے اور مناظر بن گئے۔ لہذا ان کا فرض تھا کہ وہ جاتے ہوئے خاکسار سے اجازت لیتے یا کم از کم یہ اطلاع دیتے کہ ہم نے صرف حافظ جی کے کہنے سے آپ سے مناظرہ شروع کیا تھا اب ہم حافظ جی کے حکم یا اجازت سے اس مناظرہ کو موقوف کر کے لو دہا نہ جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنا یہ فرض ادا نہیں کیا، تو ہم ان کا تعاقب نہ چھوڑیں گے۔ اور ان کے نام تار دے کر ان کو اتمام مباحثہ کے لئے بلائیں گے۔ جس پر ہم نے ۱۵۔ اپریل کو ۱۱ بجے دن کے مرزا غلام احمد کے نام مضمون کا ٹیلی گرام دیا:

۱۵۔ اپریل ۱۹۸۱ء۔ تمہارے ڈی سائیکل (حواری) (disciple) نور الدین نے مباحثہ شروع کیا اور بھاگ گیا۔ اس کو واپس کریں یا خود آویں ورنہ یہ متصور ہوگا کہ آپ نے شکست کھائی۔

اس تار کے جواب میں ہمارے مقدس اور شیر بہادر مرزا صاحب سے یہ نہ ہو سکا کہ فوراً تار کے ذریعہ مجلس مناظرہ میں حاضر ہو جانے کا وعدہ دیتے۔ بلکہ دوسرے دن ۱۶۔ اپریل کو ۶ بجے کی ٹرین میں ایک آدمی کے ہاتھ اس تار کے جواب میں اپنا خط ذیل روانہ کیا جو ۱۷۔ اپریل کو ہمیں ملا۔ اس خط میں پچھلے مباحثہ کو آپ نے کان لم یکن (گو یا کہ وہ ہوا ہی نہ تھا) ٹھہرایا۔ اور نئے مباحثہ کے لئے ایسی فاسد شرائط کو پیش کیا جن سے مناظرہ کا وجود میں آنا محال تھا۔ ان شروط کو گویا انہوں نے سپر بنایا اور ان کے ذریعہ سے اپنے آپ کو اور اپنے حواری کو مباحثہ سے بچالیا۔

(ماہنامہ اشاعت السنہ۔ جلد ۱۳۔ ص ۳۳۳ تا ۳۵۲)

(اگرچہ یہ مباحثہ ۱۸۹۳ء میں انجام پذیر ہوا تھا، اس لئے کسی آئندہ موقع پر درج ہونا چاہیے لیکن تسلسل کی غرض سے اس کا دوسرا حصہ بھی یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔ بہاء)

## حصہ دوم مباحثہ شیخ الاسلام و حکیم نور الدین

شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالوی اشاعت السنۃ جلد ۱۴ میں (صفحات ۲۱۳ تا ۲۱۶) لکھتے ہیں کہ میں کیم مارچ ۱۸۹۳ء کو بارادہ سفر پورب، ریلوے سٹیشن لاہور پہنچا اور (ٹرین کے) ایک کمرہ میں اپنا سامان سفر رکھ کر پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگا۔ ناگاہ حکیم نور الدین جمونی بھیروی تشریف لائے اور بحکم قضا و قدر اسی کمرہ میں بیٹھ گئے۔ میں نے اس خوف سے کہ مبادا حکیم صاحب مجھے دیکھ کر اس کمرہ سے منتقل ہو جائیں، روانگی گاڑی تک پلیٹ فارم ہی پر ٹہلتا رہا۔ جب روانگی کا وقت قریب پہنچا تو میں ٹرین کے کمرہ میں داخل ہوا اور جاتے ہی حکیم صاحب کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا کہ حکیم صاحب آپ کا مزاج اچھا ہے؟ یہی میرا سلام تھا اور ایسا ہی غیر مسلم آشناؤں سے ملنے کا میرا دستور ہے۔ اس کے بعد میں نے اپنا ایک خواب یا بیداری کا ایک خیال بیان کیا جو اسی شب یا اس سے پہلے روز وقوع میں آیا تھا کہ میں نے چاہا تھا کہ حکیم صاحب کے مسکن بھیرہ جاؤں اور ان کو تبلیغ احکام اسلام و دعوت عقائد اسلامیہ کروں۔ مگر مجھے اس سے یہ خوف مانع ہو گیا کہ مبادا ان کے مکان پر میرے لئے کوئی فتنہ پیش آجائے۔ اس وقت جو آپ کو اس کمرہ میں رونق افروز ہو کر میرے پاس بیٹھے ہیں، تو یہ واقعہ میرے اس خواب یا خیال کی تعبیر ہے۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ کمال افسوس کا مقام ہے کہ آپ سے ہمارا کئی وجہ سے اتحاد و تعلق تھا۔ اسلام، وحدت مذہب، محدثانہ، دوستی، ہم وطنی وغیرہ، مگر مرزائی عقائد کے اختلاف سے وہ اتحاد و تعلق قطع ہو گیا اور تقطعت بہم الا سباب کا مضمون صادق آیا۔ اس کو حکیم صاحب نے بھی تسلیم کیا اور اس پر افسوس ظاہر فرمایا۔

اسکے بعد میں نے کہا کہ حکیم صاحب مدت سے میں اس امر کا خواہاں تھا کہ ہماری آپ کی بالمشافہ گفتگو ہو، اور مباحثہ جو ۱۴ اپریل ۱۸۹۱ء کو بمقام لاہور شروع ہو کر ناتمام رہ گیا ہے، پورا ہو۔ مگر ناجائز شروط نے، جو آپ کی طرف سے ہوتی رہی ہیں، یہ موقع نہ آنے دیا۔ اب جو حسب اتفاق ہمارا اور آپ کا ایک جگہ جمع

ہونا میسر ہے، آپ اجازت دیں تو میں اس گفتگو کو پورا کر لوں۔

☆ حکیم نور الدین صاحب نے فرمایا کہ ہاں شروع کیجئے۔

☆ اس پر خاکسار محمد حسین نے کہا کہ اس مباحثہ (لاہور، ۱۸۹۱ء) میں میرے سوال نمبر ۲۳ کے جواب میں آپ نے اس امر کو تسلیم کیا ہوا ہے کہ

احادیث میں جہاں لفظ ابن مریم آیا ہے اس کی نسبت مجھے یہ علم نہیں کہ صحابہ اس لفظ سے عیسیٰ نبی اللہ کو مراد سمجھتے تھے یا کسی مثیل ابن مریم کو،

اور میرے آٹھویں سوال کے جواب میں آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ الفاظ قرآن وحدیث کے ظاہری معنی مراد لینا واجب ہے، جب تک ان ظاہری معنی سے کوئی مانع قطعی نہ ہو۔

اور یہ بات بھی مسلم کل ہے کہ لفظ ابن مریم کے ظاہری معنی عیسیٰ ابن مریم کے ہیں اسی وجہ سے قرآن میں اس لفظ سے صحابہ کا اسی معنی کو سمجھنا آپ نے سوال نمبر ۲۳ کے جواب میں تسلیم کر لیا ہے۔

اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ حدیث کے لفظ ابن مریم کے بھی عیسیٰ نبی اللہ کے معنی مراد ٹھہرانا واجب ہے، اور یہی معنی صحابہ نے سمجھے ہیں۔ پھر آپ اس لفظ حدیث سے مثیل ابن مریم کیوں مراد سمجھتے ہیں؟ اس کے حقیقی و ظاہری معنی سے آپ کی نظر میں کون سا مانع قطعی ہے؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی فرماتے ہیں کہ میری باتیں سن کر حکیم صاحب پر یوں سکوت طاری تھا کہ کان علی رأسہ الطیر کا معاملہ نظر آ رہا تھا۔ وہ کچھ نہ بولے تو میں نے کہا شاید آپ حدیث کے اس لفظ کے ظاہری و حقیقی معنی مراد لینے سے اس امر کو مانع قطعی سمجھتے ہوں گے کہ آپ کے نزدیک قرآن سے حضرت مسیح کی قطعی وفات ثابت ہے اور یہ خیال کرتے ہوں گے کہ جب وہ مر چکے ہیں تو پھر اس حدیث سے (جس میں مسیح بن مریم کے آنے کی خبر ہے) بجز مثیل مسیح کے کیا مراد ہو سکتا ہے۔

اس پر حکیم (نور الدین) صاحب نے فرمایا کہ ہاں میری یہی ایک دلیل ہے جو اس لفظ سے حقیقی اور ظاہری معنی مراد ہونے سے قطعی مانع ہے۔

مولانا بٹالوی لکھتے ہیں کہ اس پر میں نے پوچھا کہ آپ کے پاس حضرت مسیح کے فوت ہو جانے پر کون سی قطعی

دلیل ہے۔

حکیم صاحب نے جواب میں آیت: یا عیسیٰ انی متوفیک و رافعک الی (یعنی اے عیسیٰ میں تجھے وفات دینے والا ہوں۔ پھر اپنی طرف اٹھانے والا ہوں) پڑھی اور کہا کہ حضرت عیسیٰ کے رافع کو تو آپ بھی مانتے ہیں، پس چاہیے کہ ان کی وفات کو بھی مان لیں۔ کیونکہ آیت میں توفی کا ذکر پہلے ہوا ہے اور رافع کا ذکر پیچھے ہوا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی توفی پہلے ہوئی اور رافع پیچھے۔ اس کی نظیر وہ آیت قرآن ہے جس میں افعال حج کے بیان میں خدا تعالیٰ نے صفا پہاڑ کے طواف کا ذکر پہلے کیا اور مروہ کے طواف کا پیچھے۔ تو اس سے آنحضرت ﷺ نے سمجھ لیا کہ شروع طواف صفا سے چاہیے۔ اور آپ ﷺ نے صاف فرمادیا ابدوا بما بدء اللہ یعنی تم اسی پہاڑ سے طواف شروع کرو جس کا ذکر خدا نے پہلے کیا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حسین بٹالویؒ بتاتے ہیں کہ اس پر خاکسار نے اپنا بیگ کھول کر اس میں سے اشاعت السنہ نمبر ایک لغایت ۴ جلد ۱۴ نکال کر حکیم صاحب کو بتایا کہ:

اولاً تو اس آیت میں کسی دلیل سے توفی کے معنی وفات کے متعین و متیقن نہیں ہیں اور نہ لغت عربی میں توفی معنی وفات کے لئے مخصوص ہے۔ لہذا جائز و ممکن ہے کہ اس آیت میں توفی سے حضرت مسیح کا زندہ اٹھایا جانا مراد ہو اور وہی مراد لفظ رافع سے ہو۔ چنانچہ امام رازیؒ فرماتے ہیں:

ان التوفی هو القبض یقال و فانی فلان درامی.... فتوفیتها منہ کما قال سلم فلان درامی الی و تسلمتها منہ و قد یکن توفی منہ استوفی و علی کلا الاحتمالین لان اخراجہ من الارض و اصعاده الی السماء توفیاً له فان قبیل فعلی هذا الوجه کان التوفی عین الرفع الیہ فیصر قولہ رافعک الی تکراراً... قلنا قولہ انی متوفیک یدل علی حصول المتوفی و هو جنس تحتہ انواع بعضها بالاصعاد الی السماء فلما قال بعد و رافعک الی کان هذا تعیناً للنوع و لم یکن تکراراً۔ (تفسیر کبیر ج ۲) کہ توفی کے معنی قبض کرنا ہے۔ عرب کے یہ محاورات ہیں:

و فانی فلان درامی۔ و او فانی و توفیتها منہ یعنی فلاں شخص نے میرے درام میرے قبضے

میں دیدیے اور میں نے اس سے قبض کر لئے۔

جیسے یہ محاورات ہیں سلم فلان دراہمی الی و سلمتها منہ یعنی فلان شخص نے میرے دراہم میرے سپرد کئے اور میں نے اس سے لے لئے۔

اور کبھی توفی بمعنی استوفی آتا ہے یعنی پورا لینے کے معنی میں۔

ان دونوں معنی (قبض کرنے اور پورا لینے) سے حضرت مسیح علیہ السلام کو زمین سے نکال کر آسمان پر چڑھا لے جانا ان کی توفی ہے۔ اس پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ان معنی کی نظر سے توفی بعینہ رفع جسم ہوا۔ خدا کا متوفیک فرمانے کے بعد رافعک کہنا تکرار بلا فائدہ بنتا ہے (جس سے خدا کی شان پاک ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ متوفیک فرمانے سے صرف قبض کرنا معلوم ہوا۔ جو ایک جنس اور عام مفہوم ہے اور اس کے نیچے کئی انواع و اقسام پائے جاتے ہیں۔ پھر جب متوفیک فرمانے کے بعد رافعک فرمادیا تو اس سے اس جنس کے ایک نوع کا تقرر ہو گیا اور تکرار لازم نہ آیا۔

ایسے ہی قاموس، صحاح، صراح، مجمع البحار کتب لغات اور بیضاوی وغیرہ تفاسیر میں لفظ توفی کے معنی بیان کئے ہیں۔ اور: ثانیاً، فرض کیا اور بطور تنزل مان لیا کہ یہاں توفی سے موت کے معنی مراد ہیں تو بھی حرف واؤ کے ساتھ توفی کا رفع سے پہلے مذکور ہونا اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ اس کا وقوع پہلے ہوا ہے۔ کیونکہ حرف واؤ قرآن اور عام عرب کے محاورہ میں مطلق ومعیت کیلئے ہے جس سے سابق (پہلے) لاحق (پچھلے) اور مقارن (ساتھ والے) کا عطف ہوتا ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ اس میں ترتیب کا لحاظ ہو۔ چنانچہ قاموس میں ہے:

قالوا والمفردة اقسام۔ الاولى العاطفة فتعطف الشی علی مصاحبه فانجیناہ و اصحاب السفینة و هی سابقہ۔ ولقد ارسلنا نوحا و ابراہیم و علی لا حقة و کذا لک یوحى الیک و الی الذین من قبلك کہ واؤ مفرد کئی قسم کا ہے، ایک عاطفہ جس کے ذریعہ سے کبھی ایک چیز کا دوسرے کے ساتھ ہونا بیان کیا جاتا ہے، جیسے قرآن میں نوح کے ساتھ کشتی والوں کا نجات پانا بیان ہوا ہے۔ کبھی پہلی چیز کا پہلے ہونا اور پچھلی کا پیچھے ہونا۔ جیسے نوح اور ابراہیم کے رسول ہونے کا بیان۔ کبھی پچھلی

چیز کے پہلے اور پہلی چیز کے پیچھے ہونے کا بیان، جیسے خدا تعالیٰ کا فرمانا کہ ہم نے تیری طرف وحی کی اور تجھ سے پہلوں کی طرف بھی۔

یہاں پہلوں کا ذکر پیچھے ہوا اور آنحضرت ﷺ کا، جو پیچھے ہوئے، پہلے ذکر ہوا۔ ایسے ہی شرح ملا اور مختصر معانی میں واؤ کے معنی بیان کئے ہیں۔ لہذا اس واؤ سے ہرگز یقیناً سمجھ میں نہیں آتا کہ توفیٰ پہلے ہوئی ہے اور رفع پیچھے۔

آنحضرت ﷺ نے جو صفا سے طواف شروع کرنے کا حکم دیا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ آپ نے قرآن میں صفا کے پہلے اور مروہ کے پیچھے مذکور ہونے سے حکم طواف میں صفا کا مقدم ہونا نکال لیا ہے۔ اس وجہ پر کوئی شہادت آپ کے کلام میں نہیں پائی جاتی، بلکہ آپ ﷺ نے حکم الہی اور وحی خفی سے یہ حکم دیا ہے کہ جس پہاڑ کا خدا نے پہلے ذکر کیا ہے اسی سے طواف شروع کرنا چاہیے۔ اور یہ حکم بھی خاص اسی موقع کے لئے دیا ہے۔ یہ عام حکم نہیں دیا کہ جو پہلے مذکور ہو اس کو حکم میں مقدم سمجھا کرو۔ بلکہ اس کے برخلاف جو چیز قرآن میں پیچھے مذکور ہے اس کو مقدم کیا ہے۔ دیکھو آیت میراث میں قرض کا ذکر وصیت سے پیچھے ہوا ہے، مگر وہ حکم ادائیگی میں وصیت سے مقدم ہے اور بہت سے واقعات قرآن کا ذکر پیچھے ہوا ہے مگر وہ وجود میں وہ مقدم ہیں

(صفحہ ۹۱ لغایت ۹۴۔ اشاعت السنۃ نمبر ۳ جلد ۱۲ ملاحظہ ہو)

شیخ الاسلام مولانا ثابٹا لومویؒ بتاتے ہیں کہ یہ باتیں سن کر حکیم نور الدین نے فرمایا: اگر توفیٰ کا وقوع رفع سے پیچھے ہوا تھا تو خدا تعالیٰ نے اس آیت میں توفیٰ کو پہلے ذکر کیوں کیا۔ خدا تعالیٰ کا کلام عبث اور خالی از حکمت تو نہیں ہے۔ اس کے جواب میں خاکسار محمد حسین نے کہا کہ ممکن و محتمل ہے کہ حضرت عیسیٰ کو مخالفین کی پکڑ اور قتل اور ایذا کا خوف و اندیشہ ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لئے یہ لفظ پہلے فرما دیا، جس سے (اس فرضی صورت میں توفیٰ سے وفات مراد ہو) یہ جتایا کہ اے عیسیٰ تجھے لوگ نہیں ماریں گے، ہم تجھے تیری اپنی موت سے ماریں گے۔ چنانچہ مرزا قادیانی نے بھی ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۴۲ میں متنوفیک کے یہ معنی کئے۔ پھر اس قتل اور ایذا کی فکر سے مطمئن کر کے فرمایا کہ ہم تجھے آسمان پر اٹھالیں گے۔

اس پر حکیم نور الدین صاحب نے پوچھا کہ پکڑ اور قتل و ایذا کے خوف کا کہاں ذکر ہے؟ خاکسار محمد



حسین نے بتایا کہ یہ ذکر انجیل میں صاف وارد ہے جس کی تصدیق قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ ابن جریر نے کعب احبار سے بسند صحیح نقل کیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ نے اپنے پیروان کی کمی اور جھٹلانے والوں کی کثرت کی خدا کے پاس شکایت کی، تو اللہ نے ان کی طرف وحی کی کہ میں تجھ کو وفات دوں گا اپنی طرف اٹھا لوں گا، میں تجھے عنقریب قتل دجال کیلئے بھیجوں گا۔ پھر تو اس کے بعد چوبیس برس زندہ رہے گا۔ پھر تجھے اور دیگر زندوں کو ماروں گا۔ کعب نے کہا، اس کی تصدیق رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث میں ہے کہ وہ امت کیونکر ہلاک ہو جس کے اول میں ہوں اور آخر میں حضرت عیسیٰ۔

و اخر ج ابن جریر بسند صحیح عن کعب قال لما رای عیسی قلة من اتبعه و کثرة من کذب، شکى ذاك الى الله فاحى الله اليه انى متوفيك و رافعك الى و انى سابعثك على الاعور الدجال فتقتله ثم تعیش بعد ذاك اربعمائة و عشرين سنة ثم اميتك مائة الحى؟ . قال کعب ذاك تصدیق حدیث رسول الله ﷺ حیث قال کیف تهلك امة انا فى اولها و عیسی فى آخرها . (در منثور)

اور قرآن کی آیات بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں جن میں ذکر ہے کہ یہودیوں نے حضرت مسیح کے قتل کی تدبیر کی، خدا نے بچانے کی تدبیر کی، مثلاً و مکروا و مکر الله . و الله خیر الماکرین (آل عمران - ع ۵)۔ و ما قتلوه و ما صلبوه و لا کن شبه لهم (النساء - ع ۲۲) کہ انہوں نے اس کو نہ قتل کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا۔ بلکہ ان کو شبہ پڑ گیا۔

یہ سن کر حکیم نور الدین صاحب نے فرمایا کہ اس حدیث سے استدلال کرنا آپ کی شان نہیں ہے۔ کیا یہ آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے؟ یہ تو کعب احبار کا قول ہے۔ جو باخا کسار محمد حسین نے عرض کیا کہ میں مستدل نہیں ہوں، کہ اس خوف کے ثبوت میں آنحضرت ﷺ کی مرفوع اور اتقاقی صحیح حدیث کا پیش کرنا میرا فرض ہو۔ میں تو آپ کے دعویٰ کا مانع ہوں اور منع کی سند میں خوف قتل کو اور اس کی تقویت کے لئے حدیث کعب احبار کو لایا ہوں۔ آپ اس کو نہیں مانتے تو آپ کا فرض ہے کہ اس احتمال کو بدلیل اٹھائیں۔ میرا یہ فرض نہیں کہ میں اس احتمال کو بدلیل ثابت کروں۔ بلکہ میرے لئے یہ احتمال پیدا کرنا کافی ہے کہ حضرت عیسیٰ کو قتل کا خوف ہوگا جیسا

کہ ظاہر قرآن اور اس قول کعب سے مفہوم ہوتا ہے، تب ہی خدا تعالیٰ نے ان کو تسلی دینے کیلئے متوفیک کا لفظ پہلے فرمادیا۔ آپ مستدل ہیں اور اس آیت سے حضرت عیسیٰ کا فوت ہونا نکالتے ہیں اور لفظ متوفیک کے پہلے ذکر ہونے سے رفع سے پہلے توفی ہونے کے مدعی ہیں، اور یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر توفی، رفع سے پہلے نہ ہوتی تو اس آیت میں توفی کا ذکر پہلے اور رفع کا ذکر پیچھے ہونا عیب اور خالی از فائدہ ہے۔ اور یہ احتمال کہ آپ کو خوف قتل اعداء تھا۔ اس لئے آپ کو تسلی دینے کے لئے لفظ توفی کو پہلے ذکر کیا فلاں دلیل سے مدفوع ہے اور لائق قبول نہیں ہے، لہذا آپ ہی کا فرض ہے کہ آپ پہلے لفظ توفی کا معنی موت کے لئے مخصوص ہونا کسی قطعی دلیل سے ثابت کریں، پھر رفع سے پہلے توفی کا وقوع کسی قطعی دلیل سے ثابت کریں۔ اس کی دلیل جو آپ نے یہ پیش کی ہے کہ اگر توفی کا وقوع رفع کے بعد ہو تو آیت میں توفی کا ذکر رفع سے پہلے عیب اور خالی از فائدہ ہے، اس کے مقابلہ میں ہمارے اس احتمال کو کہ جائز ہے کہ خوف قتل سے مسیح کو تسلی دینے کے لئے توفی کو مقدم کیا ہو، دلیل سے اٹھادیں، نہ یہ کہ ہم سے اس احتمال کی مؤید قطعی دلیل اور آنحضرت ﷺ کی حدیث پوچھیں۔

حکیم نور الدین صاحب یہ سن کر فرمایا مجھے اس بحث سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ آپ اس بحث کو جانے دیں۔ حضرت بٹالوئی فرماتے ہیں کہ دیکھو حکیم نور الدین صاحب کس عذر پر اڑے اور پھر اتمام حجت کے بعد کیونکر بحث سے ساکت و عاجز ہوئے۔ کیا حضرت مسیح کا یہودیوں سے قتل و ایذا کا خائف ہونا ناظرین انجیل و قرآن و حدیث و تفسیر پر مخفی ہے؟ اور کیا اس امر میں حکیم صاحب کو کچھ شک ہے؟ ہرگز نہیں۔ ان کو یہ شک کیونکر ہو سکتا ہے جس حالت میں مرزا قادیانی کا ازالہ اوہام اس خوف کو بیان کر رہا ہے۔ اس نے تو اس خوف کو اس حد تک پہنچا دیا کہ مسیح کا صلیب پر چڑھایا جانا مان لیا، اور آئیہ انسی متوفیک کا اشارہ اس طرف بتایا کہ حضرت مسیح نے سمجھ لیا کہ اب میں صلیب پر مرا۔ اور یہ کہہ دیا کہ ایلی ایلی لما سبقتنی۔ تب خدا نے ان کو وعدہ دیا کہ تو ان کے ہاتھ سے نہیں مرے گا اور یہ قول فرمایا (ان کے ازالہ اوہام کا صفحہ ۳۳۲ تا ۳۹۴ ملاحظہ ہو)۔ مگر حکیم صاحب نے اس وقت ہٹ دھرمی سے کام لیا اور اپنے اعتقاد و کانشنس کا خلاف کر کے ایسی بات کہی جو ان کے اعتقاد کے مخالف تھی اور یہ بات جو بے سوچے انکے منہ سے نکل گئی تو اس کی پیچ کرتے چلے گئے اور آخردندان

شکمن جواب پا کر مباحثہ سے عاجز ہوئے۔

شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالوی فرماتے ہیں کہ اسی گفتگو کے اثنا میں نماز کا وقت آ گیا تو حکیم صاحب نے فرمایا نماز مل کر پڑھیں۔ آپ تو میری اقتداء نہیں کریں گے، میں آپ کا مقتدی بنتا ہوں آپ نماز پڑھائیں۔ خاکسار نے نماز پڑھی اور گفتگو سابق کے قطع ہو جانے کے بعد خاکسار نے حکیم صاحب سے کہا کہ مسائل کی بحث آپ نہیں کرتے تو اتنا تو بتادیں کہ مرزا قادیانی صاف اور صریح جھوٹ کیوں بولتا ہے؟ ایک بات اپنی کتاب میں لکھتا ہے، اور پھر اس سے صاف منکر ہو جاتا ہے۔ ایک جگہ ایک بات لکھتا ہے دوسری جگہ اس کا خلاف بیان کرتا ہے، اور یہ اقرار نہیں کرتا کہ پہلے جو میں نے اس کے خلاف کیا ہے اس سے اب میں نے رجوع کیا ہے۔ اور اس میں مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔

اس کی مثال ایک یہ ہے کہ فتح اسلام میں اس نے لیلۃ القدر سے رات مراد ہونے سے صاف انکار کیا ہے اور پھر اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۴۳۰ میں اس انکار سے انکار کر دیا ہے۔ دوسری مثال توضیح المرام کے صفحہ ۱۹ میں اس نے آنے والے مسیح کے نبی ہونے سے انکار کیا ہے اور ازالہ اوہام کے صفحہ ۵۲۳ میں اپنے آپ کو مسیح قرار دے کر نبی بھی کہا ہے۔ تیسری مثال توضیح مرام میں اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور بعض اشتہارات و تقریرات میں دعویٰ نبوت سے انکار کیا ہے۔

چوتھی مثال ازالہ اوہام کے صفحہ ۶۷۷ میں آیت و مبشر آبرسول یا تی من بعدی اسمہ احمد کو اپنے حق میں بشارت قرار دیا ہے اور آنحضرت ﷺ کے حق میں اس کی بشارت ہونے سے انکار کیا ہے۔ اپنے دافع الوسوس میں اس آیت کو آنحضرت ﷺ کے حق میں بشارت قرار دیا ہے۔ (اور اس ہر ایک متعارض بات کو اصل کتابوں سے نکال کر حکیم صاحب کو اسی وقت دکھا دیا)۔

اس پر حکیم نور الدین صاحب نے فرمایا کہ میں نے ان باتوں کو مرزا صاحب کی تصانیف میں نہیں دیکھا، اب ان باتوں کو ان سے پوچھو نگا اور اس متعارض کی وجہ دریافت کرونگا۔ اور فرمایا کہ میں مرزا صاحب کی تصانیف نہیں دیکھا کرتا، میں تو صرف ان کا چہرہ دیکھا کرتا ہوں اور اسی سے سبق حاصل کرتا ہوں۔ خاکسار محمد

حسین نے کہا کہ آپ کی یہ بات درست نہیں، مرزا صاحب کی کتابوں اور تصانیف کو آپ کا نہ دیکھنا کیا معنی رکھتا ہے؟ قادیانی تو جو کچھ لکھتا ہے آپ کا بتایا ہوا ہے۔ مضمون آپ کا ہے، عبارت اس کی۔ آپ جو قادیانی کے چہرہ سے سبق حاصل کرنے کے مظہر ہیں یہ بھی درست نہیں ہے، کیونکہ آپ مرزا قادیانی کے مرید نہیں، پیر ہیں۔ اور وہ آپ نے یہ مکر کیا ہوا ہے کہ ان کو پیر اور اپنے آپ کو مرید مشہور کر رکھا ہے۔ دراصل پیر و مرشد آپ ہیں اور وہ آپ کے مرید و شاگرد ہیں۔ آپ قدیم سے نیچری خیالات رکھتے اور اس قسم کے خیالات پسند کرتے ہیں۔ اور سرسید کی تصانیف کے شائق و عاشق و ناظر تھے۔ آپ نے قادیانی کی تصانیف براہین احمدیہ و سرمہ چشم آریہ میں اس قسم کی تاویلات کو دیکھا اور ساتھ ہی اس کا دعویٰ الہامات و کرامات دیکھا، تو آپ نے یہ سمجھا کہ اسکے ذریعہ سے مذہب نیچری خوب پھیلے گا۔ پس آپ قادیان پہنچے اور اس سے یہ طے کر لیا کہ تم پیر بنو، میں مرید بنتا ہوں، مسائل اور کتابوں کی عبارات و حوالہ جات میں بتایا کروں گا، ان کی عبارت آرائی آپ کریں اور مذہب نیچری کو پھیلاویں۔ مرزا قادیانی پہلے سے لامذہب اور نیچری تھا۔ اس نے اس امر کو غنیمت سمجھا اور یہ طریق اختیار کیا۔ آپ اس کو القاء و الہام کرتے ہیں وہ آپ کو کچھ الہام نہیں کرتا۔ آج بھی اس کو کوئی نہ کوئی الہام کرنے کیلئے آپ قادیان جا رہے ہیں۔ پھر آپ کا یہ کہنا کہ میں اس کے چہرہ سے سبق لیتا ہوں کذب نہیں تو کیا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بنا لوی فرماتے ہیں کہ میری بات سن کر حکیم نور الدین نے حیران ہو کر کہا یہ بات غلط ہے۔ اس پر خاکسار نے کہا کہ آپ غلط کہیں، مجھ کو تو یہی خیال ہے جس پر دلیل، ظاہر حال ہے۔ اس پر حکیم صاحب ساکت ہو گئے۔ اتنے میں امرتسر کا سٹیشن آ گیا تو حکیم صاحب گاڑی سے اتر کر دوسری گاڑی میں سوار ہو کر قادیان کو گئے اور خاکسار اسی گاڑی میں پورب گیا۔

## مراسلت مابین شیخ الاسلامؒ و قادیانی

۱۸۹۳ء میں اس مباحثے کی تکمیل کے بعد ہم واپس ۱۸۹۱ء کی طرف چلتے ہیں اور اس مراسلت کا بیان کرتے ہیں جو اپریل ۱۸۹۱ء میں حکیم نور الدین صاحب کے لاہور میں مباحثہ کو نامکمل چھوڑ جانے کے بعد حضرت شیخ الاسلامؒ بٹالویؒ اور مرزا غلام احمد قادیانیؒ میں ہوئی تھی۔

شیخ الاسلامؒ مولانا ابوسعید محمد حسینؒ بٹالویؒ لکھتے ہیں:

حکیم نور الدین صاحب مباحثہ چھوڑ لاہور سے کر لو دہانہ چلے گئے تو خاکسار (محمد حسین) نے دوسرے دن اس پر اطلاع پا کر حافظ محمد یوسف اور میاں رجب الدین کو بلایا اور ان سے سبب تشریف بری حکیم صاحب دریافت کیا۔ حافظ (یوسف) صاحب نے بیان کیا کہ حکیم (نور الدین) صاحب کو جموں میں جلد جانا ضروری تھا۔ وہ جلد نہ جاتے تو مسلمانوں کا سخت حرج ہوتا اسلئے ہم نے ان کو مرخص کیا۔ اور کہا کہ کاغذ اصول و جوابات پر حکیم صاحب نے دستخط کرنا چاہا تھا، لیکن ہم نے ان کو دستخط کرنے سے روک دیا۔ اور کہا کہ حکیم صاحب یہی خوف کرتے تھے کہ اگر میں بلا اتمام مباحثہ چلا جاؤنگا تو مولوی جی (محمد حسین) کہیں گے کہ وہ شخص بھاگ گیا مگر ہم نے اس خوف سے ان کو مطمئن کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ جو الزام وہ آپ پر لگائیں گے وہ ہم اپنے ذمہ لیں گے، آپ اس الزام سے بری سمجھے جائیں گے۔

پھر حافظ محمد یوسف صاحب نے اپنے بیان کی تصدیق میاں رجب الدین اور خواجہ محمد دین سے، کہ وہ بھی ان کے ساتھ آئے تھے، کرادی۔ اور خاکسار سے یہ درخواست کی کہ آپ حکیم صاحب کی اس کاروائی پر جو کہنا چاہتے ہیں، ہم کو کہیں، حکیم صاحب پر کوئی الزام عائد نہ کریں۔ میں نے اس کے جواب میں حافظ جی سے کہا کہ آپ جو کہتے ہیں اور جو آئندہ چاہتے ہیں وہ صرف آپ کی دوست پروری اور پردہ پوشی ہے۔ آپ نے جب حکیم نور الدین صاحب کو دیکھا کہ وہ ان اصول و جوابات کی تسلیم سے بے دست و پا ہو گئے ہیں لہذا اب وہ

مباحثہ کے لئے مجلس میں آئیں گے تو الزام کھائیں گے اور خفت اٹھائیں گے، اور یہ امر آپ پر نہایت شاق گذرا اور دوستی کے اور حکیم صاحب کی اس مروت کے کہ وہ آپ کے کہنے سے مباحثہ کیلئے مستعد ہوئے مخالف معلوم ہوا، لہذا آپ نے اس کا غدر پر ان کا دستخط نہ ہونے دیا، اور ان کو یہ وعدہ دے کر کہ ہزیمت کا الزام ہم اپنے ذمہ لیں گے، ان کو بھاگ جانے کا مشورہ دیا۔ مگر آپ کی اس کاروائی سے حکیم صاحب الزام ہزیمت سے بری نہیں ہو سکتے اگرچہ وہ آپ ہی کے کہنے سے خاکسار کے مخاطب و مناظر ہوئے تھے مگر آخر مخاطب ہوئے اور مناظر بن گئے۔ لہذا ان کا فرض تھا کہ وہ جاتے ہوئے خاکسار سے اجازت لیتے یا کم از کم یہ اطلاع دیتے کہ ہم نے صرف حافظ جی کے کہنے سے آپ سے مناظرہ شروع کیا تھا اب ہم حافظ جی کے حکم یا اجازت سے اس مناظرہ کو موقوف کر کے لوہا نہ جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنا یہ فرض ادا نہیں کیا، تو ہم ان کا تعاقب نہ چھوڑیں گے۔ اور ان کے نام تار دے کر ان کو اتمام مباحثہ کے لئے بلائیں گے۔ جس پر ہم نے ۱۵۔ اپریل کو ابا بے دن کے مرزا غلام احمد قادیانی کے نام اس مضمون کا ٹیلی گرام دیا:

۱۵۔ اپریل ۱۸۹۱ء۔ تمہارے ڈی سائپیل (حواری) (disciple) نور الدین نے مباحثہ شروع کیا اور بھاگ گیا۔ اس کو واپس کریں یا خود آویں ورنہ یہ متصور ہوگا کہ آپ نے شکست کھائی۔

اس تار کے جواب میں ہمارے مقدس اور شیر بہادر مرزا صاحب سے یہ نہ ہو سکا کہ فوراً تار کے ذریعہ مجلس مناظرہ میں حاضر ہو جانے کا وعدہ دیتے۔ بلکہ دوسرے دن ۱۶۔ اپریل کو ۶ بجے کی ٹرین میں ایک آدمی کے ہاتھ اس تار کے جواب میں اپنا خط ذیل روانہ کیا جو ۱۔ اپریل کو ہمیں ملا۔ اس خط میں پچھلے مباحثہ کو آپ نے کان لسم یکن (گویا کہ وہ ہوا ہی نہ تھا) ٹھہرایا۔ اور نئے مباحثہ کے لئے ایسی فاسد شرائط کو پیش کیا جن سے مناظرہ کا وجود میں آنا محال تھا۔ ان شروط کو گویا انہوں نے سپر بنایا اور ان کے ذریعہ سے اپنے آپ کو اور اپنے حواری کو مباحثہ سے بچالیا۔

(ماہنامہ اشاعت السنہ۔ جلد ۱۳۔ ص ۳۵۔ ۳۶)

اپنے حواری کو مباحثہ سے بچالیا۔

☆ حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مرزا قادیانی کا مذکورہ بالا خط درج ذیل ہے:

بخدمت اخویم مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا تار، جس میں لکھا تھا کہ تمہارے وکیل بھاگ گئے ان کو لوٹاؤ، یا آپ آؤ، ورنہ شکست یافتہ

سمجھے جاؤ گے، پہنچا۔

اے عزیز! شکست اور فتح خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے فتح مند کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے شکست دیتا ہے۔ کون جانتا ہے کہ واقعی طور پر فتح مند کون ہونے والا ہے اور شکست کھانے والا کون ہے؟ جو آسمان پر قہر پرا گیا ہے وہی زمین پر ہوگا گودیر سے سہی۔ لیکن اس عاجز کو تعجب ہے کہ آپ نے کیونکر یہ گمان کر لیا کہ جی بی فی اللہ مولوی حکیم نور الدین آپ سے بھاگ کر چلے آئے۔ آپ نے ان کو کب بلا یا تھا کہ تا وہ آپ سے اجازت مانگ کر آتے (وہ بے بلائے آئے مگر حافظ یوسف کے کہنے پر مناظرہ میں پھنس گئے۔ کیا پھر ان پر واجب نہ تھا کہ وہ مجھ سے اجازت لیتے یا کم از کم اطلاع دیتے کہ میں جاتا ہوں۔ محمد حسین)۔ اصل بات تو اس قدر تھی کہ حافظ محمد یوسف نے مولوی صاحب ممدوح کی خدمت میں خط لکھا تھا کہ مولوی عبدالرحمن اس جگہ آئے ہوئے ہیں، ہم نے ان کو دو تین روز کیلئے ٹھہر لیا ہے (محض خلاف واقع ہے۔ مولوی عبدالرحمن کھوی کو میں نے ٹھہرایا جس وقت حافظ جی کالا ہور میں سرخ بھی نہ تھا، وہ تو اس دن آئے جس دن حکیم صاحب آئے تھے۔ محمد حسین) تا ان کے روبرو ہم بعض شبہات اپنے آپ سے دور کرالیں اور یہ بھی لکھا کہ ہم اس مجلس میں مولوی محمد حسین صاحب کو بھی بلا لیں گے (نہ حافظ یوسف جی نے مولوی عبدالرحمن کے سامنے حکیم صاحب کی خدمت میں کوئی شبہ پیش کیا اور نہ انہوں نے دور کیا۔ سچے ہو تو بتاؤ کہ وہ کیا شبہ تھا جو پیش کیا اور صل ہوا۔ محمد حسین) چونکہ مولوی صاحب موصوف حافظ صاحب کے اصرار کی وجہ سے لاہور میں پہنچے اور منشی امیر الدین کے مکان پر اترے اور اس تقریب پر حافظ صاحب نے اپنی طرف سے آپ کو بھی بلا لیا۔ تب مولوی عبدالرحمن تو عین تذکرہ میں اٹھ کر چلے گئے اور جن صاحبوں نے آپ کو بلا یا تھا انہوں نے مولوی صاحب کے آگے بیان کیا کہ ہمیں مولوی محمد حسین کا طریق بحث پسند نہیں آیا (یہ اتو بقول آپ کے درمیان قدم ہی نہ تھا اور نہ میں نے مباحث کیا، پھر میری کون سی بحث کا طریق ناپسند ہوا۔ یہ بات کہتے ہوئے آپ نفی مباحث کو بھول گئے۔ محمد حسین)۔ یہ سلسلہ تو دو برس تک بھی ختم نہیں ہوگا۔ آپ خود ہمارے سوالات کا جواب دیجئے۔ ہم مولوی محمد حسین صاحب کے آنے کی ضرورت نہیں دیکھتے اور نہ انہوں نے آپ کو بلا یا ہے (محض دروغ بے فروغ ہے۔ نہ حافظ جی نے مولوی عبدالرحمن کے سامنے یا ان کے پیچھے حکیم صاحب سے کوئی شبہ لکرایا، نہ اس کا شکر یہ ادا کیا اور نہ آواز بلند یا آہستہ سے کہا کہ میری تو من کَلِّ الوجوہ تسلی ہوگئی ہے اب میرے دل میں کوئی شبہ اعتراض باقی نہیں ہے۔ جس وقت آپ مسج کے سولی پر چڑھائے جانے اور موت سے وفات پانے کے دلائل نئے حواریوں کو سنارہے تھے، اس وقت تو حافظ یوسف وہاں موجود ہی نہ تھے

پھر وہ ان کے ختم ہونے پر مصدق کیونکر ہوئے۔ ہاں حافظ جی کے آنے پر جب وہ معشوقی الہی بخش صاحب ۱۲ بجے رات کے قریب آئے تھے آپ نے وہ تقریر نقل کی تھی جو در باب عدم ثبوت قتل مسیح کے ریل گاڑی میں ایک انگریز کے ساتھ آپ کی ہوئی تھی۔ وہ تقریر سن کر بھی حافظ و منشی صاحب وغیرہ حاضرین بجز ایک شخص کے خاموش رہے، نہ اس کے مصدق ہوئے نہ مذہب۔ شکر یہ کہجاوآواز بلند کیا۔ آپ اپنے بیان میں سچے ہیں تو حافظ جی و منشی الہی بخش و منشی عبدالحق سے اس کی تصدیق کرادیں۔ مگر یہ یاد رکھیں کہ ہم بھی انہی حضرات میں سے بعض کی تحریری شہادت اپنے بیان کی مصدق حاصل کر چکے ہیں ایسا نہ ہو کہ مقدس صوفیوں کی آپس میں جنگ ہو۔ وہ حضرات اگر باہم مصالحت کر لیں گے اور بحکم دروغ مصلحت آئینہ باز راستی فتنہ انگیز۔ اپنے بیان سابق کے برخلاف کذب پر آمادہ ہو کر آپ کے بیان کی تصدیق پر مشفق ہو جائیں گے تو ہم تینوں کا علیحدہ علیحدہ حلفی اظہار لیں گے اور ان کی اختلاف بیانی سے، جو دروغ گوئی کیلئے لازمی ہے، انکی ناراستی ثابت کریں گے انشاء اللہ۔ اس بیان میں جو آپ نے ان لوگوں کا قول نقل کیا ہے کہ: ہم مولوی محمد حسین کے آنے کی ضرورت نہیں دیکھتے۔، یہ صاف مشعر ہے کہ خاکسار کا دوبارہ آنا قرار پا چکا تھا اور اس سے پیشتر ضروری تسلیم کیا گیا تھا۔ وہ ضروری نہ مانا جاتا تو اس کی ضرورت کی نفی کی ضرورت نہ پڑتی۔ اس سے آپ کی اور آپ کے حواریوں کی ان باتوں کا کہ: آپ کا تو درمیان میں قدم ہی نہ تھا۔، اور تم ناحق لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہوتے ہو۔ وغیرہ کا دروغ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس مکالمہ و مباحثہ میں میرا دخل نہ تھا تو پھر ان کو میرے آنے کا انتظار کیوں رہا۔ اور پھر اس کی ضرورت کی نفی کی ضرورت کیوں ہوئی۔ محمد حسین)، تب جو کچھ ان لوگوں نے پوچھا مولوی صاحب موصوف نے بخوبی ان کی تسلی کر دی یہاں تک کہ تقریر ختم ہونے کے بعد حافظ محمد یوسف صاحب نے بانشریح صدر بلند آواز سے کہا کہ اے حاضرین! میری تو من کل الوجہ تسلی ہوگئی اور میرے دل میں نہ کوئی شبہ اور نہ کوئی اعتراض باقی ہے۔ پھر بعد اس کے یہی تقریر منشی عبد الحق و منشی الہی بخش و منشی امیر دین اور مرزا امان اللہ نے کی اور بہت خوش ہو کر ان سب نے مولوی صاحب کا شکر یہ ادا کیا اور تہ دل سے قائل ہو گئے کہ اب کوئی شک باقی نہیں اور مولوی صاحب کو یہ کہہ کر رخصت کیا کہ ہم نے محض اپنی تسلی کرانے کے لئے آپ کو تکلیف دی تھی، سو ہماری بلکی تسلی ہوگئی۔ آپ بلا جرح تشریف لے جائیے (محض دروغ ہے اور حافظ جی اور منشی الہی بخش وغیرہ اس وقت یہ بات نہ بالشرح زبان پر لائے نہ باقتضای خاطر نہ آواز بلند سے نہ آہستہ سے۔ بلکہ اس مجلس میں بجز ایک شخص کے جس کی تصدیق بقول صاحب: دو چیز سے ٹکندہ قدر شعرا تحسین ناشناس و سکوت سخن شناس تکذیب کے برابر ہے، کسی نے لب نہیں بلایا۔ اگر آپ سچے ہیں تو ان تین اشخاص سے جن کا ذکر ہوا ہے حلفی اظہار دلوائیں۔ محمد حسین)

سوانہوں نے ہی بلایا اور انہوں نے ہی رخصت کیا۔ آپ کا تو درمیان میں قدم ہی نہ تھا، پھر آپ کا یہ جوش جو تار سے ظاہر ہوتا ہے کس قدر بے محل ہے۔ آپ خود انصاف فرماویں جب کہ ان سب لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ اب ہم مولوی محمد حسین کو بلانا نہیں چاہتے۔ ہماری تسلی ہوگئی اور وہی تو تھے جنہوں نے مولوی صاحب کو لدھیانہ سے بلایا تھا تو پھر مولوی صاحب آپ سے کیوں اجازت مانگتے، کیا آپ نہیں سمجھتے۔ (دوسری طرف غلام احمد قادیانی



کے صاحبزادے مرزا بشیر احمد، مولوی سرور شاہ قادیانی کی زبانی اس واقعہ کی ایک اور شکل بیان کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں: بیان کیا مجھ سے مولوی سید سرور شاہ نے کہ جن دنوں مرزا صاحب نے شروع شروع میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا، میں طالب علم تھا اور لاہور میں پڑھتا تھا۔ ان دنوں میں مولوی نور الدین، مرزا صاحب کو ملنے کے لئے مجھوں سے آئے اور راستہ میں لاہور ٹھہرے۔۔۔ میں مولوی صاحب سے ملنے کے لئے گیا۔ مولوی صاحب ان دنوں نماز چوہانوں کی مسجد میں پڑھا کرتے تھے۔ وہاں مولوی صاحب نماز پڑھنے گئے اور حوض پر بیٹھ کر وضو کرنے لگے، تو ادھر سے مولوی محمد حسین بٹالوی بھی آ گیا۔ اس نے مولوی (نور الدین) صاحب کو دیکھتے ہی کہا کہ مولوی صاحب! تعجب ہے آپ جیسا شخص بھی مرزا کے ساتھ ہو گیا ہے۔ مولوی (نور الدین) صاحب نے جواب دیا کہ مولوی صاحب میں نے تو مرزا صاحب کو صادق اور مخائبانہ اللہ پایا ہے اور میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے ان کو یونہی نہیں مانا بلکہ علی وجہ البصیرت مانا ہے۔ اس پر باہم بات ہوتی رہی۔ آخر مولوی محمد حسین نے کہا کہ اب میں آپ کو لاہور سے جانے نہیں دوں گا حتیٰ کہ آپ میرے ساتھ اس معاملہ میں بحث کر لیں۔ مولوی (نور الدین) صاحب نے فرمایا کہ اچھا میں تیار ہوں۔ اس پر اگلادان بحث کے لئے مقرر ہو گیا۔ چنانچہ دوسرے دن مولوی صاحب کی مولوی محمد حسین کے ساتھ بحث ہوئی۔ لیکن ابھی بحث ختم نہ ہوئی تھی کہ مولوی (نور الدین) صاحب کو مجھوں سے مہاراج کا تارا آ گیا کہ فوراً چلے آؤ۔ چنانچہ مولوی صاحب فوراً بظرف لدھیانہ روانہ ہو گئے تاکہ حضرت (مرزا) صاحب سے ملاقات کر کے واپس تشریف لے جائیں۔ سیرۃ المہدی۔ جلد ۱ ص ۲۷۹۔ بہاء) اور اگر آپ کی یہ خواہش ہے کہ بحث ہونی چاہیے جیسا کہ آپ اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں تو یہ عاجز بسر و چشم حاضر ہے مگر تقریری بحثوں میں صدمہ باطرح کا فتنہ ہوتا ہے، صرف تقریری بحث چاہیے (تقریر کا تحریر میں آ جانا اور جو بات کسی فریق کے منہ سے نکلے اس کو فریق ثانی کا لکھ لینا مناسب ہے مگر اس میں یہ قید لگانا کہ بدون تحریر کے کوئی فریق ایک مکملہ زبان پر نہ لاوے، بالمشافہ گفتگو کو فضول شہرانا ہے اور دائرہ گفتگو کو تنگ کرنا۔ یہ قید ہونو فریقین کا گفتگو کیلئے ایک مجلس میں جمع ہونا اور بالمشافہ گفتگو کی ضرورت ہے؟ ایسی تقریری گفتگو غائبانہ بذریعہ تحریرات بھی ہو سکتی ہے۔ محمد حسین) اور وہ یوں کہ مساوی طور پر چار ورق کا غدر پر آپ جو چاہیں لکھ کر پیش کریں اور لوگوں کو باوازا سنا دیں اور ایک نقل اس کی اپنے دستخط سے مجھے دے دیں۔ پھر بعد اس کے میں بھی چار ورق پر اس کا جواب لکھوں اور لوگوں کو سنا دوں۔ ان دنوں پر چوں پر بحث ختم ہو جائے (ان شروط کا بدینی اور دھوکہ پرینی ہونا بیان ہو چکا ہے۔ اس طرف پر آپ نے طرہ یہ چڑھایا ہے کہ اشتہار ۳ مئی ۱۸۹۱ء میں، جس کو ۲۳ مئی ۱۸۹۱ء لکھا گیا ہے، ایسی ہی چند شرطیں اور بڑھادیں۔ ۱۔ مجلس بحث میں کوئی یورپین افسریا ہندو مجسٹریٹ ہو اور چند ایسی پولیس مین بھی ہوں۔ ۲۔ سوال جواب لکھنے والا کوئی ہندو خوش خط ہو۔ ۳۔ ہر ایک فریق کو ایک گھنٹہ یا آدھ گھنٹہ تک تحریر کا اختیار ہو۔ ۴۔ آٹھ بجے سے دس بجے تک یہ جلسہ ختم ہو۔ اس سے زیادہ ہو تو نماز ظہر تک۔ ایسی ہی اس میں بعض اور شروط ہیں۔ ان شروط کو پیش کر کے آپ نے دائرہ مباحثہ کو اور بھی تنگ کر دیا اور ثابت کر دکھایا ہے کہ درحقیقت آپ کو مباحثہ منظور نہیں ہے۔ یہ صرف مباحثہ سے جان بچانے کے حیلہ بنائے ہیں۔ آپ نے یہ سوچ کر ایسی شروط کو پیش کیا ہے کہ ان شروط سے کسی نہ کسی شرط کا فوت ہو جانا ممکن ہے اور اس سے مباحثہ سے ہماری نجات کی امید ہے۔ مثلاً ممکن ہے کہ کوئی یورپین افسریا ہندو مجسٹریٹ، جو حاکم ہیں نہ کہ رعایا کے محکوم، اس مذہبی بحث کی مجلس میں شامل ہونا پسند نہ کریں، یا کوئی ہندو خوش خط جو فارسی اردو کے علاوہ عربی لکھنا، جو اس مذہبی بحث میں لازمی امر ہے، نہ جانتا ہو۔ شرط سوم و چہارم میں آپ نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس بحث سے آپ کو اظہار حق مقصود نہیں صرف بزم خود اراحم خصم مد نظر ہے جو جدال کہلاتا ہے یا اپنے مخاطبوں کا امتحان علم و معلومات جیسے یونیورسٹی میں طلباء کو سوال دے کر

حکم دیا جاتا ہے کہ اتنے گھنٹوں میں وہ ان کا جواب دیں تب وہ پاس ہو سکتے ہیں۔ اور اگر اظہارِ حق مقصود ہو تو اس کے کیا معنی کہ وہ اظہارِ ایک گھنٹہ میں ہو یا آدھ گھنٹہ میں ہو، اور اس کے بعد کوئی حق کہے گا تو وہ زائد المیعا دیکھ کر رد کیا جائے گا۔ اس پر کوئی یہ اعتراض کرے کہ تحریر جوابات اور اختتامِ مباحثہ کے لئے کوئی حدود مدت مقرر نہ ہو تو سلسلہ فضول گوئی قطع نہ ہو۔ ہر شخص مخالفِ حق جب تک چاہے جو چاہے بکتا رہے۔ اس میں اضاعت وقت کے علاوہ یہ بھی ایک نقصان ہے کہ حق ظاہر نہ ہو جو اصل مقصود مباحثہ ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب خصم مخالفِ حق اس قسم کی واہیات کہنا شروع کرے تب طالبِ حق بعض باتوں کا واہی ہونا ظاہر کر کے اس سے اعراض و خاموشی اختیار کرے اور بحث کو متوقف کر دے۔ اس سے فضول گوئی کا سلسلہ قطع ہوگا۔ اور حق خود بخود سامعین و ناظرین پر ظاہر ہو جائے گا۔ اور اگر اس مجلس کی میٹاری میں پارٹی فیلنگ (party feeling) ہو، یعنی اس کے جمہور ارکان کو ایک جانب طرف داری کا خیال ہو، تو اظہارِ حق قطع سلسلہ فضول گوئی منصف مسلم الطرفین کی منصفی سے ہو سکتا ہے وہ جب خصم مخالفِ حق کو فضول باتوں کی طرف متوجہ ہوتا دیکھے گا، اس کو روک دے گا اور اس کے مخاطب حقانی کی حق گوئی کی داد دے گا۔ بالجملة حق بڑھی، قطع سلسلہ فضول گوئی کا یہ طریق نہیں کہ تقریرِ حق کیلئے وقت اور مقدار اور اوراق مقرر کر دیں۔ اس کا طریق تو یہ ہے کہ کمال وسعت اور آزادی کے ساتھ حق کہیں اور خصم کو بھی آزادی سے جواب کا اختیار دیں۔ پھر اس کا انصاف حاضرین و مصنفین سے کرائیں۔ آپ نے اس ضروری اور لازمی شرط منصفی کو تو نظر انداز کیا اور بجائے اس کے فضول اور ناجائز شرط کو پیش کر دیا۔ محمد حسین) اور فریقین میں سے کوئی ایک کلمہ تک تقریری طور پر اس بحث کے بارہ میں نہ کرے، جو کچھ ہو تحریر میں ہو اور پرچے صرف دو ہوں۔ اول آپ کی طرف سے ایک چوہرہ پرچہ جس میں آپ میرے مشہور کردہ دعویٰ کا قرآن کریم اور حدیث کی رو سے رد لکھیں۔ اور پھر دوسرا پرچہ چوہرہ پرچہ اسی تقطیع کا میری طرف سے جس میں میں اللہ جل شانہ کے فضل و توفیق سے رد لکھوں اور انہی دونوں پرچوں پر بحث ختم ہو جائے۔ اگر آپ کو ایسا منظور ہو تو میں لاہور میں آسکتا ہوں اور انشاء اللہ تعالیٰ امن قائم رکھنے کیلئے انتظام کرادونگا۔ یہی آپ کے رسالہ کا بھی جواب ہے۔ اب اگر آپ نہ مانیں تو پھر آپ کی طرف سے گریز متصور ہوگی (ناظرین خود انصاف کریں کہ گریز کی طرف سے اور کون شخص ایسی شرائط پیش کرتا ہے جو لائق تسلیم اور ہلالتوں غنیمتیں ہیں۔ اور عند عدم فرصتی سے صاف انکار کرنے کیا۔ آپ کا خط نمبری ۱۱ ملاحظہ ہو۔ محمد حسین)۔ راقم خاکسار غلام احمد زلدھیا نہ محلہ اقبال گنج۔ اپریل ۱۸۹۱ء

مکر رہے کہ جس قدر ورق لکھنے کیلئے آپ پسند کر لیں اسی قدر اوراق پر لکھنے کی مجھے اجازت دی جائے

لیکن یہ پہلے سے جلسہ میں تصفیہ پا جانا چاہیے کہ آپ اس قدر اوراق لکھنے کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ اور آنمکرم اس بات کو خوب یاد رکھیں کہ پرچے صرف دو ہوں گے۔ اول آپ کی طرف سے (نہیں نہیں اول آپ کی طرف سے تحریر ہونی چاہیے کیونکہ آپ مدعی ہیں اور بار ثبوت آپ پر ہے۔ آپ کا خصم تو آپ کا معارضہ کریگا یا مانع یا سائل بنے گا۔ جس کی نوبت آپ کے بعد آتی ہے کتب فن مناظرہ، رشیدیہ وغیرہ، نظر سے نہیں گزریں تو کسی اہل علم سے پوچھ لیں) میرے ان دونوں بیانات کا رد ہوگا جو میں نے لکھا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں (صرف مثیل مسیح کیوں کہتے ہیں آنے والا مسیح کہیں اور لوگوں کو دھوکہ نہ دیں۔ صرف آپ کا مثیل مسیح ہونا محل

نزاع نہیں ہے۔ سخت نزاع اور شدید بحث کا محل تو آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ مسیح موعود سے، جس کے قیامت سے پہلے آنے کی خبر صحاح میں وارد ہے، حضرت عیسیٰ نبی اللہ مراد نہیں بلکہ آپ مراد ہیں جو مثیل مسیح ہونے کے مدعی ہیں۔ یہاں تو آپ نے دعویٰ وفات مسیح میں بحث ہونے کی آڑ میں دعویٰ مسیح موعود ہونے کا ثبوت پیش کرنے سے گریز کیا ہے اور ایک سابق خط میں اپنے اس دعویٰ کا ثبوت پیش کرنے اور اسکے لائق بحث ہونے سے صاف انکار کر دیا، ناظرین ان چالوں کو دیکھتے جائیں۔ محمد حسین) اور نیز یہ کہ حضرت مسیح ابن مریم درحقیقت وفات پا گئے ہیں۔ پھر اس ردِ الرد کے لئے میری طرف سے تحریر ہوگی۔ غرض پہلے آپ کا یہ حق ہوگا کہ جو کچھ ان دعاوی کے بطلان کے لئے آپ کے پاس ذخیرہ نصوص قرآنیہ و حدیثیہ موجود ہے وہ آپ پیش کریں پھر جس طرح خدا تعالیٰ چاہے گا یہ عاجز اس کا جواب دے گا۔ اور بغیر اس طریق کے جس کی انصاف پر ہنا اور نیز امن رہنے کے لئے احسن انتظام ہے اور کوئی طریق اس عاجز کو منظور نہیں۔ اگر یہ طریق منظور نہ ہو تو پھر ہماری طرف سے یہ آخری تحریر تصور فرمائیے (یہ بھی آپ کی دھوکہ آمیز دھمکی ہے جس سے آپ کا مقصود یہ ہے کہ اگر مخاطب نے اس دھمکی میں آکر ہماری شرط فاسد کو قبول کر لیا تو وہ دام میں آیا اور اگر اس نے جواب سے انکار یا سکوت کیا تو یہ مشہور کیا جائے گا کہ مخاطب نے ہمارے خط کا جواب نہیں دیا اور وہ ہار گیا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ آپ کا یہ دھوکہ ہمارے خیال میں آگیا۔ نہ ہم نے آپ کی شرط فاسد کو مانا، نہ جواب خط سے سکوت کیا۔ اور آپ کے اس خط کا جواب ایسا دیا جو آپ کی شرط کے موافق نہ تھا۔ وہاں جس ہمد اس کو آپ نے وصول کر کے اپنے اس خط کا آخری ہونا توڑ دیا۔ اور ہمارے اس جواب کے جواب میں ایک اور خط بھی لکھ دیا۔ اس کا جواب ہم نے خط نمبری ۲۳۵ میں دیا اور پھر اس کی تاکید میں خط نمبر ۱۲۳۹ ارسال کیا تو ان خطوں کے جواب میں آپ سے کچھ بن نہ پڑا اور وہ الزام سکوت و عجز از جواب جو اس دھوکہ آمیز دھمکی سے آپ ہم پر لگانا چاہتے تھے خدا تعالیٰ نے آپ پر لگا دیا اور آپ پر یہ مصرح صادق آگیا: مرا خواندی و خود بدام آمدی (محمد حسین) اور خود بھی خط لکھنے کی تکلیف روانہ رکھیں اور بحالت انکار ہرگز کوئی تحریر یا کوئی خط میری طرف نہ لکھیں۔ اگر پورے اور کامل طور پر بلا کم و بیش میری ہی رائے منظور ہو تو صرف اس حالت میں ہی جواب تحریر فرمائیں، ورنہ نہیں۔

آج بھوپال سے ایک کارڈ مرقومہ ۹۔ اپریل ۱۸۹۱ء انخویم مولوی محمد احسن مہتمم مصارف ریاست پڑھ کر آپ کے اخلاق کریمانہ اور مہذبانہ تحریر کا نمونہ معلوم ہو گیا (آپ کے اخلاق کریمانہ اور مہذبانہ مندرجہ اشتہار ۲۶ مارچ ۱۸۹۱ء کا نمونہ ملاحظہ فرماتے تو یہ کلمہ لکھتے ہوئے شرماتے اور یہ خیال فرماتے کہ جس کی آنکھ میں شہتیر ہو وہ دوسرے کی آنکھ کے نیچے پر کیا اعتراض کر سکتا ہے۔ اس کارڈ میں یہ الفاظ: اس کو: بصیغہ واحد، اور: یہ شخص مہتمم نہیں، جو آپ کو بالموافق نہیں لکھے گئے، محل اعتراض و خلاف تہذیب و اخلاق سمجھے گئے ہیں تو ان کا موازنہ، بے حیاء و ایمان، سے جو آپ کے اشتہار ۲۶ مارچ ۱۸۹۱ء سے مستفاد ہیں، اور الفاظ، دعا باز، حراخو و غیرہ، جو آپ نے حواریوں سے کہلائے ہیں، سے کریں اور پھر انصاف سے کہیں کہ تہذیب و اخلاق کا التزام کس جانب میں ہے۔ محمد حسین) آپ اپنے کارڈ میں فرماتے ہیں کہ میں نے مرزا غلام احمد کے اس دعویٰ جدید کی اپنے ریویو میں تصدیق نہیں کی بلکہ اس کی تکذیب خود

براہین میں موجود ہے۔ آپ بلا رؤیت مرزا پر ایمان لے آئے۔ آپ ذرا ایک دفعہ آکر اس کو دیکھ تو لیں۔  
تسمع بالمعیدی خیر من ان تراہ۔ اشاعت السنہ میں اب ثابت ہوتا رہے گا کہ یہ شخص ملہم نہیں ہے۔ فقط۔  
حضرت مولوی صاحب! من آنم کہ من دانم، آپ جہاں تک ممکن ہو ایسے الفاظ استعمال کیجئے۔ میں  
کیا ہوں اور میری شان کیا، بے شک آپ جو چاہیں لکھیں اور اس وعدہ تہذیب کی پرواہ نہ رکھیں (یہاں اس وعدہ کا  
الزام برابر باور ہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ دیکھئے آپ نے اور آپ کے حکم رضا و علم سے آپ کے حواریوں نے، ہم کو کس قدر برا کہا ہے۔ ہم نے کسی لفظ  
کا جواب دیا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ آئندہ بھی انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ ہم کو خدا تعالیٰ سے امید ہے کہ ہمارا صبر اور آپ کا روز افزوں جوہر و جفا گلوں پر اچھا  
اثر پیدا کرے گا۔ اس سے لوگ سمجھ جائیں گے کہ آپ الہامی نہیں ہیں؛ اس شکل برائے اکل است۔ محمد حسین) جس کو آپ چھاپ چکے ہیں  
۔ ر بی یسمع و یری۔ و السلام علی من اتبع الہدی۔ خاکسار غلام احمد۔

آج ۱۶۔ اپریل ۱۸۹۱ء کو آپ کی خدمت میں خط بھیجا گیا ہے اور ۲۰۔ اپریل تک آپ کے جواب  
کے انتظار (میں) رہیں گے۔ اگر ۲۰۔ اپریل ۱۸۹۱ء تک آپ کا خط نہ پہنچا تو یہی خط آپ کے رسالہ کے جواب  
میں کسی اخبار وغیرہ میں شائع کیا جائے گا۔ فقط مرزا غلام احمد۔ بقلم خود۔ ۱۶۔ اپریل ۱۸۹۱ء۔ (ماہنامہ اشاعت السنہ جلد  
۱۳ حواشی مولانا ثاقلانی؛ اور مکتوبات احمد جلد اول، بغیر حواشی) (مجموعہ اشتہارات قادیانی جلد اول۔ ص ۲۰۴۔ ۲۰۷)

( اور مرزا قادیانی نے اپنے ایک مرید، مولوی محمد احسن امر وہی کو انہی دنوں بھوپال خط لکھا جو یوں ہے: محمدوی کرمی اوخیم السلام علیکم۔ جنائیت نامہ اور کا  
رڈ بھی پہنچا جزا کم اللہ خیر امن، بصر اللہ بصرہ آپ کے رسالہ اعلام الناس کا انتظار ہے معلوم نہیں کہ قول فصیح مولفہ مولوی عبدالکریم صاحب آپ کی  
خدمت میں پہنچ گیا یا نہیں اگر نہیں پہنچا تو یہ عاجز بھیج دیوے۔ کارڈ واپس ارسال خدمت ہے۔ مولوی محمد حسین نے تاریخ کر مباحثہ چاہا جب اس طرف  
سے تیاری ہوئی تو پھر بحث کرنے سے انکار کر دیا اور یہ کہ مبالغہ کے اشتہارات آپ کی خدمت میں پہنچ گئے ہوں باقی سب خیریت ہے والسلام خاکسار  
غلام احمد زلدھیانہ مجلہ اقبال گنج۔ ۷۔ اپریل ۱۸۹۱ء (اخبار الحکم قادیان ۱۰۔ اگست ۱۹۰۳ء ص ۱۴)

( تیاری کیا ہوئی؟ حکیم نور الدین صاحب لاہور سے مناظرہ نامکمل چھوڑ کر لدھیانہ بھاگ آئے تھے، اور مولانا نے مرزا صاحب کو لدھیانہ تار دیا کہ  
حکیم صاحب کو بھیجیں تاکہ نامکمل رہ جانے والے مناظرے کو مکمل کیا جائے، اگر وہ نہیں آتے تو آپ تشریف لا کر مناظرے کو وہیں سے شروع کریں  
جہاں حکیم صاحب چھوڑ گئے تھے۔ مرزا صاحب نہیں آئے )

☆ مولانا ثاقلانی نے مرزا قادیانی کو جواباً لکھا:

( مکتوب نمبر ۲۰۰ ) جناب مرزا غلام احمد صاحب۔ بعد سلام مسنون۔

۱۶۔ اپریل کے خط میں جو آپ نے اپنے حواری مولوی نور الدین کے عدم گریز کی وجہ بتائی ہے وہ  
صحیح نہیں ہے اور اس وجہ کی تفصیل میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ بھی مغالطہ سے خالی نہیں ہے۔ میں اس اجمال

کی تفصیل اپنے رسالہ میں کرونگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اصل مطلب کا جواب یہ ہے کہ آپ نے تحریری بحث کے لئے دو شرطیں پیش کی ہیں۔ اول یہ کہ ایک ہی دفعہ فریقین اپنی اپنی تحریرات پیش کریں۔ دوسرے یہ کہ ان تحریروں کے اوراق محدود ہوں۔ ان میں سے جو آپ نے اپنی قدیم عادت تغلیط مخاطب کے مطابق مغالطہ دینا چاہا ہے میں اس کو تاڑ گیا ہوں جس کی تشریح اپنے رسالہ میں کروں گا مگر میں آپ کی قطع حجت کی غرض سے ان دونوں شرطوں کو منظور کرتا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ میں ایک ہی دفعہ اپنی تحریر پیش کرونگا اور اس کے اوراق بھی محدود کرونگا۔ مگر دو شرطیں آپ میری بھی منظور کریں (جوئی نہیں ہیں بلکہ پہلے بھی میرے خطوط میں معروض ہو چکی ہیں)

اول یہ کہ قبل از مباحثہ تحریری آپ رسالہ ازالہ اوہام میرے پاس بھیج دیں (تمام نہیں تو صرف اسی قدر جس قدر چھپ چکا ہے) تاکہ میں اپنی تحریر میں آپ کے جملہ دلائل کا جواب یک بارگی تحریر کر سکوں اور ان دلائل کو دیکھ کر یہ بھی اندازہ کر سکوں کہ میں ان کا جواب کس قدر اوراق میں ادا کر سکوں گا۔ آپ کا وعدہ بھی ہے کہ وہ رسالہ آپ کے پاس بیس پچیس روز میں پہنچے گا اور آپ سے پہلے کسی کو نہ دیا جائے گا جو ایک دفعہ ٹوٹ بھی چکا ہے (جیسا کہ آپ کے ایک سابق خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کلیم نور الدین کو بھیجا گیا ہے)۔

دوم یہ کہ میں قبل از مباحثہ چند اصول کی تمہید کروں اور آپ سے ان کو تسلیم کراؤں جیسے کہ آپ کے حوالی مولوی نور الدین سے تسلیم کرا چکا ہوں۔

ان دونوں شرطوں کے تسلیم و تعمیل کے بعد آپ جس تاریخ میں اپریل کی چاہیں، لاہور تشریف لائیں میں حاضر ہوں۔ ماہ اپریل میں آپ رسالہ ازالہ اوہام نہ بھیج سکیں تو ماہ مئی میں سہی۔ اس مہینے میں مجھے سفر درپیش آ گیا (جس کو میں بارہا ظاہر کر چکا ہوں) تو میں جہاں ہوں گا وہاں سے تاریخ مقررہ پر لاہور پہنچوں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ چنانچہ اپنے خط نمبری ۱۲۰ میں عرض کر چکا ہوں۔ میرے کارڈ اسی مولوی محمد احسن صاحب بھوپال میں جو الفاظ لکھے گئے ہیں ان کا موازنہ اپنے الفاظ اشتہار ۲۶ مارچ سے کریں اور انصاف سے کہیں کہ تہذیب کا التزام کس جانب ہے۔ اس کی توضیح بھی رسالہ میں ہوگی۔ ابو سعید محمد حسین

☆ ضمیرہ خط نمبری ۲۰۰۔ لاہور ۱۸۔ اپریل ۱۸۹۱ء۔ خیالی مسیح مرزا غلام احمد قادیانی ہدایہ اللہ

الصراط المستقیم۔ سلام علی من اتبع الهدی۔

کل آپ کے خط ۱۶۔ اپریل ۱۸۹۱ء کا جواب ہمدست حامل خط مذکور ارسال کر چکا ہوں، آج اس خیال سے کہ شاید اس خط کے وصول سے آپ انکار کریں جیسے کہ آپ نے میرے مقابلہ میں اپنے حواری کے مباحث ہونے سے انکار کیا ہے اس خط کی نقل بذریعہ رجسٹری ارسال کرتا ہوں۔ علاوہ براں دو باتیں (جن سے آپ کو ڈھیل دینا اور آپ کی حجت قطع کرنا مقصود ہے) میں اور لکھتا ہوں ان باتوں کو آپ خط سابق کا ضمیمہ قرار دیں۔

اول یہ کہ اگر آپ مباحثہ کی مجلس میں اصول کی تمہید و تسلیم سے ڈریں اور یہ خیال کریں کہ خدا جانے وہ اصول جو ہم سے تسلیم کرائے جائیں، کیسے سخت مشکل اور ہمارے فہم اور علم سے اجنبی ہوں گے اور بناء علیہ آپ یہ کہیں (جیسے کہ آپ کے حواری نے مجلس مباحثہ میں کہا تھا) کہ خدا جانے ان اصول کی تسلیم سے ہم پر کیا پتھر پڑیں گے، تو میں ان اصول کو آپ کے پاس وہاں بھیج دیتا ہوں، بشرطیکہ آپ تمہید اصول کو تسلیم کریں۔ اس سے آپ کو ان اصول کے سمجھنے اور ان میں غور کرنے کیلئے کافی مہلت مل جائے گی۔ اور اس ناگہانی ابتلاء سے جس میں آپ کے حواری صاحب بتلا ہو گئے اور اس سبب سے وہ مباحثہ چھوڑ کر بھاگ گئے نجات ہوگی۔

دوم یہ کہ اگر آپ میری شرط اول کو تسلیم نہ کریں اور مباحثہ سے پہلے ازالہ اوہام میرے پاس بھیج نہ سکیں تو میں اس شرط کی تسلیم سے آپ کو بری کرتا ہوں بشرطیکہ آپ اپنی شرط فاسد (یعنی بر مغالط) میں اتنی ترمیم کر دیں کہ پہلے تحریر آپ کی ہو۔ جس میں آپ اپنے دعاوی کے جملہ دلائل درج کریں اس کے بعد میری تحریر ہو جس میں آپ کے دلائل کا جواب ہو۔ اور اگر آپ اپنی اس شرط فاسد میں اتنی ترمیم بھی روا نہیں رکھتے تو اس کی ایسی وجہ معقول بیان کریں جس کو آپ کے مخالف اور موافق سب قبول کر سکیں۔ یا آپ یہ ثابت کر دکھائیں کہ آپ میں ایسی مزیت و فوقیت پائی جاتی ہے کہ آپ جو کہیں اس کو اور لوگ کا الوحی من السماء بلا دلیل مان لیں اور جو بات کوئی دوسرا کہے اس کی تسلیم آپ کیلئے جائز نہ ہو، چہ جائے واجب! جو لوگ آپ کو ملہم مانتے ہیں صرف وہی آپ کے خیال و مقال کی نسبت یہ کہتے ہیں آ منّا کلّ من عند ربّنا میں تو آپ کا مرید نہیں ہوں کہ جو آپ کہیں بلا دلیل مان لوں۔ میں نے جو تار دیا تھا وہ اسی مباحثہ کے سلسلہ میں تھا جو آپ کے حواری نے شروع کیا تھا۔ جس کا منشاء صاف یہ تھا کہ جو مباحثہ شروع ہے اس کو پورا کرنے کے لئے اپنے حواری کو واپس کریں یا خود تشریف لائیں، نہ یہ کہ آپ نئے مباحثہ کیلئے نئی شرط قائم کریں اور پھر اس کے

مقابلہ میں جو شرط خصم پیش کرے اسے تسلیم نہ کریں۔ ان خطوط کا جواب ۲۱ ماہ حال تک نہ پہنچا تو ان خطوں کو رسالہ میں چھاپ دیا جائے گا اور اس پر ناظرین خود غور و انصاف کر لیں گے کہ واجبی بات ماننے سے کس کو انکار ہے اور گریز از مباحثہ کس نے کیا۔ ابو سعید محمد حسین (ماہنامہ اشاعت السنہ۔ جلد ۱۳۔ ص ۵۷۔ ۵۹)

☆ مرزا قادیانی نے شیخ الاسلام کو جواباً تحریر کیا:

بخدمت انخویم مکرم مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب سلمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ پہنچا، باعث تعجب ہوا۔ آپ نہ تو اظہار حق کی غرض سے بحث کرنا چاہتے ہیں (ناظرین پر مخفی نہیں ہے کہ بحث کون نہیں چاہتا اور کون شخص ناجائز شرط پیش کر کے اس سے جان چھوڑا تا ہے اور اگر اس سے یہ مقصود ہے کہ بحث تو چاہتے ہیں مگر نہ بغرض اظہار حق بلکہ بغرض الزام خصم، تو یہ امر مضمر ہے اس کا تفسیرہ: جز اس کے کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم اور آپ قسم کھائیں اور جھوٹے پر لعنت سنائیں اور آیت مباہلہ پر عمل کریں، اگر آپ جائز سمجھیں (محمد حسین) اور نہ اس جوش بے اصل سے باز رہ سکتے ہیں۔ عزیز من (اس لفظ میں اپنی بزرگی کا ادعا ہے مگر معلوم نہیں کہ کس وصف میں آپ بزرگ بنتے ہیں۔ عمریں یا علم میں یا زہد تقویٰ میں جو دعویٰ نازیبا ہے اور ثناء و خویش خود گفتن... الخ۔ کا مصداق۔ محمد حسین) ار حکم اللہ۔

یہ عاجز آپ کو کوئی الزام دینا نہیں چاہتا (آپ کو تو دی نشاء یہی ہے، مگر خدا پورا نہیں کرتا۔ جو الزام آپ دوسروں پر قائم کرنا چاہتے ہیں وہ آپ پر عائد ہو جاتا ہے کما قیل: میں الزام اس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا۔ محمد حسین) مگر آپ ہی کا قول و فعل آپ کو الزام دے رہا ہے آپ کا آدھی رات کو تار پہنچا کہ ابھی آؤ ورنہ شکست یافتہ سمجھے جاؤ گے۔ کس قدر آپ کی اس تار پود سے مخا لف ہے جو آپ اب پھیلا رہے ہیں۔ افسوس کہ آپ نے بحث کرنے کے لئے بذریعہ تار بلایا پھر آپ گریز کر گئے (گریز اس شخص کی طرف سے ہوا ہے جس نے مباحثہ سے جان بچانے کیلئے ناجائز شرط کو پیش کیا اور مخاطب کی جائز شرط کو نہ مانا۔ اب اس امر کا تفسیرہ ناظرین خود کر لیں گے کہ ایسا کس نے کیا۔ آپ چاہیں اس امر میں کسی منصف کے سامنے بحث کر لیں آپ کا گریز ثابت نہ ہو اور منصف مسلم الطرفین نے اس کو تسلیم نہ کیا تو ہم آئندہ آپ کے ساتھ معارضہ سے دست بردار ہو جائیں گے۔ لیجئے! ایک بات میں میدان ہاتھ میں آتا ہے اور کیا چاہتے ہیں۔ محمد حسین) اور اب آپ کا خط مشمت بعد از جنگ کا نمونہ ہے (یہ آپ کی تہذیب، انصاف پسندی، حق طلبی، روحانیت اور انکسار کا نمونہ ہے۔ کوئی پوچھے جنگ کب ہوئی اور ختم کب ہوئی، آپ نے جنگ کیلئے ناجائز شرط پیش کیں ادھر سے بھی بعرض چند شرط مقابلہ کیا گیا۔ آپ نے نہ شرط کو مانا نہ اس سے انکار کیا بلکہ جواب خط دینا ترک کر دیا، اس کا نام اختتام جنگ ہے تو یہ آپ کی طرف سے ہوا، گریز ہے تو آپ نے کیا ہے برطبق مشال النور کو تو ال کو ڈانٹنے، الزام گریز دوسروں پر لگایا۔ سوائے الفاظ سے جس کو ادنیٰ اہل تہذیب و صاحب اخلاق استعمال نہیں کر سکتا چہ جائے مدعیان روحانیت و انکسار و ایثار و انوار وغیرہ۔ محمد حسین)۔ فضول باتوں کو پیش کر کے اور بھی تعجب میں ڈالتا ہے۔

چنانچہ ذیل میں آپ کے اقوال کا جواب دیتا ہوں۔

قوله (یعنی قول محمد حسین)۔ دو باتیں جن سے آپ کو ڈھیل دیتا ہوں، لکھتا ہوں۔

اقول (یعنی قول مرزا): حضرت! یہ تو آپ حیلہ حوالہ سے اپنے تئیں ڈھیل دے رہے ہیں۔ میں نے کب کہا تھا کہ مجھے ڈھیل دیں۔ آپ کی آدھی رات کو تار آئی۔ میں تیار ہو گیا۔ آپ کی اصل حقیقت معلوم کرنے کے لئے خرچ دے کر بلا توقف اپنا آدمی روانہ کیا۔ بحث منظور کر لی۔ سب انتظام مجلس اپنے ذمہ لے لیا مگر آپ تیاری کا نام سنتے ہی کنارہ کش ہو گئے (دل سے پوچھئے۔ اور خدا سے، لوگوں سے، کسی سے تو شرمائے۔ شروط فاسد کی آڑ بنا کر کون کنارہ کش ہوا، اور اب تک کون کنارہ کش ہے۔ میں تو آپ کے گھر کے قریب بھی پہنچا اور آپ کو مناظرہ کے لئے بلایا پھر آپ نے بچ کے کام کا بہانہ پیش کر کے کنارہ کشی کو اختیار کیا۔ بایں ہمہ یہ الزام دوسروں پر لگانا آپ ہی کا کام ہے۔ محمد حسین)۔ اب سوچیں کہ کیا میں نے بحث کو ڈھیل میں ڈال دیا یا آپ نے؟ اگر میں آپ ہی لاہور میں پہنچتا تو کس قدر تکلیف ہوتی۔ آپ کی اس حرکت نے نہ صرف آپ کو شرمندہ کیا بلکہ آپ کی تمام عقلمند پارٹی کو خجالت کا حصہ دیا۔ اس کنارہ کشی کا آپ پر بڑا بار ہے کہ جو بوجہ عذر وں سے دور نہیں ہو سکتا۔ آپ نے ناگوار طریقہ سے مقابل آنے کی دھمکی تو دی مگر آخر آپ ہی نہ ٹھہر سکے۔ کیا اس دعویٰ کے ساتھ جو آپ کو ہے، یہ گریز آپ کی علمی وجاہت پر دھبہ نہیں لگاتے؟

قوله (یعنی قول محمد حسین): اگر آپ عین مباحثہ کے جلسہ میں اصول کی تمہید و تسلیم سے ڈریں تو میں ان اصول کو آپ کے پاس وہاں بھیج دیتا ہوں تاکہ آپ کو ان کے سمجھنے کیلئے کافی مہلت مل جائے۔ ناگہانی ابتلاء سے بچ جائیں اور وہ حال نہ ہو جو آپ کے حواری کا ہوا۔

اقول (یعنی قول مرزا)۔ حضرت آپ کو خود مناسب ہے کہ آپ ان اصولوں سے ڈریں۔ کوئی عقل مند ان بیہودہ باتوں سے ڈر نہیں سکتا اور میں تو آپ کے ان اصولوں کو محض لغو سمجھتا ہوں (یہاں تو آپ نے اصول اسلام کو لغو کہہ دیا مگر اپنے خط نمبری ۱۱۱۱ میں ان اصول کی تمہید و تسلیم کو منظور کر لیا۔ معلوم نہیں اس خط میں آپ اس خیال لغویت کو بحکم آنکھ، دروغ گور حافظ نہ باشد، بھول گئے۔ یا جو اس خط میں لکھتے ہیں وہ دل سے نہیں کہتے۔ اور آپ کے مذہب کا کوئی اصول نہیں۔ بہر حال آپ نے یہ بات دل سے کہی ہے تو آپ کی تسلیم خط نمبری ۱۱۱۱ لغو ہے اور آپ پر آیت و الذین ہم عن اللغو معرضون، اور آیت لم تقولون ما لا تفعلون کے خلاف الزام قائم ہے اور اگر وہ تسلیم دل سے ہے، تو آپ کا ان اصول کو لغو کہنا اصول اسلام کو لغو کہنا ہے۔ زیادہ ہم کیا کہیں۔ محمد حسین) اور ایسے لغویات کی طرف سے مجھے یہ آیت روکتی ہے جو اللہ جل شانہ فرماتا ہے و الذین ہم عن اللغو معرضون، نیز یہ حدیث نبوی کہ من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیه۔



یہ بات ظاہر ہے کہ جو بات ضرورت سے خارج ہے وہ لغو ہے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ اس بحث کے لئے شرعی طور پر آپ کو کس بات کی ضرورت ہے۔ سوادنی تامل سے ظاہر ہوگا کہ آپ صرف اس بات کے مستحق ہیں کہ مجھ سے تشخیص دعویٰ کرا دیں (یعنی اس دعویٰ کے دلائل نہ پوچھیں۔ یہ مسئلہ نہ شریعت اسلام کا ہے نہ فن مناظرہ کا ہے۔ آپ سچے ہیں تو بتائیں کہ شرع یا فن مناظرہ کی کس کتاب میں یہ لکھا ہے کہ مدعی سے صرف تشخیص دعویٰ کرائی جائے، اس دعویٰ پر دلیل اس سے طلب نہ ہو۔ محمد حسین)۔ سو میں نے بذریعہ فتح اسلام و توضیح مرام اور بذریعہ اس حصہ ازالہ اوہام کے جو قول فصیح میں شائع ہو چکا ہے، اچھی طرح اپنا دعویٰ بیان کیا ہے اور بھی اقرار کرتا ہوں کہ اس سے زیادہ اور کوئی میرا دعویٰ نہیں جو آپ پر مخفی ہو اور وہ دعویٰ یہی ہے کہ میں الہام کی بنا پر مثیل مسیح ہونے کا مدعی ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہوں کہ حضرت مسیح ابن مریم درحقیقت فوت ہو گئے ہیں۔ سو اس عاجز کا مثیل مسیح ہونا تو آپ اشاعۃ السنہ میں امکانی طور پر مان چکے ہیں اور میں اس سے زیادہ آپ سے تسلیم بھی نہیں کراتا۔ اگر میں حق پر ہوں تو خود اللہ جل شانہ میری مدد کرے گا اور اپنے زور آور حملوں سے میری سچائی ظاہر کر دے گا۔

رہا ابن مریم کا فوت ہونا، سونفوت ہونے کے دلائل لکھنا میرے ذمہ پر کچھ فرض نہیں (کسی دعویٰ کے مدعی پر دلائل لکھنا فرض نہیں تو پھر کیا اس کے منکر پر فرض ہے۔ اس امر کی نہ شریعت مصدق ہے نہ فن مناظرہ۔ کتب شریعت میں اتفاقی مسئلہ ہے البینۃ علی المدعی، اور رشیدیہ کتاب فن مناظرہ میں بھی المدعی من نصب نفسه لا ثبات الحکم بالدلیل او البینۃ محمد حسین) کیونکہ میں نے کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا جو خدا تعالیٰ کی سنت قدیمہ کے مخالف ہو (یہ آپ کا ایک اور دعویٰ ہے جو خصم کے نزدیک مسلم نہیں چنانچہ اس خط کے جواب میں بیان کیا گیا کہ اس میں آپ نے دھوکہ دیا ہے لہذا اس کی دلیل بھی آپ کے ذمہ ہے۔ محمد حسین) بلکہ مسلسل طور پر ابتداءً حضرت آدم سے یہی طریق جاری ہے، جو پیدا ہوا وہ آخر ایک دن جوانی کی حالت میں یا بڈھا ہو کر مرے گا۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے و منکم من یتوفی و منکم من یردّ الی ارضہ العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئاً۔ پس جب کہ میرے پر یہ فرض ہی نہیں کہ میں مسیح کے فوت ہونے کے دلائل لکھوں، اور ان کا فوت ہونا تو میں بیان کر ہی چکا تو اب اگر میں آپ سے پہلے لکھوں تو فرمایئے کیا لکھوں؟ (اپنے دعویٰ کے دلائل لکھئے۔ محمد حسین) یہ تو آپ کا حق ہے کہ میرے ابطال کے لئے پہلے آپ قلم اٹھائیں اور آیات اور احادیث سے ثابت کر دکھائیں کہ سارا جہان تو اس دنیا سے رخصت ہوتا گیا اور ہمارے نبی کریم ﷺ بھی

وفات پاگئے مگر مسیح وفات پانے سے اب تک باقی رہا ہوا ہے۔ کسی مناظر کو پوچھ کر دیکھ لیں کہ داب مناظرہ کیا ہے؟ (آپ ہی بتلا دیجئے مگر کتاب کے حوالہ سے، ہم نے تو کتب مناظرہ میں یہی پڑھا ہے کہ دلیل مدعی کے ذمہ ہے، نہ کہ منکر و مانع کے۔ محمد حسین) اب یہ بھی یاد رہے کہ آپ کی دوسری سبب بخشش مسیح کے زندہ مع الجسد اٹھائے جانے کی فرعون ہیں (فرعون اب بن گئی۔ فتح اسلام، توضیح مرام اور دیگر ابتدائی تحریروں میں اور خط سابق نمبر ۸ وغیرہ میں تو آپ کے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ اصل ہے۔ مسیح کے فوت ہو جانے کا ذکر تو ان میں بجاً و ضمناً ہے۔ رسالہ توضیح مرام و رسالہ فتح اسلام کو ایک دفعہ پھر دیکھ جائیے اگر بھول گئے ہیں۔ اس کی مزید توضیح ہمارے خط نمبر ۳۷۷ کے حواشی میں ہوگی۔ محمد حسین)۔ اگر آپ یہ ثابت کر دیں کہ مسیح زندہ جسدہ العنصریٰ آسمان کی طرف اٹھایا گیا تو پھر آپ نے سب کچھ ثابت کر دیا۔ غرض پہلے تحریر کرنا آپ کا حق ہے۔ اگر اب بھی آپ ماننے نہیں تو چند غیر قوموں کے آدمیوں کو منصف مقرر کر کے دیکھ لو (اس میں آپ یہ جتاتے ہیں کہ آپ کسی مسلمان سے حق گوئی کی امید نہیں رکھتے۔ تب ہی غیر مسلم ثالث کی متصفیٰ تجویز کرتے ہیں۔ اس صورت میں آپ کو من یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی و یتبع غیر سبیل المومنین نوٰلہ ما تولیٰ و نصلہ جہنم و ساءت مصیراً سے ڈرنا مناسب ہے۔ محمد حسین) اور خوارخیم حکیم مولوی نور الدین صاحب کب آپ کے بلائے لاہور میں گئے تھے (یہ دعویٰ میں نے کب کیا ہے اور مناظرہ واقع ہونے کیلئے میرا بلانا کہاں شرط ہے۔ حافظ یوسف کے کہنے سے وہ آئے اور ان ہی کے کہنے سے وہ مناظرہ میں پھنس گئے۔ پھر ان کا بلا اطلاق خاکسار جانا فرمائیں تو کیا ہے؟ محمد حسین) جنہوں نے بلایا انہوں نے مولوی صاحب موصوف سے اپنی پوری تسلی کرائی اور آپ کے ان لغو اصولوں سے بیزاری ظاہر کی تو پھر اگر مولوی صاحب آپ سے اعراض نہ کرتے تو اور کیا کرتے؟ اعراض کا نام آپ نے فرار رکھا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے دست بدست آپ کو دکھا دیا کہ فرار کس سے ظہور میں آیا۔ یہ مولوی صاحب کی راست بازی کی کرامت ہے جس نے یہ مصرعہ سچا کر دیا: مرا خواندی و خود بدام آمدی

قولہ (یعنی قول محمد حسین): اگر آپ میری اس شرط کو قبول نہ کریں اور مباحثہ سے پہلے ازالہ اوہام نہ بھیج سکیں تو میں اس شرط کی تسلیم سے آپ کو بری کرتا ہوں بشرطیکہ پہلی تحریرات آپ کی ہوں اور بعد میں میری۔

اقول (یعنی قول مرزا): حضرت آپ ازالہ اوہام کے اکثر اوراق دیکھ چکے (مخض دروغ ہے۔ ازالہ اوہام پچیس جز سے زیادہ بتایا جاتا ہے اور قول فصیح میں جو میں نے دیکھا ہے اس کا ایک جز دہمی پورا منقول نہیں ہوا۔ پھر اکثر مقابل اقل کہاں صادق آیا۔ سبحان اللہ یہ دعویٰ تقدس اور یہ سفید جھوٹ اور دھوکہ دہی۔ محمد حسین)۔ اب مجھے کس شرط سے بری کرتے ہو۔ اور میں ابھی ثابت کر چکا ہوں کہ پہلے تحریر کرنا آپ کا ذمہ ہے۔ اب دیکھئے یہ آپ کا آخری ہتھیار بھی خطا گیا۔ عنقریب یہ آپ کا خط بھی بذر لیج

اخبارات پبلک کے سامنے پیش کیا جاوے گا۔ لوگ دیکھ لیں گے کہ آپ کی تحریرات میں کہاں تک راستی اور حق پسندی اور حق طلبی ہے۔

بالآخر ایک مثال بھی سنئے۔ زید ایک مفقود اخصر ہے۔ جس کے گم ہونے پر مثلاً دو سو برس گذر گیا۔ خالد اور ولید کا اس کی حیات اور موت کی نسبت تنازع ہے اور خالد کو ایک خبر دینے والے نے خبر دی کہ درحقیقت زید فوت ہو گیا لیکن ولید اس خبر کا منکر ہے۔ اب آپ کی کیا رائے ہے؟ بارثوت کس کے ذمہ ہے؟ کیا خالد کو موافق اپنے دعویٰ کے زید کا مرجانا ثابت کرنا چاہیے یا ولید زید کا اس مدت تک زندہ رہنا ثابت کرے؟ کیا فتویٰ ہے؟ راقم خاکسار۔ غلام احمد از لودھیانہ اقبال گنج۔ ۲۰۔ اپریل ۱۸۹۱ء

نوٹ اس مثال سے یہ غرض ہے کہ جس پر بارثوت ہے اس کی طرف سے ثبوت دینے کے لئے پہلے تحریر کرنا چاہیے۔ (اشاعت السنہ جلد ۳ ص ۵۹ تا ۶۵ مع حواشی؛ مکتوبات احمد۔ ج ۱ ص ۳۲۶-۳۲۹۔ مکتوب نمبر ۱۳۔ بغیر حواشی)

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی فرماتے ہیں:

اس خط کو مرزا صاحب اور ان کے حواریوں نے ضمیمہ پنجاب گزٹ سیالکوٹ مطبوعہ ۲ مئی ۱۸۹۱ء میں شائع کیا۔ مگر خاکسار کے خط نمبری ۲۰ کو جس کا یہ خط جواب ہے، شائع و مشتہر نہ کیا۔ شائد الہامیوں کو جائز ہو گا۔ عام انصاف کا تو یہی قانون ہے کہ جس تحریر مخاطب کا جواب دیں اس کو بھی نقل کریں تاکہ ناظرین کو دونوں میں موازنہ و انصاف کا موقع ملے۔

(ماہنامہ اشاعت السنہ۔ ج ۱۳ ص ۶۵)

☆ شیخ الاسلام مولانا بٹالوی نے مرزا قادیانی کو لکھا:

(مکتوب نمبر ۲۲۵) لاہور ۲۲۔ اپریل ۱۸۹۱ء۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

جناب مرزا غلام احمد صاحب عافاہ اللہ و ہداه۔ سلام علی من اتبع الہدی۔ آپ کا خط ۲۰۔ اپریل ۱۸۹۱ء میں نے مسرت سے پڑھا اور اس سے میں از بس ممنون ہوا۔ آپ کی اس قسم کی مجادلانہ و معاندانہ اور مغالطہ آمیز تحریرات مجھے یہ یقین دلاتی ہیں کہ آپ اپنے دعویٰ جدیدہ کے اظہار و اشتہار میں خطا اجتہادی نہیں کرتے، بلکہ دیدہ دانستہ حق کا خلاف کرتے اور عمداً لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اور یہ تار و پود جو ایک مدت سے آپ نے پھیلا رکھا ہے اس سے مقصود صرف نام آوری و دنیا طلبی ہے۔ ایں ہمہ از پئے آنست کہ زر مے طلبی۔ حق گوئی

اور حق پڑدہی آپ کا اصلی فرض اور اقصیٰ غرض نہیں ہے لہذا آپ آئندہ بھی ایسی ہی تحریرات کے ارسال سے مجھے سرفراز فرمائیں گے تو میرے اس یقین کو اور بڑھا سکتے اور مجھے اپنا ممنون بنا سکتے۔ اس اجمال کی تفصیل میں اپنے رسالہ میں کرونگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس خط میں بطور تمثیل آپ کے چند مغالطات معاندانہ کو ذکر کرتا ہوں۔

آپ لکھتے ہیں: میں آپ کے ان اصول کو محض لغو سمجھتا ہوں۔

اس میں اپنے عناد و جدال کو ایسا مبرہن کیا ہے کہ اس میں کسی اہل علم و طالب حق کیلئے مجال مقال نہیں رکھی۔ کوئی اہل علم جس کو حق طلبی سے ادنیٰ تعلق ہو اور پابندی اسلام کا دعویٰ، ان اصول کو (۱۔ کتاب و سنت صحیح اتفاقہ ہیں۔ ۲۔ ظواہر نصوص سے بلا دلیل عدول کرنا جائز نہیں۔ ۳۔ محسوس نیچر، جس کو نیچری لوگ خدا کی قدرت کا قانون سمجھتے ہیں، واقعی خدا کی قدرت کا قانون و معیار نہیں، ایسے ہی اور وہ اصول جو آپ کے حواری سے مجلس مباحثہ میں تسلیم کرائے گئے ہیں) لغو نہیں کہہ سکتا اور نہ امور متنازعہ فیہا سے بے تعلق یا غیر ضروری ٹھہرا سکتا ہے۔ ان اصولوں کو لغو اور ضرورت سے خارج کہنا اس شخص کا کام ہے جس کو حق اور اصول اسلام سے کام نہ ہو بلکہ اپنے اوہام باطلہ اور خیالات فاسدہ کو دین تویم بنانا چاہتا ہو۔ آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو کم سے کم ایک مسلمان سے، جو عالم ہو اور آپ کا پریدہ نہ ہو، اس دعویٰ کی تصدیق کرادیں۔

آپ لکھتے ہیں: میں نے اپنا دعویٰ بیان کر دیا کہ میں مثیل المسیح ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہوں کہ حضرت ابن مریم درحقیقت فوت ہو گئے ہیں، سو اس عاجز کا مثیل مسیح ہونا تو آپ امکانی طور پر مان چکے ہیں۔ رہا ابن مریم کا فوت ہونا، سو فوت ہونے کے دلائل لکھنا میرے پرفرض نہیں کیونکہ میں نے کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا جو خدا تعالیٰ کی سنت قدیمہ کے مخالف ہو بلکہ مسلسل طور پر حضرت آدم سے یہ طریق جاری ہے کہ جو پیدا ہوگا ایک دن مرے گا۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔ اب میں آپ سے پہلے کیا لکھوں۔

اس میں آپ نے کئی وجہ سے حق کا خلاف کیا اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا:

اول دھوکہ یہ دیا کہ خاکسار کو آپ نے اپنے مثیل مسیح ہونے کا قائل بنا دیا حالانکہ میں نے آپ کے مثیل مسیح ہونے کو امکانی طور پر بھی تسلیم نہیں کیا۔ صرف آپ کے بعض الہامات کا، جن میں مثیل مسیح ہونے کا الہام شامل نہیں ہے، امکان تسلیم کیا ہے (گو میں اب اس امکان کا بھی قائل نہیں رہا۔ آپ کی مجادلہ و معاندانہ تحریرات نے وہ امکان میرے خیال سے اٹھا دیا ہے۔ محمد حسین) آپ اپنے قول میں سچے ہیں تو میرا وہ قول نقل کریں جس میں میں نے آپ کا

مثیل مسیح ہونا امکانی طور پر مانا ہے۔

دوسرا دھوکہ یہ کہ صرف تسلیم امکان کو مثبت مدعا سمجھ لیا، حالانکہ کوئی عاقل صرف امکان سے وجود ثابت نہیں کر سکتا۔ مثلاً زید اگر یہ دعویٰ کرے کہ میں بادشاہ یا فلاسفر ہوں اور کوئی شخص اس کا امکان مان لے، تو اس سے اس کا بادشاہ یا فلاسفر ہونا ثابت نہیں ہو سکتا اور وہ اس تسلیم امکان کے سبب اپنے دعویٰ کے ثبوت سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

تیسرا دھوکہ یہ کہ ابن مریم کے فوت ہونے کا اعتقاد بحکم سنت اللہ اور بہ شہادت کتاب اللہ مسلم ٹھہرا کر اس کو ثبوت سے مستغنی قرار دیا۔ اس سے اگر آپ کا یہ مقصود ہے کہ یہ اعتقاد صرف ہمارے نزدیک مسلم ہے، گواور مسلمانوں کے نزدیک مسلم نہیں، تو ایسی حالت میں آپ اس دعویٰ کا ثبوت پیش کرنے سے بری نہیں ہو سکتے، کیونکہ آپ کا اعتقاد دوسرے مسلمانوں کا مسلمہ نہیں ہے اور اگر اس سے مقصود یہ ہے کہ تمام مسلمان اس اعتقاد کو مانتے ہیں تو یہ محض خلاف واقعہ ہے۔ صحابہ و تابعین اور ان کے اتباع سلف صالحین سے اس وقت تک کوئی مسلمان ایسا اعتقاد نہیں رکھتا۔ آپ سچے ہیں تو کم سے کم ایک صحابی یا ایک تابعی یا ایک شخص کا سلف صالحین سے نام لیں جو یہ اعتقاد رکھتا ہو۔ پھر اس انوکھے دعویٰ کے ثبوت میں دلائل پیش کرنا آپ کا فرض کیوں نہیں ہے؟ اور فن مناظرہ کی کون سی کتاب ہے جو آپ کو اس دعویٰ کے ثبوت پیش کرنے سے سبک دوش کرتی ہے؟ آپ سچے ہیں تو کم سے کم ایک کتاب کی شہادت پیش کریں۔ اپنے دعویٰ کا ثبوت پہلے پیش کرنے کی درخواست آپ سے اسی صورت میں ہوئی ہے کہ آپ اپنی ناجائز شرط کو (کہ تحریرات مباحثہ جاہنن سے صرف دو ہی ہوں۔ پہلے ہماری طرف سے ہو پھر آپ کی طرف سے) قائم رکھیں۔ اب اگر آپ ان شروط فاسد کو واپس لیں اور منصب ادعاء چھوڑ کر مسائل یا مانع بنیں تو میں اس دعویٰ کا کہ حضرت مسیح زندہ ہیں اور وہ وجود عنصری کے ساتھ آسمان سے اتریں گے، ثبوت پیش کرنے کو تیار ہوں۔

چوتھا دھوکہ یہ کہ سنت اللہ اور آیت کتاب اللہ کو موت مسیح پر دلیل ٹھہرایا ہے۔ سنت سے مراد آپ کی نبیچر ہے اور اس تقریر سے آپ کا مسلمان کو یہ جتنا مد نظر ہے کہ ایک شخص کا اٹھارہ سو برس تک زندہ رہنا نبیچر کے برخلاف ہے۔ لفظ نبیچر آپ نے اسلئے نہیں کہا کہ آپ کا چھپا اعتقاد نبیچریت لوگوں پر ظاہر نہ ہو۔ اس تقریر میں

آپ نے یہ دھوکہ بھی دیا ہے کہ خدا کی ایک سنت کو جو اموات میں جاری ہے آپ نے ظاہر کیا اور اس سنت کو جو اس نے مسیح کے زندہ رکھنے میں قائم کی ہے نظر انداز فرمایا۔ آیت کے ذکر میں بھی دھوکہ دیا ہے۔ اس آیت میں یہ بیان ہرگز نہیں کہ اس وقت تک جو پیدا ہوا وہ فوت ہو چکا۔ اس میں تو صرف یہ بیان ہے کہ ہر شخص کیلئے موت کا ہونا لازمی ہے، جو حضرت مسیح کو جب وہ دنیا میں آئیں گے، نیز شامل ہوگا۔

خط حال و سابق میں آپ لکھتے ہیں کہ: حکیم صاحب آپ کے بلانے سے کب لاہور میں آئے کہ پھر بلا اجازت جانے سے فراری متصور ہوئے اور آپ کا تو درمیان میں قدم ہی نہ تھا۔

یہ تو میں نے بھی نہیں کہا کہ وہ میرے بلانے سے لاہور میں آئے۔ صرف اسی مضمون کا تار دیا تھا کہ وہ مجھ سے گفتگو شروع کر کے بھاگے۔ اگر میرا یہ بیان غلط ہے اور گفتگو میں میرا قدم ہی نہ تھا تو آپ کے راست باز ہونے میں کیا شک ہے۔ آپ سچے تو ہیں، ذرا اس پر قسم بھی کھالیں اور وہ آیت مبالغہ پڑھیں جو مولوی محمد اسماعیل ساکن علی گڑھ کے مقابلہ میں لکھ چکے ہیں۔ مرزا صاحب! آپ کی ایسی ہی باتوں نے، جو محض خلاف واقعہ ہیں، مجھ کو یقین دلایا ہے کہ آپ ملہم نہیں ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ: آدھی رات کو تار آیا تو بلا توقف آدمی روانہ کیا اور ازالہ اوہام کے اکثر اوراق آپ دیکھ چکے ہیں۔

ان فقرات میں ایک بھی سچا ہے تو اس پر قسم کھائیں اور جھوٹے کو لعنت سنائیں۔ فرمائیے تار کس وقت آپ کو ملا، اور آدمی کس وقت روانہ ہوا؟ اور ازالہ اوہام کے اوراق کس قدر ہیں؟ اور قول فصیح میں جو میں نے دیکھا ہے کس قدر اوراق منقول ہیں؟ اکثر یا قتل؟ کیا ملہمین یا صادق القول مومنین کی یہ شان ہے کہ ایسی خلاف واقع باتیں ان کے منہ سے نکلیں۔

اخیر میں جو آپ نے مثال لکھی ہے، اس میں بھی آپ دھوکہ دینے سے رک نہیں سکے۔ حضرت مسیح با اتفاق اہل اسلام آسمانوں پر زندہ موجود ہیں ان کے وجود و حیات میں کسی قدیم مسلمان کا اختلاف نہیں صرف آپ بہ تقلید ملاحدہ یورپ جو مسیح کی دوبارہ زندگی سے ان کے مقاصد کی زندگی مراد لیتے ہیں، یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ فوت ہو چکے ہیں اور ان کی دوبارہ زندگی سے ان کے مقاصد کی زندگی مراد ہے۔ پھر یہ دعویٰ زندگی اس مفقود الخمر کی حیات کی نظیر کیونکر ہو سکتا ہے۔ اس مثال میں آپ کئی صورت سے مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے۔

اول: مسیح علیہ السلام کا معلوم الوجود والہیات کو مفقود الحشر شخص کی نظیر قرار دینا۔ دوم۔ ان کی حیات کو جو متفق علیہ اہل اسلام ہے محل اختلاف قرار دینا۔ سوم۔ انکی موت کی تجویز کو ایک معمولی اور قابل تسلیم موت کی مانند ٹھہرانا۔ حضرت مسیح کی سچی مثال یہ ہے کہ ایک شخص دس برس سے زندہ و موجود اور بحکم مشاہدہ مسلم الحیاة چلا آیا ہے۔ اس کی نسبت ایک شخص نے خبر دی کہ پانچ برس ہوئے کہ وہ مر گیا ہے۔ اس شخص کا دعویٰ ان لوگوں کے سامنے جو دس برس سے اس کو زندہ دیکھتے چلے آئے ہیں لائق سماعت نہیں اور اس شخص کا فرض ہے کہ اس کی موت کو بدلائل ثابت کرے جن سے ان لوگوں کی رویت و مشاہدہ کی غلطی ثابت ہو۔

یہ تو آپ کے جدال و عناد کا ثبوت اور مخالطات کا جواب ہے۔ اب میں اپنے خط نمبری ۲۰۷ کی اس بات کی طرف آپ کو متوجہ کرتا اور اس کا جواب چاہتا ہوں جس سے آپ نے چشم پوشی کی ہے۔ آپ میرے تار کے مضمون کو غور سے پڑھیں اور اس مباحثہ کو جس کے سلسلہ میں تار دیا گیا ہے پورا کریں اور اپنے حواری کو واپس بھیجیں یا خود تشریف لا کر اس کا تمام کریں۔ نئی شروط فاسدہ پیش کر کے نیا مباحثہ قائم نہ کریں۔ شروط فاسدہ کی تسلیم و تحقق محال ہے اور ایسی شروط والے مباحثہ کا وجود بھی ناممکن ہے۔ آپ کی ان شروط کو پیش کرنے سے لوگ یقیناً جان لیں گے کہ درحقیقت آپ کو مباحثہ منظور نہیں ہے۔ اسی وجہ سے آپ ان شروط کو پیش کرتے اور ان کی آڑ میں مباحثہ سے جان بچاتے ہیں۔ آپ کا ناصح ابو سعید محمد حسین۔ (ماہنامہ اشاعۃ السنہ۔ جلد ۱۳۔ ص ۶۵ تا ۷۰)

شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالوی بتاتے ہیں: اس خط کا مرزا صاحب نے کچھ جواب نہ دیا اور ہمارے خطاب و جواب سے سکوت اختیار کیا جس سے عام نظروں میں آپ کا عجز و ہزیمت کا الزام قائم ہو گیا۔ مگر اس سکوت پر آپ سے صبر نہ ہو سکا اور آپ نے

آنا ناکہ چشمبر گل تحقیق واکند  
از ہر چہ فہم رنگ نگیرد و حیا کند  
در میخے کہ غیر نموشی علاج نیست  
بر ہرزہ است تکیہ بچوں و چرا کنند

پر عمل نہ کیا اور اپنی جگہ اپنے حواریوں کو، جو برانہ کہنے سے اندیشہ رکھتے ہیں، نہ برانسنے سے، کھڑا کر دیا اور اپنے خط نمبری ۸ کو مح اس کے جواب منجانب خاکسار نمبر ۲۲۵ کے ضمیمہ اخبار پنجاب سیالکوٹ ۲۵۔ اپریل میں چھپوایا۔ اور اس پر ایڈیٹر کی قلم سے خوب نمک مرچ چھڑکوا یا۔ اس پر خاکسار نے مرزا صاحب کے نام رقمہ ذیل لکھا:

☆ (نمبر ۱۳۹) لاہور ۲۶۔ اپریل، بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جناب مرزا غلام احمد صاحب عا فاه اللہ و  
 ہداه۔ سلام علی من اتبع الهدی۔

۱۔ میرے خط نمبری ۲۲۵ مورخہ ۲۲۔ اپریل ۱۸۹۱ء کا جواب دیجئے۔ منتظر ہوں۔

۲۔ آج ضمیمہ پنجاب گزٹ سیالکوٹ مطبوعہ ۲۵۔ اپریل میری نظر سے گذرا۔ اس میں آپ کا خط  
 مورخہ ۱۶۔ اپریل ۱۸۹۱ء منقول ہے اور اس پر اعتماد کر کے آپ کے وکیل اڈیٹر نے یہ لکھا ہے کہ: مولوی محمد حسین  
 صاحب کو اگر اپنی بات پر اس قدر اصرار ہے تو وہ اس مضمون کی حافظ محمد یوسف، منشی امیر الدین، منشی عبدالحق،  
 منشی الہی بخش، اور مرزا امان اللہ کی دستخطی تحریر شائع کریں کہ مولوی نور الدین ان سے شکست کھا کر بھاگ گئے  
 میں اس کے جواب میں آپ کے وکیل اڈیٹر کو مخاطب نہیں کرتا اور نہ آئندہ ان کو یا کسی اور نئے وکیل  
 کو کسی امر میں مخاطب کرونگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ صرف آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ آپ اپنے دعویٰ میں  
 سچے ہیں اور انہی حضرات کی شہادت پر آپ کے دعویٰ کی بنا اور آپ کے وکیل کا اعتماد ہے تو آپ ہی ان  
 حضرات میں سے تین شخصوں حافظ محمد یوسف، منشی الہی بخش اور منشی عبدالحق سے میرے سوالات ذیل کا حلفی  
 جواب لے کر ارسال کریں۔ اسی سے مقدمہ شکست و ہزیمت کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اگر ان حضرات ٹلاشہ نے  
 بالاتفاق میرے سوالوں کا جواب اثبات (لفظ ہاں یا نعم) سے دیا تو میں آپ کے بیان کو صحیح مان لوں گا اور اپنے  
 دعویٰ شکست دہی سے دست بردار ہو جاؤنگا۔

۱۔ حکیم نور الدین صاحب نے رخصت کی رات جو تقریر در باب وفات مسیح کی تھی، اس تقریر میں اول سے آخر  
 تک یہ تینوں صاحب موجود تھے۔

۲۔ اس تقریر کے اختتام پر ان تینوں صاحبوں نے حکیم (نور الدین) صاحب کا شکریہ ادا کیا اور یہ کہا تھا کہ ہماری  
 من کل الوجوہ تسلی ہو گئی ہے۔ اور اب ہمارے دل میں کوئی شبہ و اعتراض باقی نہیں رہا۔

۳۔ ان تینوں صاحبوں کا اب یہ اعتقاد ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح فوت ہو چکے ہیں اور یہ کہ وہ دنیا میں بذات خود  
 تشریف نہیں لائیں گے جیسا کہ تم مسلمانوں کا اعتقاد ہے۔ اور موعود مسیح جن کے آنے کی قرآن و حدیث میں  
 خبر ہے آپ ہی ہیں۔



۴۔ ان سوالات کے جواب کے ساتھ آپ حافظ محمد یوسف کے اس خط کی نقل بھی ارسال فرمادیں جس کا ذکر آپ کے خط ۱۶۔ اپریل (۱۸۹۱ء) میں ہے اور اس کا مضمون آپ نے یہ نقل کیا ہے کہ مولوی عبدالرحمن اس جگہ آئے ہوئے ہیں ہم نے ان کو دو تین روز کے لئے ٹھہرا لیا ہے تا ان کے روبرو ہم بعض شبہات اپنے آپ سے دور کرالیں اور اس مجلس میں ہم مولوی محمد حسین کو بھی بلا لیں گے۔ ابو سعید محمد حسین

(ماہنامہ اشاعت النہ۔ جلد ۱۳۔ ص ۷۱۔ ۷۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی بتاتے ہیں: اس کے جواب میں آپ نے پھر وہی سکوت اختیار کیا اور ہماری کسی بات کا جواب نہ دیا۔ مہربانی فرما کر لکھا، تو اس مضمون کا کارڈ لکھا جس سے جواب خط سے انکار اور آئندہ کے لئے گفتگو سے اعراض و فرار پایا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے:

☆ بسم اللہ الرحمن الرحیم؛ (نمبر ۱۰)۔ محبی انویم مولوی صاحب سلمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ اس عاجز کو کوئی نئی بات معلوم نہیں ہوتی جس کا جواب لکھا جائے۔ اس عاجز کی دعویٰ کی بناء الہام پر تھی مگر آپ ثابت کرتے کہ قرآن اور حدیث اس دعویٰ کے مخالف ہے اور پھر یہ عاجز آپ کے ان دلائل کو اپنی تحریر سے توڑ نہ سکتا تو آپ تمام حاضرین کے نزدیک سچے ہو جاتے اور بقول آپ کے میں اس الہام سے توبہ کرتا۔ لیکن خدا جانے آپ کو کیا فکر تھی جو آپ نے اس راہ راست کو منظور نہ کیا خیر اب ازالہ اوہام کارڈ لکھنا شروع کیجئے۔ لوگ خود دیکھ لیں گے۔ والسلام خاکسار غلام احمد غفنی عنہ

(مکتوبات احمد۔ جلد اول۔ ص ۳۳۰؛ ماہنامہ اشاعت النہ جلد ۱۳)

مرزا غلام احمد قادیانی کے مکتوبات کے مرتب نے لکھا ہے:

اس کارڈ کے بعد مرزا صاحب نے اس سلسلہ میں خط و کتابت کو گو نہ بند کر دیا تھا۔ اس لئے کہ مولوی محمد حسین صاحب اصل مطلب کی طرف آتے نہ تھے۔ آپ نے اتمام حجت کے لئے اشتہار مسیٰ میں علماء لدھیانہ کو خطاب کیا اور اس میں مولوی محمد حسن کو بھی مخاطب فرمایا۔ مولوی محمد حسین صاحب نے مولوی محمد حسن صاحب کو آڑ بنا کر پھر خط و کتابت کا سلسلہ شروع کیا۔ ہر چند وہ خطوط مولوی محمد حسن صاحب کے ہاتھ کے تھے لیکن دراصل ان کی تہہ میں مولوی محمد حسین صاحب کا ہاتھ اور قلم تھا، اسلئے جو خطوط اس موقع پر مرزا صاحب نے لکھے

انہیں بھی درج سلسلہ کرتا ہوں۔ (مکتوبات احمد۔ ج ۱۔ ص ۳۳۰)

اور شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ اس خط (نمبر ۱۰) کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس کارڈ کے ذریعہ ہم سے تو آپ نے پیچھا چھوڑا یا اور سلسلہ مباحثہ و مراسلہ کو بزعم خود قطع کیا۔ مگر آج انجا کہ جدال... آپ کی طینت میں کوٹ کوٹ کر بھر رہا ہے لہذا اس قطع تفصیلی (خلاصی) پر آپ سے صبر نہ ہو سکا اور نچلانا بیٹھا گیا اور بقول اسد:

چھیڑ خویوں سے چلی جائے گرنہیں وصل تو حسرت ہی سہی

لودہانہ کے علماء سے آپ نے چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ شروع کیا اور اس کو چند روز کا مشغلہ سمجھ کر اشتہار ۳ مئی ۱۸۹۱ء میں ان کو مدعو مباحثہ کیا (یہ وہی اشتہار ہے جس کی شروط کا خلاصہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ محمد حسین، اور اسے ہم متفرقات میں نقل کر رہے ہیں۔ بہاء)۔ اس میں میرے دوست مولوی محمد حسن رئیس لدھانہ کو بھی مخاطب کیا۔ ان کے خطاب میں بد قسمتی سے آپ کے قلم سے یہ فقرہ بھی نکل گیا کہ ان کو اختیار ہوگا کہ چاہیں تو بذات خود بحث کریں اور چاہیں تو اپنی طرف سے مولوی ابوسعید محمد حسین کو بحث کے لئے وکیل مقرر کر دیں۔ ہر چند یہ اشتہار آپ نے میرے پاس نہ بھجوایا بلکہ تمام لاہور والوں میں صرف اس کا ایک قطعہ پہونچا اور کانفی ڈنشل (مخفی) (confidential) رہا۔ مگر آخر حاجی محمد دین کے ذریعہ سے وہ اشتہار خاکسار کی نظر سے بھی گذر گیا جس پر یہ شعر عاجز کے خیال میں آیا۔

دیداری نمائی و پرہیز مے کنی بازار خویش و آتش ماتیز مے کنی

اس اشتہار نے اس شعر کے مطابق خاکسار کے نائرہ اشتیاق مباحثہ کو جو مرزا جی کے خط نمبری ۱۰ سے وہ دب گیا تھا مشتعل کر دیا اور اس وقت مجھے وہ سفر ہندوستان جس کا ذکر بارہا ہو چکا ہے نیز درپیش تھا بہاء علیہ خاکسار نے مولوی محمد حسن صاحب کے نام رقعہ مندرجہ ذیل تحریر کیا۔

☆ (خط نمبر ۳۲۳)۔ لاہور ۸۔ مئی ۱۸۹۱ء۔ محبی مولوی محمد حسن صاحب۔ السلام علیکم

آج میں نے مرزا کا آخری اشتہار دیکھا (یا اشتہار متفرقات کے حصے میں نقل کیا جا رہا ہے۔ بہاء)۔ اس میں آپ کو لکھا ہے کہ چاہو تو مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب کو وکیل بنا کر پیش کرو۔ اور اس کے ساتھ ایسی شرطیں بھی لگا دی ہیں جو جلد وقوع میں نہ آئیں۔ میری رائے ہے کہ آپ ان کو (مرزا جی کو) اس مضمون کا رقعہ لکھیں کہ ۹ مئی کی

صباح کو ابوسعید محمد حسین بارادہ پٹیالہ، لودھانہ پہنچیں گے۔ آپ ان سے بات چیت کر سکیں گے تو آپ میرے مکان پر تشریف لے آویں۔ آپ نہ آسکیں تو ہم ان کو آپ کے مکان پر لے آویں گے اور اس مجلس میں جس کو آپ چاہیں شامل کر لیں اور شروط کو جن کا تحقق سر دست دشوار ہے پیش نہ کریں وہ اس امر کو منظور کریں تو بندہ گفتگو کے لئے حاضر ہے۔  
ابوسعید محمد حسین۔

شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں کہ اس خط کے لودھانہ پہنچ جانے کے بعد خاکسار بھی ۹ مئی کی صبح کو لدھیانہ پہنچ گیا اور جاتے ہی مولوی محمد حسن لدھیانوی کو مرزا جی کے پاس بطور سفارت بھجوایا۔ اور انہی کی طرف رقعہ مندرجہ ذیل لکھوا کر ان کے ہاتھ میں دیا (خاکسار نے اپنی طرف سے اسلئے دکھا کہ مرزا جی خاکسار سے سلسلہ مراسلت و مخاطبت قطع کر چکے تھے۔ محمد حسین) اور یہ کہہ دیا کہ آپ کی سفارت کے جواب میں جو کچھ مرزا صاحب کہیں وہ تحریر میں لاویں، زبانی کوئی پیام و کلام مسموع نہ ہوگا۔ وہ رقعہ چونکہ خاکسار ہی نے لکھوایا تھا لہذا اپنے رجسٹر خطوط کا نمبر اس پر لگایا اور جو خط اس کے جواب میں مرزا کا آیا اس پر بھی انکے سلسلہ خطوط کا نمبر لگایا گیا۔ وہ خط یہ ہے:

☆ لودھانہ۔ ۹ مئی ۱۸۹۱ء۔ (نمبر ۳۶۹)۔ بخدمت شریف مرزا صاحب۔

بعد سلام مسنون کے گزارش ہے کہ آپ نے اشتہار مطبوعہ ۳ مئی ۱۸۹۱ء میں مجھے مخاطب فرمایا ہے کہ آپ چاہیں تو بذات خود بحث کریں اور چاہیں تو اپنی طرف سے جناب مولوی ابوسعید محمد حسین کو بحث کے لئے وکیل کریں۔ بناء علیہ میں مکلف ہوں کہ جناب مولوی ابوسعید محمد حسین حسب اتفاق وارد لدھیانہ ہیں جو آج ہی ۱۱ بجے کی ٹرین میں پٹیالہ تشریف لے جائیں گے۔ آپ اس وقت ان سے مباحثہ کرنا چاہیں تو میرے مکان پر تشریف لاویں اور ان سے گفتگو کریں اور باقی شروط کو جو متعلق انتظام ہیں آپ جانے دیں کیونکہ اپنے مکان پر انتظام کا ذمہ دار میں خود ہوں۔ مگر یہ واضح رہے کہ جناب مولوی صاحب گفتگو سے پہلے چند اصول آپ سے تسلیم کرائیں گے جناب کو بھی اختیار ہے جو اصول چاہیں ان سے تسلیم کرائیں۔ اور تنازعہ فیہ آپ کا یہ دعویٰ ہو گا کہ مسیح جس کے آنے کی احادیث میں خبر ہے وہ آپ ہیں۔ خاکسار محمد حسن۔

(ماہنامہ اشاعت النہ۔ ج ۱۳۔ ص ۷۴۔ ۷۵)

☆ مرزا قادیانی نے جو اباً محمد حسن لدھیانوی کو لکھا:

مخدومی و مکرمی مولوی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ عاجز بسر و چشم تحریری

گفتگو کے لئے موجود ہے۔ اصول پیش کرنے کو بھی مانتا ہوں (اب تمہید اصول کو آپ مان گئے حالانکہ ایک سابقہ خط میں اس کو لغو قرار دے چکے تھے۔ یہ تسلیم صحیح اور دل سے ہے تو انکار سابق سے آپ کا عناد اور استخفاف اصول اسلام ثابت ہوتا ہے۔ اور اگر وہ انکار صحیح اور دل سے تھا تو اس تسلیم سے آپ پر التزام لغو کا الزام قائم ہوتا ہے۔ محمد حسین)۔ چند سوال آپ کی طرف سے، چند سوال میری طرف سے ہوں اور امر مجبوث عنہ وفات یا حیات مسیح ہوگا۔ کیونکہ اس عاجز کا دعویٰ اسی بنا پر ہے (الہام وفات مسیح کے مبنی اور اصل ہونے کے معنی دو بطن قائل ہیں۔ اصل وہی ہونے سے اگر یہ مراد ہے کہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا اس الہام وفات مسیح سے نکالا گیا ہے تو یہ محض بناوٹ ہے۔ آپ کو صرف وفات مسیح کا الہام ہوتا اور اس الہام سے اپنے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نکالتے تو آپ یہ بات کہہ سکتے تھے۔ اور جس حالت میں ان دونوں امر کی نسبت آپ الہام کے مدعی ہیں، اور یہ دونوں امر از قسم اخبار ہیں، جن میں ایک پسین گوئی دوسرا پیشین گوئی، نہ از قسم انشاء، امر یائنی، تو امر دوم کا امر اول پر مبنی اور اول کا اصل اور دوم کا فرع ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہ دونوں جدا جدا اور مستقل الہام ہیں جن میں سے ایک میں ایک امر گزشتہ کے وقوع کی خبر دی گئی ہے، کہ حضرت مسیح فوت ہو چکے ہیں، دوسرے میں امر آئندہ کی نسبت خبر ہے کہ آنے والا مسیح جس کی خبر احادیث میں وارد ہے، تو (یعنی مرزا) ہے۔ یا ایک زمانہ کے بعد ہوگا، جب مسلمان تجھے تسلیم کر لیں گے، جن میں نفاً واثباتاً تلازم نہیں ہے۔ کیونکہ اگر حضرت مسیح بن مریم کی وفات ثابت و مسلم ہو تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پھر مسیح موعود آپ ہیں۔ کیوں جائز نہیں کہ در صورت وفات مسیح ابن مریم، مسیح موعود کوئی اور ہو۔

اس صورت میں آپ کو مسیح موعود ہونے کیلئے دلائل قائم کرنے پڑیں گے۔ صرف وفات مسیح سے آپ اپنا مسیح ہونا ثابت نہ کر سکیں گے۔ اور اگر مسیح کا زندہ ہونا ثابت ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کا یہ الہام کہ آنے والا مسیح آپ ہیں، غلط ہو۔ اس صورت میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مسیح ابن مریم زندہ ہیں تو رہیں وہ کسی اور کام کیلئے ہونگے۔ جس مسیح کے نزول کا احادیث صحاح ستہ میں ذکر ہے اور ان کے عالمی شان کارناموں، قطع صلیب، وضع جزیرہ، قتل خنازیر وغیرہ، کا ان احادیث میں بیان ہے اس سے میں ہی مراد ہوں۔ آپ یہ بات نہ بھی کہیں تو کوئی اور نجری آپ کا حواری یہ بات کہہ سکتا ہے و بناء علیہ صرف حیات مسیح کے ثبوت سے اس دعویٰ کا، آپ کریں یا کوئی اور نجری، ابطل نہیں ہو سکتا بلکہ اس دعویٰ کے ابطل کے لئے دلائل پیش کرنے کی حاجت رہتی ہے۔ اس بیان سے صاف ثابت ہے کہ ان دونوں الہامات اور دعاوی میں نفاً واثباتاً تلازم نہیں ہے۔ اور ایک دوسرے کی فرع نہیں ہو سکتا مگر اس بات کے سمجھنے کیلئے علوم عقلیہ میں مداخلت بکار ہے۔ صرف جعلی اور خیالی الہاموں کے زور سے یہ سمجھ میں نہیں آسکتے۔ اور اگر الہام وفات مسیح کے اصل وہی ہونے سے یہ مراد ہے کہ الہام وفات الہام مسیح موعود ہونے کی شرط ہے جیسا کہ آپ کے خط نمبر ۱۲ میں آپ کے قلم سے نقل کیا ہے تو اس پر اس خط کے حواشی میں بحث ہوگی انشاء اللہ۔ محمد حسین)۔ جب یہ بناء ٹوٹ جاوے گی تو یہ دعویٰ خود ٹوٹ جاوے گا، اصل امر وہی ہے۔

اس وقت بارہ بجے تک مجھے باعث بعض نوح کے کاموں کے بالکل فرصت نہیں۔ بہتر ہے کہ آنکرم م عید کے بعد یعنی شنبہ کے دن کو بحث کے لئے مقرر کریں تا فرصت اور فراغت سے ہر ایک شخص حاضر ہو سکے (کیوں حضرت! یہ گریز نہیں، کنارہ کشی نہیں، فرار نہیں، ہزیمت نہیں، تو اور کیا ہے؟ اور اس کام سے بڑھ کر اہم اور ضروری کون سا کام آپ کو اس دن

پیش آگیا تھا؟ مسیح ہو جانے، اور اس کا ثبوت پیش کرنے سے بڑھ کر کوئی کام آپ کے لئے تھا تو آپ اس کو بیان کریں تاکہ ناظرین کو آپ کے اس عذر کا محض حیلہ و بہانہ نہ ہونا ثابت ہو۔ بعد عید، شنبہ کا دن آپ نے اس لئے مقرر کرنا چاہا تھا کہ آپ کو یہ علم ہو چکا تھا کہ ہمارا مناظر، یہ خاکسار، پٹیلہ کو تیار ہے اور وہ شنبہ تک لدھیانہ میں رہ نہیں سکتا۔ محمد حسین)۔ خاکسار غلام احمد۔ ۹ مئی ۱۸۹۱ء

(مکتوبات احمد۔ ج ۱ ص ۳۳۱؛ ماہنامہ اشاعت السنۃ خط کا نمبر ۱۱، ص ۷۵-۷۶، جلد ۱۳)

☆ جواباً شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بنالویؒ نے مولوی محمد حسنؒ سے لکھوایا:

لودہانہ۔ ۹ مئی ۱۸۹۱ء (نمبر ۳۷۰)۔ جناب مکرم مرزا صاحب۔

بعد سلام مسنون گزارش ہے۔ آپ کے اشتہار میں دونوں دعویٰ ہیں۔ مسیح کے فوت ہونے کا دعویٰ، اور آپ کے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ۔ ان دونوں دعاوی میں ایسا تلازم نہیں ہے کہ ایک کے ثبوت سے دوسرا دعویٰ ثابت ہو جائے جیسا کہ آپ کے خط میں مرقوم ہے۔ لہذا میں یہ چاہتا ہوں کہ پہلے آپ کے مسیح موعود ہونے میں بحث ہو، پھر حضرت ابن مریم کے فوت ہونے میں۔ آپ اشتہار میں یہ دونوں دعویٰ کر چکے ہیں تو اب دوسرے دعویٰ کی بحث سے کیوں اعراض فرماتے ہیں۔ آپ کو لازم ہے کہ بیان اشتہار کے مطابق دونوں دعاوی میں بحث کرنے کو مستعد رہیں اور ہماری اس تجویز کو، کہ پہلے آپ کے مسیح موعود ہونے میں بحث ہو، منظور کر لیں کیونکہ بحکم اصول مناظرہ ہم کو اختیار ہے کہ آپ کے جس دعویٰ پر چاہیں بحث کریں۔ ہاں آپ اپنے دوسرے دعویٰ سے دست بردار ہو جائیں اور اس امر کو بذریعہ تحریر ظاہر کریں تو ہم آپ کے اسی اول دعویٰ پر بحث کرنے کو تیار ہیں۔ مورخہ ۹ مئی ۱۸۹۱ء۔ احقر محمد حسن عفا اللہ عنہ

(ماہنامہ اشاعت السنۃ۔ جلد ۱۳۔ صفحہ ۷۸)

☆ جواباً مرزا قادیانی نے محمد حسن لدھیانویؒ کو لکھا:

مکرمی حضرت مولوی صاحب سلمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جناب آپ خوب جانتے ہیں کہ اصلی امر اس بحث میں جناب مسیح ابن مریم کی وفات یا حیات ہے اور میرے الہام میں بھی یہی اصل قرار دیا گیا ہے کیونکہ الہام یہ ہے کہ: مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تو آیا ہے (تذکرہ اڈیشن چہارم۔ ص ۱۲۸) (مولانا بنالویؒ لکھتے ہیں: یہ الہام ابھی گھڑا گیا ہے۔ اس سے پہلے تحریروں میں اس کا نام و نشان نہیں۔ اصل الہام یہ ہوتا تو فتح اسلام، توثیح مرام، جواب مباہلہ صوفی عبدالحق غزنوی مشہور پنجاب گزٹ سیالکوٹ ۲۸ فروری ۱۸۹۱ء، اور آپ کے جملہ خطوط اسی خاکسار میں اسکا ذکر کیا جاتا۔ ان تحریرات میں تو پہلا اور اصل الہام یہی بیان کیا گیا ہے کہ: آنیوالا، یا موعود مسیح، میں ہوں۔ وفات حضرت مسیح کا ذکر

تو مثلہ تحریرات مذکورہ بعض تحریرات میں اس کے بعد ضمناً وجمعاً ہوا ہے اور بعض میں اس سے تعرض ہی نہیں۔ چنانچہ حاشیہ خط نمبری ۳۷۱ میں یہ نقل عبارت سامی ثابت کیا جائے گا۔ یہ الہام اصل تھا تو ان تحریرات میں اس کو اصل واول کیوں قرار نہیں دیا گیا۔ کہیں اس کو اصل قرار دیا گیا ہے تو بتائیں کس تحریر میں؟ اور کب؟ حضرت! یہ من گھڑت الہام مشیت بعد از جنگ کا نمونہ ہے۔ آپ نے ہم پر ناحق یہ الزام لگا دیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ بدل دے دیا کہ آپ نے دعویٰ میجائی اور اسکے دلائل سابقہ کو مستہتر کرنے کے ایک مدت کے سکوت کے بعد یہ ایک نیا ہتھیار اٹھایا جس میں آپ کا وار خطا گیا۔ ہم نے اس کے مقابلہ میں یہ بات ثابت کر دکھائی کہ یہ اصل الہام نہیں ہے۔ من گھڑت ہے۔ محمد حسین (سو پہلا اور اصل امر الہام میں بھی یہی ٹھہرایا گیا ہے کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکا ہے۔ اب ظاہر ہے اور ہر عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ اگر آپ حضرت مسیح کا زندہ ہونا ثابت کر دیں گے تو جیسا کہ پہلا فقرہ الہام کا اس سے باطل ہوگا ایسا ہی دوسرا فقرہ بھی باطل ہو جائے گا کیونکہ خدا تعالیٰ نے میرے دعویٰ کی شرط صحت مسیح کا فوت ہونا بیان فرمایا ہے (یہ ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ آپ کا یہ الہام خدا کی طرف سے نہیں، ابھی گھڑا گیا ہے اور اگر ہم اس من گھڑت کو الہام فرض کریں اور خدا کی طرف سے مان لیں تو بھی اس سے وفات مسیح کا شرط اور آپ کے دعویٰ یا الہام مسیح موعود ہونے کا مشروط ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس الہام میں کوئی ایسا حرف شرط مذکور نہیں ہے اور نہ مقدر ہو سکتا ہے جس سے یہ شرطیت ثابت ہو اور اگر ترتیب عبارت سے اور خبر وفات مسیح کے اولاً پیشگوئی مسیح موعود ہونے سے ثانیاً مذکور ہونے سے یہ شرطیت نکالی گئی ہے تو محض بے خبری و نادانی پر مبنی ہے۔ ترتیب ذکر سے مذکور اول کا شرط اور مذکور دوم کا مشروط ظاہر گزرتا ثابت نہیں ہوتا۔ اور حرف، اور، یا، و، عاطف اس ترتیب کے مثبت نہیں ہوتے۔ کسی اہل علم سے پوچھ لیں اگر اس بات کو سمجھ نہ سکیں۔ اس شرطیت کو ثابت کرنے کے لئے اور الہام ہے تو اس کو پیش کریں مگر یاد رکھیں کہ جو من گھڑت الہام اس شرطیت کے ثبوت میں پیش کریں گے اس سے ہم بحول اللہ تو یہ شرطیت ثابت نہ ہونے دیں گے آپ جو مثال چاہیں پیش کر کے دیکھ لیں۔ یہ ہماری لیاقت کا اثر نہیں بلکہ آپ ہی کے ان الہامات کی کرامت ہے۔ آپ کے دونوں الہام اس قسم سے ہیں کہ ان میں ایک کا دوسرے کے لئے شرط ہونا محکم عقل ممکن نہیں اور کوئی عاقل سلیم الحواس اول کو دوسرے کے لئے شرط نہیں ٹھہرا سکتا۔ اس کی وجہ صاف اور صریح یہ ہے کہ شرط، جس سے کسی امر کے وقوع کو مشروط کیا جائے، کا منظم یا مخاطب کے نزدیک شکی ہونا ضروری ہے۔ اور جو امر یقیناً واقع اور موجود ہو اس کے وجود سے کسی واقعی امر کو مشروط و معلق نہیں کیا جا سکتا۔ اور آپ کا وہ الہام جس کو آپ نے پہلا الہام قرار دیا ہے ایک ایسے امر کے متعلق ہے جو اس الہام کی رو سے یقیناً واقع اور متحقق ہو چکا ہے اور اس کے وقوع اور وجود میں اس الہام کے سہم، بزع جناب خدا تعالیٰ، اور اس کے مخاطب، خود بدولت، کو شک نہیں ہے، لہذا اس امر واقعی اور متحقق الوقوع سے دوسرے الہام کو جس میں آپ کے مسیح موعود ہونے کی پیش گوئی ہے مشروط و معلق کرنا اور مثلاً یوں کہہ دینا، کہ اگر مسیح فوت ہو چکے ہیں تو پھر مسیح موعود تو ہے یا ہو جائیگا، جب مسلمانوں میں تسلیم کیا جائے گا، جائز نہیں ہے اور کسی عاقل سلیم الحواس سے اس کا صدور ممکن نہیں۔ کوئی عاقل سلیم الحواس آفتاب کے نصف النہار کو پہنچنے کے وقت، اگر مخاطب و منظم دونوں شہر چشم نہ ہوں اور آفتاب کی رویت وجود میں شک نہ رکھتے ہوں، یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر آفتاب نکلا ہے تو فلاں امر واقع ہے یا ہو جائے گا۔ کوئی ایسا کہے تو اس کو مانجھ لیا یا... بسیر یا میں جنتا سمجھا جائے گا۔ آپ علوم عقلیہ کومری ہوئی کیری کی مانند جانتے ہیں چنانچہ فتح اسلام کے صفحہ ۳۳ میں لکھ چکے ہیں، و بناء علیہ ان علوم سے واقف نہیں تو کیا تائب نحو میں بھی نظر نہیں رکھتے یا بھول گئے ہیں۔ محمد حسین) اور محکم اذا فوات الشرط فوات المشروط مسیح کی زندگی کے ثبوت سے دوسرا دعویٰ میرا خود ہی ٹوٹ جائے گا۔ ماسوا اس کے میرے دعویٰ مثیل مسیح میں کسی پر جبر و اکراہ تو

نہیں کہ خواہ نحوہ اس کو قبول کرو۔ صرف یہ کہا جاتا ہے کہ جس پر مسیح بن مریم کا فوت ہو جانا ثابت ہو جائے پھر وہ خدا تعالیٰ سے ڈر کر میری صحبت میں رہ کر میرے دعویٰ کی آزمائش کرے (فتح اسلام میں اپنے مسیح موعود ہونے کو آپ نے جبراً قبول کرنا چاہا اور اس سے انکار کرنے والوں کو خوب ڈرایا دھمکایا ہے۔ چنانچہ اس کے صفحہ ۱۰ میں آپ اپنا مسیح موعود ہونا بیان کر کے صفحہ ۱۱ میں فرماتے ہیں: بس ہر ایک (اس میں آپ نے یہ قید نہیں لگائی کہ جس پر حضرت مسیح کا فوت ہو جانا ثابت ہو) کو چاہیے کہ اس سے (یعنی آپ کے مسیح موعود ہونے سے) انکار کرنے میں جلدی نہ کرے تا خدا سے لڑنے والا نہ ٹھہرے۔ دنیا کے لوگ جو تاریک اور اپنے پرانے خیالات پر چمے ہوئے ہیں وہ اس کو قبول نہیں کریں گے مگر عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے جو ان کی غلطی ان پر ظاہر کر دے گا۔ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا تعالیٰ اسے قبول کرے گا اور بڑے زور اور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔،، اسی سلسلہ میں اور اسی دعویٰ مسیحائی کے بعد آپ صفحہ ۵-۵۸ میں اسی رسالہ کے لکھتے ہیں: جو مجھے چھوڑتا ہے، وہ اس کو چھوڑتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور جو مجھ سے پیوند کرتا ہے وہ اس سے کرتا ہے جس کی طرف سے میں آیا ہوں۔ میرے ہاتھ میں ایک چراغ ہے جو شخص میرے پاس آتا ہے ضرور وہ اس روشنی سے حصہ لے گا مگر جو شخص وہم اور بدگمانی سے دور بھاگتا ہے وہ ظلمت میں ڈال دیا جائے گا۔ اس زمانہ کا حسن حصین میں ہوں جو مجھ میں داخل ہوتا ہے وہ چوروں و قزاقوں اور درندوں سے اپنی جان بچائے گا۔ مگر جو میری دیواروں سے دور رہنا چاہتا ہے ہر طرف سے اسکو موت درپیش ہے اور اس کی لاش بھی سلامت نہیں رہے گی۔،، مگر اس مقام میں آپ لوگوں کو اپنے مسیح ہونے کی تسلیم و عدم تسلیم میں آزادی دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: میں اپنے مسیح موعود ہونے کے تسلیم و قبول پر کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ صرف یہ کہتا ہوں کہ جس پر مسیح ابن مریم کا فوت ہو جانا ثابت ہو وہ میری صحبت اختیار کر کے میرے دعویٰ مسیح موعود ہونے کی آزمائش کرے۔،، جو تجویف و ترہیب فتح الاسلام کے بالکل مخالف ہے۔ اب اگر اس آزادی کو دل سے سمجھا جائے تو وہ ذہنی فتح الاسلام کی لغو بلکہ مذکورہ ٹھہرتی ہے اور اگر وہ دھمکی دل سے ہے اور کچھ صحت و اصلیت رکھتی ہے تو یہ آزادی صرف دھوکہ دہی ہے۔ بہر حال وہ دھمکی اور یہ آزادی دونوں صحیح نہیں ہو سکتیں۔ اور دونوں میں سے ایک ضرور آپ کے صدق مقال اور استقامت حال کو بٹھکانی ہے۔ ہاں اگر آپ ایک میں غلطی یا خطا کا اقبال کر لیں تو اس الزام سے آپ بری ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ آپ سے نہ کہی ہو ہے اور نہ آئندہ ہوگا کیونکہ اس سے آپ کے خیال باطل و ادعا عاقل، بقطعیات الہامات، کو بٹھگتا ہے۔ اور یہ ہم سے نہیں ہو سکتا اور نہ ہوگا کہ آپ کی اس قسم کے مغالطات پر خاموش رہیں اور آپ کے دھوکے لوگوں پر ظاہر نہ کریں۔ محمد حسین۔ ص ۸۲-۸۳۔ ماہنامہ اشاعت السنہ ۱۳ حاشیہ) اب ظاہر ہے کہ پھر وفات و حیات پر قمرہ پڑا (یہ تب ہوتا جب آپ کا مسیح موعود ہونا الہام وفات مسیح سے مستنبط ہوتا یا وہ اس کے فرع اور یہ اس کی شرط ہو سکتا۔ ان باتوں کا بطلان حواشی سابق میں ظاہر ہو چکا ہے۔ محمد حسین)۔ بہر حال یہی امر حقیقی اور طبعی طور پر مجبوث عنہ اور متنازعہ فیہ ٹھہرتا ہے (ایسا تو پہلے تحریرات میں کیوں اس کو مجبوث عنہ قرار نہ دیا۔ مشتے کے بعد از جنگ یاد آید)۔

ماسوا اس کے آپ کی غرض دوسری بحث سے، جو آپ کے دل میں ہے وہ اس بحث سے بھی بخوبی حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ میں اقرار کرتا ہوں اور حلفاً کہتا ہوں کہ اگر آپ مسیح کا زندہ ہونا کلام الہی سے ثابت کر دیں تو میں اپنے دعویٰ سے دست بردار ہو جاؤنگا اور الہام کوشیطانی القاء سمجھ لونگا اور تو بہ کرونگا (تو بہ تو آپ مدت کی کر چکے ہیں اور بنا بر بیان حافظ محمد یوسف اس دعویٰ مسیح موعود ہونے پر خلوت میں پچھتاتے اور افسوس ظاہر کر چکے ہیں مگر بر طبق:

استاد امر گفتمی کہ تو توبہ کن من کنم دل کلند من چہ کنم

آپ کا دل نہیں مانتا کہ اس توبہ کا اظہار و عام استہتار دیں۔ کیونکہ اس میں کساد بازاری متصور ہے اور دکان بند ہوتی ہے۔ یہی سوچ کر آپ اپنے خط نمبری ۳۰ نمبری ۵ میں فرما چکے ہیں کہ یہ عاجز اس بصیرت اور علم سے اپنے تئیں نایاب نہیں کر سکتا جو حضرت احدیت جل شانہ نے بخشا ہے، پھر اس مقام میں اس علم و اعتقاد سے توبہ کرنے کا وعدہ فقرہ بازی اور دھوکہ دہی نہیں تو کیا ہوا؟ محمد حسین۔ اب حضرت! اس سے زیادہ کیا کہوں۔ خدا تعالیٰ آپ کے دل کو آپ سمجھاوے۔

مکر یہ کہ اول قرآن کریم کی رو سے دیکھا جائے گا کہ کس کس آیت کو آپ حضرت مسیح ابن مریم کے زندہ ہونے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اور اگر بغیر کسی جرح قدح کے وہ ثبوت آپ کا مسلم ٹھہرے گا تو بھلا پھر کس کی مجال ہے کہ اس سے انکار کر جائے۔ لیکن اگر قرآن شریف سے آپ ثابت نہ کریں گے تو پھر آپ کو اختیار ہوگا کہ بعد تحریری اقرار اس بات کے کہ قرآنی ثبوت پیش کرنے سے ہم عاجز ہیں اور احادیث صحیحہ غیر

متعارضہ کو اس ثبوت کیلئے آپ پیش کریں (یقید آپ نے ان احادیث صحیحہ کی رد و انکار کے لئے لگائی ہے جن میں حضرت مسیح کے حلیہ میں کسی قدر لفظی اختلاف و ظاہری تعارض پایا جاتا ہے جیسے ایک حدیث میں آپ کا رنگ گندم گوں ہونا مذکور ہے دوسری میں سرخ ہونا، مگر آپ کو یہ معلوم نہیں، اور کیونکر معلوم ہو جب آپ حدیث کے کوچے سے آشنا نہیں، کہ یہ تعارض اٹھایا گیا ہے۔ اور گندم گوں ہونا اور سرخ رنگ ہونا باہم متوافق ہو سکتے ہیں کہ گندم گوں سرخی کے ساتھ ہو، چنانچہ لاکھوں اشخاص ایسے نظر آتے ہیں کہ گندم گوں ہونے کے ساتھ سرخ رنگ بھی ہیں۔ آپ نے امام الآئمہ ابن خزیمہ کا یہ قول نہیں سنا کہ میں ایسی کوئی وحدتیں نہیں دیکھتا جو صحیح اسناد کے ساتھ آنحضرت ﷺ سے مروی ہوں اور وہ آپس میں متعارض رہیں یعنی جمع نہ ہو سکیں۔ جس کے پاس ایسی وحدتیں ہوں وہ میرے پاس لائے۔ میں ان کو باہم متوافق کر دوں۔ وقد روينا عن محمد بن اسحاق ابن خزيمة الامام انه قال لا اعرف انه روى حدیثان عن النبی ﷺ حدیثان باسنادین صحیحین متضادین فمن كان عنده فیاتیینی به لالف بینهما۔ علوم الحدیث المشورہ بمقدمہ ابن الصلاح) اور جب آپ ایسا ثبوت دے چکیں تو منصفین تراز و انصاف لے کر خود جانچ لیں گے کہ کس طرف پہلے ثبوت بھاری ہے۔ والسلام علی

من اتبع الهدی۔ راقم میرزا غلام احمد ۹ مئی ۱۸۹۱ء (مکتوبات احمد۔ ج ۳ ص ۳۳۲؛ اشاعت السنۃ جلد ۱ ص ۷۹۔ ۸۵)

☆ مولانا محمد حسین بٹالوی بتاتے ہیں کہ اس کا جواب خاکسار نے مولوی محمد حسن کی طرف سے لکھوایا:

(نمبر ۷۳) لودہا نہ۔ ۹ مئی۔ مکر می جناب مرزا صاحب۔ بعد از سلام مسنون گزارش ہے: ۱۔ آپ نے یہ الہام کسی رسالہ میں بایں الفاظ و ترتیب نقل نہیں کیا۔ کہیں منقول ہے تو بتائیے۔ ۲۔ اس الہام کے الفاظ سے اگر اس کو تسلیم کر لیا جاوے تو نہ شرطیت ثابت ہے، نہ دونوں الہاموں کا تلازم۔ ۳۔ آپ نے جملہ تحریرات و



اشتہارات میں یہ دونوں مستقل دعویٰ کئے ہیں (اپنے رسالہ فتح الاسلام میں جو آپ کے دعویٰ کا مفتح ہے چار صفحات، نمبر ۱۰، ۱۵، ۱۷، ۲۳، میں آپ نے مسج موعودہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ان چاروں صفحات میں کہیں آپ نے یہ دعویٰ نہیں کیا، جس کو اب اصل دعویٰ بتایا جاتا ہے، کہ حضرت مسج فوف ہو چکے ہیں۔ اس رسالہ میں صرف ایک اور جگہ، ص ۳۵، میں حضرت مسج کے فوت ہونے کا ذکر ہے سو بھی نہ بطور مستقل دعویٰ بلکہ اس اجنبی بیان کے ضمن میں کہ لوگ میرے ساتھ ہاستہزاء پیش آویں تو کوئی افسوس کا مقام نہیں کیونکہ مجھ سے پہلے نبیوں سے بھی ٹھٹھا ہوا ہے۔ اور اس کی تنظیر میں ذکر ہوا اور یہ کہا گیا ہے کہ ایک دفعہ اس کو اپنے زعم میں صلیب پر چڑھا کر قتل کر دیا مگر چونکہ ہڈی نہیں توڑی گئی تھی اس لئے وہ ایک خوش اعتقاد اور نیک آدمی کی حمایت سے بچ گیا اور بقیہ ایم زندگی بسر کر کے آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔ اور اس سے پہلے صفحہ ۱۰ میں بھی ایک تمثیل کے ضمن میں کہا گیا ہے کہ مسج کی روح ہیرودیس کے عہد حکومت میں بہت تکلیف کے بعد آسمان کی طرف اٹھائی گئی۔ مگر اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ روح بلا جسم اٹھائی گئی یا معہ جسم اور نسا میں اور بیان صفحہ ۲۵ میں کہیں یہ تصریح ہے کہ ان دو مقاموں میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ الہام ہے یا الہام مسج موعودہ ہونے کی شرط یا اس کا ثبوت یا اصل ہے۔ ان دو مقاموں کے سوا اور رسالہ میں حضرت مسج کی موت کا کہیں ضمنی اور تہی و تنہی اور ذکر بھی نہیں ہے۔ اور آپ کے دوسرے رسالہ توضیح مرام میں ایک جگہ صفحہ ۸ حضرت مسج کے فوت ہوجانے کا ذکر ہے سو بھی نہ بطور بیان الہام اور نہ بطور دعویٰ بلکہ دعویٰ عدم نزول حضرت مسج ابن مریم کے ثبوت پر ایک دلیل کے ضمن میں بیان ہوا ہے چنانچہ پہلے صفحہ ۷ عیسائیوں پر ان کے قرارداد اور ان کے اعتقاد کے مطابق یہ الزام قائم کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بہشت میں داخل ہو چکے ہیں اور جو بہشت میں داخل ہوتا ہے وہ پھر اس سے خارج نہیں ہوتا۔ پھر صفحہ ۸ لکھا ہے کہ قرآن شریف میں اگرچہ حضرت مسج کے بہشت میں داخل ہونے کا یہ تصریح کہیں ذکر نہیں ہے لیکن ان کے وفات پا جانے کا تین جگہ ذکر ہے اور مقدس بندوں کے لئے وفات پانا اور بہشت میں داخل ہونا ایک ہی حکم میں ہے۔ اور اس کے مقابل دعویٰ مسج ہونے کو بلا استقلال بیان کیا اور اس کو الہام قرار دیا ہے چنانچہ شروع رسالہ میں صفحہ ۱ پر لکھا ہے: اور نیز یہ بھی میں بیان کر چکا ہوں کہ اس نزول سے درحقیقت مسج ابن مریم کا نزول مراد نہیں بلکہ استعارہ کے طور پر ایک مسج کے آنے کی خبر دی گئی ہے جبکہ مصداق حسب الہام و اعلام الہی یہی عاجز ہے۔ ان دونوں مقام کے بیان کو ادنیٰ توجہ و انصاف کے ساتھ دیکھنے سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ دعویٰ میحائی آپ کا اصل اور پہلا اور مستقل دعویٰ ہے اور دعویٰ وفات مسج دعویٰ عدم نزول حضرت مسج کی دلیل کا ایک جزو یا مقدمہ ہے۔ و بس۔ اور آپ کی تیسری تحریر، جو اب مابلہ صوفی عبدالحق غزنوی جو پنجاب گزٹ سیالکوٹ ۲۸ فروری ۱۸۹۱ء میں شائع ہوئی ہے، میں بھی اصل اور پہلا الہام اسی دعویٰ مسج موعودہ ہونے کو قرار دیا گیا ہے۔ اور دعویٰ وفات مسج کو اس الہام کے بعد بیان کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: یہ بات سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی و الہام سے میں نے مثیل مسج ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور یہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے کہ میرے بارہ میں پہلے سے قرآن شریف اور احادیث نبویہ میں خبر دی گئی ہے اور وعدہ دیا گیا ہے۔ سو میں الہام کی بنا پر اپنے تئیں وہ موعود مسج سمجھتا ہوں جس کو دوسرے غلط فہمی کی وجہ سے مسج موعودہ کہتے ہیں... لیکن میرے پر کھول دیا گیا ہے کہ مسج ابن مریم جس پر انجیل نازل ہوئی تھی فوت ہو چکا ہے۔ اور اپنی چوتھی تحریر، اشتہار ۲۶ مارچ ۱۸۹۱ء میں اور پانچویں تحریر، اشتہار ۳۱ مئی ۱۸۹۱ء میں گو دعویٰ وفات حضرت مسج کو آپ نے اولاً، اور دعویٰ مسج موعودہ ہونے کو ثانیاً ذکر کیا ہے مگر اس ذکر و بیان میں ایسا کوئی لفظ یا حرف آپ کی قلم سے نہیں نکلا جس سے دعویٰ اول کا اصل یا شرط ہونا اور دعویٰ دوم کا کفر یا مشروط ہونا ثابت ہو، بلکہ ان دونوں تحریروں میں یہ دونوں دعوے آپ نے مستقل طور پر کئے ہیں۔ اور دونوں کی نسبت الہام ہونے کا دعویٰ آپ کی کلام میں موجود ہے۔ اور آپ کے جملہ خطوط میں جو شانہ السنہ جلد ۱۲ نمبر ۱۱ میں شائع ہوئے ہیں حضرت مسج کی وفات کا ذکر و نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ بلکہ ہمارے اس استہتام انکاری کے مقابلہ میں کہ کیا آپ مسج موعودہ ہیں؟ آپ کا یہی دعویٰ و اقرار مقرر رہا ہے کہ میں مسج موعودہ ہوں۔ اپنے خط نمبر اول میں آپ نے یہ مجمل اقرار کیا ہے۔ اور خط نمبر ۶ میں آپ نے یہ فرمایا ہے: مگر جو خدا تعالیٰ نے اس عاجز پر کھولا ہے صرف اتنا ہے کہ یہ عاجز روحانی طور پر مثیل مسج ہے اور روحانی طور پر موعود بھی

ہے۔ اور نیز یہ کہ کوئی مسیح آسمان سے خاکی وجود کے ساتھ اترنے والا نہیں۔، اور آپ کے خط نمبر ۸ و ۹ میں جو نمبر ۳ جلد ۱۳ میں منقول ہیں، گو وفات حضرت مسیح کا ذکر بھی ہوا ہے مگر اس کو بھی آپ نے اصل اور پہلا دعویٰ قرار نہیں دیا۔ بلکہ پہلا دعویٰ آپ کا وہی مسیحائی ہے۔ اور دعویٰ وفات مسیح دوسرا دعویٰ جو علاوہ یا ضمیمہ جس کو بلاغ نیز، اور، ساتھ ہی اس کے، شروع کیا ہے، ہے۔ خط نمبر ۸ میں آپ یہ کہتے ہیں: میں مثیل مسیح ہوں اور نیز حضرت مسیح بن مریم درحقیقت وفات پا گئے ہیں۔، اور خط نمبر ۹ میں لکھتے ہیں: میں مثیل مسیح ہونے کا مدعی ہوں اور ساتھ اس کے یہ بھی کہتا ہوں کہ حضرت مسیح بن مریم درحقیقت فوت ہو چکے ہیں۔، آپ کی ان تصریحات و عبارات کا جن کا خلاف پہلے کہیں نہیں پایا گیا۔ احمق سے احمق اور بلبید سے بلبید، بشرطیکہ وہ کچھ انصاف و ایمان رکھتا ہو اور آپ کی حب میں اندھانہ ہو گیا ہو، سمجھ سکتا ہے کہ دعویٰ مسیحائی آپ کا پہلا اور اصل اور مستقل دعویٰ ہے اور دعویٰ وفات مسیح اصل اور اول دعویٰ نہیں ہے۔ اور جو الہام اس مقام میں گھڑ لیا اور اس کو اصل قرار دیا ہے، تجربات سابقہ میں اس کا کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ محمد حسین) بلکہ اپنے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ آپ کا پہلا دعویٰ ہے۔ اب آپ اس دعویٰ کو پہلے دعویٰ کی فرع اور اس کے تابع قرار دیتے ہیں تو صاف الفاظ سے کہیں کہ ہم نے اس دعویٰ کو مستقل ٹھہرانے میں غلطی کی ہے۔ اس اقرار کے بعد آپ کا فرض ہوگا کہ اولاً آپ دعویٰ وفات مسیح کو دلائل سے ثابت کریں۔ پھر ہم اس دعویٰ میں کلام کریں گے انشاء اللہ۔ خاکسار محمد حسن

( ماہنامہ اثنا عشریہ - جلد ۱۳ - ص ۸۵ تا ۸۸ )

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حسین بیالوی بتاتے ہیں کہ:

اس خط کا جواب دینے سے مرزا صاحب نے صاف انکار کر دیا اور یہ کہا کہ میں بار بار کیا لکھوں۔ اور ایک ہی بات کا اعادہ کہاں تک کروں۔ اور ۹ مئی سے ۲۷ مئی تک ہمارے جواب و خطاب سے سکوت کیا جس سے اکثر احباب اولی الالباب فریقین کو یقین ہو گیا کہ مرزا صاحب نے اپنے دعویٰ مسیحائی سے گریز، اور ادعاء مباحثہ سے فرار اختیار کیا لہذا آئندہ مباحثہ موقوف ہوا۔ آخر جب بعض احباب سکنائے ریاست پٹیالہ نے آپ کے پاس پہنچ کر اس گریز و فرار کے سبب آپ کو منفعل کر کے مباحثہ پر مجبور کیا تو آپ نے نہ کر ہاؤ جبراً پھر مباحثہ پر اپنے آپ کو آمادہ کیا۔ اور ۲۷ مئی کو مولوی محمد حسن صاحب رئیس لودھانہ کے نام ایک خط لکھا جس میں دعویٰ مسیحائی میں مباحثہ کرنے کو منظور کیا۔ مگر اس میں بھی ایک راستہ گریز کا رکھ لیا اور یہ تحریر کر دیا کہ درمیانی شروط کا تصفیہ مباحثہ سے ایک روز پیشتر ہوگا۔ اور اپنی مراسلت ما قبل ۲۷ مئی کو اخبار پنجاب گزٹ سیا لکوٹ ۳۰ مئی ۱۸۹۱ء کے ضمیمہ میں چھپوایا اور اس میں ایک تو دیانت و امانت کا کام کیا کہ ہمارے آخری خط نمبر ۱۷۲ کو نہ چھپوایا۔ دوسرا تہذیب و روحانیت کا کام کیا کہ ایڈیٹر اخبار سے خوب تبرا کہلایا اور آئندہ کی مخالفت پر زیادہ تہرہ

کہنے کا ڈر سنایا۔

ہر چند آپ کے دو دفعہ کے فرار (پہلی دفعہ آپ نے خط نمبری ۱۰ میں فرار اختیار کیا، دوسری دفعہ ہمارے خط نمبر ۱۷۱ کے جواب میں اعراض فرما کر اور حال رقعہ کو یہ کہہ کر کہ ایک ہی بات کا میں کہاں تک اعادہ کروں۔ محمد حسین) اور تین ہی دفعہ کی تمبر بازی (پہلی دفعہ اشتهار ۲۶ مارچ میں، دوسری دفعہ رسالہ قول فصیح میں، دیکھو اس کا صفحہ ۵۳ وغیرہ۔ تیسری دفعہ صمیمہ اخبار سیالکوٹ میں۔ محمد حسین) پر آپ اس امر کے مستحق نہ تھے کہ آپ کے دعویٰ مباحثہ کی اجابت کی جاتی یا کسی مضمون کی آپ سے خط و کتابت عمل میں آتی مگر صرف مسلمانوں کی نصیحت اور ہدایت اور آپ کے مغالطات سے ان کی صیانت کی نیت سے آپ کی دعوت مباحثہ کو قبول کیا گیا۔ اور ۲۹ مئی کو خط منٹمن منظوری مولوی محمد حسن کے نام لکھا گیا۔ اور اس میں آپ کے گریز کا راستہ بھی بند کر دیا گیا۔ اور یہ معروض ہوا کہ جو شرائط اب مباحثہ سے ایک دن پہلے طے کرنا چاہتے ہیں وہ آپ سے طے کر لیں ایسا نہ ہو کہ عین موقع پر کسی شرط کی نامنظوری کے عذر سے پھر فرار وقوع میں آوے

(ماہنامہ اشاعت السنہ۔ ج ۱۳ ص ۸۹۔ ۹۰)

☆ وہ خط مرزا صاحب انسٹی مولوی محمد حسن لدھیانوی کا یہ ہے:

مخدومی کرمی اخویم حضرت مولوی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اس عاجز کی گذارش یہ ہے کہ اب فتنہ مخالفت ہر جگہ بڑھتا جاتا ہے اور مولوی محمد حسین صاحب جس جگہ پہنچتے ہیں یہی وعظ شروع کی ہے کہ یہ شخص ملحد اور دین سے خارج اور کذاب اور دجال ہے۔ میں نے اول نرمی سے یہ عرض کیا تھا (محض دروغ ہے۔ سچے ہوتو بتاؤ کس خط میں، کس تحریر میں؟ محمد حسین) کہ میرا مسیح ہونے کا دعویٰ یعنی براہم ہے اور جو امور محض الہام پر مبنی ہوں وہ زیر بحث نہیں آسکتے بلکہ خدا تعالیٰ ان کی سچائی آپ ظاہر کرتا ہے۔ ہاں! مسیح کی وفات و حیات کا مسئلہ گو میرے الہام کا اصل الاصول ہے (مطلبش دین تامل) مگر بباعث ایک شرعی امر ہونے کے زیر بحث آسکتا ہے اور اگر مسیح کی زندگی ثابت ہو جائے تو میرا دعویٰ مؤخر الذکر خود ہی ٹوٹ جاتا ہے (بالکل غلط اور مغالطہ ہے۔ محمد حسین) لیکن یہ عرض میری منظور نہیں کی گئی اور اصل حقیقت کو منحرف کر کے منشی سعد اللہ صاحب نے جو چاہا چھپوادیا اور لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے کی کوشش کی۔ اور میرے پر یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ وہ لیلیۃ القدر سے منکر ہیں اور اس کے خلاف اجماع معنی کرتے ہیں۔ اور یہ بھی الزام لگایا جاتا ہے کہ ملائکہ کے وجود کے منکر ہیں اور

ملائکہ کو صرف قوتیں سمجھتے ہیں حالانکہ یہ سارے الزام محض بہتان ہیں (جو کچھ محی نشی سعد اللہ نے لکھا ہے آپ کی کلام میں موجود ہے۔ پھر دعویٰ بہتان سراسر طوفان نہیں تو کیا ہے۔ محمد حسین)۔ یہ عاجز اسی طرح ان سب باتوں پر ایمان رکھتا ہے جو قتال اللہ و قتال الرسول سے ثابت ہیں اور سلف صالحین کا گروہ ان کو مانتا ہے (محض کذب و صریح مغالطہ ہے۔ سلف صالحین سے ایک شخص بھی آپ کے خترغات کا قائل نہیں۔ محمد حسین) سو اس وقت مجھے خیال ہے کہ میرا ہر حال میں خدا ناصر ہے (نہیں نہیں، آپ کے خترغات کا خدا ناصر نہیں ہے وہ اپنے دین کا ناصر ہے۔ محمد حسین)۔ مجھے ہر طرح سے اتمام حجت کرنا چاہیے۔ لہذا مکلف ہوں کہ میں نے مولوی محمد حسین صاحب کی یہ درخواست بھی منظور کی کہ مسیح موعود میں بحث کی جائے (آنچہ دانا کند ناداں، یک بعد از نبی بسیار۔ محمد حسین) مگر بحث تحریری ہوگی اور تحریر میں کسی دوسرے کا ہرگز دخل نہیں ہوگا کیونکہ اب میں ایک مجبور کی طرح آدمی ہوں۔ میرے ہاتھوں کی طرح کسی دوسرے کے ہاتھ یہ کام نہیں کریں گے۔ مولوی محمد حسین صاحب بھی اپنے ہاتھ سے لکھیں اور میں اپنے ہاتھ سے لکھوں گا۔ درمیانی شرائط کا تصفیہ بحث سے ایک دن پہلے ہو جائے لیکن بحث سے دس روز پہلے مجھے خبر ملنی چاہیے تاکہ لوگ جو شکوک شہادت میں غرق ہو گئے ہیں ان کو بذریعہ خطوط و اشتہارات میں بلا لوں اور تا اس بحث سے ایک عام نفع مترتب ہو اور ہر روز کا جھگڑا طے ہو جائے۔ آپ پر یہ فرض ہے کہ آپ براہ مہربانی آج مولوی محمد حسین صاحب کو اطلاع دے دیں اور بحث سے دس دن پہلے مجھے بھی مطلع فرمادیں۔ والسلام۔ خاکسار غلام احمد۔ ۲۷ مئی ۱۸۹۱ء۔

(مکتوبات احمد۔ ج ۱۔ ص ۳۳۳-۳۳۲ مکتوب نمبر ۱۷؛ اشاعت السنہ جلد ۱۳ ص ۹۱-۹۳ مکتوب نمبر ۱۳)

☆ مولانا محمد حسین بٹالوی بتاتے ہیں کہ اس خط کا جواب خاکسار نے محی مولوی محمد حسن سے لکھوایا:

مکرمی جناب مرزا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جناب کے خط مورخہ ۲۷ مئی (۱۸۹۱ء) سے جناب مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب کو اطلاع دی گئی۔ مباحثہ کیلئے آپ جو تاریخ مقرر کریں گے اس پر مولوی صاحب کو تیار سمجھیں۔ لیکن شرائط کیلئے جو آپ نے لکھا ہے کہ، درمیانی شرائط کا تصفیہ ایک دن پہلے ہو جائے، وہ اس کو منظور نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ شرائط کا تصفیہ بھی پہلے ہو جانا چاہیے اور ابھی بذریعہ تحریر شرائط کو ٹھیک کر لینا چاہیے۔ اسلئے گزارش ہے کہ:

۱۔ میرے مکان پر بحث ہو۔ اپنے مکان پر انتظام کا میں خود ذمہ ہوں۔

۲- تحریر طریفین اپنے اپنے ہاتھ سے کریں یا کوئی نو لیسندہ مقرر کریں اس میں اختیار ہے۔

۳- اپنا دعویٰ مع دلائل پیش کریں، اور اس پر جانب ثانی جو جواب دینا چاہیں دیں۔

۴- ختم بحث و کلام کیلئے کوئی حاضرین سے منصف ہو جائے کسی کی منصفی منظور نہ ہو تو جو فریق چاہے کلام قطع کر دے اور منصفی کو ناظرین پر چھوڑ دے۔

آپ جو شرائط اور مناسب سمجھیں، اس سے اطلاع دیں یا ان میں کوئی تغیر و تبدل چاہیں تو لکھیں۔

۵ جون ۱۸۹۱ء۔ خاکسار محمد حسن عفا اللہ عنہ۔ (ماہنامہ اشاعت السنہ۔ جلد ۱۳۔ ص ۹۲-۹۵)

☆ مرزا قادیانی نے جواباً محمد حسن لدھیانویؒ کو لکھا:

مخدومی مکرہی حضرت مولوی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ پہنچا

۔ شرائط مندرجہ ذیل ہونی چاہئیں۔

۱- جلسہ بحث آپ کے مکان پر ہو اور امن قائم رکھنے کے لئے تمام انتظامات آپ کے ذمہ ہوگا۔ یہ بات قریب یقین کے ہے کہ چھ سات ہزار آدمی تک اس جلسہ میں جمع ہو جائیں گے۔ ایسا مکان تجویز کرنا آپ ہی کے ذمہ ہوگا۔ میرے نزدیک یہ بات نہایت ضروری ہوگی کہ کوئی یورپین افسر اس جلسے میں ضرور تشریف رکھتے ہوں کیونکہ اس طرف چند آدمی اور دوسری طرف صد ہا آدمی ہوں گے اور اکثر بد زبان اور مکفر ہوں گے۔ بغیر حاضری کسی یورپین کے ہرگز انتظام نہیں ہو سکتا لیکن اگر آپ کے نزدیک یورپین افسر کی ضرورت نہیں تو اول مجھے اپنی دستخطی تحریر سے مطلع فرما دیجئے کہ میں کامل انتظام گروہ مفید خیال لوگوں کا کرونگا اور ان کا منہ بند رہے گا اور کسی یورپین افسر کی کچھ ضرورت نہیں ہوگی۔ اس صورت میں میں یہ شرط چھوڑ دوں گا پھر اس تحریر کے بعد ہر ایک نتیجے کے آپ ہی ذمہ دار ہوں گے۔

۲- بحث تحریری ہو، ہر ایک فریق کے اپنے ہاتھ سے لکھے اور جو لکھنے سے عاجز ہو وہ اول یہ عذر ظاہر کرے کہ میں لکھنے سے عاجز ہوں، دوسرے کو لکھا دیوے۔ کیونکہ اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا اول درجے پر سند کے لائق ہوتا ہے اور دوسروں کی تحریریں اگرچہ تصدیق کی جائیں مگر پھر بھی اس درجے پر نہیں پہنچتیں کیونکہ ان میں تحریف کا تب

کا عذر ہو سکتا ہے (بعد تصدیق و ملاحظہ یہ عذر ناممکن ہے۔ محمد حسین)

۳۔ پرچے پانچ ہونے چاہئیں۔ جو صاحب اول لکھے ایک زائد پرچہ ان کا حق ہے اور مولوی محمد حسین صاحب کو اختیار ہوگا چاہیں وہ پہلا پرچہ لکھنا منظور کر لیں یا اس عاجز کا لکھنا منظور رکھیں (یہ امر آپ نے اب منظور کیا۔ خط نمبر ۹ میں اس سے اصرار کے ساتھ انکار تھا۔ یہاں سے آپ کی وقعت رائے کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ محمد حسین) جس طرح پسند کریں مجھے منظور ہے۔

۴۔ ہر ایک پرچہ فریقین کی، ایک ایک نقل بعد دستخط صاحب راقم فریق ثانی کو اسی وقت بلا توقف دی جاوے (جب تحریر کا دستخطی ہونا قرار پایا تو پھر شرط دستخط کے کیا معنی۔ آپ کی رائے کو ناظرین دیکھیں۔ محمد حسین) اور پھر جلسہ عام میں وہ پرچہ باواز بلند سنا دیا جاوے۔

۵۔ اس بحث میں تقریر یا تحریر کسی تیسرے آدمی کا دخل نہ ہوگا۔ نہ تصریحاً، نہ اشارتاً، نہ کنایتاً۔ اور جلسہ بحث میں کسی کتاب سے مدد نہ لی جائے بلکہ جو کچھ فریقین کو زبانی یاد ہے وہ لکھا جاوے تاکہ تصنع اور تکلف کو اس میں دخل نہ ہو (یہ صرف بہانہ اور بناوٹی علت ہے۔ کتاب سے نقل پیش کرنے میں تکلف کیا ہے اور تصنع کیا؟ منصفین انصاف کریں۔ محمد حسین)۔

لیکن اگر کوئی فریق یہ ظاہر کرے کہ میں بغیر کتابوں کے کچھ نہیں لکھ سکتا تو پہلے یہ تحریری اقرار اپنی عجز بیانی کا دے کر پھر اسے کتاب سے مدد لینے کا اختیار ہوگا۔

۶۔ اگر کوئی فریق بعض امور تمہیدی قبل از بحث پیش کرنا چاہے تو فریق ثانی کا بھی اختیار ہوگا کہ ایسے ہی تمہیدی امور وہ بھی پیش کرے (یہ بھی بعد از خرابی بسیار منظور ہوا۔ خط نمبر ۹ میں تو آپ اصول تمہیدی کو لغو کہہ چکے ہیں۔ آپ کی متانت اور استقلال رائے کو دیکھنا چاہیے۔ محمد حسین)۔ مگر دونوں کی طرف سے یہ تمہیدی امور ایک ایک پرچہ پر تحریری طور پر پیش ہونگے۔ ایسے پرچہ کی نسبت فریقین کو اختیار ہوگا کہ جو پہلے لکھا رکھا وہی پیش کر دے لیکن دوسری تمام تحریر و برو جلسہ کے ہوگی۔ کوئی تحریر اپنے گھر سے لکھی ہوئی پیش نہیں کی جائے گی۔

۷۔ بحث صبح کے چھ بجے سے دن کے گیارہ بجے تک ہوگی اور اگر ایک جلسہ کافی نہ ہوگا تو پھر دوسرے جلسے میں اور اگر دوسرا بھی کافی نہ ہو تو تیسرے دن تک ہو سکتی ہے۔

۸۔ پرچوں کی تحریر کا وقت مساوی ہونا چاہیے۔

۹۔ بحث کے دن سے دس روز پہلے ہمیں اطلاع ہونی چاہیے کیونکہ اس بحث کے دیکھنے کیلئے دور دور سے لوگ آنے والے ہیں۔

۱۰۔ بحث جلسہ عام میں ہوگی (یہ عبت تکرار ہے شرط اول میں عموم جلسہ آ گیا ہے۔ محمد حسین) اور یہ عاجز اپنے دوستوں کو اطلاع

دینے کے لئے ایک اشتہار چھاپ کر شائع کرے گا اور فریق ثانی کا اختیار ہوگا، چاہے وہ بھی اشتہار شائع کرے یا نہ کرے۔

۱۱۔ حاضرین کی منصفی کی کچھ ضرورت نہیں اور نہ ہوسکتی ہے بلکہ دونوں فریق کی تحریریں اخبارات اور اشتہارات کے ذریعے سے پبلک کے سامنے رکھی جائیں گی۔ تب عام طور پر خود انصاف کر لیں گے۔

راقم۔ مرزا غلام احمد عفی عنہ از لودھیانہ محلہ اقبال گنج۔ ۶ جون ۱۸۹۱ء

(مکتوبات احمد۔ ج ۱ ص ۳۳۵-۳۳۶۔ مکتوب نمبر ۱۸۱: اشاعت السنہ ۱۳ ص ۹۶ تا ۹۷ مکتوب نمبر ۱۱۳)

☆ شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالوی بتاتے ہیں نے مولوی محمد حسن لدھیانوی سے یہ جواب لکھوایا:

مکرمی جناب مرزا صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ خط مورخہ ۶ جون ۱۸۹۱ء میں جو شروط جناب نے پیش کی ہیں ان میں سے اکثر شروط فاسدہ ہیں (جن سے آپ کا مناظرہ سے گریز ثابت ہوتا ہے۔ آپ کو مناظرہ منظور نہیں تو ٹی کی آڑ میں کیوں شکار کھینچتے ہیں صاف انکار کیوں نہیں کرتے۔ محمد حسین)

آپ کی پہلی شرط کہ مکان چھ سات ہزار آدمی کے لائق ہو اور پھر ذمہ داری خاکسار کی طرف سے ہو، ناقابل قبول شرط ہے۔ میں نے صرف اپنے مکان میں ذمہ داری کا وعدہ کیا ہے اور میرے مکان میں جس قدر آدمیوں کی گنجائش ہے جناب کو معلوم ہے۔ پھر میں اس شرط کو کیونکر قبول کر سکتا ہوں۔ آپ میری تحریر سابق کے خلاف یہ شرط بڑھاتے اور چھ سات ہزار کی جمیعت کا مکان تجویز کرنا چاہتے ہیں تو خود کریں اور خود ہی ذمہ دار امن اس اثراہام کے بنیں۔ یورپین افسر کو بلاویں یا پولیس سے کام لیں، اور اگر خاکسار کی ذمہ داری منظور خاطر سامی ہے تو آپ اس بے فائدہ اور عسیر الوقوع شرط کو جانے دیں اور صرف چند آدمی (جیسا کہ جناب خط میں لکھتے ہیں) ہمراہ لے کر خاکسار کے مکان پر آنا منظور فرماویں۔ مگر پہلے ان آدمیوں کی فہرست مرتب کر کے میرے پاس بھیج دیں یا (اگر منظور نہ ہو) تو خاص ان کی طرف سے فساد و قوع میں نہ آنے کے آپ ذمہ دار ہوں۔ جانب ثانی کی جمیعت کا مجھے اختیار ہے، میں چاہوں اور مطمئن نہ ہوں تو ایک کو بھی اپنے مکان میں نہ آنے دوں، اور چاہوں تو چند معزز ذی وقار اشخاص کو جن کی طرف سے مطمئن ہوں آنے دوں۔ اس صورت میں جناب کو اس مضمون کی دستاویز دے سکتا ہوں کہ اس جانب سے کوئی شخص شر و فساد نہ کریگا۔

شرط نمبر دوم میں جب کہ فریقین کی تحریرات کا پڑھا جانا اور ان پر فریقین کے دستخطوں کا ثبت ہونا آپ نے تجویز کیا ہے، تو پھر تحریف کا امکان کہاں رہتا ہے۔ ومعہذا حسب درخواست آپ کی یہ شرط منظور ہے۔ (یہ شرط بھی ایک گریز کا بہانہ تھا مگر ہم نے ذہیل دینے کی غرض سے اس کو منظور کر لیا۔ محمد حسین)

آپ کی تیسری اور ساتویں شرط کسی طرح قابل تسلیم نہیں۔ اور کوئی اہل علم قبول نہ کرے گا (کیونکہ وہ صریح مغالطے پر مبنی ہیں اور گریز کا ایک بہانہ۔ ایسی شروط کو وہ شخص پیش کرے گا جس کو مباحثہ منظور نہ ہوگا۔ محمد حسین)۔ جناب من! ایسے مشکل مسائل کی بحث کا دو دو سوال و جواب میں اور محدود اوقات و ایام میں طے ہونا عادتاً محال ہے۔ مباحثہ سے مقصود تحقیق و اظہار حق ہے نہ مغالطہ۔ ہمارے اور ہر ایک منصف طالب تحقیق کے نزدیک نہ ایام کی تعیین ہونی چاہیے نہ تعداد سوالات و جوابات۔ بلکہ جس قدر سوال و جواب فریقین چاہیں اور جس قدر ایام میں مباحثہ تمام ہو، کیا جاوے جب تک کوئی فریق کہنے سننے کی گنجائش پاوے کہتا سنتا جائے۔ اور جب وہ دیکھے کہ فریق ثانی کج بجھی کرنے لگا ہے، جس کے جواب سے تعرض ضروری نہیں تو وہ اس وقت اپنی کلام کو قطع کر دے اور انصاف کو سامعین و ناظرین پر چھوڑ دے۔

شرط پنجم میں جو آپ نے لکھا ہے کہ فریقین جو کچھ لکھیں زبانی یاد سے لکھیں، کتاب کی طرف رجوع نہ کریں، قابل قبول نہیں (یہ شرط آپ کے گریز پر روشن دلیل ہے۔ آپ سے اس شرط کا ایفاء ممکن ہے کیونکہ آپ کا علم صرف خیالی ہے۔ لہذا جو کچھ آپ کے خیال میں آتا ہے اس کو آپ تحریرات میں درج کر دیتے ہیں اور کسی کتاب سے شہادت پیش نہیں کرتے۔ چنانچہ آپ کے رسائل فتح الاسلام و توضیح المرام اس پر شاہد ہیں۔ آپ کے مقابل اس امر کو جائز نہیں سمجھتے اور کوئی بات ایسی پیش کرنا نہیں چاہتے جس پر عبارت کتاب کی شہادت نہ ہو۔ وہ اس شرط کو کیونکر پورا کر سکتے ہیں۔ محمد حسین)۔ مقابل اپنی تحریر میں کوئی ایسی بات لکھنا نہیں چاہتے جس میں ان کا سلف سے کوئی امام نہ ہو۔ لہذا ان کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی ہر ایک بات پر شہادت کتب پیش کریں اور ان کتابوں کی عبارتیں نقل کریں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ بجز قرآن مجید بڑی بڑی کتب حدیث و تفسیر و فقہ و اصول کو اول سے آخر تک کوئی شخص بر زبان یاد نہیں رکھتا۔ پس وہ آپ کی اس شرط کو کیونکر منظور کریں۔ آپ اس شرط پر اصرار کریں گے تو کا فدا اہل علم کے نزدیک جو ثبوت دعویٰ کے لئے کتب سلف کی عبارات کی شہادت ضروری سمجھتے ہیں اور تحریری و تقریری مناظرات میں عبارتیں نقل کرتے چلے آئے ہیں، مصر علی خلاف الحق متصور ہونگے کیونکہ علم



منقول یعنی دین میں نقل بکا رہے نہ محض خیالی اور عقلی باتیں۔

آپ کی شرط ہشتم محض تحکم ہے۔ جناب من! یہ کسی یونیورسٹی کا امتحان نہیں کہ چند سوالات کئے گئے اور ان کیلئے وقت مقرر کیا جائے۔ مباحثہ اور مناظرہ میں ایک شخص مدعی ہو تو اس کو اثبات دعویٰ میں پروردلائل کیلئے اس قدر وقت بکا رہے کہ اسکے مقابل مانع کو جو صرف لا نسلم کہہ کر سکوت اختیار کر سکتا ہے اس وقت کا عشرِ عشر بھی بکا نہیں اور دو مدعیوں میں سے بھی ممکن ہے کہ ایک کا دعویٰ تھوڑے ثبوت کا محتاج ہو اور دوسرے کا زیادہ ثبوت طلب ہو۔ بنظر انصاف دیکھیں گے تو خود بھی اس شرط کو ترک فرمائیں گے۔

شرط یازدہم بھی خلاف انصاف ہے۔ مجلس مناظرہ میں اگر کوئی منصف نہ ہو تو کم از کم شرط مسلمہ کی پابندی کرانے والا کوئی حکم تو ضرور چاہیے۔... صرف آپ کی خاطر ہم اس شرط کو منظور کرتے ہیں۔

شرط فاسدہ کو جناب واپس لیں اور بجائے ان کے شرائط صحیحہ کو تسلیم کر لیں تو اس امر کو... خط اسی جناب مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب ظاہر کریں اور وہ خط خاکسار کے پاس بھیج دیں۔ جس پر جناب مولوی صاحب تاریخ مناسب مقرر فرما کر میری معرفت جناب کو اطلاع دیں گے۔

۱۳ جون ۱۸۹۱ء لود ہانہ خاکسار محمد حسن عفی اللہ عنہ۔ (ماہنامہ اشاعت السنہ۔ ج ۱۳ صفحہ ۹۷-۱۰۰)

شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالوی بتاتے ہیں کہ اس خط کا جو جواب مرزا صاحب نے مولوی محمد حسن لدھانوی کو دیا ہے اس میں شرط اول کی ترمیم سے انکار کیا اور اپنی اسی شرط پر اصرار کا اظہار فرمایا۔ باقی شرائط کی ترمیمات کی نسبت سکوت اختیار کیا اور یہ بہانہ پیش کر دیا کہ باقی... جس قدر اس عاجز سے کہیں وہ آن مکرم سے نہیں بلکہ مولوی محمد حسین سے ہیں، ان کو منظور ہوں یا نا منظور ہوں وہ اپنی قلم سے اطلاع دیں اور جب تک وہ خو واطلاع..... (کاغذ کرم خوردہ ہونی وجہ سے اس صفحہ ۱۰۰، اشاعت السنہ جلد ۱۳ کی عبارت پڑھی نہیں جاتی۔ اسلئے یہ نقل نامکمل ہے۔ بہاء)

(ماہنامہ اشاعت السنہ۔ جلد ۱۳ ص ۱۰۰)

## مباحثہ لدھیانہ ۱۸۹۱ء

### مابین شیخ الاسلام و مرزا قادیانی

طویل خط و کتابت کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی اور مرزا غلام احمد قادیانی کے مابین جولائی ۱۸۹۱ء میں لدھیانہ میں تحریری مباحثہ ہوا جو بارہ روز تک جاری رہا۔ اس مباحثہ کی تفصیلات مولانا بٹالوی کے ماہنامہ اشاعت السنۃ جلد ۱۳ صفحہ ۲۱۴ تا ۳۲۶، اور جلد ۱۴ صفحہ ۱۱۳ تا ۳۵۲ سے نقل کی جا رہی ہیں اور ضرورت کے مطابق قادیانی مطبوعہ مباحثہ الحق لدھیانہ سے بھی مدد لی گئی ہے۔ یہ روئداد شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالوی نے متکلم کے صفحے میں بیان کی تھی، ہم نے متکلم کو غائب میں تبدیل کر کے اسے نقل کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس مباحثے میں ایک شرط یہ تھی کہ مباحثہ، فریق ثانی یا مختسب فریق ثانی کے سامنے پرچے لکھیں۔ غائبانہ اور علیحدگی میں نہ لکھیں۔ اس شرط پر حضرت بٹالوی کی طرف سے پورا عمل ہوا۔ انہوں نے سب پرچے مرزا صاحب کے سامنے بیٹھ کر لکھے، اور جس وقت مرزا صاحب موجود نہ ہوئے، ان کے وکیل کے سامنے ایک جلسہ میں لکھ کر اس کے ہر ایک صفحہ پر اس کے دستخط کرائے گئے۔ مرزا صاحب نے اس شرط کو یوں توڑا کہ اپنے حرم سرا میں بیٹھ کر آخری پرچہ لکھا۔ جب اس پر حضرت بٹالوی نے اعتراض کیا تو آپ نے اپنے خط مورخہ یکم اگست ۱۸۹۱ء میں یہ عذر بدتر از گناہ کیا کہ آپ کے آدمی کو (جو تخریر وصول کرنے کے لئے ہماری رہائش گاہ پر آیا تھا) کہا گیا تھا

کہ جس طرح تمہاری مرضی ہو، لکھا جاوے، اس نے منظور کیا کہ میں باہر بیٹھتا ہوں آپ گھر میں بیٹھ کر لکھیں۔  
حضرت بنا لویؒ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے یہ خیال نہ کیا کہ جو معاہدہ ہم سے ہوا تھا، ہمارے قاصد کو اسے نسخ  
کرنے کا اختیار ہی نہ تھا۔

اس مباحثہ کی شرائط میں یہ بھی شامل تھا کہ جب تک امور پیش شدہ کا تصفیہ نہ ہو، تحریرات فریقین  
جاری رہیں، اور فریقین اپنی اپنی تحریر کی نقل فریق مقابلہ کو دیں۔، مرزا صاحب نے اس شرط کا بھی خلاف کیا  
اور اپنی آخری تحریر کی نقل دینے سے انکار کیا اور مباحثہ کو بلا فیصلہ، نا تمام موقوف کیا۔

حضرت شیخ الاسلام بنا لویؒ بتاتے ہیں کہ پہلے تو مرزا صاحب نے سب کے سامنے یہ وعدہ کیا کہ ہم  
نقل آپ کے پاس بھیج دیں گے اور جب دوسرے دن بذریعہ رقعہ نقل کا مطالبہ ہوا تو آپ نے اس عذر سے نقل  
دینے سے انکار کیا کہ تم نے شروط مقررہ کا جلسہ میں خلاف کیا تھا، اس لئے تمہارا اب یہ حق نہیں رہا کہ تم کو نقل  
دی جاوے، اور مرزا صاحب نے بحکم: دروغ گورا حافظہ نہ باشد، یہ نہ سوچا کہ اگر بقول ان کے میں نے شروط کو  
توڑا تھا تو وہ پہلے دن سے توڑا، یا خاص آخری جلسہ میں وعدہ نقل دینے سے پہلے توڑا تھا، اور وعدہ اس کے بعد  
ہوا۔ پھر وہ وعدہ اس جرم متقدم سے کیونکر واجب الایفاء نہ رہا؟ نیز از الہ اوہام کے صفحہ ۸۶۳ میں مرزا صاحب  
نے اس نقل نہ دینے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ جس حالت میں یہ عاجز بحث تمہیدی ختم کر چکا تھا تو پھر مولوی (محمد  
حسین) صاحب کو جواب تحریر کرنے کا کیوں موقع دیا جاتا؟ اگر وہ جواب تحریر کرتے تو پھر میری طرف سے بھی  
جواب الجواب چاہیے تھا۔ اس صورت سے یہ سلسلہ کب اور کیونکر ختم ہوتا؟ اس وجہ کے بیان کے وقت مرزا  
صاحب نے یہ بھی نہ سوچا کہ جب تک فریق مخالف اختتام منظور نہ کرتا، تمہیدی بحث کیسے ختم ہو سکتی تھی؟

حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بنا لویؒ یہ بھی بتاتے ہیں کہ اس نقل نہ دینے سے جو مرزا صاحب  
سے خلاف ورزی شرط مقررہ ہوئی، یہ ان کے خاص مریدوں پر بہت شاق گذری اور انہوں نے آپ کی مذمت  
بھی کی۔ اور سچ پوچھو تو میر عباس علی لدھیانوی (جو قادیانیت میں حکیم نور الدین کے بعد اعلیٰ ترین مقام و مرتبے کے حامل تھے) کا  
آپ سے الگ ہونا، اسی دن سے اور اسی خلاف ورزی کے سبب سے شروع ہوا تھا۔ اور آپ کے کئی معتقدوں

پراس نقل نہ دینے سے یہ امر کھل گیا کہ آپ اپنی اس تحریر (ہشتم) کے جواب سے ڈرتے ہیں، اور جواب الجواب دینے سے قاصر ہیں۔ اور اسی وجہ سے مباحثہ کو بند کر چکے ہیں۔

ایک وجہ مرزا صاحب کے معتقدین کے منحرف ہو جانے کی یہ ہوئی کہ انہوں نے اس مباحثہ کے بعد ایک جھوٹا بیان اخبار نور افشان لودہ ہانہ ۳ ستمبر ۱۸۹۱ء میں اور پھر اپنے ازالہ ادہام کے صفحہ اخیر میں شائع کر دیا کہ مولوی محمد حسین اپنی وحشیانہ طرز بحث کی شامت سے لودہ ہانہ سے شہر بدر کئے گئے۔ ڈپٹی دلاور علی شاہ صاحب ایکسٹرا اسٹنٹ کمشنر لودہ ہانہ، بجکم ڈپٹی کمشنر آپ کو ریل پر سوار کر آئے، لیکن اس عاجز کی نسبت کوئی حکم صادر نہیں ہوا، بلکہ میری چٹھی کے جواب میں صاحب ڈپٹی کمشنر نے یہ لکھا ہے کہ آپ کو بمتبع قانون سرکاری، لودہ ہانہ میں ٹھہرنے کے لئے وہی حقوق حاصل ہیں جیسا کہ دیگر رعایا تابع قانون سرکاری کو حاصل ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام بٹالوی کہتے ہیں کہ اس بیان میں مرزا قادیانی نے دو جھوٹ بولے:

ایک یہ کہ ابو سعید محمد حسین بجکم صاحب ڈپٹی کمشنر، لودہ ہانہ سے نکالے گئے اور ریل پر پہنچائے گئے، دوسرا یہ کہ اس قسم کا حکم لودہ ہانہ سے چلے جانے کا آپ کی نسبت کوئی نہیں ہوا۔

دوسرا جھوٹ تو مرزا صاحب کے نام، ڈپٹی کمشنر لودہ ہانہ کی اسی چٹھی سے ثابت ہے جو جس کا ذکر اوپر ہوا ہے اور جس میں اس نے مرزا صاحب کو لدھیانہ میں ٹھہرنے کی اجازت دی ہے۔ نیز یہ بھی قابل غور ہے کہ مرزا صاحب کو اخراج ازلہ لدھیانہ کا حکم نہ ہوا ہوتا تو وہ اپنی چٹھی میں اپنے والد کی خدمات ۱۸۵۷ء کا ذکر کر کے اپنے لئے قیام لودہ ہانہ کی اجازت کیوں چاہتے؟

پہلا جھوٹ اس خط سے ثابت ہوتا ہے جو حضرت مولانا بٹالوی کے نام ڈپٹی کمشنر لودہ ہانہ کی طرف سے بجواب ان کی چٹھی کے موصول ہوا، جس میں انہوں نے مضمون اخبار نور افشان دیکھ کر ان سے دریافت کیا تھا کہ آیا واقعی کوئی حکم ایسا میری نسبت ہوا ہے، اس سرکاری خط کی نقل یہ ہے:

مولوی محمد حسین کو بجواب ان کی درخواست مورخہ ۱۶، ماہ حال اس کی اطلاع دی جاتی ہے کہ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ وہ ڈپٹی کمشنر صاحب کے حکم سے سٹیشن تک نہیں پہنچائے گئے۔

اس خط کی وصولی کے بعد اڈیٹر نور افشان نے تو اس بیان قادیانی کی تکذیب کر دی۔ مگر قادیانی اور

اس کے گروہ کو اپنی دروغ گوئی کا اعتراف کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔

اس کے بعد شیخ الاسلام مولانا بٹالوی کہتے ہیں کہ مباحثہ کے پرچوں کو پڑھتے ہوئے درج ذیل امور کا ملحوظ خاطر رکھنا مناسب ہوگا۔

امراول۔ یہاں مرزا قادیانی اور ان کے اتباع کے خطاب میں کسی قدر سختی (مگر واجب) سے کام لیا گیا ہے۔ شاید یہ امر کچھ لوگوں کو پسند نہ ہو۔ لیکن اگر وہ ہماری تحریرات متعلقہ قادیانی کی غرض و اصول کو غور و تامل سے ملاحظہ فرمائیں گے اور اسلامی ہدایت و اغلظ علیہم کو نظر متدبر سے دیکھیں گے تو امید ہے کہ اس سختی پر معترض نہ ہوں گے۔

مولانا بٹالوی کی غرض حسب ہدایت آیت مذکورہ یہ ہے کہ قادیانی کے عقائد و مقالات مستحشہ سے (جو با اتفاق علماء پنجاب و ہندوستان کفر و ضلالت قرار دیئے گئے ہیں اور ان عقائد و مقالات کی بیروی سے عوام و بعض نادانق خواص کے مرتد ہوجانے کا اندیشہ ہے) ان عوام و خواص کو کفر و ضلالت سے بچائیں۔ اس غرض کو پورا کرنے اور اس ہدایت کی تعمیل کے لئے انہوں نے الفاظ مثل کفر و کافر و کذب و کذاب و دجالیت و دجال کا استعمال کرنا ناگزیر خیال کیا ہے۔ اور بجائے ان الفاظ کے قادیانی کے عقائد باطلہ کی نسبت، غلط یا غیر صحیح یا خطا وغیرہ الفاظ کا استعمال کرنا کافی نہیں سمجھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر عوام و خواص کو کفر و ضلالت سے روکنے کے لئے، ہمارے الفاظ کے سوا اور الفاظ کو کافی سمجھا جائے تو ان الفاظ سے ہمیں بادل لیل آگاہ کریں، ہم آئندہ انہیں الفاظ سے ان لوگوں کو مخاطب کیا کریں گے۔

جو لوگ قادیانی کے معتقد یا حامی ہو کر بے جا سختی کا اعتراف کریں، ان کی خدمت میں شیخ الاسلام مولانا بٹالوی نے گزارش کی تھی کہ وہ حضرات پہلے قادیانی کی کلام کو غور و انصاف سے ملاحظہ کریں، اس میں اگر ہمارے مستعملہ الفاظ سے نو حصہ زیادہ سخت الفاظ ہوں، تو ہم کو اس کے دسویں حصہ کے استعمال میں معذور رکھیں۔ قادیانی تو مدعی روحانیت و نبوت اور ولایت عظمیٰ ہے۔ وہ اس قسم کے الفاظ دس گنا استعمال کر چکا ہے، تو پھر وہ لوگ علماء ظاہر کے لئے ان کے دسواں حصہ کا استعمال کیوں روانہ رکھیں؟

شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالوی نے یہ بھی لکھا تھا کہ ان حضرات کو مرزا غلام احمد قادیانی کی کلام میں اس قسم کے الفاظ مستعمل ہونے سے انکار ہو تو وہ ہماری کلام میں جس لفظ کو زیادہ سخت سمجھیں اس کی نشان

دہی کریں۔ ہم اس لفظ کا قادیانی کی کلام میں اپنی کلام کی نسبت دس گنا زیادہ مستعمل ہونا ثابت کر دکھائیں گے۔ نیز وہ حضرات، مرزا قادیانی کے ازالہ اوہام صفحہ ۱۲ سے ۳۶ تک ملاحظہ کریں جن میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ واقعی امرکانیک نیتی سے اظہار سخت گوئی خلاف تہذیب نہیں ہے۔ اس مقام میں ازالہ اوہام کے چند فقرات نقل کئے جاتے ہیں:

پہلی نکتہ چینی۔ اس عاجز (مرزا قادیانی) کی نسبت یہ کی گئی ہے کہ اپنی تالیفات میں مخالفین کی نسبت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے مستعمل ہو کر مخالفین نے اللہ جل شانہ اور اس کے رسول کریم ﷺ کی بے ادبی کی اور پر دشنام تالیفات شائع کر دیں۔

اما الجواب.... بڑے دہوکے کی بات یہ ہے کہ اکثر لوگ دشنام دہی اور بیان واقعہ کو ایک ہی صورت سمجھ لیتے ہیں اور ان دونوں مختلف مفہوموں میں فرق کرنا نہیں جانتے۔ بلکہ ایسی ہر ایک بات کو جو دراصل ایک واقعی امرکا اظہار ہو اور اپنے محل پر چسپاں ہو، محض اس کی کسی قدر مرارت کی وجہ سے جو حق گوئی کا لازم حال ہوا کرتی ہے، دشنام دہی تصور کر لیتے ہیں۔ حالانکہ دشنام اور سب و شتم فقط اس مفہوم کا نام ہے جو خلاف واقعہ اور دروغ کے طور پر محض آزار رسانی کی غرض سے استعمال کیا جائے اور اگر ہر ایک سخت اور آزار دہ تقریر کو محض بوجہ اس کی مرارت اور تلخی اور ایذا رسانی کے دشنام کے مفہوم میں داخل کر سکتے ہیں تو پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ سارا قرآن شریف گالیوں سے پر ہے، کیونکہ جو کچھ بتوں کی ذلت اور بت پرستوں کی حقارت اور ان کے بارے میں لعنت ملامت کے سخت الفاظ قرآن شریف میں استعمال کئے گئے ہیں، یہ ہرگز ایسے نہیں ہیں جن کے سبب سے بت پرستوں کے دل خوش ہوئے ہوں، بلکہ بلاشبہ ان الفاظ نے ان کے غصہ کی حالت کی بہت تحریک کی ہوگی۔ کیا خدا تعالیٰ کا کفار مکہ کو مخاطب کر کے یہ فرمانا کہ انتم و ماتعبدون حسب جہنم معترض کے من گھڑت قاعدہ کے موافق گالی میں داخل نہیں ہے۔ کیا خدا تعالیٰ کا قرآن شریف میں کفار کو نشر البریہ قرار دینا اور تمام رزائل اور پلید مخلوقات سے انہیں بدتر ظاہر کرنا، یہ معترض کے خیال کی رو سے دشنام دہی میں داخل نہیں ہوگا۔ کیا خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں و اغلظ علیہم نہیں فرمایا۔ کیا مومنوں کی علامات میں اشداء علی الکفار نہیں کہا گیا۔ کیا حضرت مسیح کا یہودیوں کے معزز ذقیہوں اور فریسیوں کو سوراہا کرتے کے

نام سے پکارنا اور گلیل کے عالی مرتبہ فرمانروا ہیرودیس کا لونبزی نام رکھنا اور معزز سردار کا ہنوں اور فقہوں کو کنجری کے ساتھ مثال دینا اور یہودیوں کے بزرگ مقتداؤں کو جو قیصری گورنمنٹ میں اعلیٰ درجہ کے عزت دار اور قیصری درباروں میں کرسی نشین تھے، ان کر یہہ اور نہایت دل آزار اور خلاف تہذیب لفظوں سے یاد کرنا کہ تم حرام زادے ہو، حرام کار ہو، شریر ہو، بد ذات ہو، بے ایمان ہو، احمق ہو، ریا کار ہو، شیطان ہو، جہنمی ہو، تم سانپ ہو، سانپوں کے بچے ہو، کیا یہ سب الفاظ معترض کی رائے کے موافق فاش اور گندی گالیاں نہیں ہیں؟

اس کے بعد (مرزا قادیانی نے) ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۶ تک قرآن اور انجیل کے سخت الفاظ کی تفصیل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ سخت گوئی اور گالیاں نہیں، بلکہ حق گوئی ہے۔

شیخ الاسلام مولانا بٹالوی لکھتے ہیں کہ اس کلام کو دیکھ کر قادیانی کے حامی ہمارے ان الفاظ کو جو مرزا قادیانی کے حق میں علماء پنجاب و ہندوستان کے اتفاق و اجازت سے اور کمال نیک نیتی سے لکھے گئے ہیں، ہرگز سخت گوئی، خلاف تہذیب نہ کہیں گے، بلکہ سراسر حق گوئی اور مسلمانوں کی خیر خواہی تسلیم کریں گے، اور ان کے مقابلہ میں مرزا قادیانی کے ان الفاظ کو جو ہمارے اور دیگر علماء کے حق میں وہ فیصلہ آسانی اور دافع الوسوس و دیگر تصانیف میں شائع کر چکا ہے، فحش گالیاں قرار دیں گے۔ اور مرزا قادیانی کے اس اصول و بیان کو ازالہ اوہام کی حد جواز سے ان کو خارج تسلیم کریں گے۔

☆ امر دوم۔ مرزا قادیانی نے مباحثہ لدھیانہ چھپوایا تو اس کے اکثر پڑچوں کو الٹ پلٹ کر دیا، سوال کچھ ہے اور اس کا جواب کچھ اور لگا دیا۔ ناظرین اس کے مطبوعہ مباحثہ کو ہماری تحریر سے مقابلہ کر کے ملاحظہ میں لائیں گے تو اس سے قادیانی کے دجال و کذاب ہونے کا یقین فرمائیں گے۔

تمہید ختم ہوئی اب مباحثہ کے پرچے ملاحظہ فرمائیں۔

## شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ کی پہلی تحریر

میں آپ کے چند عقائد و خیالات پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔ مگر اس سے پہلے چند اصول کی تمہید ضروری ہے۔ آپ اجازت دیں تو میں ان اصول کو پیش کروں۔ ۲۰۔ جولائی ۱۸۹۱ء۔ ابوسعید محمد حسین

### مرزا غلام احمد قادیانی کی پہلی تحریر

آپ کو اجازت ہے، بخوشی پیش کریں، لیکن اگر یہ عاجز مناسب سمجھے گا تو آپ سے بھی اصول تمہیدی دریافت کرے گا۔ ۲۰۔ جولائی ۱۸۹۱ء۔ مرزا غلام احمد

(یہاں تو ان اصول کو پیش کرنے کی اجازت دی ہے بلکہ خود بھی اس قسم کے اصول پیش کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے، مگر بعد از فرار و شکست یابی، ان اصول کو بے ہودہ و لایعنی کہا جاتا ہے۔ ناظرین اس سے ان حضرات کے صدق و انصاف کا اندازہ کریں۔ محمد حسین)

## شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ کی دوسری تحریر

میرے ان اصول کو جن کو میں رسالہ (اشاعت السنۃ) نمبر ایک جلد ۱۳ میں بیان کر چکا ہوں اور ان کو آپ کے حواری حکیم نور الدین نے تسلیم کیا ہے، آپ بھی تسلیم کرتے ہیں یا کسی اصول کی تسلیم میں عذر ہے؟

۲۰ جولائی ۱۸۹۱ء۔ ابوسعید محمد حسین

### مرزا غلام احمد قادیانی کی دوسری تحریر

مجھے ان اصولوں کی اطلاع نہیں۔ مجھے بتلائے جائیں، تب ان کی نسبت اطلاع دوں گا۔

۲۰ جولائی ۱۸۹۱ء۔ غلام احمد (قولہ اطلاع نہیں، یہ محض کذب ہے اور ممکن نہیں کہ مرزا صاحب نے ان اصول کو نہ دیکھا ہو۔ رسالہ اشاعت السنۃ نمبر ۲، ۳، ۴ جلد ۱۳ آپ کے پاس پہنچا اور وہ آپ کے جواب و خطاب میں ہے۔ پھر کیا امکان تھا کہ آپ رسالہ مذکور کو نہ دیکھتے۔ آپ نے اپنے خط مورخہ ۱۲ اپریل ۱۸۹۱ء میں میرے ان اصول کو لغو قرار دیا ہے، جس سے ثابت ہے کہ آپ کو ان پر اطلاع ہوئی ہے، ورنہ آپ ان کو لغو نہ کہتے۔ اور اگر اس کے جواب میں یہ کہیں کہ ہم نے قبل از اطلاع ان کو لغو کہا تھا، تو اس سے آپ کی ایمان داری اور راست شعاری کو بٹ لگتا ہے کہ ایک امر کو قبل از علم، لغو کہہ دیا۔ محمد حسین)



## شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ کی تیسری تحریر

وہ اصول یہ ہیں۔ ان میں سے جس اصول کی نسبت آپ کو تسلیم یا عدم تسلیم ظاہر کرنا ہو، آپ ظاہر کریں۔ چونکہ رسالہ چھپا ہوا ہے اس لئے ان اصول کے دوبارہ تحریر میں لانے کی حاجت نہیں۔ آپ ایک ایک اصول پر یکے بعد دیگرے کلام کریں (رسالہ مذکور میں سے اصول پڑھ کر سنا نا شروع کئے گئے تو مرزا صاحب نے رسالہ پڑھنے سے روک دیا اور کہا کہ رسالہ مجھے دیدیں میں خود ان اصول کو دیکھتا اور ان کی نسبت اپنی رائے لکھتا ہوں)۔

۲۰ جولائی ۱۸۹۱ء۔ ابو سعید محمد حسین

## مرزا غلام احمد قادیانی کی تیسری تحریر

کتاب اور سنت کے حجج شرعیہ ہونے میں میرا یہ مذہب ہے کہ کتاب اللہ مقدم اور امام ہے، جس امر میں احادیث نبویہ کے معنی جو کئے جاتے ہیں، کتاب کے مخالف واقع نہ ہوں تو وہ معنی بطور حجت شرعیہ قبول کئے جائیں گے (معنی حدیث سے سوال نہ تھا۔ صرف صحت حدیث سے سوال تھا جو الفاظ سے متعلق ہے نہ معانی سے۔ معانی ہمیشہ الفاظ کے تابع ہوتے ہیں۔ جس حدیث کے الفاظ صحیح ہوں، اس کے معنی صحیح ہو سکتے ہیں اور وہ قرآن شریف کے موافق و مطابق کئے جاسکتے ہیں اور جس حدیث کے الفاظ غیر صحیح ہوں، اس کے معنی باوجود کہ بجائے خود صحیح و مطابق قرآن ہوں، قابل اعتبار نہیں ہوتے۔ اور وہ اپنے الفاظ کے تابع ہو کر غیر صحیح و ناقابل اعتبار سمجھے جاتے ہیں۔ لہذا ہر ایک منصف و طالب حق کا فرض ہے کہ جب وہ کسی حدیث سے تمسک کرنا چاہے، تب پہلے اس کی صحت الفاظ کی تحقیق کرے۔ پھر اس کے معانی کی طرف رجوع کرے، جو بصورت صحت الفاظ صحیح و موافق قرآن ہو سکتے ہیں۔ مرزا قادیانی نے جو بحث صحت الفاظ کو چھوڑ کر پہلے ہی سے صحت معانی کی طرف رجوع کیا ہے تو اس سے اس کا مقصود احقاق حق نہیں ہے، بلکہ بحث سے خروج اور احقاق حق سے گریز اس کا مقصود ہے۔ ناظرین اسی ایک امر کو توجہ سے ملاحظہ کریں گے تو اس سے مرزا قادیانی کے خروج از بحث و شکست و فرار کا یقین کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ جو لوگ قادیانی کے اس جواب کو، جس سے بڑھ کر اس نے تمام مباحثہ میں ہمارے اصل سوال کا جواب نہیں دیا، ہمارے سوال کا کافی جواب سمجھتے ہیں، وہ اس منصفانہ اصول کو پیش نظر رکھیں تو یقین کریں کہ قادیانی نے ہمارے سوال کا شروع مباحثہ سے اخیر تک جواب نہیں دیا۔ ہمارا سوال صحت الفاظ حدیث سے ہے۔ مرزا قادیانی کا جواب صحت معانی کے متعلق ہے۔ و نیز اس کا جواب ایک شرطی جواب ہے کہ اگر کسی حدیث کے معنی قرآن کے موافق پائیں گے تو اس کو صحیح سمجھیں گے ورنہ موضوع قرار دیں گے۔ اور ہمارا مطلب قطعی جواب ہے جو اگر اور مگر سے ادا نہیں ہوتا۔ اور وہ یہ تصریح چاہتا ہے کہ بخاری و مسلم وغیرہ کتب حدیث کی احادیث، خواہ ان کو اس شرطی اصول روایت مجوزہ قادیانی سے پرکھا جائے یا اصول روایت محدثین سے، سب کے سب صحیح ہیں یا نہیں ہیں۔ اور یہ جواب مرزا قادیانی کی کلام میں اول سے آخر تک صاف و صریح طور پر نہیں پایا جاتا بلکہ جا بجا اس کے بیان سے گریز و فرار و خروج از بحث پایا جاتا ہے۔ جس کی یہ پہلی دفعہ ہے۔ محمد حسین) لیکن جو معنی نصوص مبینہ قرآنیہ سے مخالف

واقع ہوں گے، ان معنوں کو ہم ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ بلکہ جہاں تک ہمارے لئے ممکن ہوگا ہم اس حدیث کے ایسے معنے کریں گے جو کتاب اللہ کی نص بین کے موافق و مطابق ہوں اور اگر ہم کوئی ایسی حدیث پائیں گے جو مخالف نص قرآن کریم ہوگی اور کسی صورت سے ہم اس کی تاویل پر قادر نہیں ہو سکیں گے، تو ایسی حدیث کو ہم موضوع قرار دیں گے۔ (موضوع قرار دینے کی تجویز کو آپ آئندہ جوابات میں خاص صحیح بخاری و مسلم کی نسبت بھی ظاہر کر چکے ہیں۔ ناظرین مرزا صاحب کے اقوال اور ہمارے نوٹوں کو تو جو سے دیکھتے جائیں۔ پھر انصاف سے کہیں کہ آپ بخاری و مسلم کی جملہ احادیث کو صحیح جانتے یا نہیں؟ اور آپ کا اقرار اشتہار یکم اگست ۱۸۹۱ء کہ میں صحیحین کو بصر و چشم مانتا ہوں اور بخاری و صحیح اکتب بعد کتاب اللہ جانتا ہوں، دل سے ہرگز نہیں کیا گیا۔ محمد حسین) کیونکہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے فبای حدیث بعد اللہ و آیاتہ یومنون یعنی تم بعد اللہ اور اس کی آیات کے کس حدیث پر ایمان لاؤ گے۔ اس آیت میں صریح اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر قرآن کریم کسی امر کی نسبت قطعی اور یقینی فیصلہ دیوے یہاں تک کہ اس فیصلے میں کسی طور سے شک باقی نہ رہ جائے۔ اور مسئلہ اچھی طرح کھل جاوے تو پھر بعد اس کے کسی ایسی حدیث پر ایمان لانا جو صریح اس کے مخالف پڑی ہے، مومن کا کام نہیں ہے۔ پھر فرمایا ہے فبای حدیث بعدہ یومنون ان دونوں آیتوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ اس لئے اس جگہ تصریح کی ضرورت نہیں۔ سو آیات متذکرہ بالا کی رو سے ہر ایک مومن کا یہی مذہب ہونا چاہیے کہ وہ کتاب اللہ کو بلا شرط اور حدیث نبوی کو شرطی طور پر حجت شرعی قرار دیوے اور یہی میرا مذہب ہے (آیہ فبای حدیث بعد اللہ و آیاتہ یومنون کا ترجمہ مرزا قادیانی نے جو ان الفاظ سے کیا: تم بعد اللہ اور اس کی آیات کے، کس حدیث پر ایمان لاؤ گے، تو اس میں انہوں نے یہ جتنا چاہا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حدیث نبوی کا حکم خود قرآن میں یہ بیان فرمایا ہے کہ آیات قرآن کے ہوتے ہوئے کسی حدیث نبوی کو نہ مانو۔ اور اس معنے کے بیان سے اپنا ملحد و محرف قرآن ہونا ثابت کر دکھایا ہے۔ اس آیت میں لفظ حدیث سے اصطلاحی حدیث نبوی، جو وحی خفی اور الہام الہی ہے، ہرگز مراد نہیں ہے۔ بلکہ حدیث کے لغوی معنے، بات چیت، مراد ہے جس کو اصطلاحی معنے حدیث نبوی وحی خفی سے یہاں تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں ارشاد فرماتا ہے کہ لوگ خدا کی آیات چھوڑ کر اور کس بات بات پر ایمان لائیں گے۔ اس بات سے خاص کر آنحضرت ﷺ کی حدیث مراد ٹھہرانا، یا اس بات سے عام باتیں مراد ٹھہرا کر آنحضرت ﷺ کی حدیث کو ان میں داخل و شامل سمجھنا، اس اعتقاد کو ظاہر کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث وحی خفی والہام الہی اور معنی آیات میں داخل نہیں، جس پر کوئی مسلمان جرات نہیں کر سکتا۔ اور قرآن مجید کی وہ آیات جن میں ارشاد ہے کہ آنحضرت ﷺ جو تمہیں دیں، تم قبول کرو اور جس سے روکیں اس سے باز آؤ ما آتاکم الرسول فخذوه و ما نہاکم عنہ فانتهوا۔ الحشر۔ اور ارشاد ہے آنحضرت ﷺ جو کچھ، دین میں، فرماتے ہیں، وہ وحی سے کہتے ہیں اپنی خواہش نفس سے نہیں کہتے ما یسئل عن الہوی ان ہو

الا و حی یوحی - النجم - ع ۱ - اس اعتقاد کے کذب و ضلالت ہونے پر شاہد عدل ہیں۔ مرزا قادیانی نے اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۳۵، ۳۳۴، ۳۳۳ میں خود اقرار کیا ہے کہ قرآن کے کوئی معنی عام محاورہ قرآن کے مخالف اپنے دل سے گھڑ لینا الحاد و تحریف ہے۔ اس کے اس اقرار و شہادت سے بھی اس کی اس جرأت کا کہ یہ قرآن کا کہ لفظ حدیث سے حدیث نبوی مراد ہے، الحاد و تحریف ہونا ثابت ہے کیونکہ قرآن مجید کے جس مقام میں لفظ حدیث استعمال ہوا ہے اس سے اصطلاحی حدیث نبوی، جو دنی خفی کہلاتی ہے، مراد نہیں ہے۔ بلکہ اس سے حدیث کے لغوی معنے، بات، مراد ہے۔

قرآن مجید میں یہ لفظ مختلف صورتوں میں، حدیث، الحدیث، حدیثاً، بانئیں مقامات میں وارد ہے۔ جو درج ذیل ہیں:

۱۔ نساء۔ رکوع ۲۰۔ فلا تقعدوا معهم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ۔ آیات قرآن سے انکار و نفی کرنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ کوئی اور بات کریں۔

۲۔ انعام۔ رکوع ۸۔ و اذا رثیت الذین یخوضون فی آیاتنا فاعرض عنہم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں میں ٹٹول (کرید) کرتے ہیں تو ان سے منہ پھیرو یہاں تک کہ وہ اور بات میں ٹٹول کریں۔

۳۔ اعراف۔ رکوع ۲۳۔ فبای حدیث بعدہ یومنون ہماری بات کو چھوڑ کر کس بات میں ایمان لاویں گے۔

۴۔ کہف۔ ع۔ ان لم یومنوا بہذا الحدیث اسفاً شانک تو افسوس سے اپنا گلا گھونٹ ڈالے کہ وہ اس بات پر ایمان نہیں لائے۔

۵۔ ط۔ ع۔ ۱۔ و هل اتاک حدیث موسیٰ اور کیا تجھے موسیٰ کی بات، یعنی حکایت، پہنچی ہے۔

۶۔ لقمان۔ ع۔ ۱۔ و من الناس من یشتری لہو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم۔ بعض ایسے لوگ ہیں جو کھیل کی باتیں، یعنی قصے کہانیاں، خریدتے ہیں، اس لئے کہ بن سچھے بوجھے اللہ کی راہ سے لوگوں کو بہکا دیں۔

۷۔ احزاب۔ ع۔ ۷۔ و اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعتم فانتشروا ولا مستانسنین لحدیث آنحضرت ﷺ کے گھر جب بلائے جاؤ، اس وقت جاؤ، پھر کھانا کھا چکتے ہی وہاں سے چل دو، آپس کی باتوں میں جی لگاتے نہ ٹھہرے رہو۔

۸۔ زمر۔ ع۔ ۳۔ اللہ نزل احسن الحدیث کتاباً متشابہاً مثانی تقشعر منه جلود الذین یخشون ربہم۔ تم تلین جلود ہم و قلو بہم الی ذکر اللہ۔ خدا تعالیٰ نے اچھی بات اتاری، کتاب آپس میں ملتی۔ دہرائی گئی، جو لوگ اپنے مالک سے ڈرتے ہیں ان کی کھال کے روئیں کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر اللہ کی یاد کی طرف ان کے پوست، اور دل نرم ہو جاتے ہیں۔

۹۔ جاثیہ۔ ع۔ ۱۔ فبای حدیث بعد اللہ و آیاتہ یومنون۔ پھر اللہ اور اس کی آیات کو چھوڑ کر کس بات کو مانو گے۔

۱۰۔ زاریات۔ ع۔ ۴۔ هل اتاک حدیث ضیف ابراہیم المکر مین۔ کیا تجھے ابراہیم کے معزز مہمانوں کی بات پہنچی ہے؟

۱۱۔ طور۔ ع۔ ۲۔ فلیأ تواجہدیت مثله ان کانوا صادقین۔ وہ سچے ہیں تو ایسی ہی کوئی بات لے آویں۔

۱۲۔ واقفہ۔ ع۔ ۱۔ افبہذا الحدیث انتم مدہنون۔ کیا اس بات میں تم سستی کرتے ہو۔

۱۳۔ نجم۔ ع۔ ۳۔ افمن هذا الحدیث تعجبون۔ کیا اس بات سے تعجب کرتے ہو۔

۱۴۔ القلم۔ ع۔ ۱۔ ذر نی و من یکذب بہذا الحدیث۔ چھوڑ دے مجھے اور اس بات کے جھٹلانے والوں کو۔

- ۱۵۔ مرسلت۔ ع۲۔ فباى حدیث بعدہ یومنون ۔ اس کو چھوڑ کر کس بات پر ایمان لائیں گے۔  
 ۱۶۔ نازعات۔ ع۱۔ هل اتاك حدیث موسیٰ۔ کیا تجھے موسیٰ کی بات پہنچی۔  
 ۱۷۔ بروج۔ ع۱۔ هل اتاك حدیث الجنود۔ کیا تجھے لشکروں کی بات پہنچی۔  
 ۱۸۔ غاشیہ۔ ع۱۔ هل اتاك حدیث الغاشیہ۔ کیا تجھے ڈھانکنے والی، یعنی قیامت، کی بات پہنچی۔  
 ۱۹۔ نساء۔ ع۶۔ ولا یکتون اللہ حدیثاً۔ اللہ سے کوئی بات نہ چھپائیں گے۔

۲۰۔ نساء۔ ع۱۱۔ فمال هو لاء القوم لا یکادون بفقھون حدیثاً۔ ان کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ ایک بات بھی سمجھنے نہیں لگتے۔  
 ۲۱۔ یوسف۔ ع۱۱۔ ماکان حدیثاً یفتری۔ یہ بناؤںی بات نہیں۔

۲۲۔ تحریم۔ ع۱۔ واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثاً۔ جب چھپا کر کبھی نبی نے اپنی کسی بیوی سے ایک بات۔  
 ان مقامات میں سے کسی جگہ لفظ حدیث سے اصطلاحی حدیث نبوی جو وحی خفی والہام الہی ہوتی ہے، مراد نہیں۔ آخری آیت میں گو حدیث کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف ہوئی ہے، مگر اس سے بھی اصطلاحی حدیث نبوی وحی الہی مراد نہیں بلکہ لغوی حدیث، بات، مراد ہے جو آنحضرت ﷺ نے صرف اپنے نبی سے، نہ وحی الہی سے، ایک بیوی کو کہدی تھی کہ میں اپنے حرم ماریہ قطیبہ کے پاس نہ جاؤں گا۔ یا ایک بیوی کے پاس جا کر شہد نہ پٹوں گا۔ جو خدا تعالیٰ کو پسند نہ آئی اور اس پر یہ آیت اتری کہ اے نبی تو خدا کے حلال کو حرام کیوں کرتا ہے۔  
 اس عام محاورہ قرآن کے مخالف مرزا قادیانی کا قرآن کے لفظ حدیث سے حدیث نبوی مراد لینا اپنے اقرار و اصول کے مطابق الحاد و تحریف قرآن کا مرتکب ہونا ہے۔ قادیانی کے اتباع اس الحاد و تحریف پر بھی اس کی اتباع سے دست بردار نہ ہوں تو پھر ان کی ہدایت کی کوئی صورت و امید نہیں ہے۔ و من لم یجعل اللہ له نوراً فما له من نور۔ (محمد حسین)

اور آپ کے دوسرے امر مندرجہ صفحہ ۱۹۔ اشاعت السنہ کی نسبت علیحدہ جواب کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کا جواب اس میں آ گیا ہے، یعنی جو امر قول یا فعل یا تقریر کے طور پر جناب رسالت مآب ﷺ کی طرف سے احادیث میں بیان کیا گیا ہے، ہم اس امر کو بھی اسی محک سے آزما لیں گے اور دیکھیں گے کہ حسب آیت شریف فباى حدیث بعدہ یومنون وہ حدیث قولی یا فعلی، قرآن کریم کی کسی صریح اور بین آیت سے مخالف تو نہیں۔ اگر مخالف نہیں ہوگی تو ہم بسر و چشم اس کو قبول کریں گے اور اگر بظاہر مخالف نظر آئے گی تو ہم حتی الوسع اس کی تطبیق اور توفیق کے لئے کوشش کریں گے۔ اور اگر ہم باوجود پوری پوری کوشش کے اس امر تطبیق میں ناکام رہیں گے اور صاف کھلے کھلے طور پر ہمیں مخالفت معلوم ہوگی تو ہم افسوس کے ساتھ ایسی حدیث کو ترک کر دیں گے۔ کیونکہ حدیث کا پایہ، قرآن کریم کے مرتبہ اور پایہ کو نہیں پہنچتا۔ قرآن کریم وحی متلو ہے اور اس کے جمع کرنے اور محفوظ رکھنے میں وہ اہتمام بلیغ کیا گیا ہے جو احادیث کے اہتمام کو اس سے کچھ نسبت نہیں۔

اکثر احادیث غایت درجہ مفید ظن ہے اور ظنی نتیجہ کے منج ہیں۔ اور اگر کوئی حدیث تو اتر کے درجہ پر بھی ہو، تاہم قرآن کریم کے تو اتر سے اس کو ہرگز مساوات نہیں (ظنی یا قطعی ہونے احادیث سے سوال نہ تھا، صرف صحت یا عدم صحت احادیث سے سوال تھا۔ لہذا جواب میں صرف صحت یا عدم صحت کا بیان چاہیے نہ ظنیت و قطعیت کی بحث۔ یہ دوسری دفعہ آپ نے بحث سے خروج کیا۔ محمد حسین)۔  
 بالفعل اسی قدر لکھنا کافی ہے۔ راقم خاکسار غلام احمد۔ ۲۰ جولائی ۱۸۹۱ء

## شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ کی تحریر چہارم

آپ کی کلام میں میرے سوال کا صاف اور قطعی جواب نہیں ہے (مرزا قادیانی کی تقلید و محبت میں اندھے حواری، مباحثہ الحق لدھیانہ مطبوعہ قادیانی میں اس کے جواب کو قطعی جانتے اور ہمارے انکار قطعیت پر حیرت ظاہر کرتے ہیں، جس کا سبب یہ ہے کہ علم سے تو یہ لوگ پہلے ہی عاری و بے بصیرت تھے، رہا ہم سومرزا قادیانی کی بیعت کر کے اس کی نذر کر چکے ہیں۔ لہذا وہ اس قدر نہیں سمجھ سکتے کہ لفظ، اگر، حرف شرط ہے۔ اور یہ حرف شرط مرزا کے جواب میں موجود ہے، جو اس کو قطعی نہیں ہونے دیتا۔ جواب قطعی وہ ہوتا ہے جس میں بغیر کسی شرط کے ہست یا نیست کا بیان ہو، لہذا ہمارے سوال کا جواب قطعی یہ ہے کہ احادیث صحیحین سب کی سب صحیح و لائق عمل ہیں۔ یا سب کی سب غیر صحیح و موضوع ہیں۔ یا بعض صحیح اور بعض غیر صحیح۔ جس کا مرزا کی کلام میں اول سے آخر تک کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ محمد حسین) آپ نے قبولیت اور حجیت حدیث یا سنت کی ایک شرط بتائی ہے۔ یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ شرط اس حدیث یا سنت میں جو کتب حدیث خصوصاً صحیحین میں جن کا ذکر اصل سوم میں ہے، اور یہاں سے خاکسار نے اصل سوم جملہ اصول مندرجہ صفحہ ۱۹ ماہنامہ شانۃ السنۃ کوشاغل بحث کر دیا ہے اور آئندہ سوالوں و جوابوں میں خاص کر صحیحین کی حدیثوں سے بحث کی ہے۔ محمد حسین) پائی جاوے، متحقق ہے یا نہیں۔ و بناء علیہ وہ حدیث یا سنت جو ان کتب میں ہے، شرعی حجت ہے یا نہیں۔ علاوہ ہر اس کلام میں آپ نے جو شرط حجیت و قبولیت بیان کی ہے وہ شرط قانون درایت ہے نہ قانون روایت۔ اب آپ بیان کریں کہ اصول روایت کی رو سے کتب حدیث خصوصاً صحیحین جن کا ذکر اصل سوم میں ہے مثبت سنت نبویہ ہیں یا نہیں۔ اور ان کتابوں کی احادیث بلا وقفہ و لفظ واجب العمل والا اعتقاد ہیں یا ان کتابوں میں ایسی احادیث بھی ہیں جن پر بلا تحقیق صحت بحسب اصول روایت عمل و اعتقاد جائز نہیں (اس سوال جواب اعتقاد کی بنا امام ابن الصلاح اور ان کے موافقین کے مذہب پر ہے جو احادیث صحیحین کو قطعی نظری جانتے ہیں اور موجب اعتقاد سمجھتے ہیں۔ ہم کو اس مقام میں اس مذہب کی حمایت و تائید مقصود نہیں۔ ہماری بحث صرف صحت احادیث صحیحین میں ہے، جس کو آپ قطعی صحت مائیں خواہ ظنی۔ قادیانی نے جملہ احادیث صحیحین کی ظنی صحت کا بھی نہ اقبال کیا اور نہ صاف انکار۔ اور ہمارے اس سوال کے جواب میں قطعی صحت سے انکار کی بحث کو چھیڑ دیا اور خروج از بحث کیا جس ذکر آگے آئیگا۔ محمد حسین)۔ ۲۰ جولائی ۱۸۹۱ء۔ ابو سعید محمد حسین

## مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریر چہارم

مولوی صاحب کا جواب سن کر میں عرض کرتا ہوں کہ میرے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک حدیث خواہ وہ بخاری کی ہو یا مسلم کی، اس شرط سے ہم کسی خاص معنوں میں جو بیان کئے جاتے ہیں، قبول کریں گے کہ وہ حدیث ان معنوں کی رو سے قرآن کریم کے بیان سے موافق و مطابق ہو (یہاں سے آپ بخاری و مسلم کی طرف متوجہ ہوئے، اور ان کی احادیث کو موضوع قرار دینے پر آمادہ ہو بیٹھے ہیں۔ بخاری و مسلم پر آپ کا یہ پہلا کھلا حملہ ہے۔ محمد حسین)۔ اب آپ کے زبانی بیان سے معلوم ہوا کہ آپ یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اصول روایت کی رو سے کتب حدیث خصوصاً صحیحین، مثبت سنت نبویہ ہیں یا نہیں؟ اور ان کتابوں کی احادیث بلا وقفہ واجب العمل والاعتقاد ہیں یا ان کتابوں میں ایسی حدیثیں بھی ہیں جن پر عمل و اعتقاد جائز نہیں۔ (یہ صاف اقرار ہے کہ آپ نے میرے سوال کا مطلب سمجھ لیا ہے مگر انہوں نے تاخیر بحث تک اس کا قطعی جواب نہ دیا۔ جو کچھ کہا اس میں خروج از بحث کہا۔ محمد حسین) اس کا جواب میری طرف سے یہ ہے کہ چونکہ حدیثوں کا جمع ہونا ایسے یقینی اور قطعی طور سے نہیں ہے جس سے انکار کرنا کسی طور سے جائز نہ ہو، اور جس پر ایمان لانا ایسے پایہ اور مرتبہ کا ہو جیسا کہ قرآن کریم پر ایمان لانا۔ لہذا ہمارا یہ مذہب ہرگز ایسا نہیں ہے کہ روایت کے رو سے بھی حدیث کو وہ مرتبہ یقین دیں، جیسا کہ ہم قرآن کریم کا مرتبہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ حدیثیں غایت کار مفید ظن ہیں تو ہم کیونکر روایت کے رو سے بھی ان کو وہ مرتبہ دے سکتے ہیں جو قرآن کریم کا مرتبہ ہے۔ جس طور سے حدیثیں جمع کی گئی ہیں اس طریق پر ہی نظر ڈالنے سے ہر ایک عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ ہرگز ممکن ہی نہیں کہ ہم اس یقین کے ساتھ ان کی صحت روایت پر یقین لاویں کہ جو قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی حدیث بخاری یا مسلم کی ہے، لیکن قرآن کریم کے کھلے کھلے منشاء کے برخلاف ہے، تو کیا ہمارے لئے یہ ضروری نہیں ہوگا کہ ہم اس کی مخالفت کی حالت میں قرآن کریم کو اپنے ثبوت میں مقدم قرار دیں۔ پس آپ کا یہ کہنا کہ احادیث اصول روایت کی رو سے ماننے کے لائق ہیں، یہ ایک دھوکہ دینے والا قول ہے کیونکہ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ حدیث کے ماننے میں جو مرتبہ یقین کا ہمیں حاصل ہے وہ مرتبہ قرآن کریم کے ثبوت سے ہم وزن ہے یا نہیں؟ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ مرتبہ ثبوت کا قرآن کریم

کے مرتبہ ثبوت سے ہم وزن ہے تو بلاشبہ ہمیں اسی پایہ پر حدیث کو مان لینا چاہیے۔ مگر یہ تو کسی کا بھی مذہب نہیں۔ تمام مسلمانوں کا یہی مذہب ہے کہ اکثر احادیث مفید ظن ہیں۔ و الظن لا یغنی عن الحق شئیئاً۔ مثلاً اگر کوئی شخص اس قسم کی قسم کھاوے کہ اس حدیث کے تمام الفاظ نبی ﷺ کی طرف سے ہیں اور تمام الفاظ وحی سے ہیں تو اس قسم کھانے میں وہ جھوٹا ہوگا۔ اور خود حدیثوں کا تعارض جو ان میں واقع ہے صاف دلالت کر رہا ہے کہ وہ مقامات تحریف سے خالی نہیں ہیں۔ پھر کیونکر کوئی مومن یہ اعتقاد رکھ سکتا ہے کہ حدیثیں روایتی ثبوت کی رو سے قرآن کریم کے ثبوت سے برابر ہیں۔ کیا آپ یا کوئی اور مولوی صاحب ایسی رائے ظاہر کر سکتے ہیں کہ ثبوت کی رو سے جس مرتبہ پر قرآن کریم ہے اسی قرینہ پر حدیثیں بھی ہیں؟ (یہ میرے سوال کا، جس کو مرزا صاحب خود نقل کر چکے ہیں، جواب نہیں ہے۔ اس طولانی جواب کا خلاصہ دو امر کا بیان ہے جو خارج از بحث ہیں: امر اول یہ کہ احادیث صحیحین، قرآن کے برابر قطعی و یقینی صحیح نہیں ہیں، جس کے بیان میں مرزا قادیانی نے تیسری دفعہ خروج از بحث کیا۔ امر دوم یہ کہ جو حدیث صحیحین قرآن کے موافق نہ ہو، وہ لائق قبول نہیں ہے، جس کے بیان میں مرزا قادیانی نے چوتھی دفعہ خروج از بحث کیا۔ ناظرین اس جواب کو غور سے ملاحظہ فرمائیں گے تو اس میں ان دو امروں خارج از بحث کے بیان و توضیحات کے سوا کچھ نہ پائیں گے۔ محمد حسین) پھر جبکہ آپ خود مانتے ہیں کہ حدیثیں اپنے روایتی ثبوت کی رو سے اعلیٰ مرتبہ ثبوت سے گری ہوئی ہیں (مرتبہ اعلیٰ ثبوت و صحت کا جو قرآن کو حاصل ہے، اس کا ادعاء تو احادیث صحیحین کی نسبت کسی نے نہیں کیا۔ ہاں مرتبہ قرآن کے بعد جو اعلیٰ مرتبہ صحت ہے، اسی کا دعویٰ احادیث صحیحین کے حق میں ہم نے کیا ہے اور وہی اہل اسلام میں مسلم ہے اور طرفیہ کہ مرزا قادیانی بھی منافقانہ طور پر اپنے اشتہار یکم اگست ۱۸۹۱ء میں اس کو ماننے ہیں۔ محمد حسین) اور غایت کار مفید ظن ہیں۔ تو آپ اس بات پر کیوں زور دیتے ہیں کہ اسی مرتبہ یقین پر انہیں مان لینا چاہیے جس مرتبہ پر قرآن کریم مانا جاتا ہے۔ پس صحیح اور سچا طریق تو یہی ہے کہ جیسے حدیثیں صرف ظن کے مرتبہ تک ہیں، بجز چند حدیثوں کے، تو اسی طرح ہمیں ان کی نسبت ظن کی حد تک ہی ایمان رکھنا چاہیے اور ہر ایک مومن خود سمجھ سکتا ہے کہ حدیثوں کی تحقیقات روایتی نقص سے خالی نہیں (اس تحقیق کو مرزا قادیانی کا ناقص کہنا اپنے عقل کے نقصان کا اظہار ہے اور اس اعتقاد و نقصان کے ساتھ آپ کا اشتہار یکم اگست میں صحیحین کو اکتب بعد کتاب اللہ کہنا نفاق نہیں تو کیا ہے؟ یہ آپ کا صحیحین پر چوتھا حملہ ہے۔ محمد حسین) کیونکہ ان کے درمیانی راویوں کی چال چلن وغیرہ کی نسبت ایسی تحقیقات کامل نہیں ہو سکی (ہو چکی ہے، مگر مرزا قادیانی اس کو چھ سے محض نابلد ہیں۔ ہماری تریز نمبر ۸ ملاحظہ ہو۔ محمد حسین) اور نہ ممکن تھی کہ کسی طرح شک باقی نہ رہتا۔ آپ خود اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں لکھ چکے ہیں کہ احادیث کی نسبت بعض اکابر کا یہ مذہب ہوا ہے کہ ایک ملہم شخص صحیح

حدیث کو بالہام الہی موضوع ٹھہرا سکتا ہے اور ایک موضوع حدیث کو بالہام الہی صحیح ٹھہرا سکتا ہے۔ (اشاعت السنہ میں نہ یہ تصریح ہے کہ بعض اکابر نے یہ بات اتفاقی احادیث صحیحین کی نسبت کہی ہے اور نہ یہ تصریح ہے کہ ان اکابر، مثل شیخ اکبر، کی رائے سے صاحب اشاعت السنہ کو اتفاق ہے۔ بلکہ اشاعت السنہ میں صاف تصریح ہے کہ صاحب اشاعت السنہ کو قول شیخ اکبر سے اتفاق نہیں ہے... اور اس قول شیخ اکبر کا صحیح حمل وہی احادیث معلوم ہوتی ہیں جن کی صحت میں اختلاف ہو، لہذا اس عبارت اشاعت السنہ کو اس مقام میں پیش کرنا مسلمانوں کو دکھ دیتا ہے۔ محمد حسین) اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جب کہ یہ حال ہے کہ کوئی حدیث بخاری یا مسلم کی بذریعہ کشف کے موضوع ٹھہرا سکتی ہے تو پھر کیونکر ہم ایسی حدیثوں کو ہم پابقیہ قرآن مان لیں گے۔ ہاں یہ تو ہمارا ایمان ہے کہ ظنی طور پر بخاری اور مسلم کی حدیثیں بڑے اہتمام سے لکھی گئی ہیں اور غالباً اکثر ان میں صحیح ہوں گی۔ لیکن کیونکر ہم اس بات پر حلف اٹھا سکتے ہیں کہ بلاشبہ وہ ساری حدیثیں صحیح ہیں جب کہ وہ صرف ظنی طور پر صحیح ہیں نہ یقینی طور پر، تو پھر یقینی طور پر ان کا صحیح ہونا کیونکر مان سکتے ہیں۔ (یہ صاف اقرار ہے کہ آپ کشف کے ذریعہ احادیث صحیحین کو موضوع ٹھہرانے کے مدعی ہیں، اب آپ کے صحت احادیث صحیحین سے منکر ہونے میں کیا کسر رہ گئی ہے۔ یہ احادیث صحیحین پر مرزا کا پانچواں جملہ ہے۔ اگر کہو کہ تم اور شیخ اکبر یہ بات کہہ چکے ہو تو اس کا جواب ابھی دیا گیا ہے کہ یہ محض کذب ہے۔ یہ بات نہ ہم نے کہی ہے، نہ شیخ اکبر نے فرمائی ہے۔ محمد حسین)

الغرض میرا مذہب یہی ہے کہ البتہ بخاری اور مسلم کی حدیثیں ظنی طور پر صحیح ہیں مگر جو حدیث صریح طور پر ان میں سے مبائن و مخالف قرآن کریم کے واقع ہوگی، وہ صحت سے باہر ہو جائے گی۔ آخر بخاری اور مسلم پر وحی تو نازل نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ جس طریق سے انہوں نے حدیثوں کو جمع کیا ہے اس طریق پر نظر ڈالنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ وہ طریق ظنی ہے اور ان کی نسبت یقین کا ادعا کرنا دعائے باطل ہے۔ دنیا میں جو اس قدر مخالف فرقے اہل اسلام میں ہیں، خاص کر مذاہب اربعہ ان چاروں مذہبوں کے اماموں نے اپنے عملی طریق سے خود گواہی دیدی ہے کہ یہ احادیث ظنی ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اکثر حدیثیں ان کو ملی ہوں گی مگر ان کی رائے میں وہ حدیثیں صحیح نہیں تھیں (مرزا کی اس تحریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام ابوحنیفہ اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے وقت میں موجود تھیں۔ بعد میں ایک پرچے میں مرزا صاحب نے لکھا کہ میں نے یہ کب کہا ہے کہ امام اعظم کے وقت میں صحیح بخاری موجود تھی۔ اس کو پڑھنے اور دیکھنے کے وقت قادیانی کے کذب و جبروت و مغالطہ کا اندازہ کریں۔ محمد حسین) بھلا آپ فرمادیں کہ اگر کوئی شخص بخاری کی کسی حدیث سے انکار کرے کہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ اکثر مقلدین انکار کرتے ہیں، تو کیا وہ آپ کے نزدیک کافر ہو جائے گا۔ پھر جس حالت میں وہ کافر نہیں ہو سکتا تو آپ کیونکر ان حدیثوں کے



روایتی ثبوت کے رو سے یقینی ٹھہرا سکتے ہیں (تحریر نمبر ۸ میں ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ مقلدین مذہب اربعہ کسی حدیث صحیحین کی صحت کے منکر نہیں اور ان کی مخالفت بعض احادیث صحیحین سے اختلاف رائے و فہم معانی و تاویل و ترجیح پر مبنی ہے۔ صرف آپ ہیں جو بعد اتفاق اہل سنت انکاری ہوئے ہیں۔ اور احادیث صحیحین کو ایسا یقینی کون کہتا ہے کہ ان کے انکار سے کفر لازم آئے جمہور علماء بظن غالب ان کو صحیح جانتے ہیں اور امام ابن الصلاح اور ان کے ہم خیال نظری یقینی کہتے ہیں۔ لہذا ان کے انکار سے فاسق اور متبرک ہونا لازم آتا ہے اور اس سے بڑھ کر کسی کو دعویٰ نہیں ہے۔ محمد حسین)۔ اور جب کہ وہ یقینی نہیں ہیں تو اس حالت میں اگر ہم کسی حدیث کو قرآن کریم کے مخالف پائیں گے (ایک حدیث صحیح دوسری حدیث صحیح کے مخالف نہیں ہوتی۔ چہ جائے کہ مخالف قرآن ہو۔ حدیث صحیح قرآن کے مخالف قرار دینا ان ہی لوگوں کا کام ہے جو اس حیلہ سے حدیث کو موضوع بنانا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ مرزا قادیانی نے کیا ہے۔ آپ بار بار احادیث صحیحین کو مخالف قرآن ٹھہرا کر ساقط الا اعتبار بناتے ہیں اور اپنا منکر احادیث ہونا ثابت کر رہے ہیں جس کا جواب انہیں کئی بار دیا گیا ہے۔ یہ احادیث صحیحین پر ان کا آٹھواں حملہ ہے۔ محمد حسین) اور صرح طور پر دیکھ لیں گے کہ وہ قرآن کریم سے صریح طور پر مخالف ہے اور کسی طور سے تطبیق نہیں دے سکیں گے، تو کیا ہم ایسی صورت میں قرآن کریم کی اس آیت کو ساقط الا اعتبار کر دیں گے یا اس کے کلام الہی ہونے کی نسبت شک میں پڑیں گے۔ کیا کریں گے؟ آخر یہی تو کرنا ہے کہ اگر ایسی حدیث کسی طور سے کلام الہی سے تطبیق نہیں کھائے گی تو اس کو بغیر خوف زید اور عمرو کے وضعی قرار دیں گے (بلاخوف زید و عمرو کیوں کہتے ہیں۔ بلاخوف خدا کہیں۔ بار بار احادیث صحیحین کو مخالف و معارض قرآن کہنے سے آپ کی غرض یہی تھی کہ ان احادیث کو موضوع قرار دیں، سوان کے منہ سے یہ بات صاف نکل گئی کہ وہ بخاری و مسلم کی احادیث کو موضوع کہیں گے۔ یہ ان کا احادیث صحیحین پر نواں حملہ ہے۔ محمد حسین)۔ بلاشبہ آپ کا نور قلب اس بات پر شہادت دیتا ہوگا کہ حدیثیں اپنے روایتی ثبوت کی رو سے کسی طور سے قرآن کریم کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اس وجہ سے گو وہ وحی الہی ہی ہوں، نماز میں بجائے کسی سورت کے ان کو نہیں پڑھ سکتے (اس کا نتیجہ بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ حدیث عین قرآن اور وحی منلو نہیں، نہ یہ کہ حدیث واجب العمل نہیں۔ اور یہ تو ہم نے بھی نہیں کہا کہ حدیث عین قرآن ہے اور بجائے قرآن اس کو نماز میں پڑھ سکتے ہیں۔ صرف یہی کہا ہے کہ حدیث قرآن کی مانند واجب العمل ہے پھر اس بات کے کہنے سے بجز وہو کہ وہی عوام کیا فائدہ متصور ہے۔ محمد حسین) اور ایک نقص حدیثوں میں یہ بھی ہے کہ بعض حدیثیں اجتہادی طور پر سے آنحضرت ﷺ نے فرمائی ہیں، اسی وجہ سے ان میں باہم تعارض ہو گیا ہے جیسا کہ ابن صیاد کے دجال معبود ہونے کی نسبت جو حدیثیں ہیں (لفظ اجتہاد سے جو مراد اپنی تحریر نمبر ۵ میں مرزا صاحب نے بیان کی ہے اس مراد سے احادیث متعلقہ ابن صیاد، دجال اجتہادی نہیں ہو سکتیں۔ اس کی تفصیل آئندہ ہوگی۔ محمد حسین)، ان حدیثوں سے صریح اور صاف طور پر معارض ہیں جو گر جاوالے دجال کی نسبت ہیں، جس کا راوی تمیم داری ہے۔ اب ہم ان دونوں حدیثوں میں سے کس حدیث کو صحیح سمجھیں۔ دونوں حضرت مسلم صاحب کی

صحیح میں موجود ہیں۔ ابن صیاد کے دجال معبود ہونے کی نسبت یہاں تک وثوق پایا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے روبرو قسم کھا کر بیان کیا کہ دجال معبود یہی ہے۔ تو آپ ﷺ چپ رہے، ہرگز انکار نہیں کیا۔ اور ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کا قسم کھانے کے وقت میں چپ رہنا گویا خود آنحضرت ﷺ کا قسم کھانا ہے، اور پھر ابن عمرؓ کی حدیث میں صریح اور صاف لفظوں میں موجود ہے کہ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ مسیح دجال معبود یہی ابن صیاد ہے۔ اور پھر جابرؓ نے بھی قسم کھا کر کہا کہ دجال معبود یہی ابن صیاد ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے آپ بھی فرمایا کہ میں اپنی امت پر ابن صیاد کے دجال معبود ہونے کی نسبت ڈرتا ہوں۔ پھر ایک اور حدیث مسلم میں ہے، جس میں لکھا ہے کہ صحابہ کا اس پر اتفاق ہو گیا تھا کہ دجال معبود ابن صیاد ہی ہے۔ لیکن فاطمہؓ کی حدیث تمیم داریؓ والی جو اسے مسلم میں موجود ہے، صریح اس کے مخالف ہے۔ اب ہم ان دونوں دجالوں میں سے کس کو دجال سمجھیں (احادیث صحیح مسلم میں وجود تعارض کا دعویٰ کرنا، جو مرزا قادیانی کے نزدیک موضوع ہونے کی دلیل ہے، احادیث صحیح مسلم پر دسواں کھلم کھلا حملہ ہے اور اس تعارض کا ادعا محض کذب ہے۔ جس حدیث میں ابن صیاد کو دجال کہا گیا ہے وہ حدیث تمیم داریؓ کے مخالف و معارض نہیں اور نہ کسی اور حدیث صحیح کی معارض ہے۔ حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے اس پر قسم نہیں کھائی کہ ابن صیاد دجال موعود ہے، اور نہ آنحضرت ﷺ نے اس مضمون پر قسم پکوت کیا۔ ان کی قسم اور آنحضرت ﷺ کا سکوت تو صرف ابن صیاد کو دجال کہنے پر تھا۔ جس کے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ ابن صیاد منجملہ ان تیس دجالوں کے ایک دجال ہے جن کے خروج کی خبر آنحضرت ﷺ نے دی تھی۔ ایسا ہی حضرت جابر کا ابن صیاد کو دجال کہنا ہے۔ اس میں بھی یہ تصریح نہیں کہ ابن صیاد دجال موعود ہے۔ رہا حضرت ابن عمر کا ابن صیاد کو مسیح دجال کہنا۔ سو یہ حضرت ابن عمر کا اپنا قول موقوف ہے، جو حدیث صحیح تمیم داریؓ وغیرہ کا معارض نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت ﷺ سے جو مرزا صاحب نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں ابن صیاد کے دجال موعود ہونے سے ڈرتا ہوں، یہ ایک سفید جھوٹ ہے، جس کا ثبوت مرزا صاحب سے طلب کیا گیا تو اخیر تک کچھ نہ بتلایا اور جو کہا ان میں افتراء سے کام لیا ہے۔ تحریرات فریقین نمبر ۶ و ۷ ملاحظہ ہوں۔ اور قادیانی کا یہ دعویٰ بھی محض کذب ہے کہ مسلم کی ایک حدیث میں لکھا ہے کہ صحابہ کا اس پر اتفاق ہو گیا تھا کہ دجال موعود ابن صیاد ہی ہے۔ صحیح مسلم میں اس مضمون کی کوئی حدیث موجود نہیں۔ مرزا قادیانی سے اس کا ثبوت طلب کیا گیا تو اس نے بھی کوئی پتہ نہیں دیا جس سے اس کا دعویٰ ثابت ہو۔ جو کہا اس سے مرزا صاحب کا اور بھی کذب ثابت ہوا۔ اس کا مفصل بیان ہمارے تحریر نمبر ۷ میں ہے۔ محمد حسین)۔ (نواب) صدیق حسن صاحب، جیسا کہ میرے ایک دوست نے بیان کیا ہے، ابن صیاد کی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور تمیم داریؓ کی حدیث کو اپنی کتاب آثار القیامہ میں ضعیف قرار دیتے ہیں (یہ محض کذب و افتراء ہے اور یہ مرزا قادیانی اور اس کے اتباع و احباب کے دجال و کذاب ہونے پر ایک روشن دلیل ہے۔ نواب صدیق حسن خان مرحوم نے ابن صیاد کے دجال ہونے کو ترجیح نہیں دی اور نہ حدیث تمیم داریؓ کی تضعیف کی ہے، اپنی کتاب حجج الکرامہ فی آثار القیامہ کے صفحہ ۴۱۶ میں ابن صیاد کے دجال موعود ہونے کے باب میں صحابہ سے دو قول نقل کر کے فتح الباری شرح صحیح بخاری سے احادیث جابر بن عبد اللہ و عبد اللہ بن عمر و ابوسعید

غدیری وقتم حضرت عمرؓ حضور آنحضرت ﷺ نقل کئے ہیں۔ پھر صفحہ ۴۱۷ میں صاحب فتح الباری حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ احادیث اس باب میں نص، یعنی بیان واضح، نہیں کہ ابن صیاد دجال موعود ہے۔ پھر نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ابن صیاد کے باب میں متردور ہونا، یعنی حضرت عمرؓ کو ارادہ قتل ابن صیاد کے وقت یہ فرمانا کہ اگر ابن صیاد دجال موعود ہے تو مجھے اس کے قتل پر قدرت نہ ہوگی اور اگر یہ ہے تو اس کا قتل کرنا اچھا نہیں ہے، تمیم داری کا قصہ سننے سے پہلے تھا۔ اور پھر جب تمیم داریؒ سے آنحضرت ﷺ نے اس کا حال سن لیا تو آپ کو یقین ہو گیا کہ دجال موعود وہی شخص ہے جو جزیرہ میں میسوس ہے۔ اور تمیم داری اس کو دیکھ آیا ہے۔ پھر حدیث تمیم داری کی نسبت فتح الباری سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی راوی صرف فاطمہ بنت قیس ہی نہیں ہے، بلکہ ابو ہریرہ و عائشہ و جابر بھی اس حدیث کی روایت میں فاطمہ کے ساتھ شریک ہیں۔ پھر ان اصحاب کی روایات حدیث تمیم داری کو کتب محدثین سے نقل کر کے ان کا صحیح و حسن ہونا محدثین سے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد صحیح مسلم سے پوری حدیث تمیم داری نقل کر کے صفحہ ۴۱۸ میں بہیقی سے نقل کیا ہے کہ دجال کہن سال بڑھا ہے۔ پھر اس حدیث کی سند کی صحت نقل کر کے بہیقی سے نقل کیا ہے کہ دجال کہن سال بڑھا ہے۔ ابن صیاد کے سوائے کوئی اور شخص ہے۔ اور ابن صیاد من جملہ دجالین کذا بین، جن کے خارج ہونے کی آنحضرت ﷺ نے خبر دی ہے، ایک دجال ہے۔ اور جو لوگ ابن صیاد کو دجال سمجھتے تھے انہوں نے قصہ تمیم داری نہ سنا تھا۔ پھر صفحہ ۴۱۹ میں اس کے مؤیدات فتح الباری سے نقل کر کے کہا ہے: اینست شخص کلام فتح الباری وحاصلش اصح بودن دجال غیر ابن صیادست بوجاً نکلما عور باشد و از ایود باشد و در ایود یہود یہود یہود یہود ای غیر ذالک۔ و احادیث ابن صیاد ہمہ محتملست و حدیث جسامہ نصست، پس مقدم باشد و در اثنائے گفتہ و منوید مرجح بودن او غیر ابن صیادست زیرا کہ قصہ تمیم داری متاخرست از قصہ ابن صیاد پس ہم چون ناخ، ہم چون ناخ یعنی ناخ کی مانند یعنی اس کو بے اعتبار کرنے والا، یہ اس لئے کہا ہے کہ حقیقۃً اخبار میں نہیں ہوتا، ناخ کی مانند اس لئے ہوا کہ اس روایت تمیم نے ان روایات کو جن سے اس کے خلاف کا وہم پیدا ہوتا تھا، بے اعتبار و کان لم یکن کر دیا۔ باشد برائے او و نیز وقت اخبار آنحضرت ﷺ با نکل دجال در بحر شام یا بحرین لکن لکن از طرف شرق بر آید ابن صیاد مدینہ بود پس اگر وہی بودی فردم کو دی در مدینہ است و نواں گفت کہ اس صرف بان جہت نفردم کہ مباد اورا بکشند و خبر داد بانجام کار زیرا کہ قتل شخصی قبل از اجلے اوئے تو اندشند۔ و مقدر آست کہ قاتل وہی نبی خداست بن مریم علیہ السلامست و اگر ہم جنین سے بود بیان نمی کرد آنحضرت ﷺ صغریٰ خوارن را، صغریٰ و بمعنی اصل۔ یہ یکلہ بعض خارجیوں کے حق میں آپ نے فرمایا تھا کہ اس کے اصل، یعنی نسل سے، ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دین سے خارج ہوں گے، محمد حسین)۔ بہر حال اب یہ مصیبت اور رونے کی جگہ ہے یا نہیں کہ ایک ہی کتاب میں جو بعد بخاری کے اصح الکتب سمجھی گئی ہے دو متعارض حدیثیں ہیں، جب کہ ہم ایک کو صحیح ماننے ہیں تو پھر دوسری کو غلط ماننا پڑتا ہے۔ (مرزا قادیانی کا یہ رونا اور اظہار مصیبت و ماتم کرنا اس امر کا صریح اقرار ہے کہ وہ صحیح مسلم کی ان احادیث کو جن میں ابن صیاد اور دجال کا ذکر ہے، باہم متعارض و متخالف جانتے ہیں اور بناء علیہ حدیث تمیم داری کو جس میں ابن صیاد کے سوا کسی اور شخص کو دجال کہا گیا ہے، غلط و موضوع قرار دیتے ہیں۔ اس تعارض اور غلطی کا وہ یقین نہ رکھتے تو یہ رونا نہ روتے اور ماتم نہ کرتے بلکہ یقین اور وثوق کے ساتھ یہ کہتے کہ ان سب احادیث میں ایک ہی دجال ابن صیاد مراد ہے۔ لہذا یہ سب احادیث باہم متوافق اور صحیح ہیں۔ ان کا ایسا نہ کہنا اور برخلاف اس کے ان احادیث کے تعارض پر نوحد کر کے ایک حدیث تمیم داری کو غلط قرار دینا صاف یقین دلاتا ہے کہ اس حدیث کو وہ غلط موضوع جانتے ہیں۔ یہ احادیث صحیح مسلم پر ان کا گیارہواں حملہ ہے۔

مرزا قادیانی کی اس مصیبت پر، جس پر وہ رونا روتے ہیں، تعزیت کی جاتی ہے کہ یہ مصیبت ان کی خیالی مصیبت ہے، نہ واقعی مصیبت۔ کیونکہ واقع اور حقیقت میں تمیم داری کی حدیث میں اور ان احادیث میں، جن میں ابن صیاد کو دجال کہا گیا ہے، کوئی تعارض نہیں۔ حضرت عمرؓ و حضرت جابرؓ نے تو ابن

صیاد کے دجال معبود ہونے کا ذکر ہی نہیں کیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے اس کو متوجہ دجال کہا ہے سو یہ ان کا قول موقوف ہے جو حدیث مرفوعہ تمیم داری کا معارض نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ مصیبت کیا ہے اور یہ رونا کیسا؟ محمد حسین) ماسوا اس کے تمیم داری کی حدیث میں صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ وہی دجال جو تمیم داریؓ نے دیکھا تھا، کسی وقت خروج کرے گا۔ لیکن اسی مسلم کی حدیثیں صاف صاف ظاہر کر رہی ہیں کہ سو برس کے عرصے تک کوئی شخص زندہ نہیں رہے گا۔ بلکہ پہلی حدیث میں تو آنحضرت ﷺ نے

قسم لکھا کہ بیان فرمایا ہے کہ اس وقت سے سو برس تک کوئی جاندار زمین پر زندہ نہیں رہے گا۔ اب اگر ابن صیاد اور گر جا والا دجال جاندار اور مخلوق ہیں، تو اس سے لازم آتا ہے کہ وہ مر گئے ہوں۔ اب یہ دوسری مصیبت ہے کہ دونوں حدیثوں کے صحیح ماننے سے پیش آتی ہے۔ آپ فرماویں کہ ہم کیونکر ان دونوں کو باوجود سخت تعارض کے صحیح مان سکتے ہیں۔ پس اب بجز اس کے اور کیا راہ ہے کہ ہم ایک حدیث کو غیر صحیح کہیں۔ غرض کہاں تک بیان کیا جائے۔ جس قدر بعض احادیث میں تعارض و مخالف پایا جاتا ہے اس کے بیان کرنے کیلئے تو ایک رسالہ

چاہیے مگر اس جگہ اسی قدر کافی ہے۔ (یہ مصیبت پر مصیبت کا اظہار سخت تعارض احادیث صحیح مسلم کا اشتہار اور عدم تسلیم صحت احادیث ایک جانب کا اقرار، صاف اقبال ہے کہ مرزا قادیانی صحیح مسلم کی حدیث تمیم داری کو صحیح نہیں جانتے اور جو اشتہار یکم اگست ۱۸۹۱ء میں تسلیم صحت کا اقرار کرتے ہیں وہ منافقانہ اقرار ہے، ان کا دلی اعتقاد یہی ہے جو بار بار ان کے منہ پر آتا ہے۔ یہ ان کا احادیث صحیح مسلم پر بارہا حملہ ہے۔ اس مصیبت بار دوم پر دوبارہ قادیانی کی تعزیت کی جاتی ہے کہ یہ مصیبت بھی ان کی خیالی مصیبت ہے نہ واقعی مصیبت۔ اور جن احادیث ثلاثہ صحیح مسلم میں یہ ذکر ہے کہ سو برس کے بعد زمین پر کوئی زندہ نہ رہے گا، وہ حدیث تمیم داری کی معارض و مخالف نہیں ہے۔ ان احادیث میں ان سائنسین مدینہ یا زمین عرب کا جو اس وقت تک پیدا ہو چکے تھے، حال وفات بیان ہوا ہے، نیکل زمین کے سائنسین بحر جزائر کا۔ اور حدیث تمیم داری میں جس دجال کا قرب قیامت تک زندہ رہنا بیان ہوا ہے وہ عرب کی زمین میں نہیں بلکہ سمندر کے ایک مشرقی جزیرہ میں ہے۔ پھر ان احادیث میں اور حدیث تمیم داری میں تعارض کہاں ہوا؟ ان احادیث میں زمین سے خاص زمین عرب کا مراد ہونا ایسا ہے جیسا کہ انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسوله و یسعون فی الارض فساداً ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیہم وارجلہم من خلاف او ینفوا من الارض (مانکہ۔ ع ۵) میں زمین سے مراد حارثین کا وطن ہے، اور اس زمین سے نکال دینے سے ان کو جلا وطن کرنا مراد ہے۔

محمد شین کرام ان احادیث کے یہی معنی کرتے ہیں اور بناء علیہ ان احادیث کے حکم سے حضرت خضرؑ و حضرت عیسیٰؑ اور ملائکہ اور اہلبیت کا مستثنیٰ ہونا بیان فرماتے ہیں۔

امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا ہے کہ، سو برس والی، احادیث سے بعض شاذ و نادر محدث لوگوں نے حضرت نضرؑ کی موت پر استدلال کیا ہے مگر جمہور محدثین ان کو زندہ سمجھتے ہیں۔ اور ان احادیث کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ان میں زمین کے باشندوں کا حال بیان ہوا ہے۔ اور حضرت نضرؑ دریا میں رہتے تھے، یا ان احادیث میں عام لوگوں کا حال بیان ہوا ہے جن سے حضرت خضرؑ مخصوص و مستثنیٰ ہیں

و قد احتج بهذا الاحادیث من شذ من المحدثین فقال الخضر میت۔ و الجمہور علی حیاتیہ کما سبق



گئی ہے۔ یہ بات آپ نے اپنے خسر و داماشی ناصر نواب کو بھی زبانی کہی تھی اور اس کی تصدیق کے لئے مشکوٰۃ کے صفحہ ۴۷۲ میں ایک حدیث دکھا کر اس کا مطلب یہ سمجھایا تھا کہ آنحضرت ﷺ سے لوگوں نے وقت قیامت سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سو برس کے بعد زمین پر کوئی نہ رہے گا۔ اس کے بعد زبانی تقریر میں قادیانی صاحب نے فرمایا تھا کہ اس قول نبوی سے زمین سے کوئی خاص زمین مراد ہوتی تو قول سوال قیامت کا جواب نہیں بنتا کیونکہ کسی ایک زمین کے زندہ اشخاص کے فوت ہو جانے سے قیامت کا قائم ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ قیامت تب ہی قائم ہوگی جب کہ تمام زمین پر کوئی زندہ نہ رہے۔

اس تقریر میں قادیانی نے حاضرین مجلس کو دھوکہ دیا اور اس دھوکہ سے اپنا دجال ہونا خوب ثابت کیا۔ آنحضرت ﷺ کا یہ قول کہ سو برس کے بعد کوئی جاندار نفس زمین پر نہ رہے گا۔ سوال قیامت کا جواب ہرگز نہیں ہے۔ یہ قول سوال قیامت کا جواب ہوتا تو پھر کیا ممکن تھا کہ سو برس کے بعد کوئی زمین پر زندہ رہتا۔ اور آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی میں تخلف ہوتا۔ اور قیامت کا ہنگامہ پر پانہ ہوتا؟ ہرگز نہیں۔ یہ قول تو آپ ﷺ نے سوال قیامت کے جواب سے اعراض و انکار کر کے فرمایا تھا۔ لوگوں نے آپ سے وقت قیامت سے سوال کیا۔ آپ نے جواب میں وقت قیامت سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور صاف فرمادیا کہ وقت قیامت کا علم تو مجھے نہیں۔ یہ علم تو خدا تعالیٰ ہی سے مخصوص ہے۔ ہاں میں یہ بات قسم سے کہتا ہوں کہ جو لوگ آج کے دن تک زمین پر موجود ہو چکے ہیں، وہ سو برس کے بعد زندہ نہ رہیں گے۔

اصل حدیث یہ ہے صحیح مسلم کے صفحہ ۳۱۰ میں ہے، وہی حدیث مشکوٰۃ میں صفحہ ۴۷۲ منقول ہے عن جابر بن عبد اللہ سمعت النبی ﷺ یقول قبل ان یموت بشہر تساء لونی عن الساعة و انما علمها عند اللہ و اقسام باللہ ما علی الارض من نفس منفسۃ تاتی علیہا مائۃ سنۃ و ہی حیہ یومئذ اس حدیث سے آنحضرت ﷺ کا مقصود یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اہل قرآن، ہم عصر لوگ، سو برس تک فوت ہو جائیں گے، نہ یہ کہ تمام دنیا کے لوگ سو برس تک مرجائیں گے اور قیامت برپا ہوگی۔ چنانچہ اسی کتاب صحیح مسلم میں حضرت ابن عمرؓ مروی ہے کہ لوگ جو آپس میں سو برس کے بعد قیامت آنے کی باتیں کرتے ہیں اس میں وہ آنحضرت ﷺ کے کلام کے معنی سمجھنے میں غلطی کر رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا کہ جو آج تک پیدا ہو چکے ہیں وہ سو برس کے بعد نہ رہیں گے، جس سے آپ کا مقصود یہ تھا کہ آپ ﷺ کا قرآن سو برس کے بعد گزر جائے گا قال ابن عمر فوہل الناس فی مقالۃ رسول اللہ ﷺ تلک فیما یتحدثون من ہذہ الا حدیث عن مئۃ سنۃ و انما قال رسول اللہ ﷺ لا یبقی ممن ہو الیوم علی ظہر الارض احد یرید بذلک ان ینحرم ذلک القرن (صحیح مسلم۔ ص ۳۱۰)۔ یہ قول ایک جلیل الشان صحابی ابن عمر کا بھی اس باب میں نص ہے کہ آنحضرت ﷺ کا وہ قول سوال قیامت کا جواب نہیں تھا۔ اور اس سے قیامت برپا ہونے کی خبر دینا مقصود نہ تھا، بلکہ بیان انقضاء قرن مقصود ہے۔ اور جب اس قول سے جواب سوال قیامت مقصود نہ ہوا تو پھر اس سے تمام زمین کے زندہ اشخاص کا فوت ہو جانا مراد ٹھہرانا ضروری نہ ہوا۔ کیونکہ یہ تو بقول مرزا قادیانی اسی صورت میں ضروری تھا جب کہ یہ قول سوال قیامت کا جواب ہوتا، اور اس سے قیامت ہونے کی خبر دینا مقصود حضرت رسالت ہوتا۔

لفظ قرن کو، جس کے گزر جانے کا بیان بقول حضرت ابن عمر مقصود حضرت رسالت تھا، دیکھا جائے تو اس سے بھی تمام زمین کے لوگوں کا مراد نہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے اہل قرآن وہی لوگ کہلاتے ہیں جو آپ ﷺ سے شرف صحبت و ملاقات رکھتے تھے، نہ تمام دنیا کے لوگ۔ حدیث مشہور خیر القرون قرن ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم میں آنحضرت ﷺ نے اپنے قرن والوں کو بہترین اہل زمانہ فرمایا ہے۔ پھر ان کو جو ان کے قریب ہوں، پھر ان کو جو اس سے متصل ہوں۔ اور اس قول سے ان تینوں زمانوں کے تعامل عام کو جت ٹھہرایا ہے۔ کیا اس حدیث میں ان تین زمانوں کے تمام دنیا کے لوگوں کو، یورپ میں ہوں خواہ ایشیا میں یا امریکہ و چین وغیرہ میں آنحضرت ﷺ نے بہتر کہا۔

؟ اور ان کے تعامل کو جت ٹھہرا یا ہے؟ ہرگز نہیں۔

مجمع البحار جلد سوم کے صفحہ ۱۲۸ میں نہایت جزی سے نقل کیا ہے :

قرنہ اصحابہ علی الصحیح وقیل قرنہ ما بقیت عین رتہ و الثانی ما بقیت عین راءت من راه و الثالث کذا لک و لثالث ابناء ابناہم۔ وقیل کل طبقة مقترنین فی وقت و الصحیح ان قرنہ اصحابہ و الثانی التابعون و الثالث تابعوہم و قد ظہر ان مدة ما بین البعثة الی آخر من مات من الصحابة مائة و عشرون بالتقريب و ان نظر الی وفاته کان مائة اما قرن التابعین فان اعتبر من سنة مائة کان نحو خمسين فظہر ان مدة القرن مختلف باعتبار اعمار اهل کل زمان و اتفق ان اخر اتباع التابعین من عاش الی عشرين و ماتین و فیہ ظہر البدع ظہوراً ناشیاً و اطلقت المعتزلة السننہا و رفعت الفلاسفة رثو سہا کہ آنحضرت ﷺ کا قرن بنا بقول صحیح آپ کے اصحاب تھے۔ بعض کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کا قرن اس وقت تک ہے کہ آپ کو دیکھنے والی آنکھ رہے۔ دوسرا قرن اس وقت تک ہے کہ آپ کو دیکھنے والوں کو دیکھنے والی آنکھ رہے۔ ایسا ہی تیسرا۔

اور اسی مجمع البحار جلد ثالث کے صفحہ ۱۲۳ میں طبری سے نقل کیا ہے قرنہ اصحابہ و الثانی ابناہم کہ آپ ﷺ کا قرن آپ کے اصحاب تھے، دوسرا قرن ان کے بیٹے، تیسرا قرن ان کے پوتے۔

بعض کا قول ہے کہ قرن وہ لوگ ہیں جو کسی وقت میں ملے ہوں۔ مگر صحیح یہ تفسیر ہے کہ آنحضرت ﷺ کا قرن آپ کے اصحاب ہیں، دوسرا قرن تابعین کا تیسرا قرن تبع تابعین کا۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے کے وقت سے آخری صحابی کی موت تک تقریباً ایک سو بیس برس ہوتے ہیں اور اگر آنحضرت ﷺ کے سال وفات سے، جس سے ایک مہینہ پیشتر آپ نے وہ قول سو برس تک کسی کے زندہ نہ رہنے کا فرمایا تھا چنانچہ صحیح مسلم میں بصرہ ۳۱۰ اور مشکوٰۃ میں بصرہ ۲۷۲ تصریح موجود ہے، حساب کیا جاوے تو ایک سو برس ہوتے ہیں۔ تابعین کا قرن اس سو برس کے بعد شمار کیا جائے تو تقریباً ستر برس تک ختم ہوتا ہے اور تبع تابعین کا قرن اس کے بعد سے شمار کیا جائے تو تقریباً پچاس برس تک ختم ہوتا ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہوا کہ قرن ہر ایک زمانہ والوں کی عمر کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ آخری تبع تابعی دو سو بیس ہجری تک زندہ رہا ہے۔ اس کے بعد بدعت و فساد کا عام شیوع ہو گیا۔ معتزلہ نے زبان کو کھولا اور فلاسفہ نے سراٹھایا وغیرہ وغیرہ۔

ان عبارات کی شہادت سے صاف ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قرن سے جس کے گزر جانے کی بقول حضرت ابن عمرؓ، آنحضرت ﷺ نے اس قول میں خبر دی تھی صحابہ مراد ہیں۔ جو عرب وغیرہ بلاد کی زمین میں رہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس قول میں ان ہی کے فوت ہونے کی خبر دی تھی، نہ تمام دنیا کے لوگوں کی۔ آپ کے قرن سے ساری دنیا کے لوگوں کو مراد ٹھہرایا جائے تو آنحضرت ﷺ کی اس حدیث مشہور میں جو لفظ قرن وارد ہے اس سے بھی تمام دنیا کے لوگ مراد لینا اور ان کا بہتر ہونا اور ان کے تعامل کا حجت ہونا لازم آئے گا جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہو سکتا۔

اس بیان سے ثابت ہے کہ مرزا قادیانی نے فقہی حدیث سے ناواقف ہو کر ناخلاق دخل و در معقولیات دیتا ہے اور احادیث صحیحہ کے غلط معنی کر کے ان کو باہم متعارض ٹھہراتا اور مسلمانوں کو دہوکہ دیتا ہے۔ محمد حسین) اب ظاہر ہے کہ اگر تمام حدیثیں روایت کے طور سے یقینی الثبوت ہوتیں تو یہ خرابیاں کاہے کو پڑتیں (جملہ احادیث کو یقینی الثبوت کہنے کا جواب بار بار دیا گیا۔ ان میں تعارض کا عدم وقوع بھی ظاہر کیا گیا۔ مرزا صاحب قادیانی بار بار اسی بات کا اعادہ کرتے اور خروج از محدث کا ارتکاب عمل میں لائے ہیں جس کی پانچویں دفعہ ہے۔ محمد حسین)۔ اب میں خیال کرتا

ہوں کہ میں آپ کے سوال کا پورا پورا جواب دے چکا ہوں ( پورا چھوڑا دھورا جواب بھی نہیں دیا اور نہیں بتایا کہ احادیث صحیحین اصول روایت کی رو سے صحیح ہیں یا سب کی سب غیر صحیح یا بعض صحیح بعض موضوع۔ ہمارے سوال کا یہی جواب تھا جس کا کوئی حصہ بھی مرزا قادیانی کی تمام کلام میں پایا نہیں جاتا) کیونکہ جس حالت میں یہ ثابت ہو گیا کہ حدیثیں بوجہ اپنی ظنی حالت اور تعارض اور دوسری وجوہ کے یقین کامل کے مرتبہ پر نہیں ہیں، اس لئے وہ بجز شہادت و موافقت قرآن کریم یا عدم خلاف اس کے حجت شرعی کے طور سے کام میں نہیں آسکتیں (احادیث صحیحین کا واجب العمل ہونا باوجود ظنی تسلیم ہونے کے شرط توافق قرآن سے شرط نہیں۔ وہ احادیث بلا مراجعت قرآن واجب العمل ہیں اور کوئی حدیث صحیحین قرآن شریف کے مخالف نہیں۔ محمد حسین) اور قانون روایت کی رو سے ان کا وہ پایہ ہرگز تسلیم نہیں ہو سکتا جو قرآن کریم کا پایہ ہے (یہ پایہ ہونا کس نے کہا اور کس نے اس سے سوال کیا؟ یہ چھٹی دفعہ مرزا صاحب نے بحث سے خروج کیا کہ ایک ایسے امر سے تعرض کیا جس سے بحث و سوال نہ تھا۔ محمد حسین) سو بالفعل اسی قدر لکھنا کافی ہے۔ ۲۱۔ جولائی ۱۸۹۱ء۔ مرزا غلام احمد

## شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ کی تحریر پنجم

(اس تحریر کے متعلق قادیانی روایت یہ ہے کہ یہ پرچان کے پاس نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مختصر سا پرچہ تھا جو محمد حسین ہی کے پاس رہ گیا ہوگا۔ تاہم انہوں نے یہ بھی نہیں کہا کہ محمد حسین نے یہ پرچان کے حوالے نہیں کیا۔ ایسا ہوتا تو جب مرزا قادیانی کے آخری پرچے کے بارے میں مولانا نے کہا کہ تم نے یہ پرچہ ہمیں نہ دے کر شرائط مباحثہ کی خلاف ورزی کی ہے، تو مرزا صاحب کہتے کہ تم تو یہ جرم پہلے ہی کر چکے ہو۔ ہمیں الزام دینے کا کیا مطلب؟ دراصل اس پرچہ میں شیخ الاسلام مولانا بٹالویؒ نے کچھ سوال مرزا صاحب پر وارد کئے ہیں۔ جن کا جواب وہ دے نہیں سکے۔ اس لئے اصل سوالات کو غائب کر کے جو کچھ ان کے منہ میں آیا کہتے رہے اور اپنے اتنا پر ظاہر کیا کہ میں نے ایک مدلل تحریر لکھی ہے۔ بہاء)

شیخ الاسلام مولانا محمد حسین ناٹالویؒ اس پرچہ میں لکھتے ہیں: آپ (مرزا) نے میرے سوال کا جواب پھر بھی صاف نہیں دیا اور نہ فرمایا کہ احادیث کا قانون روایت بجز اس عقلی پیمانہ کے کہ موافق قرآن ہوں تو مقبول ورنہ مردود، یعنی پیمانہ صحت کیا ہے اور اصول روایت کی رو سے احادیث صحیحین صحیح ہیں یا نہیں؟ مگر آپ کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آپ کسی حدیث کو، بخاری و مسلم کی کیوں نہ ہو، صحیح و لائق قبول نہیں جانتے جب تک کہ اس کا مطابق قرآن ہونا ثابت نہ ہو۔ (ہمارے اس اظہار مفہوم پر بعض مرزائیوں نے اعتراض کیا ہے کہ جب تم کو اس مفہوم کا علم و اعترا ف ہے تو پھر کیوں کہتے چلے گئے ہو کہ ہمارے سوال کا جواب نہیں دیا۔ اس کے دو جواب ہیں: اول یہ کہ اس مفہوم کی نسبت مرزا قادیانی سے اسی مقام



میں یہ سوال کیا گیا کہ: ہماری کلام کا یہی مطلب ہے تو صرف ہاں کہہ دو۔ تو اس نے اس کے جواب میں ہاں نہیں کہا۔ لہذا سوال واستفسار کا حق رہا۔ جواب دوم یہ کہ یہ مفہوم مرزا قادیانی کے لفظ لفظ سے چُک رہا ہے، مگر ہم اس سے صاف اقرار کرنا چاہتے تھے تاکہ عوام کو اس کا منکر صحت صحیحین ہونا اس کے اقرار سے ثابت ہو۔ سو اگر چہ اس نے یہ صریح اقرار نہیں کیا، مگر بار بار کا مفہوم و اشارہ بھی صریح اقرار کے مانند ہو جاتا۔ اسی وجہ سے ہم نے تحریر نمبر ۸ میں اس کو یقیناً منکر صحت صحیحین ٹھہرا دیا اور اس پر جو حکم مناسب تھا، لگا دیا۔ محمد حسین) و بناء علیہ ان کتب کی احادیث کی نسبت یہ عام حکم نہیں لگاتے کہ وہ صحیح ہیں یا موضوع ہیں۔ اور نہ یہ تفصیل و تحقیق کر سکتے ہیں کہ فلاں حدیث صحیح ہے، فلاں موضوع، بجز احادیث متعلقہ ابن صیاد و دجال، جن کی ایک جانب کو آپ موضوع جانتے ہیں۔ آپ کے کلام کا یہی مطلب ہے تو آپ صرف ہاں کہہ دیں اور اسکے ساتھ یہ بھی فرمادیں کہ اس اعتقاد و بیان میں سلف صالحین سے آپ کا کون امام ہے اور آپ سے پہلے کون اس کا قائل ہے؟ اس کا مطلب کچھ اور ہے تو وہ بیان کریں (ناظرین خیال رکھیں کہ ہم نے کس اعتقاد و بیان میں قادیانی کے امام کا نام دریافت کیا ہے اور قادیانی نے جواب میں کس مسئلہ میں اپنے لئے امام کا ہونا غیر ضروری ہونا بتایا ہے۔ محمد حسین)

نمبر ۲۔ آپ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ تم کتب احادیث کا مرتبہ صحت قرآن کے برابر سمجھتے ہو۔ اس کی نسبت یہ سوال ہے کہ میرے کن الفاظ سے آپ نے یہ مطلب سمجھا ہے۔

نمبر ۳۔ آپ نے یہ دعویٰ کیا کہ آنحضرت ﷺ نے بعض احادیث اجتہادی فرمائی ہیں، کیا اس سے آپ کا یہ مقصود ہے کہ وہ وحی الہی نہیں ہے، یا کچھ اور ہے۔ یہی ہے تو فرمائیے کہ احادیث متعلقہ ابن صیاد اسی قسم اجتہادی سے ہیں یا نہیں۔

نمبر ۴۔ آپ نے لکھا ہے کہ صحابہ کا اس پر اجماع تھا کہ ابن صیاد، دجال معبود ہے، اس پر کتب حدیث میں کہاں شہادت پائی جاتی ہے جس سے اجماع ثابت ہو۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی بیان کریں کہ اجماع کی حقیقت کیا ہے۔

نمبر ۵۔ آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابن صیاد کی نسبت فرمایا ہے کہ میں اس کے دجال معبود ہونے سے ڈرتا ہوں۔ کتب حدیث میں اس کا کہاں ذکر ہے۔

نمبر ۶۔ آپ نے جو مضمون اشاعت السنہ سے نقل کیا ہے اسکی تصحیح نقل کریں اور اس کے ساتھ یہ بھی بیان کریں کہ اس امر کی نسبت میں نے اپنا اعتقاد کیا نظر کیا ہے۔

ان سوالات کا آپ جواب دیں گے تو آپ کے طولانی جواب پر مفصل بحث ہوگی۔ بلا حصول جواب سوالات مذکورہ اس پر تفصیلی بحث نہیں ہو سکتی۔ ۲۱ جولائی ۱۸۹۱ء۔ ابو سعید محمد حسین

## مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریر پنجم

میری طرف سے مکرر گزارش یہ ہے کہ آئمہ حدیث جس طور سے صحیح اور غیر صحیح حدیثوں میں فرق کرتے ہیں اور جو قاعدہ تنقید احادیث انہوں نے بنایا ہوا ہے وہ تو ہر ایک پر ظاہر ہے کہ وہ راویوں کے حالات پر نظر ڈال کر باعتبار ان کے صدق یا کذب اور سلامت فہم یا عدم سلامت فہم اور باعتبار ان کی قوت حافظہ یا عدم حافظہ وغیرہ امور کے جن کا ذکر اس جگہ موجب تطویل ہے۔ کسی حدیث کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کی نسبت حکم دیتے ہیں۔ مگر ان کا کسی حدیث کی نسبت یہ کہنا کہ یہ صحیح ہے، اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ حدیث من کل الوجوہ مرتبہ ثبوت کامل تک پہنچ گئی ہے جس میں امکان غلطی کا نہیں، بلکہ ان کا مطلب صحیح کہنے سے صرف اس قدر ہوتا ہے کہ وہ بخیاں ان کے ان آفات اور عیوب سے مبرا ہے جو غیر صحیح حدیثوں میں پائے جاتے ہیں اور ممکن ہے کہ ایک حدیث باوجود صحیح ہونے کے پھر بھی واقعی اور حقیقی طور پر صحیح نہ ہو (جس قدر ثبوت عمل کے لئے کافی ہے وہ تو کامل و مکمل احادیث صحیحین کو حاصل ہے۔ رہی مرزا صاحب کی قید عدم امکان غلطی ہو، یہ محض دہوکہ ہے۔ عمل کے لئے یہ امر ضروری نہیں ہے اور حدیث صحیح باوجود امکان غلطی، واجب العمل ہے۔ اور صحیحین کی احادیث واقعی صحیح نہ ہوں تو ان کی صحت پر قسم کھانے سے کفارہ لازم آوے، حالانکہ یہ کفارہ لازم نہیں ہے۔ ان کتابوں کی صحت پر امت کا اتفاق واقعی صحت کا ثبوت ہے کیونکہ امت اپنے اتفاق میں معصوم ہے، اس کا بیان ہماری تحریر نمبر ۸ میں ہے۔ محمد حسین)۔ غرض علم حدیث ایک ظنی علم ہے جو مفید ظن ہے، اگر کوئی اس جگہ یہ اعتراض کرے کہ اگر احادیث صرف مرتبہ ظن تک محدود ہیں، تو پھر اس سے لازم آتا ہے کہ صوم و صلوة و حج و زکوٰۃ وغیرہ اعمال جو محض حدیثوں کے ذریعہ سے مفصل طور پر دریافت کئے گئے ہیں وہ سب ظنی ہوں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بڑے دہوکہ کی بات ہے کہ ایسا سمجھا جائے کہ یہ تمام اعمال محض روایتی طور پر دریافت کئے گئے ہیں و بس۔ بلکہ ان کے یقینی ہونے کا یہ موجب ہے کہ سلسلہ تعامل ساتھ ساتھ چلا آیا ہے (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اعمال کے اتقائے ارکان کو تعامل سے ثابت و معلوم ہیں مگر ان کے اختلافی اجزاء و مسائل تعامل سے ثابت نہیں۔ ان کا ثبوت احادیث ہی سے ملتا ہے۔ حدیث نہ ہو تو ان مسائل کے ثبوت کا پتہ نہ لگے۔ ان پر تعامل پایا جاتا تو ان میں اختلاف واقع نہ ہوتا۔ مرزا قادیانی جو ان سب کو تعامل سے ثابت بتاتا اور ان کو یقینی ٹھہراتا ہے، تو اس کی وجہ

یہ ہے کہ وہ نہ تعامل کے معنی جانتا ہے اور نہ ان اختلافات سے واقف ہے جو ان اعمال میں پائے جاتے ہیں۔ اس کی تفصیل ہماری تحریر نمبر ۸ اور اس کے حواشی میں ہوگی۔ محمد حسین)۔ اگر فرض کر لیں کہ یہ فن حدیث دنیا میں پیدا نہ ہوتا، پھر بھی یہ سب اعمال و فرائض دین سلسلہ تعامل کے ذریعہ سے یقینی طور پر معلوم ہوتے۔ خیال کرنا چاہیے کہ جس زمانہ تک حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں کیا اس وقت تک لوگ حج نہیں کرتے تھے، یا نماز نہیں پڑھتے تھے، یا زکوٰۃ نہیں دیتے تھے (قادیانی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ احادیث وہی نہیں کہلاتیں جو کسی کتاب میں جمع ہوں اور لکھی بھی جا چکی ہوں۔ صدر اول میں تو احادیث زبانی روایت کی جاتی تھیں اور سینوں میں محفوظ تھیں۔ اور ان ہی حدیثوں کی ہدایت کے موافق صدر اول کے لوگ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اعمال و ارکان اسلام بجالاتے اور کسی وقت میں وہ احادیث سے مستغنی نہیں ہوئے۔ حدیث نہ ہوتی تو اسلام کے ایک رکن پر مطلق عمل جاری نہ ہوتا۔ تعامل کیسا اور کس کا؟ محمد حسین) ہاں اگر یہ صورت پیش آتی کہ لوگ ان تمام احکام و اعمال کو یک دفعہ چھوڑ بیٹھتے اور صرف روایتوں کے ذریعہ سے وہ باتیں جمع کی جاتیں، تو بے شک یہ درجہ یقین و ثبوت تام جو اب ان میں پایا جاتا ہے، ہرگز نہ ہوتا (ان اعمال کے جملہ ارکان و مسائل کا یقین ثبوت آپ کو ہوگا۔ مسلمان تو عموماً ان کی اختلافی تفصیلات کے لئے وہی مرتبہ تجویز کرتے ہیں جو احادیث صحیحہ کا مرتبہ ثبوت ہے، یعنی ثبوت ظن غالب۔ یہی وجہ ہے کہ ان اختلافی مسائل میں ایک فریق دوسرے کی تکفیر و تفسیق نہیں کرتا۔ محمد حسین) سو یہ ایک دہوکہ ہے کہ ایسا خیال کر لیا جائے کہ احادیث کے ذریعہ سے صوم و صلوة وغیرہ تفصیل معلوم ہوئی ہیں، بلکہ وہ سلسلہ تعامل کے ذریعہ سے معلوم ہوتے چلے آئے ہیں۔ اور درحقیقت اس سلسلہ کو فن حدیث سے کچھ تعلق نہیں۔ وہ تو طبعی طور پر ہر ایک مذہب کو لازم پڑا ہوا ہوتا ہے اور میرا مذہب احادیث بخاری اور مسلم کی نسبت یہ نہیں ہے کہ میں خواہ مخواہ ان کی کسی حدیث کو موضوع قرار دوں (خواہ مخواہ کیوں موضوع کہیں گے، آپ کوئی وجہ نکال کر موضوع قرار دیں گے۔ مخالفت قرآن کی وجہ جو آپ کو ہاتھ لگ گئی ہے، جس حدیث کو چاہا مخالف قرآن قرار دے کر موضوع قرار دے دیا۔ جیسا کہ احادیث متعلقہ دجال و حضرت مسیح کو آپ نے مخالف قرآن و تو حید قرآن قرار دے کر موضوع قرار دیا ہے۔ محمد حسین) بلکہ میں ہر ایک حدیث کو قرآن کریم پر پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اگر قرآن کریم کی کوئی آیت صاف اور کھلے کھلے طور پر ان کے مخالف نہ ہو تو میں بسر و چشم اس کو قبول کروں گا۔ بلکہ اگر مخالفت بھی ہو تو کوشش کروں گا کہ وہ مخالفت اٹھ جائے۔ لیکن اگر کسی طور سے وہ مخالفت دور نہ ہو سکے تو پھر البتہ کہوں گا کہ اس حدیث کے بیان کرنے میں تغیر الفاظ یا پیرایہ بیان میں کچھ فرق آ گیا ہوگا، یا جو کچھ کسی صحابی نے بیان فرمایا ہوگا اس کے تمام الفاظ تابعی وغیرہ کے حافظ میں محفوظ نہیں رہے ہوں گے۔ مگر اب تک تو مجھے ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ بخاری یا مسلم کی کوئی حدیث صریح مخالف قرآن مجھ کو ملی ہو جس کی

میں کسی وجہ سے تطبیق نہ کر سکا، بلکہ جو کچھ بعضی احادیث میں کچھ تعارض پایا جاتا ہے خدا تعالیٰ نے اس تعارض کے دور کرنے کے لئے بھی میری مدد فرمائی ہے (جس طور سے تطبیق احادیث بقرآن مرزا قادیانی کرتے اور اس کو خدا کی مدد سمجھتے ہیں وہ صریح انکار احادیث سے بدتر ہے۔ وہ اگر ان احادیث کی نسبت، جن کو بزرگ خود قرآن کے مخالف سمجھتے، صاف یہ کہہ دیں کہ یہ احادیث موضوع ہیں، تو اس سے اسلام اور مسلمانوں کو کچھ نقصان نہ ہو۔ مسلمان ان کو اس دعویٰ میں مبتدع سمجھیں اور ان احادیث کا موافق قرآن ہونا علماء اسلام سے دریافت کر لیں۔ مگر جب ناواقف اردو خوان مسلمان مرزا صاحب کی کام میں ان احادیث کی قرآن سے تطبیق دیکھتے ہیں اور ایسے ایسے معانی سنتے ہیں جو زمانہ حضرت رسالت سے اس وقت تک کسی مسلمان کے خیال میں نہیں آئے تو وہ اس سے سخت گمراہ ہوتے ہیں اور وہ ان احادیث کے ظاہری معانی کو، جو ابتداء سے آج تک مسلمانوں میں متواتر چلے آئے ہیں، حقارت کی نگاہ سے دیکھ کر ان سے انکاری ہو جاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ رفتہ رفتہ پورے طحہ و باطنی ہو جائیں گے۔ اور صوم و صلوة کے ظاہری معانی سے بھی انکار کریں گے۔ اس کی تمثیلات فتویٰ تکفیر مرزا اور ریویو میں بکثرت بیان ہوئی ہیں۔ اس مقام میں ایک مثال ذکر کی جاتی ہے۔

حدیث اتفاقی صحیحین میں آیا ہے کہ مسیح آئیں گے تو وہ خنازیر کو قتل کریں گے، جس سے مراد یہ ہے کہ وہ خنزیر پالنے اور اس کو کام میں لانے کو موقوف کر دیں گے۔ موجودہ خنزیریوں کو قتل کا حکم دیں گے اور آئندہ خنزیر کھنے سے لوگوں کو روک دیں گے۔

مرزا قادیانی نے جب دیکھا کہ عام دنیا کو خنزیر پالنے سے روکنا تو ریاست و سیاست کا کام ہے۔ اور حاکم وقت کے سوا کسی سے ممکن نہیں ہے، اور ان کا اپنا حکم تو خاص قادیان کے ایک محلہ میں بھی نہیں چلتا۔ حکم کیسا، انہیں تو اپنی جان بچانے کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ قادیان میں سر چھپا کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دہلی گئے تو پولیس کی پناہ میں رہے۔ پھر مریخ موعود نہیں تو کیونکر نہیں۔ یہ سوچ کر انہوں نے پہلے اس حدیث کے معنی کو بگاڑا اور اس لائق کر دیا کہ ان کے بے علم اتباع کی نظر میں ان کا مخالف قرآن ہونا دکھائی دے، اور کہا کہ اس حدیث کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ حضرت مسیح جنگلوں میں خنزیریوں کا شکار کھیلتے پھریں گے۔ اور جو بڑے اور سانبھی، جو پنجاب میں ایک قوم ہے جو جو بڑوں کی طرح مردار کھاتے ہیں، گھنڈیلے اور شکاری کتے آپ کے ساتھ ہوں گے پھر ان معنی کے مخالف قرآن ہونے کے ثبوت میں فرمایا کہ یہ معنی نبی کی شان کے برخلاف ہیں، جو قرآن کریم سے ثابت ہے۔ لہذا یہ حدیث اپنے ظاہری معنی کی رو سے قرآن کریم کے مخالف ہے۔ پھر اس حدیث کے قرآن سے تطبیق کرنے کی غرض سے اس کی یہ تاویل فرمائی کہ اس حدیث میں خنزیر سے مراد خنزیر صرف انسان مراد ہیں اور قتل سے انکا مغلوب کرنا۔ اور اس معنی سے یہ حدیث قرآن کے موافق ہو سکتی ہے۔ دیکھو توضیح حرام ص ۱۱۳ اور ازالہ ابہام صفحہ ۴۱ وغیرہ۔ اس تاویل و تطبیق قادیانی کو جو لوگ مان چکے ہیں وہ قتل خنزیر کے ظاہری معنی پر خوب تہمتہ اڑا رہے ہیں اور تمام مسلمانوں کے حق میں جو زمانہ رسالت سے اس وقت تک اسکے ظاہری معنی مراد سمجھتے چلے آئے ہیں، یہ گمان کر بیٹھے ہیں کہ وہ حضرت مسیح کی نسبت خنزیریوں کا شکار کھیلنے اور جو بڑوں اور بہاروں اور گھنڈیلوں اور کتوں کو ساتھ لے کر جنگلوں میں دوڑتے پھرنے کا اعتقاد رکھتے چلے آئے ہیں اور اس گمان سے وہ نصوص نبویہ اور قرآنیہ کے ظاہری معنی مراد لینے کو ایک نہایت شرمناک اور غیر مہذبانہ و احمقانہ خیال سمجھنے لگے ہیں۔ جس کا مختصر یہ نتیجہ ظاہر ہوگا کہ وہ آیات حرمت خنزیر میں بھی خنزیر سے خنزیر صرفت انسان مراد لیں گے۔ اور اصل خنزیر کو حلال سمجھ کر نوش جان فرمائیں گے۔

اس اصول پر وہ نماز، روزہ و حج و زکوٰۃ کی نصوص کی وہ تاویلیں کریں گے جو فتویٰ تکفیر مرزا میں باطنیہ سے منقول ہوئی ہیں۔ اس وقت تک تو وہ احادیث کے ظاہری معانی پر تہمتہ اڑا رہے ہیں۔ چند روز بعد جب اصول تاویل قادیانی ان کے خیال میں استحکام کے ساتھ جاگزیں ہوگا، تو وہ آیات قرآن کے ظاہری معانی پر ان کو دوسری آیات اور تعلیم قرآنی و تقدس رحمانی کے برخلاف سمجھ کر تہمتہ اڑائیں گے اور ان ظواہر سے انکار کریں گے۔ اس انکار ظواہر آیات

کی پڑی بھی ان کے پیغمبر قادیانی نے جمادی ہے۔ اور آیات لیلیۃ القدر وجود آدم و معجزات مسیح از قسم احیاء موتے و خلق طیور وغیرہ کے ظاہری معانی کو خلاف تعلیم قرآنی و تقدسِ رحمانی و برخلافِ حقائقِ نفس الامریہ قرار دے کر ان کی تاویل کر دی ہے اور یہ انکار ان کا حدیث نبوی کے ظاہری معانی میں محدود و محصور نہیں رہا۔ ظواہر حدیث کو تو انہوں نے ظنی ہونے کے بہانہ سے نشانہ بنایا ہے، ظواہر قرآن کو اس حیلہ سے اڑا شروع کر دیا ہے کہ وہ ظواہر دوسری آیات کے مخالف ہیں، اور تعلیم قرآنی و تقدیسِ رحمانی کے منافی ہیں، جس سے یقین ہوتا ہے کہ آپ کی یہ تطبیق و تاویل آپ کے اتباع میں مسلم ہو گئی تو مرزا اور مرزائی جملہ نصوص قرآنیہ و احادیث نبویہ کے ظواہر و حقائق سے منکر اور پکے اور پورے باطنی و مغلطہ ہو جائیں گے۔ محمد حسین) ہاں میں دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں ہر ایک تعارض کو دور کر سکتا ہوں کیونکہ جو حقیقی اور واقعی تعارض ہو گا اس کو میں کیوں کر دور کر سکتا ہوں یا کوئی اور شخص کیونکہ دور کر سکتا ہے (یہ صاف و صریح اقرار ہے کہ مرزا صاحب کے نزدیک صحیحین کی بعض احادیث میں حقیقی اور واقعی تعارض بھی موجود ہے جس کو نہ آپ دور کر سکتے ہیں، نہ ان کے دُعم میں کوئی اور شخص۔ اور تعارض آپ کے نزدیک وضع و تحریف کی علامت ہے۔ چنانچہ اپنی تحریر نمبر ۱۲ وغیرہ میں آپ بیان کر چکے ہیں۔ ان دونوں مقدمات سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ صحیحین میں مرزا صاحب کے نزدیک بعض احادیث موضوع بھی ہیں۔ یہ احادیث صحیحین پر ان کا تیر ہواں حملہ ہے۔ محمد حسین)۔

☆ اور آپ نے جو مجھ سے دریافت فرمایا ہے کہ جو تعارض ابن صیاد والی حدیث اور گرجا والے دجال والی حدیث میں پایا جاتا ہے، اس تعارض کے ماننے میں کون تمہارے ساتھ ہے؟ (میں نے یہ سوال نہیں کیا، اور جو اس سوال کے جواب میں آپ نے کہا، وہ بھی بے محل ہے۔ اور جس عبارت رپو یو سے آپ نے استدلال کیا ہے وہ آپ کے مدعا سے اجنبی ہے۔ اس عبارت میں آپ وحدیث کے ہوتے تقلید کو غیر ضروری بنایا گیا ہے اور آپ کا دعویٰ تعارضی احادیث ابن صیاد اور دجال محض باطل خیال ہے، احادیث نبویہ سے اس پر شہادت نہیں پائی جاتی۔ محمد حسین)

اس سوال سے میں متعجب ہوں کہ جس حالت میں مدلل اور موجب طور پر میں تعارض کو ثابت کر چکا ہوں تو پھر میرے لئے ضرورت کیا ہے کہ میں کسی کی سلف میں سے تقلید ضروری سمجھوں۔ اور آپ بھی تو رپو یو براہین احمد یہ صفحہ ۳۱۰ میں اس بات کو قبول کر چکے ہیں کہ بلا تقلید غیر مستدل منع نہیں۔ چنانچہ آپ اس صفحہ میں فرماتے ہیں کہ ہمارے معاصرین جو باوجود ترک تقلید کے خوگر ہیں بلا واسطہ سابقین کسی آیت یا حدیث سے تمسک نہیں کرتے اور جو بلا واسطہ سابقین کسی آیت یا حدیث سے استدلال کرے اس کو تعجب کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ☆ اور آپ کا یہ فرمانا کہ میرے کس لفظ سے یہ سمجھ لیا ہے کہ میں احادیث کا مرتبہ صحت قرآن کے مرتبہ صحت سے برابر سمجھتا ہوں، یہ مجھے آپ کی فوائے کلام سے خیال گذرا تھا۔ اگر آپ کا یہ منشاء نہیں ہے اور آپ میری طرح احادیث کا مرتبہ صحت، قرآن کریم کے مرتبہ صحت سے منتر ل سمجھتے ہیں اور قرآن کریم کو امام قرار دیتے

ہیں اور محکم صحت احادیث ٹھہراتے ہیں، تو پھر میری غلطی ہے کہ میں نے ایسا خیال کیا (حدیث صحیح کا مرتبہ ثبوت میں قرآن کے مساوی نہ ہونا تو میں نے ظاہر کیا تھا مگر قرآن کا محکم صحت احادیث صحیح ہونا مرزا صاحب نے اپنی طرف سے ملا کر مجھے ان دونوں باتوں کا قائل قرار دیا اور اس میں اپنی وجہا لیت کا ایک ثبوت پیش کیا ہے۔ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ احادیث صحیحہ کا معیار صحت، اصول روایت ہیں اور احادیث صحیحہ، ثبوت صحت کے بعد خود بخود موافق قرآن ہو جاتی ہیں۔ احادیث صحیحہ کی صحت کو قرآن سے نہیں پہچانا جاتا۔ ممکن ہے کہ ایک حدیث کا مضمون قرآن کے مطابق ہو اور وہ حدیث صحیح نہ ہو۔ محمد حسین) لیکن اگر آپ درحقیقت قرآن کریم کا اعلیٰ مرتبہ مانتے ہیں اور اس کو واقعی طور پر محکم صحت احادیث قرار دیتے ہیں اور اس کی مخالفت کی حالت میں کسی حدیث کو قبول نہیں کرتے تو پھر تو آپ مجھ سے متفق المرائے ہیں۔ پھر اس لمبی چوڑی تکرار سے فائدہ کیا ہے؟

اور یہ جو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اجتہاد سے کیا مطلب ہے، تو میں عرض کرتا ہوں کہ اس جگہ اجتہاد سے مراد، اس عاجز کی، اجتہاد فی الوجدی ہے، کیونکہ یہ تو ثابت ہے اور آپ کو معلوم ہوگا کہ آنحضرت وحی مجمل میں اجتہادی طور پر دخل دیا کرتے تھے اور بسا اوقات وہ تفسیر اور تشریح جو آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے صحیح اور سچی ہوتی تھی اور بعض اوقات غلطی بھی ہو جاتی تھی چنانچہ اس کی نظیریں بخاری اور مسلم میں بہت ہیں (اس قول میں مرزا قادیانی نے عجیب تدلیس و تلبیس سے کام لیا ہے، اس کی جملہ تلبیس و تحریفات نصوص قرآن و حدیث کا اصل اصول یہی امر ہے جو اس قول میں اس نے اختیار کیا ہے۔ اس قول میں مرزا صاحب نے دعویٰ یہ کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ وحی مجمل میں اجتہاد کرتے اور اس میں غلطی کیا کرتے۔ جو جملہ جملات وحی منلو، قرآن مجید، اور وحی غیر منلو، حدیث شریف، کوشا ل ہے اور اس دعویٰ سے مرزا قادیانی نے یہ بتایا ہے کہ قرآن کی جو آیت مجمل ہے یا احادیث نبویہ سے جو حدیث مجمل ہے، وہ جل اجتہاد ہے اور اس میں غلطی ہو سکتی ہے۔ اسی نظریے سے قادیانی نے اپنی تحریر نمبر ۴ میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ بعض حدیثیں اجتہادی طور سے آنحضرت ﷺ نے فرمائی ہیں۔ اس وجہ سے ان میں باہم تعارض ہو گیا ہے، جس پر ہم نے اپنی تحریر نمبر ۵ میں معنی اجتہاد سے سوال کیا تھا۔ اسی کا جواب مرزا قادیانی نے اس قول میں دیا ہے جس کا مطلب اس کے مضمون تحریر نمبر ۴، اور ازالہ اوہام کا مضمون صفحہ ۴۰۲ و ۴۰۷ وغیرہ ملا کر یہ ہوا: بعض آیات و احادیث کی وحی آنحضرت ﷺ کو مجمل ہوتی۔ آنحضرت ﷺ اپنے اجتہاد سے اس کی تفسیر و تشریح فرماتے۔ اور اس میں غلطی بھی کیا کرتے۔ اسی وجہ سے ان میں تعارض واقع ہو گیا۔ اور احادیث متعلقہ دجال و ابن صیاد و حضرت مسیح اسی قسم سے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو اس باب میں کچھ مجمل وحی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے اس کی تشریح و تفسیر اپنے اجتہاد سے کر کے وہ حدیثیں فرمادی ہیں۔ اور ان میں غلطی کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان احادیث میں تعارض واقع ہو گیا ہے۔

اس عام دعویٰ، وحی مجمل قرآن و حدیث کو آپ ﷺ کا اجتہاد سے تفسیر کرنا اور اس میں غلطی کا مرتکب ہونا، پر جو دو دلیلیں مرزا قادیانی نے پیش کی ہیں وہ آنحضرت ﷺ کے دو خواب ہیں، چنانچہ آئندہ ان کی تشریح ہوگی، اور نبی کا خواب کو ایک خاص قسم کی وحی ہے، جس کی تعبیر اجتہاد سے ہو سکتی ہے اور اس میں غلطی ممکن ہے، مگر اس خاص قسم کی وحی کو مل اجتہاد و غلطی ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہم قسم کی وحی مجمل قرآن و حدیث کی تفسیر آنحضرت ﷺ کے اجتہاد سے فرماتے اور اس میں غلطی کیا کرتے۔

دعویٰ تو مرزا صاحب نے عام کیا کہ ہر ایک وحی مجمل قرآن وحدیث میں آنحضرت ﷺ اجتہاد کرتے اور اس میں غلطی کے مرتکب ہوتے، اور دلیل خاص ایک قسم، خواب، میں آنحضرت ﷺ کے اجتہاد و غلطی کرنا پیش کیا، اور مسلمانوں کو دہوکہ دیا اور اس دہوکہ سے اپنا دجال ہونا ثابت کیا۔ مسلمان اور غیر مسلم سبھی عقلاء اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ دلیل خاص سے دعویٰ عام ثابت نہیں ہوتا۔ مگر مرزا صاحب کو ایسے اتباع عمل گئے ہیں جو عقل سے بھی اب کوئی تعلق نہیں رکھتے، جیسا کہ نقل کو پہلے ہی آپ کی بیعت کر کے سلام کہہ چکے ہیں۔ لہذا آپ بے دھڑک و بلا پابندی نقل و منتقل جو چاہتے ہیں، کہہ دیتے ہیں اور وہ آمنہ کل من ربنا کہہ کر اس کو تسلیم کر لیتے ہیں۔

مرزا غلام احمد صاحب دو تین خوابوں کی تعبیر میں آنحضرت ﷺ کے اجتہاد و خطا کو پتھکنڈا بنا کر انہیں کی دست آویز سے جس پیش گوئی قرآن وحدیث کو چاہتے ہیں، وحی مجمل قرار دیتے ہیں اور اس کو آنحضرت ﷺ کے اجتہاد کا ایک غلط نتیجہ ٹھہرا کر اس کے ظاہر معانی کو بے کار و بے اعتبار ٹھہراتے اور اپنی تاویل کا محل بنالیتے ہیں۔ اور نصوص قرآن وحدیث کو زیر و بالا کر دیتے۔ اور ان کے مرید اس کو حقائق و معارف سمجھ کر اس پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم اہل اسلام کو یہ بتاتے ہیں کہ اسلام میں مجملات قرآن حدیث کا کیا حکم مقرر و مسلم ہے۔

اسلام و مسلمانوں میں مجملات قرآن وحدیث کا حکم مسلم و مقرر ہے کہ جس مخزن و مخرج سے مجمل کا صدور ہوتا ہے اسی مخزن و مخرج سے اس کا بیان صادر ہوتا ہے، یعنی وحی الہی و نص شارع سے جس کو اجتہاد اور اجتہادی غلطی ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی کتاب اصول فقہ حسانی میں لکھا ہے: و ضد المفسر المجمعل و هو ما اندحت فيه المعاني فاشتبه المراد به اشتباها لا يدرك الا ببیان من المجمعل كآيت الر بوا و حكمه التوقف فيه على اعتقاد حقيقة المراد به الى ان ياتيه البيان (حسانی ص ۶) مفسر کی ضد مجمل ہے، جس کی مراد میں کثرت معانی کے سبب ایسا اشتباہ واقع ہو جو بلا بیان شارع رفع نہ ہو جیسے آیت ربوا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی مراد قرار دینے میں توقف کیا جائے جب تک کہ شارع سے بیان وارد نہ ہو۔

آیہ ربو کے مجمل ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ رباء عربی زبان میں ہر ایک بڑھوتری کو کہا جاتا ہے اور کوئی بیع ایک جانب کی بڑھوتری سے خالی نہیں۔ لہذا یہ معنی لغوی ربو کے اس آیت میں مراد نہیں ہو سکتے۔ اور وجوہات سے بڑھوتری مراد لیں تو ان میں کثرت وجوہات کے سبب اشتباہ واقع ہے۔ اور کسی خاص وجہ کی بڑھوتری مراد نہیں لی جاسکتی۔ لہذا اس کی مراد قرار دینے میں توقف کیا گیا۔ یہاں تک کہ شارع ﷺ نے اس کی مراد کو خود بیان کر دیا اور صاف فرمادیا کہ چھ چیزوں گندم، جو، نمک، کھجور، سونا، چاندی، کا اپنی ہم جنس سے مبادلہ ہو تو اس میں ایک جانب کی بڑھوتری رباء ہے۔ تو وہ اشتباہ رفع ہوا۔ اس بیان نبوی کی نسبت کوئی مسلمان یہ تجویز نہیں کرتا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بیان اجتہاد سے فرمایا ہے، جس میں خطا کا احتمال ہے۔ بلکہ بالاتفاق یہی تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ بیان وحی الہی سے ہوا ہے۔ جس کو شریعت کہا جاتا ہے۔ اور اس بیان میں آپ ﷺ کو شارع تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کی مثالیں کتاب وسنت میں اور بہت ہیں۔ کتاب اللہ کی اور تشریحات کا کوئی شائق ہو تو تفسیر ائقان مطبوعہ دہلی کے صفحہ ۳۰۸ میں دیکھے۔ اور احادیث کی تشریحات کتب احادیث میں۔

نبی کے خواب کے مجملات اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اور اس کی تعبیر وحی الہی پر موقوف نہیں، وہ اجتہاد سے بھی ہو سکتی ہے۔ نبی کا خواب گواہی کا وہی ہے، چنانچہ ابن ابی حاتم اور بخاری کی حدیث میں آیا ہے رثو یا الانبياء و حى۔ رواہ ابن ابی حاتم مر فوعاً و البخارى من قول عبید بن عمر مگر چونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنی خوابوں کی اجتہاد سے تعبیر کی اور اس میں بعض جگہ غلطی بھی ظاہر ہوئی۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ اس قسم کی مجمل وحی منامی کا حکم عام مجملات قرآن وحدیث سے متفاخر ہے۔ اس میں اجتہاد سے کام لینا جائز ہے۔ اور شرع اور وحی سے ورود بیان کی تعبیر خواب میں ضرورت نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی وحی منامی کے چھیا لیسویں حصہ، مومنوں کے خواب، میں جس کو بخاری کی حدیث نبوی میں نبوت کا چھیا لیسواں حصہ کہا گیا ہے روئیا السمو من جزء من سلتة و اربعین جزء من النبوة (بخاری ص ۱۰۲۵) اجتہاد سے تعبیر کو جائز رکھا گیا ہے اور اگر اس قسم کی وحی کی تعبیر بھی بیان شارع پر موقوف رکھی جاتی تو اس کے جزء (چھیا لیسواں حصہ) میں بھی اس بیان شارع کے کسی جزء کی ضرورت ہوتی۔ اور چونکہ یہ نامکن امر ہے کہ ہر ایک مومن کی سچی خواب کی تعبیر کا کوئی حصہ بیان شارع میں پایا جائے، لہذا اس کے کل یعنی منامی وحی نبوی میں بھی اس بیان کی ضرورت کو اٹھا یا گیا اور اجتہاد سے اس کی تعبیر کو جائز رکھا گیا۔

الحاصل خاص خواب کا حکم اور ہے، عام مجملات قرآن وحدیث کا حکم اور۔ مرزا قادیانی، مسلمانوں کو دہو کہ دیتا ہے کہ عام وحی مجمل قرآن وحدیث کو خواب کے حکم میں ٹھہرا کر جس آیت، حدیث کو چاہتا ہے وحی مجمل قرار دے کر اجتہادی غلطی کا محل قرار دیتا اور اس میں جو تاویل چاہتا ہے، کرتا ہے۔ یہ مرزا صاحب کے طحاند اصول کا ابطال ہے۔ اب اس باطل اصول کے بد اثر سے ان احادیث کو بری کیا جاتا ہے جن کو اس اصول کے ٹکچہ میں چھینا کر مرزا قادیانی نے خواب یا تعبیر ٹھہرا کر محل اجتہاد و غلطی اجتہادی و ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ یعنی احادیث متعلقہ دجال وابن صیاد خصوصاً حدیث تمیم داری جس کو خصوصیت کے ساتھ مرزا قادیانی نے اپنی تحریر نمبر ۴۲ میں نشانہ بنایا ہے۔

پس واضح ہو کہ جن احادیث میں دجال کی آمد کی خبر ہے ان میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس میں کسی قسم کا اجمال ہو یا احادیث ابن صیاد سے اس کا تعارض ہو، یا اس میں آنحضرت ﷺ کے خواب کی حکایت یا کسی خواب کی تعبیر ہو۔ یا اس کا خلاف مشاہدہ میں آیا ہو جس سے ثابت و مفہوم ہو کہ وہ اجتہادی تعبیر تھی جو خلاف واقعہ نکل بلکہ وہ احادیث اپنے منطوق و مفہوم والفاظ و سیاق سے صاف بتا رہی ہیں کہ ان احادیث میں آنحضرت ﷺ نے جو حالات بیان کئے ہیں وہ آپ ﷺ کے چشم دید واقعات ہیں، جو بمشاہدہ یعنی بوجی الہی آپ پر منکشف ہوئے ہیں۔ اور ان احادیث میں کسی قسم کا تعارض و تخالف نہیں ہے۔

احادیث متعلقہ ابن صیاد کا احادیث دجال سے متعارض نہ ہونا پہلے بیان ہو چکا ہے اور احادیث دجال کا آپس میں متعارض نہ ہونا یوں، ازالہ اوہام مرزا قادیانی میں ثابت کیا جائے گا۔ اور حدیث تمیم داری ہماری تحریر نمبر ۸ میں منقول ہے اس مقام میں چند احادیث متعلقہ آمد دجال نقل کی جاتی ہیں جو ابطال عموم دعوی قادیانی کے لئے کافی ہیں۔ ناظرین بتائیں کہ ان میں کسی قسم کا اجمال یا ان کا خواب یا تعبیر ہونا، یا ان کا اجتہادی ہونا، کس لفظ سے مفہوم ہوتا ہے؟

عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله ﷺ في الناس فاشني على الله بما هو اهله ثم ذكر الدجال فقال اني لا نذر كموه و ما من نبى الا انذره قومه و لاكنى ساقول فيه قولا لم يقله نبى لقومه انه اعور و ان الله ليس باعور (بخاری ص ۱۰۵۵ و معناه فی مسلم ص ۴۰۰)۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آپ ﷺ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے۔ خدا کی تعریف کے بعد آپ ﷺ نے دجال کا ذکر کیا تو فرمایا کہ میں تمہیں اس سے ڈراتا ہوں اور کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اس سے اپنی قوم کو ڈرایا نہ ہو، لیکن میں اس کے حق میں ایک ایسی بات کہتا ہوں جو پہلے کسی نبی نے نہیں کہی، وہ یہ ہے کہ وہ دجال کا ناہوگا اور خدا تعالیٰ کا نائیں۔

عن انس بن مالك ما بعث نبى الا انذر امته الا عور الكذاب و ان ر بكم ليس باعور و ان بين عينيه مكتوب كافر (بخاری ص ۱۰۵۶ و مسلم ۴۰۰) و فيه يقرء كل مو من كاتب و غير كاتب)۔ حضرت انس آپ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ کوئی نبی نہیں ہے جس نے اس کے کذاب سے نہ ڈرایا ہو، اور تمہارا رب کا نائیں ہے۔ اس کے لئے کذاب کی دو آنکھوں کے مابین ك ف ر لکھا ہوگا جس کو ہر ایک مومن پڑھا ہوا ہو، یا ان پڑھ، پڑھ لے گا۔



عن حذیفہ عن النبی ﷺ قال فی الدجال ان معہ ماء و ناراً فنارہ ماء بارد و ماءہ نار۔ (بخاری ۱۰۵۶ و مسلم ۴۰۰)۔ و فیہ فاما درکن احد فلیأت النہر الذی یراہ ناراً فلیغمر حضرت حذیفہؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دجال کے ساتھ پانی بھی ہوگا، آگ بھی ہوگی۔ سوس کی آگ (واقعہ میں) پانی ہوگا اور پانی (واقعہ میں) آگ۔ پس اگر کوئی اس کو پائے تو جو آگ نظر آوے اس میں غوطہ لگائے۔

و عن ابی سعید الخدری قال حد ثنا رسول اللہ ﷺ یوماً حد ینثأ طویلاً عن الدجال فکان فیما حد ثنا قال یاتی و هو محرم علیہ علیہ ان یدخل نقاب المدینہ فینتہی الی بعض السباخ التی تلی المدینة فیخرج الیہ یومئذ رجل هو خیر الناس او من خیر الناس فیقول اشهدانک الدجال الذی حد ثنا رسول اللہ حد یتھ فیقول الدجال ارا یتم ان قلتل هذا ثم احبته انتشکون فی الامر فیقولون لا قال فیقتلہ ثم یحییہ فیقول حین یحییہ و اللہ ما کنت فیک قط اشد بصیرة منی الا ان فیرید الدجال ان یقتلہ فلا یسلط علیہ۔ (مسلم ۴۰۴۔ بخاری ۱۰۵۶)

حضرت ابو سعید خدری نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے ہم کو ایک دن دجال کے حق میں ایک لمبی حدیث سنائی اس میں یہ ذکر بھی تھا کہ دجال پر شہر مدینہ کے دروازوں میں داخل ہونا حرام کیا جائے گا، وہ مدینہ کے متصل بعض شور میں پہنچے گا تو اس کی طرف ایک شخص نکلے گا جو اس دن تمام لوگوں سے بہتر ہوگا (علماء کہتے ہیں وہ خضر ہوں گے، لہذا وہ ایک اور مصیبت مرزا قادیانی پر نازل ہوئی وہ حیات حضرت مسیح کو ناممکن سمجھتا تھا، یہاں ایک اور بھی غیر معمولی زندہ بیر نکل آئے) وہ شخص دجال کو کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو دجال ہے جس کی بات ہم مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ نے کہی ہوئی ہے۔ دجال اپنی ذریات کو کہے گا کہ بتاؤ اگر میں اس شخص کو مار دوں اور پھر زندہ کروں تو تم کو میرے معاملہ میں کچھ شک رہے گا؟ وہ کہیں گے نہیں۔ پھر وہ اسکو قتل کرے گا پھر زندہ کریگا تو وہ شخص کہے گا کہ مجھے جیسا اس وقت (یعنی تیرے افعال دیکھ کر) تیرے دجال ہونے کا یقین حاصل ہوا ہے، ایسا یقین پہلے حاصل نہ تھا۔ پھر وہ اس کو (دوبارہ) مارنا چاہے گا تو اس پر قدرت نہ پائے گا۔

عن انس بن مالک قال قال النبی جئنی الدجال حتی ینزل فی ناحیة المدینة تر فثلث رجفات فیخرج الیہ کل کافر و منافق (بخاری ص ۱۰۵۵ مسلم ۴۰۵) حضرت انس کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے دجال آئے گا تو مدینہ کی ایک جانب اترے گا۔ اس وقت مدینہ میں تین دفعہ زلزلہ واقع ہوگا جس سے ہر ایک منافق و کافر جو مدینہ میں ہوگا، نکل کر دجال کے پاس چلا جاوے گا۔ ان احادیث کے الفاظ اور سیاق اور محل بیان (موقعہ خطبہ) صاف بتا رہے ہیں کہ ان احادیث میں جو حالات دجال، آنحضرت ﷺ نے بیان کئے ہیں وہ آپ کے چشم و دید حالات ہیں۔ اور ان احادیث کے الفاظ و سیاق و سباق میں کوئی تصریح یا اشارہ پایا نہیں جاتا کہ یہ خواب کی تعبیر ہے اور آنحضرت ﷺ نے جو کچھ ان میں فرمایا ہے وہ ظن و اجتہاد سے کہا ہے۔ یہ تصریح یا اشارہ ان احادیث میں پایا جاتا ہے نہ کسی اور حدیث میں۔ اب ہم ناظرین کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے ان احادیث کو اپنے اس باطل اصول کے ٹکڑے میں کیوں کر پھنسا یا اور کس تحریر میں ان کو خواب ٹھہرا کر اجتہادی و ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ اور اس کا جواب کیا ہے جس سے ان کی احادیث کے خواب ہونے سے برات ہو۔

پس واضح ہو کہ مرزا قادیانی نے ایک تو مسلم کی حدیث دمشقی روایت نو اس بن مسعان سے دجال کے حق میں آنحضرت کا لفظ کانی اشبہ بعبد العزی جس کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں گویا دجال کو عبد العزی سے تشبیہ دے رہا ہوں، لے لیا اور اس لفظ کو اس امر کا مشعر ٹھہرایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دجال کو ھتھیہ نہیں دیکھا تھا بلکہ شرف یا خواب کی حالت میں دیکھا تھا، تب ہی لفظ گو یا فرمایا۔

دوسری بخاری کی وہ حدیث لے لی ہے جو اس کے صفحہ ۲۸۹ وغیرہ میں مروی ہے اور اس میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خواب میں دجال کو کعبہ کا

طواف کرتے دیکھا،

اس حدیث کے بیان خواب اور حدیث نواس بن سمعان کے لفظ، گویا، کے مشعر کشف یا خواب ہونے سے اس نے یہ نکال لیا ہے کہ نواس بن سمعان کی تمام حدیث اور حضرت مسیح اور دجال کی جملہ احادیث خواب و مکاشفات ہیں جو تعبیر و تاویل کے محتاج ہیں، نہ حقائق واقعہ۔ چنانچہ از الہ اوہام کے صفحہ ۲۰۳ میں حدیث نواس بن سمعان کے لفظ مذکور سے استدلال کر کے قادیانی نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جو حضرت عیسیٰ اور دجال کی نسبت امور معلوم ہوئے تھے وہ حقیقت میں سب کے سب مکاشفات نبویہ تھے، جو اپنے محل پر مناسب تاویل و تعبیر رکھتے ہیں۔ ان ہی میں سے یہ مدہمتی حدیث بھی ہے جو مسلم نے بیان کی ہے، جس کا اس وقت ہم ترجمہ کر رہے ہیں اور ہمارے اس بیان پر کہ تمام پیش گوئیاں مکاشفات نبویہ ہیں اور رویا صالحہ کی طرح بالترتیب قرآن محتاج تعبیر ہیں خود آنحضرت ﷺ کے بیانات مقدسہ شاہد ہیں۔ پھر اس کی تمثیل داتا گاندی میں صفحہ ۲۰۲ و ۲۰۵ میں بخاری کی حدیث مذکورہ متضمن خواب طواف دجال نقل کر کے صفحہ ۲۰۷ میں اس کی نسبت کہا ہے کہ: ایسے کلمات کو ظاہر پر حمل کرنا بڑی غلطی ہے۔ یہ درحقیقت مکاشفات اور خوابوں کے پیرایہ میں بیانات ہیں، جن کی تعبیر و تاویل کرنی چاہیے جیسا کہ عام طور پر خوابوں کی تعبیر کی جاتی ہے، سواس کی تعبیر یہ ہے کہ دجال اپنے ظہور کے وقت میں فتنہ انداز کی کام کے گرد پھرے گا۔ اس کے بعد بڑے زور شور کے ساتھ جلی قلم سے کہا ہے کہ اب کہاں ہیں وہ حضرات مولوی صاحبان جو ان حدیثوں کے الفاظ کو حقیقت پر حمل کرنا چاہتے ہیں اور ان کے معانی کو ظاہر عبارت سے پھیرنا کفر والحادیہ سمجھتے ہیں، ذرہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ سلف صالح نے اس حدیث کے معنی کرنے کے وقت مسیح دجال کے طواف کرنے کو ایک خواب کا معاملہ سمجھ کر کیسی اس کی تاویل کر دی جو ظاہر الفاظ سے بہت بعید ہے۔ پھر جس حالت میں لاچار ہو کر ان مکاشفات کے ایک جزو کی تعبیر کی گئی تو پھر کیا وجہ کہ باوجود موجود ہونے قرآن تو یہ کے دوسری جزو کی تعبیر نہ کی جائے۔ اس کے بعد صفحہ ۲۱۰ میں لکھا ہے کہ جس طرح ہمارے علماء نے مسیح دجال کے طواف کو ایک کشفی امر سمجھ کر اس کی ایک روحانی تعبیر کر دی ایسا ہی جناب خاتم الانبیاء ﷺ نے کئی مقامات میں ظاہر فرمایا ہے کہ جو کچھ میرے پر کشفی طور پر کھلتا ہے، جب تک من جانب اللہ قوی اور یقینی معنی اس کے معلوم نہ ہوں، میں ظاہر پر حمل نہیں کر سکتا۔ پھر اس کی تمثیل میں ایک حدیث صحیح بخاری کی صفحہ ۵۵۱ سے یہ نقل کی ہے۔ آنحضرت ﷺ کو خواب میں بی بی عائشہ دکھائی گئیں اور یہ کہا گیا کہ یہ تیری زوجہ ہے۔ تمہارے آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ امر خدا کی طرف سے ہے تو خدا اس کو نافذ کرے گا۔ دوسری حدیث خواب میں مقام ہجرت دیکھنے کی ہے جس کا بیان آگے ہوگا۔

یہ مرزا قادیانی کی تقریر پر تزییر ہے جس میں اس نے احادیث متعلقہ دجال اور حضرت مسیح کو اپنے اصول کے ٹکڑے میں پھنسا کر خواب قرار دیا ہے۔ اب اس کا جواب ناظرین سہیں۔

مرزا قادیانی نے جو کچھ اس تقریر میں کہا ہے اس کا حاصل مطلب و ماہصل وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی دو تین خوابوں کو ہتھ کڈنا بنا کر ان کے ذریعے سے جس آیت یا حدیث کو چاہتا ہے وہی جمل اور خواب یا مکاشفہ محتاج تشریح و تاویل بنا دیتا ہے۔ اور اس کا جواب بھی گذر چکا ہے کہ یہ محض مغالطہ اور صاف دہوکہ ہے۔ بعض احادیث میں جو آنحضرت ﷺ کی خاص خوابوں کا بیان ہے وہ جملہ احادیث نبویہ متعلقہ دجال و حضرت مسیح کو بھی جمل اور خواب نہیں بنا سکتا۔ اور دلیل خاص سے دعویٰ عام ثابت نہیں ہوتا۔ اور خاص خواب کا حکم اور ہے اور عام جملات قرآن و حدیث کا حکم اور ہے۔ مگر اس مقام میں مرزا قادیانی کے مغالطات مسلمانوں پر ظاہر کرنے کی غرض سے اس جواب کی تشریح کی جاتی ہے۔

مرزا قادیانی کا حدیث نواس بن سمعان کے لفظ کا نسبی بمعنی گویا کو مشعر کشف یا خواب کہنا، پھر کشف اور خواب دونوں کو یکساں محتاج تعبیر و تاویل کہنا، پھر اس لفظ کی شہادت سے تمام حدیث نواس کو ایک کشف یا خواب قرار دینا مغالطہ در مغالطہ ہے۔

اس میں ایک مغالطہ مرزا قادیانی کا آنحضرت ﷺ کی رویت دجال کو خواب تجویز کرنا ہے جو محتاج تعبیر و تاویل ہوتا ہے۔ دوسرا مغالطہ اس خواب



کہ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ دجال اور مسیح کے باب میں فرمایا ہے، وہ سب کا سب اس واقعہ خواب کا بیان یا تعبیر ہے۔ یہ بات نہ اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے نہ کسی اور حدیث میں پائی جاتی ہے۔ اور نہ عقل اس کی مجوز ہے۔ کیا جو شخص ایک دفعہ زید کو (مثلاً) خواب میں دیکھے اور پھر وہ زید کے حالات واقعیہ و سوانح عمری (کہ وہ عمرو کا بیٹا ہے اور خالد کا باپ اور وہ تجارت پیشہ ہے، دہلی میں دس برس رہا۔ کلکتہ میں ۵۰ برس اور سال آئندہ وہ بمبئی جانے والا ہے وغیرہ) بیان کرے تو ان واقعات و حالات کو سن کر کوئی عاقل، سلیم الحواس یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ اسی خواب کی تعبیر کا بیان ہے۔ ہرگز نہیں۔

اور اس میں دوسرا مغالطہ مرزا قادیانی کا یہ کہنا ہے کہ مکاشفات روایہ صالحہ کی مانند محتاج تعبیر ہیں۔ اس کا جواب گذر چکا ہے کہ مکاشفات بحالت بیداری محتاج تعبیر نہیں ہوتے۔ اور وہ اپنے ظاہری معنی پر محمول ہوتے ہیں جیسے مکاشفہ بیت المقدس و مکاشفہ جنگ ساریہ وغیرہ

تیسرا مغالطہ حدیث طواف دجال کو نقل کر کے قادیانی کا یہ کہنا ہے کہ ایسے کلمات کو ظاہر پر حمل کرنا بڑی غلطی ہے۔ اس میں قادیانی نے پیش تو وہ حدیث خواب طواف دجال کی ہے جو کسی کے نزدیک ظاہر پر محمول نہیں، مگر اس سے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ جملہ احادیث متعلقہ دجال و حضرت مسیح خواب ہیں اور ظاہری معنی پر محمول نہیں۔ اس کا جواب بھی سابق میں ادا ہو چکا ہے کہ بے شک حدیث طواف دجال ایک خواب ہے، جو ظاہری معنی پر محمول نہیں ہے، مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جملہ احادیث متعلقہ دجال و حضرت مسیح (جن میں واقعات خارجیہ و مشاہدات عینیہ و احکام عملیہ کا بیان ہے اور ان کو کوئی مسلمان خواب یا تعبیر خواب نہیں کہہ سکتا) خواب یا تعبیر خواب ہوں اور ظاہری معانی پر محمول ہوں۔

چوتھا مغالطہ حدیث طواف دجال کی تعبیر کرنے کے بعد مرزا قادیانی کا قلم جلی سے یہ لکھنا ہے کہ: کہاں ہیں وہ علماء جو ان حدیثوں کے الفاظ کو حقیقت پر حمل کرنا چاہتے ہیں اور ان کے معانی کو ظاہر عبارت سے پھیرنا کفر و الحاد سمجھتے ہیں۔

اس میں آپ نے وہی (تیسرا) دہوکہ دیا ہے کہ پیش تو ایک حدیث خواب طواف دجال کی اور اس سے ان سب حدیثوں کا جو دجال اور حضرت مسیح کے باب میں وارد ہیں، ظاہر پر محمول نہ ہونا اور ان کی تاویل کافر نہ ہونا، نکال کر علماء پر اعتراضی سوال قائم کر دیا۔ اس کا جواب بھی وہی ہے کہ کوئی عالم ایسا نہیں کہ حدیث طواف دجال کو ظاہر پر حمل کرتا ہو اور اس کی تعبیر و تاویل کفر و الحاد سمجھتا ہو۔ مرزا کو جو علماء وقت کا فخر و صلہ کہتے ہیں تو وہ حدیث خواب طواف دجال کی تاویل کے سبب نہیں کہتے، بلکہ اس لئے کافر و صلہ کہتے ہیں کہ وہ دیگر نصوص قطعیہ قرآن و احادیث میں (جن میں احادیث متعلقہ دجال و حضرت مسیح بھی شامل ہیں) تاویل و تخریف کرتے ہیں اور بلا وجہی و مانع قطعی ان کے ظاہری معانی کو چھوڑ جاتے ہیں جو طہرین باطنیہ کا شیوہ ہے۔

پانچواں مغالطہ قادیانی کا تاویل طواف دجال کو ذکر کر کے یہ کہنا ہے کہ جس حالت میں لاچار ہو کر ان مکاشفات کے ایک جزء کی تعبیر کی گئی ہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ دوسری اجزاء کی تعبیر نہ کی جاوے۔ اس میں مرزا قادیانی نے حدیث طواف دجال کو ایک جزء ٹھہرا دیا ہے اور دوسری احادیث متعلقہ دجال و حضرت مسیح کو دوسرے اجزاء۔ اور ان سب روایات کو ایک حدیث قرار دیا ہے اور نادانانہ مسلمانوں کو دہوکہ دینا چاہا ہے۔

اس کا جواب بھی جوابات سابقہ میں ادا ہوا اور ثابت ہو چکا ہے کہ یہ شخص کذب قادیانی ہے۔ حدیث طواف دجال خاص ایک وقت کا واقعہ ہے، جن کو دوسری احادیث متعلقہ دجال و حضرت مسیح سے کوئی اتحا نہیں ہے۔ نہ وہ اس کے اجزا ہیں، نہ ایک دوسرے کا جزء، نہ جائین کسی تیسری حدیث کا جزء۔ اخیر تقریر میں جو قادیانی نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے کئی مقامات میں فرمایا ہے کہ جو کچھ میرے پرکشتی طور پر کھلتا ہے، میں ان کو ظاہر معانی پر حمل نہیں کر سکتا جب تک من جانب اللہ اس کے قطعی اور یقینی معنی معلوم نہ ہوں۔

یہ بھی مرزا صاحب نے جھوٹ بولا ہے اور مسلمانوں کو بھی دہوکہ دینا چاہا ہے کہ جو تاویل و تخریف نصوص قرآن و حدیث کا طہرانہ اصول اس نے بیان کیا ہے وہ خود آنحضرت کا فرمودہ ہے لہذا اس میں کسی مسلمان کو جائز نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ طہرانہ اصول اور قول ہرگز نہیں فرمایا اور نہ مکاشفات عینیہ بحالت بیداری کو اپنے ظاہری معنی پر حمل کرنے

سے کہیں انکار یا توقف وتردد ظاہر فرمایا ہے۔ یہ مرزا قادیانی نے آنحضرت ﷺ پر محض افتراء کیا ہے۔ اس کذب صریح و بہتان قبیح کے ثبوت میں جو حدیثیں مرزا صاحب نے پیش کی ہیں ان میں یہ طہرانہ قول و اصول نہیں پایا جاتا۔ پہلی حدیث میں صرف یہ بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ کو عائشہ صدیقہ خواب میں دکھائی گئیں اور کہا گیا کہ یہ تیری زوجہ ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ امر خدا کی طرف سے ہے تو خدا اس کو نافذ کرے گا۔ تو دیکھو اس میں آنحضرت ﷺ نے صرف ایک خواب کے ظاہری معنی مراد ہونے میں اپنا تردد ظاہر فرمایا ہے، نہ اس کو تمام خوابوں کی نسبت عام اصول و قانون بنایا ہے اور نہ خواب کے سوا مکاشفات حالت بیداری کی نسبت اس میں کچھ ارشاد ہے۔ پھر قادیانی نے جو اس خاص خواب کی تعبیر میں آپ ﷺ کے متردد ہونے سے وہ عام طہرانہ اصول نکال لیا اور اس کو آپ ﷺ کا قول قرار دیا ہے۔ یہ آپ ﷺ پر افتراء اور کذب محض نہیں تو کیا ہے؟

دوسری حدیث میں بھی آنحضرت ﷺ کا خواب میں اپنے ہجرت کی جگہ کو دیکھنا اور پھر تعبیر میں وہم کرنا بیان ہوا ہے۔ اس میں بھی نہ قادیانی کے اصول طہرانہ کا نام و نشان ہے، نہ بجز خواب مکاشفات خارجہ حالت بیداری کا حکم پایا جاتا ہے۔

بالجملہ مرزا صاحب نے جو کچھ اس تقریر پر ترویر میں کہا ہے وہ ازسرتا یا کذب و مغالطہ ہے۔ اس سے احادیث متعلقہ دجال و حضرت مسیح کا خواب اور محتاج تعبیر ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور احادیث متعلقہ دجال و حضرت مسیح، قادیانی کے طہرانہ اصول کے اثر سے بری ہیں۔ وہ احادیث وحی مجمل اور اجتہادی اور خواب اور ظاہری معنی سے مصروف محتاج تعبیر ہرگز نہیں ہو سکتیں بلکہ وہ اپنی معانی میں نصوص ہیں اور ظاہری معانی پر محمول ہیں (محمد حسین)

اور حدیث فذہب و ہلی بھی اس کی شاہد ہے (یہ حدیث بخاری میں ہے جس کا پورا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں مکہ سے ایسی زمین کی طرف ہجرت کرتا ہوں جس میں درخت خرما ہیں۔ پس میرا وہم اس طرف گزرا کہ وہ زمین یمامہ ہے یا موشح ہجر ہے۔ ناگاہ وہ مدینہ نکلا۔ عن النبی ﷺ رثیت فی المنام انی اھا جرم من مکہ الی ارض بھا نخل فذہب و ہلی انھا یمامہ او ہجر فاذا ہی مدینہ۔ (بخاری۔ ص ۵۵۱)۔ اس حدیث کو ناظرین بنظر غور و انصاف ملاحظہ کریں اس میں خاص ایک واقعہ خواب کی تعبیر میں آنحضرت ﷺ کو وہم ہو جانا بیان ہوا ہے۔ اس سے عام وحی مجمل قرآن و حدیث کا محل اجتہاد و غلطی ہونا ثابت نہیں ہوتا، جس کا مرزا قادیانی نے تحریر نمبر ۵ میں دعویٰ کیا ہے، اور نہ اس حدیث میں آپ ﷺ کا یہ قول پایا جاتا ہے کہ جو کچھ مجھ پر کشفی طور پر دکھلتا ہے، میں اس کو ظاہر پر حمل نہیں کر سکتا جیسا کہ اس نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۱۰ میں دعویٰ کیا ہے۔ قادیانی نے ان دونوں دعوائی میں کذب سے کام لیا اور آنحضرت

ﷺ پر افتراء کیا ہے۔ (محمد حسین) اور آنحضرت ﷺ کا ایک جماعت کثیر کے ساتھ مدینے سے مکہ کی طرف بعزم طواف کعبہ سفر کرنا، یہ بھی ایک اجتہادی غلطی ہے۔ زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں (یہ اجتہاد یا اس میں غلطی آنحضرت ﷺ سے نہیں ہوئی بلکہ آنحضرت ﷺ کے ایک خواب کی تعبیر میں بعض صحابہ سے یہ غلطی ہوئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ اور آپ کے صحابہ مکہ میں داخل ہوئے اور کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ اس خواب کو آنحضرت ﷺ نے اصحاب کے پاس بیان کیا تو انہوں نے اس کی تعبیر میں یہ سمجھ لیا کہ اسی سال آپ مکہ فتح کریں گے اور اس میں داخل ہو کر طواف کریں گے اور جب آنحضرت ﷺ اس سال بعزم عمرہ و زیارت کعبہ و بحکم حکمت الہی، جس کا ظہور بیعت الرضوان سے ہوا، نہ بنا بر تعبیر خواب خود، مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مقام حدیبیہ میں کفار مکہ کی طرف سے روکے گئے تو وہ صحابہ اپنی تعبیر کی غلطی سے آپ پر معترض ہوئے کہ کیا آپ ہم کو نہ فرماتے تھے کہ ہم کعبہ میں داخل ہوں گے اور اس کا طواف کریں گے۔ اسکے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں نے یہ کہا تھا کہ ہم اسی سال مکہ میں داخل ہوں گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ تو آپ نے نہیں فرمایا۔ اس پر آپ نے ارشاد کیا کہ پھر تم ضرور، ایک نہ ایک دن، اس میں داخل ہو گے۔ اور اس کا طواف کرو گے اور حضرت صدیق اکبر نے بھی آنحضرت ﷺ کی

طرف سے یہی جواب دیا اور ان لوگوں کو مطمئن کیا جب ان کے سامنے یہ اعتراض پیش ہوا و قد کان اصحاب رسول اللہ خر جوا و ہم لا يشكون في الفتح لربنا راها رسول الله. (معالم التنزيل). قال عمر قلت له ﷺ اولى كنت تحدثنا انا سنا تي البيت فنطوف به وعند الواقدي انه ﷺ كان راى في منامه قبل ان يعتمر انه دخل هو واصحابه البيت فلما راوا تاخير ذلك شق عليهم قال عليه السلام بلى فاخبرتك انا ناتيها العام هذا قال عمر قلت لا قال فانك آتية و تطوف به قال عمر فأتيت ابا بكر فقلت اولى كنت انا سنا تي البيت و تطوف به قال ابو بكر بلى افاخبرك عليه السلام انك تاتيها العام هذا قال عمر قلت لا. قال فانك آتية و تطوف به. (قسطلا ني- ج ٤) صحیح بخاری اور اس کی شرح قسطلا نی اور تفسیر معالم التنزیل کے بیان کا خلاصہ ہے اور اس سے صاف ثابت ہے کہ اس خواب کی تعبیر میں جو غلطی ہوئی ہے وہ آنحضرت ﷺ سے نہیں ہوئی۔ وہ بعض صحابہ کے فہم کی غلطی تھی آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبر نے ان کی غلطی ان پر ثابت کر دی اور اس غلطی سے آپ ﷺ کی برت ظاہر کی۔ مرزا قادیانی نے جو اس غلطی کو آنحضرت ﷺ کے اجتہاد کی غلطی قرار دیا ہے تو اس میں آنحضرت ﷺ پر افتراء کیا اور مسلمانوں کو دہوکہ دیا۔ محمد حسین) پھر آپ مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ ابن صیاد کے دجال معبود ہونے کا صحابہ کا کہاں اجماع تھا؟ اس کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ یہ اجماع مسلم کی حدیث سے جو ابی سعید الخدریؓ سے بیان کی ہے، ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اس حدیث میں ابن صیاد کہتا ہے کہ لوگ کیوں مجھے دجال معبود کہتے ہیں؟ اب ظاہر ہے کہ اس وقت کہنے والے صرف صحابہ تھے اور کون لوگ تھے جو اس کو دجال کہتے تھے۔ یہ حدیث صاف بتلا رہی ہے کہ صحابہ کا اس بات پر اجماع تھا کہ ابن صیاد ہی دجال معبود ہے۔ صحابہ کوئی ایسی بڑی جماعت نہیں تھے جن کے اجماع کا حال معلوم ہونا محالات میں سے ہوتا۔ بلکہ ان کا اجماع بباعث و وحدت مجموعی ان کی کے بہت جلد معلوم ہو جاتا تھا (یہ محض کذب ہے یا صریح مغالطہ۔ اس حدیث میں نہ اجماع صحابہ کا بیان ہے اور نہ وہ اجماع اس کے کسی لفظ سے مستنبط و مفہوم ہو سکتا ہے۔ ابن صیاد کے ان الفاظ سے کہ لوگ مجھے دجال سمجھتے ہیں، یہ اجماع مستنبط نہیں ہو سکتا۔ ہاں بجائے لوگ، سبھی لوگ بولتا، تو ابن صیاد کے بڑے بھائی اور اس کو سچا جاننے والے مرزا قادیانی کو اجماع استنباط کرنے کا موقع ملتا اور جس حالت میں اس نے یہ لفظ نہیں کہا۔ اور بہت سے صحابہ کا ابن صیاد کو دجال نہ کہنا کتب حدیث میں ثابت و موجود ہے۔ تو پھر قادیانی کا اس قول ابن صیاد کے تمسک سے دعویٰ اجماع کذب یا مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے؟ محمد حسین) پھر تین صحابیوں کا قسم کھانا کہ حقیقت میں ابن صیاد ہی دجال معبود ہے، صاف اجماع پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ان کی مخالفت منقول نہیں (اس قول میں مرزا قادیانی نے ایک صریح جھوٹ بولا ہے اور ایک مغالطہ دیا ہے۔ اس کا صریح جھوٹ تین صحابہ، حضرت عمرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابن عمرؓ، جن کا نام و تہذیب نمبر ۴ میں بتا چکا ہے، کو اس بات کا قائل بنانا ہے کہ ابن صیاد دجال معبود ہے۔ حالانکہ ان حضرات ثلاثہ سے صرف ایک ابن عمرؓ جنہوں نے ابن صیاد کو مسیح دجال کہا ہے۔ باقی حضرت عمرؓ و حضرت جابرؓ نے تو اس کو صرف دجال کہا ہے، جس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ منجملہ ان تین دجالوں کے ایک دجال ہے جن کے خروج کی خبر آنحضرت ﷺ نے دی ہے، نہ دجال معبود۔ اور اس کا مغالطہ صرف تین صحابہ کے، بزرگم خود، اتفاق کو اجماع قرار دینا ہے حالانکہ صحابہ میں صرف تین یا دس صحابہ کا

اتفاق، شرعی اجماع نہیں کہلاتا۔ مفصل بیان ہماری تحریر نمبر ۸ میں ہوگا۔ محمد حسین) پھر بعد اس کے آپ دریافت فرماتے ہیں کہ اجماع کی حقیقت کیا ہے؟ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سوال سے آپ کا مطلب کیا ہے۔ ایک جماعت کا ایک بات کو با اتفاق مان لینا، یہی اجماع کی حقیقت ہے جو صحابہ میں باسانی محقق ہو سکتی تھی اگرچہ دوسروں میں نہیں (یہ بھی کذب یا مغالطہ ہے، ایک جماعت کا اتفاق اجماع نہیں کہلاتا، بلکہ اجماع اتفاق کل کا نام ہے۔ اور کل میں ایک شخص کا خلاف بھی مانع انعقاد اجماع ہے۔ اس کا ثبوت بھی ہماری تحریر نمبر ۸ میں ہے۔ محمد حسین)

اور یہ جو آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ کہاں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ ابن صیاد کے دجال ہونے پر ڈرتے تھے سو واضح ہو کہ وہ حدیث مشکوٰۃ میں بحوالہ شرح السنۃ موجود ہے اور اصل عبارت حدیث کی یہ ہے

فلم یزل رسول اللہ ﷺ مشفقاً أنه هو الدجال (اس سوال وجواب کے بیان میں بھی قادیانی نے اپنا شیوہ کید و مغالطہ پورا ظاہر کیا ہے اور اس سے اپنا دجال ہونا ثابت کر دکھایا ہے۔ ناظرین اس کا بیان توجہ سے سنیں۔ زہم نے اس سے دریافت کیا تھا کہ کہاں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتے تھے۔ اور نہ اس نے صرف ابن صیاد کے دجال ہونے سے آنحضرت ﷺ کے فعل ڈرنے کا دعویٰ کیا تھا۔ تا کہ اس کا ثبوت اس سے طلب کیا جاتا۔ اس نے تو تحریر نمبر ۴ میں آنحضرت کے قول کا دعویٰ کیا اور یہ کہا کہ آنحضرت ﷺ نے خود بھی فرمایا ہے کہ میں اپنی امت پر ابن صیاد کے دجال معبود ہونے کی نسبت ڈرتا ہوں۔ جس پر اپنی تحریر نمبر ۵ میں، میں نے سوال کیا کہ آپ (مرزا) نے دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابن صیاد کی نسبت فرمایا ہے کہ میں اس کے دجال معبود ہونے سے ڈرتا ہوں، کتب حدیث میں اس کا ذکر کہاں ہے۔ اس سوال کے جواب میں مرزا قادیانی نے اخیر مباحث تک نہیں بتایا کہ آنحضرت ﷺ کا یہ قول فلاں فلاں کتب حدیث میں ہے۔ بلکہ اول تو ہمارے سوال کو بدلا دیا۔ اور ہم کو بہلانا چاہا۔ اور بجائے سوال ثبوت قول نبوی، سوال ثبوت فعل نبوی (خوف کرنے کا) ہماری طرف سے قائم کیا۔ اور اس کے جواب میں حدیث شرح السنۃ کو ثبوت فعل میں پیش کر دیا اور اس چالاکی سے یہ ثابت کر دیا کہ مخاطب کو وہ کہہ دینے اور اس کا سوال اس کو بھلا دینے میں آپ اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اور اس وجہ سے آپ ہمیشہ تحریری مباحثہ کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ایسی بات زبانی کہیں تو حاضرین مجلس سے کوئی تو اس کو سمجھ لے اور ایسی بات کو واپس لینے پر آپ کو مجبور کرے۔ طوالتی تحریروں میں ایسی باتیں پڑنی جاتی ہیں تو غالباً ان کو کوئی سمجھ نہیں سکتا ہے اور آپ کا داؤ چل جاتا ہے۔ پھر جب کہ آپ کی اس بھول بھلیاں کو ہم نے سمجھ لیا اور آپ کے اس جواب کا اپنی تحریر نمبر ۶ میں یہ جواب دیا کہ شرح السنۃ سے جو حدیث آپ نے نقل کی ہے اس میں آنحضرت ﷺ کا کوئی قول منقول نہیں۔ بلکہ اس میں ایک صحابی اپنا خیال ظاہر کرتا ہے جو اس کے فہم میں آتا ہے، کہ آپ ﷺ ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتے تھے، اس قول صحابی کو آنحضرت ﷺ کا قول قرار دینا آنحضرت ﷺ پر افتراء نہیں تو اور کیا ہے؟ تو مرزا صاحب نے تحریر نمبر ۶ سے یہ کہنا شروع کیا کہ صحابی نے آنحضرت ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہوگا کہ میں ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتا ہوں، تب ہی اس نے آپ ﷺ سے یہ فعل نقل کیا کہ: آپ ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتے تھے، جس کا جواب تحریر نمبر ۷ میں مفصل دیا گیا ہے۔ اس مقام کے بیان سے اور بیان ہانے تحریرات آئندہ سے ناظرین کو بخوبی معلوم ہوگا کہ یہ قول کہ: میں اپنی امت پر ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتا ہوں، آنحضرت ﷺ سے کسی کتاب حدیث میں مروی و منقول نہیں ہے۔ اور نہ قادیانی نے اس قول کا ثبوت کسی کتاب کی نقل سے پیش کیا ہے۔ اس قول کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرنے میں اس نے صریح جھوٹ بولا ہے۔ اب اس جھوٹ کو کوچ بنانے کے لئے ان احتمالات

سے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ قول فرمایا ہوگا، یا صحابی نے آپ کے اشارہ سے یہ قول سمجھ لیا ہوگا، ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ جن کے مقابلہ میں ایسے احتمال بھی موجود ہیں جن سے ممکن و قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابن صیاد سے ایسے معاملات کئے جن سے آنحضرت ﷺ کا ابن صیاد سے ڈرنا صحابی کے خیال میں آیا۔ جیسے آنحضرت ﷺ کا چھپ کر ابن صیاد کے حالات دیکھنا اور اس کا امتحان کرنا وغیرہ، جو ہماری تحریر نمبر ۸۵ میں بیان ہوئے ہیں، تو اس صحابی نے کہہ دیا کہ آنحضرت ﷺ نے ابن صیاد سے ڈرتے تھے۔ لہذا اس کہنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ کلمہ کہ: میں ابن صیاد کے دجال معبود ہونے سے ڈرتا ہوں، آنحضرت ﷺ نے خود فرمایا۔ اور صحابی نے اس کو آنحضرت ﷺ کے منہ سے سنا۔ محمد حسین)

اور آپ نے جو دریافت فرمایا تھا کہ بعض اکابر کا قول اشاعت السنہ میں کہاں ہے جس میں یہ لکھا ہو کہ بعض موضوع حدیثیں کشف کے ذریعہ سے صحیح ٹھہر سکتی ہیں اور صحیح موضوع ٹھہر سکتی ہیں۔ سو وہ قول ریو یو براہین احمدیہ کے صفحہ ۳۳۰ میں موجود ہے، جس میں آپ نے بتا دیا اپنے خیالات کے شیخ ابن عربی صاحب کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ ہم اس طریق سے آنحضرت ﷺ سے احادیث کی تصحیح کرا لیتے ہیں۔ بہتیری حدیثیں ایسی ہیں جو اس فن کے لوگوں کے نزدیک صحیح ہیں اور وہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں اور بہتیری حدیثیں ان کے نزدیک موضوع ہیں اور آنحضرت ﷺ کے قول سے بذریعہ کشف صحیح ہو جاتی ہیں۔ (اس سوال کے جواب میں بھی مرزا صاحب نے تہ تہ تیس و تیس سے کام لیا ہے اور مسلمانوں کو دہوکا دیا ہے۔ نہ ہمارا سوال پورا نقل کیا ہے اور نہ اس کا جواب پورا دیا ہے۔ ہمارا سوال تحریر نمبر ۵ میں ہے اور آپ کا دعویٰ تحریر نمبر ۴ میں، جس پر وہ سوال کیا گیا تھا۔ ناظرین انصاف سے کہیں کہ ہمارا صرف یہی سوال تھا؟ اور اس کا یہی جواب ہے؟ محمد حسین)

اب اگرچہ میں اس بات پر زور نہیں دیتا کہ ایمانی طور پر آنحضرت ﷺ کا یہی عقیدہ ہے لیکن میں آپ کے فحوائے بیان سے سمجھتا ہوں، بلکہ ہر ایک تدبر کرنے والا سمجھ سکتا ہے، کہ امکانی طور پر ضرور آپ کا یہی عقیدہ ہے کیونکہ اگر یہ امر بکلی آپ کے عقیدہ سے باہر نہ تھا تو پھر اس کا ذکر لغو ٹھہرتا ہے جو آپ کی شان سے بعید ہے (اب آپ کو سوچا کہ ہمارا جواب، پورا جواب نہیں تو آپ کو برطبق مثل مشہور چوڑی داہڑی میں تنکا، یہ کھٹکا ہوا کہ اس سوال میں یہ امر بھی تو درج تھا کہ کشف سے احادیث کو صحیح و موضوع قرار دینے کی نسبت مولف رسالہ اشاعت السنہ نے اپنا اعتقاد کیا ظاہر کیا ہے؟ جس کا ہم نے کوئی جواب نہیں دیا، تو آپ نے تنکا نکالنے کو یہ کہا ہے کہ اگرچہ اس امر کی نسبت آپ نے اپنا اعتقاد ظاہر نہیں کیا مگر آپ کے فحوائے کلام سے سمجھ میں آتا ہے کہ آپ کا عقیدہ اس کے موافق ہوگا، ورنہ وہ قول آپ کے مؤیدات میں مذکور نہ ہوتا۔ اس کا جواب ہم نے اپنی تحریر نمبر ۶ و ۷ میں مفصل دیا اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ کشف کے ذریعہ سے احادیث کی تصحیح و تضعیف سے ہم نے اشاعت السنہ میں اتفاق نہیں، بلکہ اختلاف ظاہر کر دیا تھا۔ اور اس قول کی نقل سے ہمارا اور ہی مقصود تھا جس سے اس قول کو تسلیم کرنا لازماً نہیں آتا۔ ہماری نقل اس صورت میں لغو ٹھہرتی ہے کہ اس کی نقل سے کوئی اور مقصود نہ ہو اور جس حالت میں اس قول کے نقل سے اور مقصود اسی پرچہ اشاعت السنہ میں، جہاں یہ قول منقول ہے، بیان ہو چکا ہے تو پھر اس کی نقل بلا اعتقاد کو لغو ٹھہرانا خود لغو کہنا ہے۔ محمد حسین)

انسان جس کسی کا قول یا مذہب اپنے ریو یو میں بطور نقل کے ذکر کرتا ہے وہ اپنے مؤیدات و دعویٰ اور رائے کے



مدد میں لاتا ہے اور یا اس کے رد کی غرض سے، لیکن صاف ظاہر ہے کہ آپ اس قول کو اپنے منویدات دعویٰ کے ضمن میں لائے ہیں چنانچہ آپ نے بغیر اس کے ایسے دعویٰ کی تائید کیلئے ایک بخاری کی حدیث بھی لکھی ہے کہ محدث کا الہام دخل شیطان سے محفوظ کیا جاتا ہے۔ بلکہ وہاں تو آپ نے کھلے طور پر ظاہر کر دیا ہے کہ آپ اسی قول کے حامی ہیں، گویا یہی طور پر نہیں مگر امکانی طور پر ضرور حامی ہیں (اس حدیث کی نقل و تسلیم صحت سے یہ لازم نہیں آتا کہ کشف کے ذریعہ سے احادیث صحیحہ کا موضوع ہونا، ہمارے نزدیک مسلم ہے۔ ہمارے نزدیک جو محدث ہونے کا دعویٰ کرے اور احادیث صحیحہ اتفاقاً کشف کو کشف کے ذریعہ سے موضوع کہے وہ محدث نہیں، شیطان ہے، ہماری تحریر نمبر ۸ ملاحظہ ہو، محمد حسین) اور میرے لئے صرف اسی قدر کافی ہے کیونکہ میرا مطلب تو صرف اسی قدر ہے کہ حدیثیں اگرچہ صحیح ہی ہوں، لیکن ان کی صحت کا مرتبہ ظن یا ظن غالب سے زیادہ نہیں (اس قدر کیوں؟ یہ مقدار کس نے مقرر کر دی۔ اور اس امر میں کہ احادیث صحیحہ کا مرتبہ ظن یا غالب ظن سے زیادہ نہیں، کس نے آپ سے نزاع کی تھی؟ اور یہ مسئلہ آپ سے کس نے پوچھا تھا جس پر آپ کو اس مقدار کے بیان و تقریر کی ضرورت ہوئی۔ آپ نے اس بیان اور تقریر میں ناحق و بلا ضرورت خروج از بحث کیا جس کی ساتویں دفعہ ہے۔ محمد حسین)

سوان حدیثوں کی حقیقی صحت کا پرکھنے والا قرآن مجید ہے (حقیقی صحت کے لفظ سے اگر مرزا صاحب کی مراد قطعی صحت ہے، تو اس کے پرکھنے کے لئے قرآن معیار نہیں ہو سکتا۔ جو حدیث ظنی ہے وہ موافقت قرآن کی حالت میں بھی ظنی رہے گی۔ موافقت مضمون قرآن اس کو قطعی نہ بنائے گی۔ اور اگر موافقت مضمون قرآن، موجب صحت یا قطعیت ہو سکتی ہے تو چاہے کہ ایک موضوع حدیث جس کا مضمون قرآن کے موافق ہو، صحیح اور قطعی ہو۔ جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں۔ اور اگر اس قطعی صحت کا مطلب کچھ اور دو ظن قائل ہے تو اس کے اظہار پر اس میں گفتگو کی جائے گی۔ محمد حسین) اور قرآن مجید جس قدر اپنے محامد اور اپنے کمالات بیان کرتا ہے، ان پر نظر غور ڈالنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے تئیں اپنے ماسوا کی تصحیح کے لئے محکم ٹھہرایا ہے، اور اپنی ہدایتوں کو کامل اور اعلیٰ درجہ کی ہدایتیں بیان فرمایا ہے، جیسا کہ وہ اپنی شان میں فرماتا ہے: فیہا کتب قیمۃ۔ فصلناہ علی علم۔ یهدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبیل السلام و یخرجه من الظلمات الی النور۔ و یعلمکم مالکم تکونوا تعلمون۔ قل ان ہدی اللہ ہو الہدی فمن اتبع ہدای فلا یضل ولا یشقی۔ لایاتیہ الباطل من بین یدیه و لا من خلفہ۔ فمن یکفر بالباطل و یؤمن باللہ فقد استمسک بالعرۃ الوثقی لا انفصام لہا۔ ان ہذا القرآن یهدی للئی ہی اقوم۔ ان فی ہذا لبلا غالقوم عابدین۔ و انہ لحق مبین۔ حکمۃ بالغہ۔

تبیانا لكل شیء رو حا من امرنا - نور علی نور۔ انزل الكتاب بالحق و المیزان -  
 هدی للناس و بینات من الهدی و الفرقان - انه لقرآن کریم فی کتاب مکنون۔  
 فصلناه علی علم۔ انه لقول فصل لا ریب فیہ۔ و ما انزلنا علیک الكتاب الا لتبین  
 لهم الذین اختلفوا فیہ هدی و رحمة لقوم مومنون۔ قل نزلہ روح القدس من ربک  
 لیثبت الذین آمنوا و هدی و بشری للمسلمین - هذا بیان للناس و مو عظة للمتقین  
 بالحق انزلناه و بالحق نزل - قل هو للذین آمنوا هدی و شفاء - ما کان حدیثاً  
 یفتری -

اب ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان آیات میں کئی قسم کی خصوصیتیں اور صفتیں قرآن کریم کی بیان فرمائی  
 ہیں۔ از انجملہ - ۱۔ یہ کہ وہ تمام صد اقتوں پر مشتمل ہے - ۲۔ وہ مفصل کتاب ہے - ۳۔ وہ ان لوگوں کو ہدایت دیتا  
 ہے کہ جو خدا تعالیٰ کی رضا مندی کے اور دار السلام کے طالب ہے - ۴۔ وہ ظلمات سے نور کی طرف نکالتا ہے اور  
 نامعلوم باتیں سکھاتا ہے - ۵۔ ہدایت اس کی ہدایت ہے - ۶۔ باطل اس کی طرف کسی طور سے راہ نہیں پاسکتا۔  
 ۷۔ جس نے اس سے پنچہ مارا، عروۃ وثقی کو پنچہ مارا - ۸۔ وہ سب سے زیادہ سیدھی راہ بتلاتا ہے - ۹۔ وہ حق  
 الیقین ہے ظن اور شک کی جگہ نہیں - ۱۰۔ وہ حکمت بالغہ ہے، اس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے - ۱۱۔ وہ حق ہے۔  
 یعنی آپ بھی سچا ہے اور سچ کی شناخت کے لئے محکم بھی ہے - ۱۲۔ وہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور ہدایتوں کی  
 اس میں تفصیل ہے اور حق و باطل میں فرق کرتا ہے - ۱۳۔ وہ قرآن کریم ہے، کتاب مکنون ہے۔ جس کے معنی یہ  
 ہیں کہ صحیفہ فطرت میں اس کی تعلیمیں منقوش ہیں۔ یعنی اس کی تعلیم فطرتی ہے جیسا کہ فرمایا فطرة الله التي  
 فطر الناس علیہا۔ ۱۴۔ وہ قول فصل ہے اس میں کچھ بھی شک نہیں - ۱۵۔ وہ اختلاف کے دور کرنے کیلئے  
 بھیجا گیا ہے - ۱۶۔ وہ ایمانداروں کیلئے ہدایت و شفاء ہے۔

اب فرمائیں کہ یہ عظمتیں اور خوبیاں جو قرآن کریم کی نسبت بیان فرمائی گئیں ہیں احادیث کی  
 نسبت ایسی تعریفوں کا کہاں ذکر ہے (ان صفات و خصوصیات میں ایک خصوصیت بھی ایسی نہیں جس سے ثابت ہو کہ قرآن، احادیث  
 نبویہ کی صحت و قطعیت کے لئے معیار و محک ہے۔ ناظرین غور و انصاف سے ان خصوصیات و صفات کو ملاحظہ کریں اور داد انصاف دے کر کہیں کہ ان

آیات کے نقل و بیان سے قادیانی نے خروج از محبت کیا ہے۔ جس کی یہ آٹھویں دفعہ ہے۔

خصوصیت نمبر ۱۱ میں آپ نے قرآن کا سچ کی شناخت کے لئے محکم ہونا بیان کیا ہے سو وہ آیات میں سے کسی کا ترجمہ نہیں ہے۔ ہوتا، تو بھی احادیث صحیحہ نبویہ سے اس کا کچھ تعلق نہ ہوتا۔ حدیث صحیح نبوی بذات خود حق ہے۔ وہ صحت و ثبوت کے بعد اپنے حق ہونے کے ثبوت میں کسی اور کوئی پر لگانے کی محتاج نہیں ہے۔

پھر مرزا قادیانی نے ایک جگہ متعدد آیات کے الفاظ کجا کجا لکھ کر تاثر دیا ہے کہ وہ ایک آیت ہیں اور ان کا ترجمہ بھی اسی انداز میں کیا ہے۔ جب کہ وہ ایک آیت نہیں ہیں۔ یہ مرزا قادیانی کا تصرف ہے۔ جس شخص کا الفاظ قرآن کے حفظ و ضبط میں یہ حال ہو وہ قرآن کے حقائق و معارف خاک بیان کرے گا۔ لاہور کے مباحثہ میں جو مولوی عبدالکلیم کلانوری سے ہوا تھا، مرزا قادیانی نے آیات قرآن کو غلط پڑھا۔ ایک کتاب حدیث کی عبارت پڑھی تو غلط پڑھی۔ جس سے حاضرین کو یقین ہوا کہ آپ ایک رکوع قرآن شریف اور ایک حدیث صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ اور قرآن پاک کی عظمتوں اور خوبیوں کا منکر کون مرود ہے۔ اور اس سے بحث و نزاع کس کو ہے۔ مرزا قادیانی نے ناحق بلا ضرورت ان خوبیوں کو بیان کیا۔ اور تحصیل حاصل اور خروج از محبت کا ارتکاب کیا۔ یہ نویں دفعہ ہے۔ محمد حسین)

پس میرا مذہب فرقہ ضالہ نیچر یہ کی طرح پر نہیں ہے کہ میں عقل کو مقدم رکھ کر قال اللہ اور قال الرسول پر کچھ نکتہ چینی کروں ایسے نکتہ چینی کرنے والوں کو ملحد اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں (آپ کی اس قسم کی نکتہ چینیوں کا تیس یا چالیس ہزار نکتہ سے اوپر ہوا نہیں، لہذا آسمان پر کسی زندہ کا جانا ممکن نہیں۔ بناء علیہ آنحضرت ﷺ کا جسمانی معراج اور حضرت مسیح کا جسم سے آسمان پر عروج ممکن نہیں ہے۔ مسیح سمانوں پر پہن تو وہاں کیا کھاتے ہوں گے، اور آپ کے بال بڑھ گئے ہوں گے اور اگر حضرت جبریل امین بذات خود زمین پر نازل ہوں تو سورج، جو ان کا ہیڈ کوارٹر ہے، فاسد اور معدوم ہو جائے، اور حضرت مسیح نے واقعہ میں کوئی جانور نہیں بنایا اور کوئی مردہ زندہ نہیں کیا اور کوئی کوہڑی اور ندھا اچھا نہیں کیا۔ وہ صرف مسمریزم کا عمل کیا کرتے یا اپنے باپ یوسف نجار سے سیکھے ہوئے کام نجاری سے کھیں اور کھلونے بناتے، اور ان چیزوں کے ظاہری معنی مراد لینا عقل و ایمان و توحید قرآن کے مخالف ہیں، وغیرہ وغیرہ، نیچر یوں کی طرح نکتہ چینی نہیں تو آپ بیان کریں کہ پھر کس صحابی یا تابعی یا امام و مجتہد قرون ثلاثہ سے اس قسم کی نکتہ چینی قال اللہ و قال الرسول پر مروی ہے

اور مرزا صاحب نے ر جل قضی علی نفسہ اپنے نفس پر خود ہی فیصلہ کیا اور صحیح فتویٰ لگایا۔ اسی نظر سے کہ ایسے نکتہ چینی کرنا لے ان کے اعتراف سے ملحد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، ان کو علماء اسلام ملحد اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ محمد حسین) بلکہ میں جو کچھ آنحضرت

ﷺ نے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہم کو پونچھ پایا ہے، اس سب پر ایمان لاتا ہوں (مضحک کذب اور ابلہ فریبی ہے۔ مرزا صاحب گوان الفاظ پر جو خدا و رسول نے فرمائے ہیں، ایمان رکھتے ہیں مگر ان معانی پر جو ان الفاظ سے خدا و رسول نے مراد رکھے ہیں، اور زمانہ رسالت سے اس وقت تک مسلمانوں میں وہ مراد خدا و رسول تسلیم کی گئی ہے، وہ ہرگز ایمان نہیں رکھتے۔ اور لفظی ایمان، جو آپ رکھتے ہیں، نیچری بھی رکھتے ہیں۔ وہ ملک جبریل وحی نزول وغیرہ الفاظ زبان پر لاتے اور ان کو ماننے میں بائیں ہمہ وہ ان کے اقرار سانی کے بموجب ملحد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، تو پھر مرزا صاحب کیوں خارج نہ ہوئے؟ محمد حسین) صرف عاجزی اور انکساری سے کہتا ہوں (یہ عاجزی دلی اور مخلصانہ نہیں بلکہ لفظی اور منافقانہ ہے۔ صدقاً بیت صاحب

نگین دل ست ہر کہ بظاہر ملائم ست صائب درون پندنگر ہمسد دانرا

اور ظاہری اور لفظی عاجزی بھی بعض تحریروں میں ہے۔ اپنی بعض تحریروں میں تو آپ نے درشتی اور سخت گوئی اور وسعت سے اختیار کی ہے کہ اس سے صحابہ تابعین و تبع تابعین اور آئمہ مجتہدین اور عامہ مسلمین قرون اولیٰ سے لے اس وقت تک نہیں چھوٹے۔ آپ ان لوگوں کو اعتقاد حیات و معجزات مسیح کی سزا میں مشرک و احمق و بے جا بے ایمان لکھ چکے ہیں۔ کیا عاجزی و انکساری اسی کا نام ہے۔ یہ تو پرلے سرے کی عرفیت و تکبری ہے۔ ہمارے اس بیان کے تصدیق مطلوب ہو تو نمبر ۴ جلد ہذا (اشاعت السنہ) کا صفحہ ۱۲، ۱۲۸ ملاحظہ کریں اور فیصلہ آسانی اور اشتہار مطبوعہ ۱۔ اکتوبر ۱۸۹۲ء میں اس وقت کے علماء کے حق میں گالیاں دیکھیں۔ محمد حسین) کہ قرآن کریم ہر ایک وجہ سے احادیث پر مقدم ہے (مخض کذب ہے اور صریح مغالطہ۔ ہر چند قرآن کریم رتبہ نبوت میں حدیث سے مقدم ہے۔ مگر حدیث صحیح اپنے منصب و خدمت تشریح و تفسیر میں قرآن سے مقدم ہے۔ حدیث نہ ہو تو قرآن مجید کے بہت سے احکام سمجھ میں نہ آویں اور نہ وہ دستور العمل ہو سکیں۔ محمد حسین) اور احادیث کی صحت، عدم صحت پر کھنے کے لئے وہ محکم ہے (غلط محض و مغالطہ ہے چنانچہ بار باریان ہوا ہے۔ مرزا صاحب بار باریک ہی بات کا اعادہ کرتے ہیں ہم کہاں تک اس کے جواب کا اعادہ کریں۔ محمد حسین) اور مجھ کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کی اشاعت کے لئے مامور کیا ہے (اشاعت نہیں، آپ قرآن کا اعمال اور امامت چاہتے ہیں۔ کیا قرآن کی یہی اشاعت ہے کہ اس کے معجزات کے حقائق مشہورہ مشہورہ متاثر و متاثرین اور اس کے اخبار اور پیش گوئیوں کو نیست نابود کرنا چاہیں جو آپ کر رہے ہیں، مگر آپ خوب یاد رکھیں کہ خدا قرآن کا محافظ خود ہے اننا نحن نزلنا الذکر و انالہ لحا فظون اور وہ اپنے نور کو آپ پورا کرنے والا ہے اگرچہ منکرنا خوش ہوں و اللہ متم نورہ و لو کرہ الکافرون۔ محمد حسین) تا میں جو ٹھیک ٹھیک منشاء قرآن کریم کا ہے، لوگوں پر ظاہر کروں اگر اس خدمت گذاری میں علمائے وقت کا میرے پر اعتراض ہو اور وہ مجھ کو فرقہ ضالہ نیچر یہی کی طرف منسوب کریں تو میں ان پر کچھ افسوس نہیں کرتا، بلکہ خدا تعالیٰ سے چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ انہیں وہ بصیرت عطا فرمادے جو مجھے عطا فرمائی ہے۔ نیچریوں کا اول دشمن میں ہی ہوں (آپ نیچریوں کے شاگرد اور اس گھر آنے کے فیض یاب ہیں: بابا کے یہاں سے کون لایا۔ جس نے پایا نہیں سے پایا، اور پھر مدعی عداوت؟ نمک خوردن اور نمک دان نکلستن، اسی کا نام ہے۔ حضرت آپ نے جو عقائد باطلہ ظاہر کئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں، اور وہ سولی چڑھائے گئے ہیں، اور ان کے معجزات مسمریزم کا ارتقا، وغیرہ، اس میں سرسبز، سید احمد خان کی زلزلہ بانی اور کاسہ لیس کی ہے۔ چنانچہ حواشی تحریر نمبر ۸ میں تفصیل و تشریح سے ثابت کیا جائے گا۔ پھر آپ کا یہ دعویٰ کہ نیچری کا اول دشمن میں ہوں، اس خاندان کا کفران نعمت نہیں تو کیا ہے۔ اس خاندان کے متوسلین خصوصاً امرتسر و گجرات کے ساکنین کی خدمت میں صاحبانہ التماس ہے کہ ایسے ناشکر و عاق شاگرد سر سید احمد کو آپ لوگ سر سید کا خلیفہ سمجھ کر اس سے حسن عقیدت رکھتے ہیں، یہ سر سید احمد کی حق تلفی و ناشکری ہے، اور بڑے افسوس اور کمال شرم کی بات ہے۔ سر سید احمد، قادیانی کا یکلمہ ستیں اور پھر قادیانی کے حق میں آپ لوگوں کے حسن عقیدت پر مطلع ہوں تو یقیناً آپ لوگوں سے دل سے ناخوش ہوں۔ گو فرط مروت سے بظاہر کچھ نہ کہیں۔ آپ لوگ یہ تو سوچیں کہ وہ کون سا نیچر عقیدہ ہے، جو سر سید سے حل نہیں ہوا، اور اس کو قادیانی نے حل کر دیا ہے، جس کی وجہ سے آپ اس کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ ایسا کون سا عقیدہ بیان نہ کر سکیں تو خیال فرمائیں کہ پھر سر سید احمد خان کو چھوڑ کر اس کا اتباع آپ کے لئے کب زیا ہے۔ محمد حسین) اور ضرور تھا کہ علماء میری مخالفت

کرتے، کیونکہ بعض احادیث کا یہ منشا پایا جاتا ہے کہ مسیح موعود جب آئے گا تو علمائے وقت اس کی مخالفت کریں گے۔ اسی کی طرف مولوی صدیق حسن صاحب مرحوم نے آثار القیامت میں اشارہ کیا ہے اور حضرت مجدد صاحب سرہندی نے بھی اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰۷ میں لکھا ہے کہ مسیح موعود جب آئے گا تو علماء وقت اس وقت کے اہل الرائے کہیں گے، یعنی خیال کریں گے کہ یہ حدیثوں کو چھوڑتا ہے اور صرف قرآن کا پابند ہے اور اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔ غلام احمد۔ ۲۱ جولائی ۱۸۹۱ء

(یہاں مرزا نے کذب و مغالطہ سے کام لیا ہے۔ کسی حدیث میں یہ پایا نہیں جاتا کہ حضرت مسیح آئیں گے تو علماء وقت ان کی مخالفت کریں گے۔ اور نہ نواب صدیق حسن مرحوم و مغفور نے کتاب آثار قیامت میں یہ بات کہی ہے۔ حضرت مجدد سرہندی نے بھی مکتوبات کے صفحہ ۱۰۷ میں یہ نہیں کہا کہ علماء وقت حضرت مسیح کو اہل الرائے سے کہیں گے اور یہ خیال کریں گے کہ یہ حدیثوں کو چھوڑتا ہے اور صرف قرآن کا پابند ہے جیسا کہ آپ نے ان سے نقل کیا اور اس کو مسیح موعود کا خاصہ سمجھ کر اپنے لئے تجویز کیا ہے۔ بلکہ مجدد صاحب نے اس مقام میں جو کہا ہے وہ یہ ہے:

زردیک است کہ علماء نطاہر مجتہدات اور اعلیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام از کمال وقت و غموض ما خدا انکار نماید و مخالف کتاب و سنت داند،

اس قول میں مجدد صاحب کی صاف تصریح ہے کہ جو لوگ حضرت مسیح کے مجتہدات پر انکار کریں گے وہ ان کو کتاب و سنت دونوں کے مخالف قرار دیں گے، نہ قرآن کے موافق اور نہ حدیث کے مخالف۔ یہ مرزا کے کذب کا ثبوت ہے۔ اب ان کا مغالطہ سننے کے انہوں نے صرف الزام مخالفت حدیث کے مورد ہونے سے اپنا مسیح ہونا نکال لیا اور اس مغالطہ سے ناواقف مسلمانوں کی آنکھوں میں خاک ڈال کر ان کو اس روشن بات کے دیکھنے سے اندھا کرنا چاہا ہے کہ حدیث بلکہ قرآن کے ہزاروں مخالف ہر زمانہ میں گذر چکے ہیں، اور علماء وقت ان کو منکر و طرد و بے دین کہتے چلے آئے ہیں۔ پھر وہ کیا صرف اس الزام مخالفت کا مورد ہونے سے مسیح بن گئے؟، ہرگز نہیں۔

ہم ان نادانانہ مسلمانوں کو اس مغالطہ سے بچانے کی غرض سے آگاہ کرتے ہیں کہ مسیح کا خاصہ صرف یہی نہیں جو مرزا نے ان کا خاصہ قرار دیا ہے، بلکہ ان کی خواص و علامات وہ برکات و معجزات ہیں جو قرآن اور حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ اور زمانہ نزول قرآن سے اس وقت تک اہل اسلام میں مسلم چلے آئے ہیں۔ اور مرزا کی ذات میں ان خواص و علامات کا نام و نشان نہیں۔ بلکہ مسیحی صفات و خواص برکات کے اضداد ان میں موجود ہیں جن کی نظر سے انہیں ضد مسیح کہنا واجب ہے۔ حضرت مسیح نے مردہ زندہ کئے، کوہڑی اچھے کئے، مرزا صاحب خود ہمیشہ مختلف امراض میں مبتلا رہتے ہیں۔ جن کی نظر سے ان کے حواری آپ کی شان میں بلسان حال یہ کہہ رہے ہیں

جو طبیب اپنا تھا وہ خود ہی مرض سے زار ہے  
مژدہ باداے مرگ، عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

حضرت عیسیٰ ایسے اخلاق مجسم تھے کہ خنزیر پاس سے نکلا تو اس کو سلام سے مخاطب کیا۔ مرزا صاحب ایسے بدخلق و بدگو ہیں کہ مسلمانوں کو کتے اور خنزیر کا خطاب دیتے ہیں۔ دیکھو از الدواہم صفحہ ۱۸ وغیرہ۔ حضرت مسیح برائی کے بدلے میں برائی نہ کرتے، امر زار صاحب ناحق و ناکردہ گناہ مسلمانوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء فیصلہ آسمانی ملاحظہ ہو۔ لہذا ممکن نہیں کہ ان اضداد صفات مسیح کے ساتھ، صرف اس خیالی الزام کے سبب وہ مسیح بن بیٹھیں۔ محمد حسین)

## شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ کی تحریر ششم

آپ نے بایں ہمہ تطویل، میرے سوال کا جواب پھر بھی صاف نہ دیا اور آپ کی (اس) کلام میں وہی اضطراب و اختلاف پایا جاتا ہے جو پہلی کلام میں موجود ہے۔

۱۔ آپ شرط صحت کو، جو آپ کے خیال میں ہے، پیش نظر رکھ کر صاف صاف الفاظ میں دو حرفی جواب دیں کہ احادیث کتب حدیث خصوصاً صحیح بخاری و صحیح مسلم بلا تفصیل صحیح و واجب العمل ہیں، یا بلا تفصیل غیر صحیح و ناقابل عمل، یا ان میں تفصیل ہے۔ یعنی بعض احادیث صحیح ہیں اور بعض غیر صحیح و موضوع۔ اس کے ساتھ آپ یہ بھی بتا دیں کہ آپ نے اپنی تصانیف میں کسی حدیث صحیح بخاری و مسلم کو غیر صحیح و موضوع کہا ہے یا نہیں؟

۲۔ آپ نے جو میرے سوال کا کہ سلف میں آپ کا کون امام ہے، جواب دیا ہے، وہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔ میں نے ابن صیاد کی نسبت وہ سوال نہیں کیا تھا، بلکہ آپ کے اس اعتقاد کی نسبت سوال کیا تھا کہ صحت احادیث کا معیار قرآن ہے اور جو حدیث قرآن کے موافق نہ ہو وہ موضوع ہے۔ اب بھی آپ فرمادیں کہ صحت احادیث کا معیار، توافق قرآن کو ٹھہرانے میں سلف صالحین سے آپ کا امام کون ہے۔

۳۔ اجماع کی تعریف میں جو آپ نے کہا ہے، یہ کس کتاب اصول وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ تین چار صحابہ کے اجماع کو علمائے اسلام سے کون شخص اجماع قرار دیتا ہے۔

۴۔ شرح السنۃ سے جو حدیث آپ نے نقل کی ہے اس میں آنحضرت ﷺ کا کوئی قول منقول نہیں ہے، بلکہ اس میں ایک صحابی اپنا خیال ظاہر کرتا ہے جو اس کی فہم میں آیا ہے۔ اس قول صحابی کو آنحضرت ﷺ کا قول قرار دینا آپ ﷺ پر افتراء نہیں تو کیا ہے؟

۵۔ اشاعت السنۃ میں جو میں نے محی الدین ابن عربی کا قول نقل کیا ہے اس کی نسبت کیا میں نے آخر یو یو میں صفحہ ۳۴۵ ظاہر نہیں کیا کہ مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے۔ اس صفحہ میں کیا یہ عبارت درج نہیں کہ:

یہی جتنا اس امر سوم کے بیان سے ہمارا مقصود تھا اس سے اس امر کا اظہار مقصود نہیں ہے کہ ہم خود بھی اس الہام

کو حجت و دلیل جانتے ہیں اور غیر ملہم کو کسی ملہم غیر نبی کے الہام پر عمل کرنا واجب سمجھتے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ ہم صرف کتاب اللہ و سنت کے پیرو ہیں اور اسی کو حجت و دستور العمل اور عام راہ جانتے ہیں، نہ خود الہامی ہیں نہ کسی اور کشفی الہامی غیر نبی کے، متقدمین سے ہو خواہ متاخرین سے، متبع اور مقلد ہیں۔

پھر مجھ کو اس قول ابن عربی کا امکانی قائل بنانا مجھ پر افتراء نہیں تو کیا ہے۔

آیات قرآن، جو آپ نے نقل کی ہیں ان، کو امر متنازعہ سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ میں اس امر کو اپنے تفصیلی جواب میں بیان کروں گا جب سوالات مذکورہ کا جواب پاؤں گا۔ ۲۱ جو لائی ۱۸۹۱۔ ابو سعید محمد حسین

## مرزا قادیانی کی تحریر ششم

آپ نے پھر میرے پر یہ الزام لگا دیا ہے کہ میں نے آپ کے سوال کا جواب صاف نہیں دیا۔ میں حیران ہوں کہ میں کن الفاظ میں اپنے جواب کو بیان کروں، یا کس پیرایہ میں ان گذارشوں کو پیش کروں تا آپ اس کو واقعی طور پر جواب تصور فرمائیں (پیرایہ تو آپ کو معلوم ہے اور الفاظ بھی مخفی نہیں۔ الفاظ صرف ہست یا نیست ہیں۔ اور پیرایہ یہ کہ احادیث صحیحین سب کی سب صحیح ہیں یا نہیں۔ یا بعض صحیح ہیں بعض صحیح۔ مگر ان الفاظ اور اس پیرایہ میں جواب دینا آپ کو مشکل ہے اس لئے آپ حیران اور یہ سوچ رہے ہیں کہ اگر کل یا بعض احادیث صحیحین کو غیر صحیح یا موضوع بناتے ہیں، تو آپ کے دام افتادہ آپ کے دام سے نکلتے ہیں۔ اور اگر جملہ احادیث صحیحین کو صحیح مانتے ہیں تو آپ کے جملہ خیالات و مقالات مثلاً یہ کہ حضرت مسیح فوت ہو چکے ہیں، اور آنے والے مسیح وہ نہیں، آپ ہیں وغیرہ کی بیخ کنی ہو جاتی ہے، کیونکہ ان کتب کی حدیثوں میں ان خیالات کا صریح خلاف موجود ہے۔ اس حیرت و تردد میں آپ کا اس سانپ کا سا حال و خیال ہے جو چھپکلی کو منہ میں لے کر یہ سوچ رہا تھا کہ اس کو کھاتا ہوں تو کو بڑی بنتا ہوں، چھوڑتا ہوں تو کلنگی کہلاتا ہوں، جس کی پنجابی زبان کی اس مثل میں حکایت ہے: کھائے تاں کو بڑی، چھڑے تاں کلنگی۔ محمد حسین)

آپ کا سوال جو اس تحریر اور پہلی تحریروں سے سمجھا جاتا ہے، یہ ہے کہ احادیث کتب حدیث خصوصاً صحیح بخاری و صحیح مسلم، صحیح، واجب العمل ہیں یا غیر صحیح و ناقابل عمل۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ میرے منہ سے یہ کہلانا چاہتے ہیں کہ میں اس بات کا اقرار کروں کہ یہ سب کتابیں صحیح اور واجب العمل ہیں۔ اگر میں ایسا کروں تو غالباً آپ خوش ہو جائیں گے اور فرمائیں گے کہ اب میرے سوال کا جواب پورا پورا آ گیا (آپ یہ اقرار نہ کریں، اور کل یا بعض احادیث صحیحین کو غیر صحیح و موضوع قرار دیں، تو اس میں بھی ہم خوش ہیں۔ آپ یہ بات صاف طور پر کہہ کر دیکھیں، ہم اس پر یکسو سر تباہ کرتے ہیں،

اور اس سے کیا نتائج نکالتے ہیں (محمد حسین) لیکن میں سوچ میں ہوں کہ کس شرعی قاعدہ کے رو سے ان تمام حدیثوں کو بغیر تحقیق و تفتیش کے واجب العمل یا صحیح قرار دے سکتا ہوں۔ طریق تقویٰ یہ ہے کہ جب تک فراست کاملہ اور بصیرت صحیحہ حاصل نہ ہو، تب تک کسی چیز کے ثبوت یا عدم ثبوت کی نسبت حکم نافذ نہیں کیا جائے اللہ جل شانہ فرماتا ہے لا تقف ما لیس لك به علم۔ ان السمع و البصر و الفواد کل اولئك کان عنه مسئو لاً (اس صورت میں تقویٰ کا طریق یہ ہے کہ اپنی لاعلمی کا اظہار کیا جائے اور لا اداری یعنی میں نہیں جانتا، کہا جائے، جو نصف العلم کہلاتا ہے۔ اور نہ یہ کہ اقبال کریں نہ صاف انکار اور ادھر ادھر کی باتوں میں جواب کو ٹلا دیں، جیسا کہ آپ کر رہے ہیں اور اگر اس قول سے یہ مقصود ہے کہ جملہ احادیث صحیحین کو صحیح کہنا بے بصیرتی ہے، تو یہ حدیثیں سلف و خلف پر جو ان احادیث کو صحیح سمجھتے ہیں، تعریض و طعن ہے۔ محمد حسین) سوا گریں و لیری کر کے اس معاملہ میں دخل دوں اور یہ کہوں کہ میرے نزدیک جو کچھ محدثین خصوصاً امامین بخاری اور مسلم نے تنقید حدیث میں تحقیق کی ہے اور جس قدر احادیث وہ اپنی صحیحوں میں لائے ہیں وہ بلاشبہ بغیر حاجت کسی آزمائش کے صحیح ہیں۔ تو میرا ایسا کہنا کن شرعی وجوہات و دلائل پر مبنی ہوگا؟ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ یہ تمام آئمہ حدیثوں کے جمع کرنے میں ایک قسم کا اجتہاد کام میں لائے ہیں اور مجتہد کبھی مصیب اور کبھی خطئی بھی ہوتا ہے۔ جب میں سوچتا ہوں کہ ہمارے بھائی مسلمان موحدین نے کس قانون قطعی اور یقینی کی رو سے ان تمام احادیث کو واجب العمل ٹھہرایا ہے؟ تو میرے اندر سے نور قلب یہی شہادت دیتا ہے کہ صرف یہی ایک وجہ ان کے واجب العمل ہونے کی پائی جاتی ہے کہ یہ خیال کر لیا گیا ہے کہ علاوہ اس خاص تحقیق کے جو تنقید احادیث میں آئمہ حدیث نے کی ہے۔ وہ حدیثیں قرآن کریم کی کسی آئیہ حکمہ اور بینہ سے منافی اور متعارض نہیں ہیں اور نیز اکثر احادیث جو احکام شرعی کے متعلق ہیں تعامل کے سلسلہ سے قطعیت اور یقین تام کے درجہ تک پہنچ گئی ہیں۔ ورنہ اگر ان دونوں وجوہ سے قطع نظر کی جائے تو پھر کوئی وجہ ان کے قطعی الثبوت ہونے کی معلوم نہیں ہوتی۔ ہاں یہ ایک وجہ پیش کی جائے گی کہ اسی پر اجماع ہو گیا ہے، لیکن آپ ہی ریویو براہین احمدیہ کے صفحہ ۳۳۰ میں اجماع کی نسبت لکھ چکے ہیں کہ اجماع اتفاقی دلیل نہیں ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

کہ اجماع میں اولاً یہ اختلاف ہے کہ یہ ممکن، یعنی ہو بھی سکتا ہے یا نہیں؟ بعضے اس کے امکان کو ہی نہیں مانتے۔ پھر ماننے والوں کا اس میں اختلاف ہے کہ اس کا علم ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ایک جماعت امکان علم کی بھی منکر ہے



امام فخر الدین رازی نے کتاب محصول میں یہ اختلاف بیان کر کے فرمایا ہے کہ انصاف یہی ہے کہ بجز اجماع صحابہ، جبکہ مومنین اہل اجماع بہت تھوڑے تھے اور ان سب کی معرفت تفصیلی ممکن تھی، اور زمانہ کے اجماعوں کے حصول علم کی کوئی سبیل نہیں۔ اسی کے مطابق کتاب حصول المامول میں ہے جو کتاب ارشاد الفحول شوکانی سے ملخص ہے۔ اس میں کہا ہے: جو یہ دعویٰ کرے کہ ناقل اجماع ان سب علماء دنیا کی، جو اجماع میں معتبر ہیں، معرفت پر قادر ہے، وہ دعویٰ میں حد سے نکل گیا اور جو کچھ اس نے کہا، اٹکل سے کہا۔ خدا امام احمد بن حنبل پر رحم فرمائے کہ انہوں نے صاف فرمادیا ہے کہ جو وجود اجماع کا مدعی ہے وہ جھوٹا ہے۔

(ریو یو کی جو عبارت آپ نے نقل کی ہے اس میں اجماع کے متعلق اختلاف علماء اس غرض سے بیان کیا گیا ہے کہ اجماع باوجود محل اختلاف ہونے کے شرعی حجت اور معتبر سمجھا گیا ہے تو پھر الہام غیر محلی اختلاف ہونے کے سبب کیوں نامعتبر ہو۔

یہ غرض عبارت منقولہ قادیانی کے ماقبل و مابعد میں بتصریح بیان کی گئی ہے۔ اس عبارت کے ماقبل صفحہ ۳۳۰ رسالہ اشاعت السنۃ نمبر ۱۱ کے کہا ہے۔ اس الہام کے متفق علیہ نہ ہونے سے اس کا بے اعتبار ہونا اس لئے ثابت نہیں ہوتا کہ اعتبار کا مدار اتفاق پر نہیں ہے۔ یہ ہوتو کوئی امر اختلاف، لائق اعتبار نہ ہو، حالانکہ مسائل دین اسلام کا حصہ اختلافی، حصہ اتفاقی سے بڑھ کر ہے۔ اور ہر ایک فریق اس حصہ اختلافی کو معتبر اور قابل عمل سمجھتا ہے۔ درآنجہ، اولہ اربعہ میں انحصار دلائل شرعیہ کے مسئلہ کی دو یکسو کیا یہ چاروں دلیلیں اتفاقی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ان میں دو دلیلیں، کتاب و سنت تو اتفاقی ہیں۔ اور دو باقی اجماع و قیاس اختلافی ہیں۔ اس کے بعد وہ عبارت مرقوم ہے جو مرزا قادیانی نے نقل کی ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۳۳۳ میں کہا ہے۔

پھر جب اختلاف کے سبب اکثر مسائل شرعیہ، خصوصاً اولہ اربعہ میں حصہ دلائل شرعیہ کا مسئلہ، بے اعتبار نہ ہوئے، تو اختلاف کے سبب الہام کیوں کر بے اعتبار ہو سکتا ہے۔

یہ عبارات ماقبل و مابعد عبارت منقولہ مرزا قادیانی صاف پکار رہی ہیں کہ منولف رسالہ اشاعت السنۃ کے نزدیک اجماع کی نسبت وہ اختلافات جو عبارات منقولہ قادیانی میں بیان ہوئے ہیں، لائق لحاظ و اعتبار نہیں ہیں۔ اور اجماع باوجود محل اختلاف ہونے کے حجت شرعی اور معتبر ہے۔

قادیانی نے اس عبارت کی نقل و بیان میں وہی کام کیا ہے کہ لا تقربوا الصلوٰۃ کو تو لے لیا اور انتم سسکاری کو چھوڑ دیا۔ یعنی اس عبارت کا ماقبل و مابعد اڑا دیا اور صرف درمیانی عبارت مضمونہ اختلافات متعلقہ اجماع کو نقل کر کے مولف رسالہ اشاعت السنۃ کو اس کا قائل و مصدق بنا دیا۔ اور ناظرین کو یہ جنمایا کہ مولف رسالہ اشاعت السنۃ وجود اجماع اور اس کے حصول علم سے اور حجت ہونے سے منکر ہے۔ پھر احادیث صحیحین کی صحت پر دعویٰ اجماع کیوں کرتا ہے۔ محمد حسین)

اب میں آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ بخاری و مسلم کی احادیث کی نسبت جو اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے یہ دعویٰ کیوں کر راستی کے رنگ سے رنگین سمجھ سکیں (چونکہ جو کچھ مرزا صاحب نے اشاعت السنۃ سے نقل کیا ہے اس میں وجاہت سے کام لیا ہے۔ تو اب ان سوالات کا موقع نہیں رہا۔ ہمارے نزدیک اور ہر ایک محقق قائل اجماع کے نزدیک وہ دعویٰ درست ہے اور راستی کے رنگ سے رنگین۔ عبارات فقہا و محدثین اس اجماع کی مثبت و مصدقہ تحریر نمبر ۸ میں منقول ہوں گی۔ محمد حسین) حالانکہ آپ اس بات کے قائل ہیں کہ

صحابہ کے عہد کے بعد کوئی اجماع حجت نہیں ہو سکتا (یہ محض دروغ بے فروغ ہے۔ خاکسار ہرگز اس بات کا قائل نہیں ہے کہ عہد صحابہ کے بعد کوئی اجماع حجت نہیں ہو سکتا، بلکہ بہت صریح کہہ چکا ہے کہ اجماع باوصف محل اختلاف ہونے کے حجت و لائق اعتبار ہے۔ محمد حسین)۔ بلکہ آپ امام احمد صاحب کا قول پیش کرتے ہیں کہ جو وجود اجماع کا مدعی ہے وہ جھوٹا ہے (امام احمد کے اس قول سے ہم نے اپنی رضا تسلیم ظاہر نہیں کی۔ اور اس کی نقل کرنے سے جو غرض ہے وہ پہلے بیان ہو چکی ہے۔ امام احمد کا یہ قول لائق تسلیم ہے تو اس کا محل و متعلق اختلاف فی اور اڑتے پڑتے اجماع ہیں جن کی سند وثبوت کا پتہ نہیں، نہ وہ اجماع جن کی سند وثبوت پر اتفاق ہو، جیسا کہ احادیث صحیحین پر اجماع ہے۔ محمد حسین) اس سے صاف ظاہر ہے کہ بخاری و مسلم کی صحت پر بھی ہرگز اجماع نہیں ہوا۔ چنانچہ واقعی امر بھی ایسا ہی ہے کہ بہت سے فرقے مسلمانوں کے بخاری اور مسلم کی اکثر حدیثوں کو صحیح نہیں سمجھتے (یہ محض کذب ہے۔ اتفاق احادیث صحیحین کو کوئی مسلمان، جس کے قول کا اجماع و اختلاف میں لحاظ ہو، غیر صحیح نہیں جانتا۔ اور بعض احادیث سے ان کا عمل نہ کرنا دیگر وجوہات اجتہاد یہ پڑتی ہے۔ محمد حسین) پھر جب کہ ان حدیثوں کا یہ حال ہے تو کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ بغیر کسی شرط کے وہ تمام حدیثیں واجب العمل اور قطعی الصحت ہیں۔ ایسا خیال کرنے میں دلیل شرعی کون سی ہے۔ کیا قرآن کریم میں (پھر مرزا صاحب نے قطعی صحت کی طرف رجوع کیا اور گیارہویں بار مجھ سے خروج کیا۔ قرآن کریم یا آنحضرت ﷺ کے وصایا میں خاص بخاری و مسلم کا نام لے کر حکم بیان ہوتا، تو ان کی احادیث سے انکار پر آپ کو اور دیگر مہتممین کو جو بخاری مسلم کو نہیں ماننے، قطعی کا فر کہا جاتا۔

آپ کو اور دیگر مہتممین بخاری و مسلم کو تو اس انکار کے سبب صرف فاسق و مبتدع کہا گیا ہے۔ پھر آپ آیت یا وصیت نبوی کیوں پوچھتے ہیں۔ آیات قرآن اور وصایا نبویہ میں عموماً احادیث صحیحہ کے قبول کرنے کا حکم وارد ہے اور ان احادیث میں بخاری و مسلم داخل ہیں۔ اس عوم کے ترک عمل و انکار قبول سے صرف فاسق و مبتدع ہونے کا فتویٰ لگا پا سکتا ہے۔ محمد حسین) ایسی کوئی آیت پائی جاتی ہے کہ تم بخاری اور مسلم کو قطعی الثبوت سمجھنا اور اس کی کسی حدیث کی نسبت اعتراض نہ کرنا، یا رسول اللہ ﷺ کی کوئی وصیت تحریری موجود ہے جس میں ان کتابوں کو بلا لحاظ کسی شرط اور بغیر توسط محکم کلام الہی کے واجب العمل ٹھہرایا گیا ہو۔ جب ہم اس امر میں غور کریں کہ کیوں ان کتابوں کو واجب العمل خیال کیا جاتا ہے، تو ہمیں یہ وجوب ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے حنفیوں کے نزدیک اس بات کا وجوب ہے کہ امام اعظم صاحب کے، یعنی حنفی مذہب کے تمام مجتہدات واجب العمل ہیں (علماء محققین حنفی مذہب کا یہ قول نہیں اور نہ اس پر ان کا عمل ہے۔ وہ لوگ سبھی مجتہدات حضرت امام ابوحنیفہ پر عمل نہیں کرتے، بلکہ ان کے بعض مجتہدات چھوڑ کر نصوص شرعیہ پر عمل کرتے ہیں یا اقوال دیگر آئمہ مذہب حنفی پر۔ آپ نے تاحق یہ الزام اہل حدیث کی طرف سے حنفیہ پر قائم کیا اور ان کا اہل حدیث سے لڑنا چاہا۔ محمد حسین) لیکن ایک ادنیٰ شخص سوچ سکتا ہے کہ یہ وجوب شرعی نہیں بلکہ کچھ زمانہ سے ایسے خیالات کے اثر سے اپنی طرف سے یہ وجوب گھڑا گیا ہے جس حالت میں حنفی مذہب پر آپ لوگ

یہی اعتراض کرتے ہیں کہ وہ نصوص بینہ شرعیہ کو چھوڑ کر بے اصل اجتہادات کو محکم پکڑتے اور ناسخ تقلید شخصی کی راہ اختیار کرتے ہیں، تو کیا یہی اعتراض آپ پر نہیں ہو سکتا (اہل حدیث اور مقلدین مذاہب اربعہ، صحیحین کی احادیث کو صحیح ماننے میں کسی نص بین، آیت یا حدیث کے مخالف نہیں ہیں۔ پھر ان پر یہ اعتراض تقلید مقابل نصوص بینہ، جو حنفیہ پر مرزا صاحب نے ناسخ کیا ہے، کیونکر قائم ہو سکتا ہے۔ اس اعتراض کے دعویٰ میں مرزا نے دروغ گوئم بروئے تو، پمئل کیا اور ناظرین کو دھوکہ دیا۔ محمد حسین) کہ آپ بھی کیوں بے وجہ تقلید پر زور مار رہے ہیں (یہ تقلید نہیں ہے بلکہ اجماع امت کی پیروی ہے جو ایک دلیل شرعی ہے۔ محمد حسین) حقیقی بصیرت اور معرفت کے کیوں طالب نہیں ہوتے۔ ہمیشہ آپ لوگ بیان کرتے تھے کہ جو حدیث صحیح ثابت ہو اس پر عمل کرنا چاہیے اور جو غیر صحیح ہو اس کو چھوڑ دیا جاوے، اب کیوں آپ مقلدین کے رنگ پر تمام احادیث کو بلا شرط صحیح خیال کرتے ہیں اس پر آپ کے پاس شرعی ثبوت کیا ہے۔ (احادیث صحیحین کی صحت باجماع امت ثابت ہے تو تمام احادیث صحیحین کو صحیح ماننا ہمارے اس بیان کے کہ جو حدیث صحیح ہو اس پر عمل کرنا چاہیے اور جو غیر صحیح ہو اس کو چھوڑ دینا چاہیے، مخالف نہیں ہے۔ بلکہ عین مطابق و موافق ہے۔ محمد حسین) کہاں سے امام محمد (بن) اسماعیل، اور مسلم کی معصومیت ثابت ہو گئی ہے (اس قول میں بھی مرزا صاحب نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے۔ مسلمانوں نے امام بخاری اور امام مسلم کو معصوم سمجھ کر ان کی احادیث کو صحیح نہیں مانا، بلکہ تمام امت محمدیہ کو، جن کا ان کی کتابوں کی صحت پر اجماع ہے، معصوم مان کر ان کے اجماع کی شہادت سے ان کتابوں کی احادیث کو صحیح مانا ہے۔ اور امت محمدیہ اپنے اتفاق میں معصوم ہے۔ محمد حسین) کیا آپ اس بات کو سمجھ نہیں سکتے کہ جسکو خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے فہم قرآن عطا کرے اور تفہیم الہی سے وہ مشرف ہو جائے اور اس پر ظاہر کر دیا جائے کہ قرآن کریم کی فلاں آیت سے فلاں حدیث مخالف ہے (کوئی حدیث صحیح قرآن کے مخالف نہیں ہوتی۔ مرزا صاحب کو جو یہ تفہیم ہوتی ہے کہ بعض احادیث قرآن کے مخالف ہیں، تو یہ تفہیم شیطان کی طرف سے ہے۔ نہ خدا کی طرف سے۔ محمد حسین) اور یہ علم اس کا کمال یقین تک پہنچ جائے تو اس کے لئے یہی لازم ہوگا کہ حتی الوسع اول ادب کی راہ سے اس حدیث کی تاویل کر کے قرآن شریف سے مطابق کرے۔ اور اگر مطابقت محالات میں سے ہو اور کسی صورت ہو نہ تو بدرجہ لا چاری اس حدیث کو غیر صحیح ہونے کا قائل ہو (بخاری و مسلم کو غیر معصوم قرار دے کر ان کی احادیث کا مخالف قرآن ہونا جو بیز کر کے ان احادیث کی نسبت یہ بات کہی گئی ہے جو بخاری و مسلم پر مرزا کا تیر ہواں حملہ ہے۔ محمد حسین) کیونکہ ہمارے لئے یہ بہتر ہے کہ ہم بحالت مخالفت قرآن شریف، حدیث کی تاویل کی طرف رجوع کریں۔ لیکن یہ سراسر الحاد اور کفر ہوگا (یکفر والحاد مرزا صاحب ہی کی طرف رجوع کرتا ہے، جو صحیحین کو اسح الکتاب مان کر پھر اس کی بعض احادیث کو مخالف قرآن قرار دے کر ان کے چھوڑنے پر مستعدی ظاہر کرتے ہیں۔ بخاری و مسلم کو صحیح ماننے والے مسلمان کے نزدیک تو ان کی کوئی حدیث ایسی نہیں جو

قرآن کے مخالف ہو۔ محمد حسین) کہ ہم ایسی حدیثوں کی خاطر سے کہ جو انسان کے ہاتھوں سے ہم کو ملی ہیں اور انسان کی باتوں کا ان میں ملنا، نہ صرف احتمالی امر ہے بلکہ یقینی طور پر پایا جاتا ہے، قرآن کو چھوڑ دیں (یہاں مرزا قادیانی نے اپنا لحد و جال و بکر قرآن ہونا ثابت کیا ہے۔ قرآن بھی تو حضرت زید بن ثابت وغیرہ انسانوں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ لکھا لکھا یا عالم بالا سے نہیں اترا۔ بناء علیہ مرزا قادیانی کے نزدیک قرآن میں بھی انسانی باتوں کا ملنا نہ صرف احتمالی امر ہے بلکہ یقینی طور پر پایا جاتا ہے۔ محمد حسین) میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ تفہیم الہی میرے شامل حال ہے اور وہ عز اسمہ جس وقت چاہتا ہے بعض معارف قرآنی میرے پر کھولتا ہے۔ اور اصل منشاء بعض آیات کا معانہ کے ثبوت کے میرے پر ظاہر کرتا ہے اور میخ آہنی کی طرح میرے دل کے اندر داخل کر دیتا ہے۔ اب میں اس خداداد نعمت کو کیونکر چھوڑ دوں اور جو فیض بارش کی طرح میرے پر ہو رہا ہے کیونکر اس سے انکار کروں (میں مرزا کو یقین دلاتا ہوں اور خود یقین رکھتا ہوں جس پر میں قسم کھانے کو تیار ہوں کہ خذ لان ان کا شامل حال ہے، اور شیطان ان پر مسلط ہے۔ وہی اس قسم کے لحدانہ خیالات ان کے دل میں ڈالتا رہتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی تفہیم اور اس کا الہام والقاء اس جیسے شخص کے حق میں احاطہ امکان سے خارج ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن میں قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ جھوٹے بدکاروں کے پاس شیاطین آتے اور وہی ان کے دل میں ایسی باتیں القاء کرتے ہیں، چنانچہ فرمایا وان الشیاطین لیسو حون الی اولیائہم لیجدا لہم۔ انعام۔ کہ شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں خیال ڈالتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے لڑیں اور جھگڑیں هل انبئکم علی من تنزل الشیاطین علی کل افک انہم میں بتاؤں کہ شیطان کون لوگوں پر نازل ہوتے ہیں؟ وہ ان لوگوں پر اترتے ہیں جو بڑے جھوٹے ہیں اور بدکار۔ محمد حسین)

اور یہ بات جو آپ نے مجھ سے دریافت فرمائی ہے کہ اب تک کسی حدیث بخاری و مسلم کو میں نے موضوع قرار دیا ہے یا نہیں۔ سو میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے اپنی کتاب میں کسی حدیث بخاری یا مسلم کو ابھی تک موضوع قرار نہیں دیا بلکہ اگر کسی حدیث کو میں نے قرآن کریم سے مخالف پایا، تو خدا تعالیٰ نے تاویل کا باب میرے دل پر کھول دیا ہے (بہت سی احادیث صحیحین کو مرزا صاحب موضوع کہ چکے ہیں۔ جیسا کہ گذر چکا۔ محمد حسین)

اور آپ نے یہ سوال جو مجھ سے کیا ہے کہ صحت احادیث کا معیار ٹھہرانے میں سلف صالحین سے آپ کا کون امام ہے۔ میری اس کے جواب میں یہ عرض ہے کہ اس بات کا بار ثبوت میرے ذمہ نہیں، بلکہ میں تو ہر ایک ایسے شخص کو جو قرآن کریم پر ایمان لاتا ہے، خواہ وہ گذر چکا ہے یا موجود ہے، اسی اعتقاد کا پابند جانتا ہوں کہ وہ احادیث کے پرکھنے کے لئے قرآن کریم کو میزان اور معیار اور محک سمجھتا ہوگا۔ کیونکہ جس حالت میں قرآن کریم خود یہ منصب اپنے لئے تجویز فرماتا ہے اور کہتا ہے فبای حدیث بعدہ یومنون۔ اور فرماتا ہے قل ان

ہدی اللہ هو الہدی اور فرماتا ہے فاعتصموا بحبل اللہ جمیعاً اور فرماتا ہے ہدی للناس و بینات من الہدی اور فرماتا ہے انزل الکتاب بالحق و المیزان اور فرماتا ہے انہ لبقول فصل لا ریب فیہ تو پھر اس کے بعد کون ایسا مومن ہے جو قرآن شریف کو حدیثوں کے لئے حکم مقرر نہ کرے (ان آیات کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے۔ ان آیات کو مرزا قادیانی کے اس دعویٰ سے کہ حدیث صحیح کی صحت کا محکم قرآن ہے، کیا تعلق ہے؟ محمد حسین) اور جبکہ وہ خود فرماتا ہے کہ یہ کلام حکم ہے اور قول فصل ہے اور حق و باطل کی شناخت کے لئے فرقان ہے اور میزان ہے، تو کیا ایمان داری ہوگی کہ ہم خدا تعالیٰ کے ایسے فرمودوں پر ایمان نہ لائیں۔ اور اگر ہم ایمان لاتے ہیں تو ہمارا ضرور یہ مذہب ہونا چاہیے کہ ہم ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول کو قرآن کریم پر عرض کریں (اس عرض کا قرآن یا حدیث میں کہیں حکم نہیں۔ اور اس بات میں جو حدیث مرزا صاحب نے نقل کی ہے وہ موضوع ہے اور اس عرض و موافقت مضمون قرآن سے صحت حدیث ثابت نہیں ہو سکتی ہے۔ بعض موضوعات کا مضمون بھی قرآن کے موافق ہوتا ہے۔ محمد حسین) تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ وہ واقعی طور پر اسی مشکوٰۃ وحی سے نور حاصل کرنے والے ہیں جن سے قرآن نکلا ہے یا اس کے مخالف ہے۔ سو چونکہ مومن کے لئے یہ ایک ضروری امر ہے کہ قرآن کریم کو احادیث کا حکم مقرر کرے، اس لئے ثبوت اس بات کا کہ سلف صالحین نے قرآن کریم کو حکم مقرر نہیں کیا، آپ کے ذمہ ہے، نہ میرے ذمہ (مرزا صاحب نے یہ عجیب طریق اختیار کر رکھا ہے کہ جس دعویٰ کا ثبوت نہ ہو سکے اس دعویٰ کو بدیہی و اتفاقی و مسلم کل بنا دیا اور بار ثبوت اپنے اوپر سے ٹلا دیا۔ اس طریق کا ابطال یہ ہے کہ یہ ادعا ان کا محض دروغ ہے۔ ان کے خصم کو اس قسم کے دعویٰ میں یہ کلام ہے کہ کوئی مسلمان ان باتوں کا قائل نہیں پس مرزا کا فرض ہے کہ وہ کوئی قائل بتائیں ورنہ دروغ گوسمجھ جائیں گے۔ بے شک و بلا ریب مسلمانوں کے نزدیک قرآن کریم، ہدایت ہے، حبل اللہ ہے، قول فصل ہے اور جو کچھ اس کے شان میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اس پر مسلمانوں کا ایمان ہے مگر کسی آیت قرآن میں یہ بیان نہیں ہوا کہ قرآن مجید، صحت احادیث صحیحہ کا معیار وحکم ہے۔ اور جس حدیث کا مضمون قرآن کریم کے موافق نہ ہو وہ حدیث لائق تسلیم نہیں ہے۔ محمد حسین) اس جگہ مجھے یہ افسوس ہے کہ آپ قرآن کریم کا مرتبہ بخاری اور مسلم کے مرتبہ کے برابر بھی نہیں سمجھتے کیونکہ اگر کوئی حدیث کسی کتاب کی بخاری و مسلم کی کسی حدیث سے مخالف اور مبائن پڑے اور کسی طور سے تطبیق نہ ہو سکے تو آپ صاحبان فی الفور کہہ دیتے ہیں کہ وہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ مگر کمال افسوس کی جگہ ہے کہ یہ مذہب قرآن کریم کی نسبت آپ اختیار کرنا نہیں چاہتے (مرزا صاحب کی یہ بات کذب اور بہتان ہے۔ اہل حدیث، صحیح بخاری کا مرتبہ صحت، رتبہ کتاب اللہ کے بعد مانتے ہیں، نہ اس کے برابر۔ اور کسی حدیث غیر صحیحین کو صحیحین کی مخالفت کے سبب صحیح قرار نہیں دیتے۔ بلکہ اس حدیث کی صحت ثابت

ہو تو اس کو حدیث صحیحین کے موافق کرتے اور ان میں باہم تطبیق دیتے ہیں مرزا صاحب نے جو کچھ اس بات میں کہا ہے اس میں افتراء کے اپنا دجال ہونا ثابت کیا ہے۔ محمد حسین) اور اجماع کی نسبت جو آپ نے دریافت فرمایا ہے تو میں پہلے ہی عرض کر چکا کہ ابن صیاد، جو مسلمان ہو گیا تھا، بیان کرتا ہے کہ لوگ مجھے ایسا کہتے ہیں۔ اس کی شہادت میں کوئی استثنا نہیں، جس سے سمجھا جاتا ہے کہ عام طور پر صحابہ کا یہی خیال تھا کہ ابن صیاد ہی دجال معبود ہے۔ ماسوا اسکے حدیثوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کا یہ مذہب ہو گیا تھا کہ حقیقت میں ابن صیاد ہی دجال معبود ہے۔ اس صورت میں دوسرے صحابیوں کا خاموش رہنا صریح اس بات پر دلیل ہے کہ وہ اس مذہب کو مان چکے ہیں اور اگر ان کی طرف سے کوئی مخالفت اور انکار ہوتا تو وہ انکار ظاہر ہو جاتا۔ پس صحابہ کے اجماع کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ بالخصوص حضرت عمر کا آنحضرت ﷺ کے روبرو قسم کھا کر بیان کرنا کہ درحقیقت ابن صیاد ہی دجال معبود ہے، صریح دلیل اجماع پر ہے (نہ تمام صحابہ نے یہ کہا ہے کہ ابن صیاد دجال معبود ہے اور نہ دوسرے صحابہ نے اس پر سکوت کیا، اور نہ حضرت عمر نے ابن صیاد کو دجال معبود ہونے پر قسم کھائی۔ نہ حضرت ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی۔ محمد حسین) کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اکثر آنحضرت ﷺ جماعت صحابہ سے اکیلے نہیں ہوتے تھے، اور غالباً جس وقت حضرت عمر نے قسم کھائی ہو گی اس وقت بہت سی جماعت صحابہ کی موجود ہوگی۔ پس ان کی خاموشی اجماع پر دلیل ہے (جماعت صحابہ کی خاموشی کا جواب پہلے ہو چکا۔ ایک جماعت کے سکوت یا اتفاق کا اجماع نہ ہونا بھی بیان ہو چکا۔ محمد حسین)۔

پھر آپ نے بیان فرمایا ہے کہ شرح السنہ میں آنحضرت ﷺ کا کوئی قول منقول نہیں ہے، بلکہ اس میں ایک صحابی اپنا خیال ظاہر کرتا ہے۔ سو حضرت اس کے جواب میں اس قدر کافی ہے کہ آپ لوگوں کے نزدیک تو صحابی کا قول بھی ایک قسم کی حدیث ہوتی ہے، گو منقطع ہے صاف ظاہر ہے کہ صحابی، آنحضرت ﷺ پر افتراء نہیں کر سکتا (دیکھو دجال کی چال۔ ہم نے آنحضرت ﷺ کی اس قولی حدیث کا کہ میں اپنی امت پر ابن صیاد کے دجال معبود ہونے سے ڈرتا ہوں، جس کو مرزا قادیانی نے آنحضرت ﷺ پر افتراء کیا تھا، پتہ پوچھا تھا۔ مرزا نے اس کے جواب میں جابر بن عبد اللہ صحابی کے اس قول کو کہ آنحضرت، ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتے تھے شرح السنہ سے نقل کر دیا۔ جس پر ہم نے یہ سوال کیا تھا کہ یہ آنحضرت ﷺ کا قول نہیں ہے۔ اس کے جواب میں اب مرزا صاحب نے کہا ہے کہ صحابی کا قول بھی ایک قسم کی حدیث ہوتی ہے۔ اور شرم و حیا کو کام میں لا کر یہ خیال نہ کیا کہ مطلق حدیث سے باہر قسم کی حدیث سے سوال نہ تھا، بلکہ خاص آنحضرت ﷺ کی قولی حدیث سے سوال تھا۔ اور ہر ایک قسم کی حدیث تو موضوع بھی ہوتی ہے۔ پھر اس سوال کے جواب میں یہی کہا ہوتا کہ گو وہ حدیث جو ہم نے بیان کی ہے وضعی اور ہماری بناؤی ہے، مگر آخر یہ بھی تو ایک قسم کی حدیث ہے۔ محمد حسین)۔ اور ڈرنے کی

بات ایسی ہے کہ جب تک آنحضرت ﷺ اشارۃً یا صراحۃً بیان نہ فرماتے تو صحابی کی کیا مجال تھی کہ خود بخود آنجناب پر افتراء کر لیتا۔ بلاشبہ اس نے سنا ہوگا تب ہی تو اس نے ذکر کیا۔ سو جو کچھ اس نے سنا اگرچہ آنحضرت ﷺ کے الفاظ سے ظاہر نہیں۔ لیکن ایک بچہ کو بھی سمجھ آ سکتا ہے کہ اس نے ضرور سنا، تب ہی بیان کیا۔ پس ظاہر ہے کہ یہ افتراء نہیں بلکہ بیان واقعہ ہے۔ کیا آپ اس صحابی پر حسن ظن نہیں رکھتے اور یہ خیال رکھتے ہیں کہ بغیر سننے کے اس نے کہہ دیا۔

آپ فرماتے ہیں کہ اس نے خیال ظاہر کیا، میں کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے مافی الضمیر پر اس کو کیا علم تھا جب تک آنحضرت ﷺ اشارۃً یا صراحۃً آپ ظاہر نہ فرماتے (یہ افتراء کون کہتا ہے؟ جاہل نے آنحضرت ﷺ کی خوف کی حالت کو دیکھا تو اس سے سمجھ لیا کہ آپ اسکے دجال ہونے سے ڈرتے ہیں اور یہ کلمہ فرمادیا کہ آپ اسکے دجال ہونے سے ڈرتے تھے۔ آنحضرت کی طرف تو انہوں نے کوئی قول منسوب نہیں کیا۔ پھر افتراء کیوکر ہوا؟ اور ہم حسن ظن رکھتے ہیں تب ہی تو یہ تجویز کرتے ہیں کہ اس نے آنحضرت ﷺ کی حالت خوف کو دیکھا تو اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ آپ اس سے ڈرتے تھے۔ محمد حسین)

پھر آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اشاعت السنۃ میں محی الدین ابن عربی کا قول نقل کیا ہے اور آخر میں، میں نے لکھ دیا ہے کہ ہم الہام کو حجت اور دلیل نہیں جانتے۔ اس کے جواب میں بادب ملتمس ہوں کہ آپ اگر اس قول کے مخالف ہوتے تو کیوں ناحق اس کا ذکر کرتے (ناحق کیوں؟ جس غرض سے ہم نے وہ قول نقل کیا ہے وہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ لہذا اس کے نقل کرنے سے اس کے مضمون سے اتفاق ثابت نہیں ہوتا۔ محمد حسین) غایت کار آپ کی کلام میں تناقض ہوگا، کیونکہ اول صاف تسلیم کر آئے ہیں کہ الہام ملہم کے لئے حجت شرعی کے قائم مقام ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے آپ تو صاف طور پر مان چکے ہیں بلکہ بحوالہ حدیث بخاری بتصریح بیان کر چکے ہیں کہ الہام محدث کا شیطانی دخل سے منزہ کیا جاتا ہے، ماسوا اس کے میں اس بات کے لئے آپ کو مجبور نہیں کرتا کہ آپ الہام کو حجت سمجھ لیں۔ مگر یہ تو آپ اسی ریویو میں خود تسلیم کرتے ہیں کہ ملہم کے لئے وہ الہام حجت ہو جاتا ہے۔ سو میرا دعویٰ اسی قدر سے ثابت ہے۔ میں بھی آپ کو مجبور کرنا نہیں چاہتا (اس آخری کلام میں بھی مرزا قادیانی نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔ یہاں بحث و سوال اس امر کا نہ تھا کہ الہام غیر نبی حجت ہے یا نہیں؟ جس کا یہ کلام جواب ہو سکتا۔ خاکسار کا سوال تو یہ تھا کہ میں نے شیخ اکبر کے اس قول کو کہ کشف کے ذریعہ سے بعض احادیث موضوع اور بعض غیر صحیح ٹھہر سکتی ہیں، مؤلف اشاعت السنۃ نے کب صحیح تسلیم کیا۔ اور اس کی نسبت اپنا توافقی رائے کہاں ظاہر کیا ہے؟ اس کا جواب تحریر نمبر ۵ میں مرزا نے یہ دیا تھا کہ آپ کے نزدیک وہ قول لائق تسلیم نہ ہوتا تو اس کو کس غرض سے نقل کیا

جاتا۔ اس کا جواب تحریر نمبر ۶ میں خاکسار نے یہ دیا کہ اس قول و نقل سے جو غرض ہے وہ اشاعت السنہ نمبر ۱۱ جلد ۱ میں بیان ہو چکی ہے۔ اور وہاں اس قول کے مضمون سے ہم نے اپنا خلاف صاف طور پر ظاہر کر دیا اور کہہ دیا ہے کہ ہم الہام غیر نبی کو حجت و دلیل شرعی نہیں جانتے، جس کو مرزا قادیانی نے اس مقام میں نقل کیا ہے، لہذا اس کے جواب میں میں قادیانی کا اب ان امور کو پیش کرنا کہ: ۱۔ اس قول کے آپ مخالف ہوتے تو اس کو کیوں نقل کرتے؟ ۲۔ اور الہام آپ کے نزدیک ملہم کے حق میں تو حجت ہے۔ ۳۔ اور محدث کا الہام دخل شیطانی سے منزہ ہے۔ ۴۔ اور میرے لئے یہی کافی ہے۔ ۵۔ آپ کو میں اس بات کے لئے مجبور نہیں کرتا،، سوال و جواب متنازع فیہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اور ان امور سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مؤلف اشاعت السنہ نے الہام کے ذریعہ احادیث صحیحہ کے موضوع اور موضوعہ کے صحیح ہو سکتے کو رسالہ میں تسلیم کیا ہے۔ اور اسی کے ثبوت کا مرزا قادیانی سے مطالبہ ہوا)۔ جولائی ۱۸۹۱ء غلام احمد بقللم خود

(مرزا قادیانی کی تحریر نمبر ۶ ختم ہوئی اس تحریر کو مدعا کے نوٹوں اور حواشی کے ناظرین توجہ سے پڑھیں گے تو یقین کریں گے کہ اس تحریر میں بھی اس نے ان دو پرانی باتوں خارج از بحث کے کہ: جس حدیث کا مضمون قرآن کے مخالف ہوگا، وہ صحیح و لائق قبول نہیں، اور حدیث صحیح بھی ہو تو وہ رتبہ صحت میں قرآن کے برابر نہیں، اور کچھ نہیں کہا۔ اور ہمارے اس سوال کا کہ بخاری مسلم کی جملہ احادیث صحیح ہیں، یا غیر صحیح، یا مختلط، کوئی قطعی اور صاف جواب نہیں دیا۔ محمد حسین)

## شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ کی تحریر ہفتم

میں افسوس کرتا ہوں کہ آپ نے پھر بھی میرے سوال کا جواب صاف الفاظ میں نہیں دیا۔ آپ نے بیان کیا ہے کہ میں آپ سے ان کتب کی صحت تسلیم کرانا چاہتا ہوں اور آپ اس تسلیم کو صحیح نہیں سمجھتے، بلکہ اس کو ایک غلط اصول فرضی و خیالی اجماع پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ پھر صاف الفاظ میں کیوں نہیں کہتے کہ صحیحین کی جملہ احادیث بلا وقفہ و نظر واجب التسلیم اور صحیح نہیں ہیں، بلکہ اس میں موضوع یا غیر صحیح احادیث موجود ہیں، یا ان کے موجود ہونے کا احتمال ہے۔ جب تک آپ ایسے صریح الفاظ میں اس مطلب کو ادا نہ کریں گے اس سوال کے جواب سے سبک دوش نہ ہوں گے، خواہ برسوں گزر جائیں۔ آپ حدیث ان من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یغنیہ کو پیش نظر رکھ کر خارج از سوال باتوں سے تعرض کرنا چھوڑ دیں اور دحرافی جواب دیں کہ: ۱۔ صحیحین کی حدیثیں سب کی سب صحیح ہیں، یا موضوع ہیں، یا مختلط ہیں۔

۲۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں کسی حدیث صحیح بخاری و مسلم کو موضوع نہیں کہا (لفظ موضوع آپ کے کلام میں غیر صحیح کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے اور غیر صحیح بمعنی موضوع، اس وجہ سے آپ کا بعض احادیث کو ضعیف کہنا، موضوع کہنے کی



مانند ہے اور بعض احادیث کی نسبت تو آپ نے صاف اور صریح لفظ موضوع استعمال کیا ہے۔ چنانچہ متن میں اس کی تفصیل ہے اور بعض حواشی میں بعض تمثیلات گزر چکی ہیں۔ (محمد حسین) اور یہ امر کمال تعجب کا موجب ہے کہ آپ جیسے مدعیان الہام ایسی بات خلاف واقعہ کہیں۔ آپ نے رسالہ ازالہ اوہام میں دمشق حدیث کی نسبت کہا ہے۔

یہ وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں امام مسلم صاحب نے لکھی ہے جس کو ضعیف سمجھ کر رئیس المحدثین امام محمد (بن) اسماعیل بخاری نے چھوڑ دیا ہے۔ اب انصاف سے فرمادیں کہ اس حدیث صحیح مسلم کو آپ نے ضعیف قرار دے دیا ہے یا نہیں۔

اور اگر آپ یہ عذر کریں کہ میں صرف ناقل ہوں، اس کو ضعیف کہنے والے امام بخاری ہیں، تو آپ تصحیح نقل کریں اور صاف فرمادیں کہ امام بخاری نے فلاں کتاب میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے یا کسی اور امام، محدث سے نقل کریں کہ انہوں نے امام بخاری سے اس حدیث کی تضعیف نقل کی ہے، ورنہ آپ اس الزام سے بری نہیں ہو سکیں گے کہ آپ نے صحیح مسلم کی حدیث کو ضعیف قرار دیا اور پھر اس اپنی تحریر میں اس سے انکار کیا۔

اور ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۲۶ میں آپ فرماتے ہیں: اب بڑے مشکلات یہ درپیش آتے ہیں کہ اگر ہم بخاری اور مسلم کی ان حدیثوں کو صحیح سمجھیں، جو دجال کو آخری زمانہ میں اتار رہے ہیں، تو یہ حدیثیں موضوع ٹھہرتی ہیں اور اگر ان حدیثوں کو صحیح قرار دیں تو پھر ان کا موضوع ہونا ماننا پڑتا ہے۔ اور اگر یہ متعارض و متناقض حدیثیں صحیحین میں نہ ہوتیں، صرف دوسرے صحیفوں میں ہوتیں، تو شاید ہم ان دونوں کتابوں کی زیادہ تر پاس خاطر کر کے ان دوسری حدیثوں کو موضوع قرار دیتے، مگر اب مشکل تو یہ آ پڑی کہ ان ہی دونوں کتابوں میں یہ دونوں قسم کی حدیثیں موجود ہیں۔ اب جب ہم ان دونوں قسم کی حدیثوں پر نظر ڈال کر گرداب حیرت میں پڑ جاتے ہیں کہ کس حدیث کو صحیح سمجھیں اور کس کو غیر صحیح۔ تب ہم کو عقل خدا دادیہ طریق فیصلہ کا بتاتی ہے کہ جن احادیث پر عقل اور شرع کا کچھ اعتراض نہیں، انہیں صحیح سمجھنا چاہیے۔

اور ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۲۴ میں آپ نے مسلم کی اس حدیث کو جس میں یہ بیان ہے کہ دجال معبود کی پیشانی پر ك ف ر لکھا ہوگا، یہ کہہ کر اڑا دیا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی اس حدیث کے برخلاف ہے جس میں یہ وارد ہے کہ یہ دجال مشرف باسلام ہو چکا تھا۔ ایسا ہی آپ نے صحیحین کی ان احادیث کو اڑا دیا ہے جن میں

دجال کے ان خوارق کا بیان ہے کہ اس کے ساتھ بہشت اور دوزخ ہوں اور اس کے کہنے سے زمین شور، سرسبز ہو جائے گی، وغیرہ۔ پھر آپ کا اس مقام میں یہ کہنا کہ میں نے صحیحین کی کسی حدیث کو موضوع یا غیر صحیح قرار نہیں دیا اور احادیث کے صحیح معنی بیان کرنے میں خدا میری مدد کرتا ہے، خلاف واقعہ نہیں تو کیا ہے۔

آپ صحیحین کی حدیث کو موضوع جانتے ہیں اور ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں۔ پھر اس اعتقاد کو جو طولانی تقریروں اور ملمع سازیوں سے چھپاتے ہیں اور یہ خیال نہیں فرماتے کہ جن باتوں کو آپ چھاپ چکے ہیں وہ کب چھپتی ہیں۔ ۳۔ آپ لکھتے ہیں کہ قرآن کو حدیث کا معیار صحت ٹھہرانے میں امام کی نشان دہی کا بار ثبوت آپ کے ذمہ نہیں ہے۔ اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہر ایک مسلمان احادیث کی تصحیح کا معیار قرآن کو سمجھتا ہے۔

میں آپ کے اس دعویٰ کا بھی منکر ہوں اور یہ کہہ سکتا ہوں کہ کوئی مسلمان، جن کے اقوال سے استناد کیا جاتا ہے، اس بات کا قائل نہیں ہے۔ آپ کم سے کم ایک مسلمان کا علماء سلف سے نام لیں جو آپ کے خیال کا شریک ہو اور اگر باوجود ان دعاوی کے آپ پر بار ثبوت نہیں ہے تو آپ یہ امر کسی منصف سے (مسلمان ہو یا غیر مذہب) کہلاویں۔

اس باب میں جو آیات آپ نے نقل کی ہیں ان کو آپ کے دعاوی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کی تفصیل، جواب تفصیلی میں ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۴۔ اجماع کے باب میں میرے کسی سوال کا آپ نے جواب نہیں دیا۔ براہ مہربانی میرے سوال پر نظر ثانی کریں اور ان باتوں کا جواب دیں کہ: اجماع کی تعریف جو آپ نے لکھی ہے کس کتاب میں ہے۔ اور بعض صحابہ کے اتفاق کو کون شخص اجماع سمجھتا ہے۔، سکوت کل، کا جو آپ نے دعویٰ کیا ہے یہ بھی محتاج نقل و ثبوت ہے۔ آپ بہ نقل صحیح ثابت کریں کہ حضرت عمرؓ وغیرہ نے ابن صیاد کو دجال کہا تو اس وقت جملہ اصحاب یا فلاں فلاں موجود تھے اور انہوں نے اس پر سکوت کیا۔ یا وہ قول جس صحابی کو پوچھا اس نے انکار نہ کیا۔ یہ بات غائباً اور ہوں گی کے الفاظ سے ثابت نہیں ہو سکتی۔ ایسے دعاوی عظیمہ میں آئمہ نقل سے نقل بکا رہے، نہ صرف تجویز عقل۔

اجماع کے باب میں جو کچھ آئمہ سے منقول ہے وہ آپ کی تحریر میں موجود ہے۔ پھر تعجب ہے کہ اس

پر آپ کی توجہ نہ ہوئی۔ اور صرف اٹکل سے آپ نے کار براری کی۔

۵۔ مضمون حدیث شرح السنۃ کے متعلق آپ نے بڑے زور سے دعویٰ کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں ابن صیاد کے دجال ہونے کا خوف کرتا ہوں اور از الہ اوہام کے صفحہ ۲۲۲ میں آپ نے لکھا ہے آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر کو فرمایا کہ ہمیں اس کے حال میں بھی اشتباہ ہے یعنی اس کے دجال ہونے کا ہم کو خوف ہے ان اقوال کا آپ نے آنحضرت ﷺ کو یقیناً قائل قرار دیا ہے۔ اب آپ کہتے ہیں کہ صحابی نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہوگا، تب ہی آنحضرت ﷺ کی طرف اس امر کو منسوب کیا ہوگا کہ آپ ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتے تھے۔ اب انصاف کو اور صدق و دیانت کو پیش نظر رکھ کر فرماویں کہ احتمال موجب یقین ہو سکتا ہے؟ کیا یہ امکان نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ان معاملات سے جو ابن صیاد کی نسبت بارہا وقوع میں آئے، جیسے اس کا امتحان کرنا، یا چھپ کر اس کے حالات معلوم کرنا وغیرہ، جن کا صحیحین میں ذکر ہے، اس صحابی کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ اس کو دجال سمجھتے تھے۔ اس امکان و احتمال کے ساتھ جو حسن ظنی بحق صحابی پر مبنی ہے، کیا یہ یقین ہو سکتا ہے؟ کہ اس صحابی نے آنحضرت ﷺ کو وہ باتیں کہتے ہوئے سنا جو آپ نے برخلاف واقعہ آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کیں۔ اور بلا حصول یقین آنحضرت ﷺ کو ان اقوال کا قائل قرار دینا اور بلا کھکا یہ کہہ دینا کہ آپ ایسا فرماتے تھے، جائز ہے؟ اور مسلمانان سلف سے یہ امر وقوع میں آیا ہے؟ آپ کم سے کم ایک مسلمان کا نام بتلاویں جس سے یہ جرأت ہوئی ہو۔

۶۔ آپ لکھتے ہیں کہ قول ابن عربی کے آپ مخالف ہوتے تو کیوں ناحق اس کا ذکر کرتے اور اس کے ذکر سے آپ کے کلام میں تناقض پیدا ہوتا ہے۔ آپ کا یہ مفہوم میری عبارت کے صریح منطوق کے، جو میں نے نقل کی ہیں، برخلاف ہے لہذا لائق لحاظ و التفات نہیں ہے اور وہ آپ کو الزام افتراء سے بری نہیں کر سکتا۔ اور نہ میری وہ تصریحات جو میں نے محدث کی نسبت کی ہیں آپ کو اس الزام سے بری کر سکتے ہیں۔ میری کسی تصریح یا کلام میں قول ابن عربی کی تصدیق و تائید پائی نہیں جاتی اور میرا صریح اظہار کہ، میں الہام غیر نبی کو حجت نہیں سمجھتا کتاب و سنت کا پیرو ہوں نہ کسی الہامی کشفی کا مقلد، صاف شاہد ہے کہ آپ نے مجھ پر افتراء کیا ہے۔ رہا الزام تعارض و اظہار خلاف عقیدت سوا اس کا جو اب اسی صفحہ اشاعت السنۃ میں موجود ہے کہ میں نے ان اقوال

ابن عربی وغیرہ کو اس غرض سے نقل کیا ہے کہ الہام کو حجت ماننے میں صاحب براہین منفرد نہیں ہے اور یہ مسئلہ ایسا نیا اور انوکھا نہیں جس کا کوئی قائل نہ ہو۔ جس سے صاف ثابت ہے کہ میں نے ان اقوال کو نقل کرنے سے صاحب براہین کو تفرد سے بچانا چاہا تھا، نہ یہ جتنا کہ میں بھی ایسے الہاموں کو لائق سند سمجھتا ہوں۔

آپ کی تحریرات میں بہت سے مطالب زائد اور خارج از بحث ہوتے ہیں، جن سے میں عمداً تعرض نہیں کرتا۔ ان سے تعرض اس تفصیلی جواب میں کرونگا جو بعد طے ہونے امور مستفسرہ کے قلم میں لاؤنگا۔ بالفعل میں آپ کو پھر اپنے سوالات سابقہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ آپ براہ مہربانی بنظر تحفظ اوقات فریقین میرے سوالات کا صاف اور مختصر الفاظ میں جواب دیں اور زائد باتوں کی طرف توجہ نہ کریں۔ میں بنظر آپ کی رفع تکلیف کے پھر اپنے سوال کا خلاصہ بیان کرتا ہوں۔

اول۔ آپ صراحت کے ساتھ کہیں کہ جملہ احادیث صحیحین، صحیح اور واجب العمل ہیں، یا جملہ غیر صحیح اور موضوع، یا مختلط۔ اور اب تک آپ نے کسی حدیث صحیحین کو موضوع یا ضعیف نہیں کہا۔

دوم۔ قرآن کو صحت احادیث کا معیار ٹھہرانے میں جملہ مسلمان آپ کے ساتھ ہیں، یا کوئی امام آئمہ سلف۔ سوم۔ اجماع کی تعریف اور یہ امر کہ چند اصحاب کا اتفاق شرعاً اجماع کہلاتا ہے اور حضرت عمر وغیرہ کے ابن صیاد کو دجال (دجال بھی وہ جو موعود ہے کیونکہ اسی سے ہم کو انکار ہے) کہنے کے وقت جملہ اصحاب موجود تھے یا فلاں فلاں۔ اور اس پر انہوں نے سکوت کیا اور یہ سکوت فلاں فلاں آئمہ حدیث نے نقل کیا۔

چہارم۔ آنحضرت ﷺ کے اصحاب، آنحضرت ﷺ کی طرف کوئی حکم یا خیال منسوب نہ کرتے جب تک کہ وہ آپ سے (کوئی بات) سن نہ لیتے۔ اور آنحضرت ﷺ کے وقائع اور قضایا سے کوئی امر استنباط کر کے آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب نہ کرتے جیسے بعض صحابہ سے منقول ہے قضی بالشفعة الجار (یعنی آنحضرت ﷺ نے ہمسایہ کے لئے شفیعہ کا حکم دیا۔ آنحضرت ﷺ نے کسی موقع پر کسی ہمسایہ کو شفیعہ دلوائی تو اس واقعہ سے راوی حدیث نے یہ فیصلہ اور حکم نکال لیا اور اس کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کیا۔ اس نسبت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ لفظ سنا ہو کہ ہمسایہ کو شفیعہ دلانا چاہیے، یا اس کی مانند کوئی اور لفظ۔ محمد حسین) یا یہ کہ صرف خیال استنباط سے آنحضرت ﷺ کی نسبت یہ فرمادیتے کہ آپ نے ایسا ارشاد کیا ہے۔

پنجم۔ میری اس منطوق کے ہوتے وہ مفہوم قابل اعتبار ہے جو آپ کے خیال میں ہے و بناء علیہ میں ابن عربی کا مصدق ہوں۔ اور آپ اس دعویٰ میں صادق ہیں۔ فقط۔  
ابوسعید محمد حسین۔ ۲۱ جولائی ۱۸۹۱ء

## مرزا قادیانی کی تحریر ہفتم

بسم الله الرحمن الرحيم۔ نحمدہ و نصلی۔ حضرت مولوی صاحب آپ پھر سہ کرر شکوہ کے طور پر تحریر فرماتے ہیں کہ میرے سوال کا اب بھی جواب صاف الفاظ میں نہیں دیا۔ اور آپ فرماتے ہیں کہ: صاف الفاظ میں کہنا چاہیے کہ صحیحین کی جملہ احادیث بلا وقفہ و نظر واجب التسلیم اور صحیح نہیں، بلکہ ان میں موضوع یا غیر صحیح احادیث موجود ہیں۔ یا ان کے موجود ہونے کا احتمال ہے۔ آپ اس بات کا جواب مجھ سے مانگتے ہیں کہ صحیحین کی حدیثیں سب کی سب صحیح ہیں یا موضوع ہیں، یا مختلط ہیں۔ فقط۔ (یہ تصریح و تکرار کے ساتھ مرزا قادیانی کا ہمارے سوال کو سمجھ لینے اور اس کا جواب صاف الفاظ میں مطلوب ہونے کا اعتراف ہے۔ محمد حسین) اما الجواب۔ پس واضح ہو کہ احادیث کے دو حصہ ہیں۔ ایک وہ حصہ جو سلسلہ تعامل کی پناہ میں کامل طور پر آ گیا ہے۔ یعنی وہ حدیثیں جن کو تعامل کے محکم اور قوی اور لاریب سلسلہ نے قوت دی ہے اور مرتبہ یقین تک پہنچا دیا ہے، جس میں ضروریات دین اور عبادات اور حقوق اور معاملات اور احکام شرع متین داخل ہیں (لفظ ضرورت محاورہ اہل علم میں دو معنی میں مستعمل ہوا ہے، ایک بمعنی حاجت دوسرے بمعنی بدابست ضد نظریت۔ مگر یہاں اس لفظ کے دونوں معنی صحیح نہیں ہو سکتے۔ محمد حسین) سو ایسی حدیثیں تو بلاشبہ یقین اور کامل ثبوت کی حد تک پہنچ گئی ہیں اور جو کچھ ان حدیثوں کو قوت حاصل ہے وہ قوت فن حدیث کے ذریعہ سے نہیں ہوئی، اور نہ وہ احادیث منقولہ کی ذاتی قوت ہے، اور نہ وہ راویوں کے وثوق اور اعتبار کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، بلکہ وہ قوت بمرکت و طفیل سلسلہ تعامل اسلامی ہے۔ سو میں ایسی حدیثوں کو جہاں تک ان کو سلسلہ تعامل سے قوت ملی ہے ایک مرتبہ یقین تک تسلیم کرتا ہوں (یقین یا ظن سے کس نے سوال کیا ہے؟ ہمارا سوال تو مطلق صحت یا عدم صحت سے ہے، مرزا صاحب نے قطعی و ظنی کی بحث کو چھیڑ کر ناخن خروخ از بخت کیا، جس کی یہ بارہویں دفعہ ہے اور اصلی جواب کو ٹولا یا اور اپنے ناظرین و معتقدین کو اصل بحث مطلوب بھلا کر دوسری طرف لے جانا چاہا۔ محمد حسین)۔ لیکن دوسرا حصہ حدیثوں کا

جس کو سلسلہ تعامل سے کوئی تعلق اور رشتہ نہیں ہے اور صرف راویوں کے سہارے سے اور ان کی راست گوئی کے اعتبار پر قبول کی گئی ہیں، ان کو میں مرتبہ ظن سے بڑھ کر خیال نہیں کرتا (ان فقرات کو ناظرین خیال میں رکھیں۔ مرزا نے اپنی تحریر ہشتم میں ان کا خلاف کیا ہے اور تعامل کے تین مراتب یقین بنا کر سوم مرتبہ ظن غالب کو کہا ہے۔ محمد حسین) اور غایت کار مفید ظن ہو سکتی ہیں کیونکہ جس طریق سے وہ حاصل کی گئی ہیں وہ یقینی اور قطعی طریق نہیں، بلکہ بہت سی آویزش کی جگہ ہے (اصل میں ہے اوازش کا لفظ ہے جس کا مطلب دوطن قادیانی ہے شاید اس کی مراد لفظ آویزش ہے۔ محمد حسین) وجہ یہ کہ ان حدیثوں کا فی الواقع صحیح اور راست ہونا تمام راویوں کی صداقت اور نیک چلنی اور سلامت فہم اور سلامت حافظہ اور تقویٰ طہارت وغیرہ شرائط پر موقوف ہے (ان شروط و اوصاف راوی کے بیان سے مرزا نے یہ بتایا ہے کہ ظن حدیث کے کوچہ میں بھولے سے بھی کبھی ان کا گذر نہیں ہوا۔ تقویٰ کی صفت، نیک چلنی و صداقت وغیرہ صفات کی جامع اور اس پر حاوی ہے۔ پھر اس صفت کے ساتھ نیک چلنی و صداقت کو کیوں ذکر کیا ہے۔ سلامت فہم کے ظاہری معنی یہی ہیں کہ فہم راوی میں غلطی نہ ہو اور اس معنی کو سلامت فہم شرط روایت نہیں ہے۔ یہ امر ہم نے اپنی تحریر ہشتم میں مرزا صاحب کو بتایا تو انہوں نے اپنی تحریر ہشتم میں اس کا ایسا جواب دیا کہ وہ عذر بدتر از گناہ کا مصداق ہے۔ چنانچہ اس تحریر کے جواب میں ثابت کیا جائے گا، انشاء اللہ۔ طہارت سے ظاہری مراد وضو و غسل و تیمم وغیرہ ہی ہو سکتا ہے، سو کسی کے نزدیک روایت حدیث میں شرط نہیں۔ نہ بوقت نقل حدیث یہ طہارت شرط ہے، نہ بوقت ادائے روایت حدیث، شرط ہے۔ محمد حسین)، اور ان تمام امور کا کما حقہ اطمینان کے موافق فیصلہ ہونا اور کامل درجہ کے ثبوت پر جو حکم روایت کا رکھتا ہے، پہونچنا، حکم محال کا رکھتا ہے اور کسی کو طاقت نہیں کہ ایسی حدیثوں کی نسبت ایسا ثبوت کامل پیش کر سکے۔ کیا آپ ایسی کسی حدیث کی نسبت حلفاً بیان کر سکتے ہیں کہ اس کے مضمون کی نسبت کامل اطمینان اور سکینت مجھ کو حاصل ہے۔ اگر آپ حلف اٹھانے پر مستعد بھی ہوں تاہم میں یہ خیال کروں گا کہ آپ ایک پرانے خیال اور عادت سے متاثر ہو کر ایسی جرأت پر آمادہ ہو گئے ہیں، ورنہ آپ کو بصیرت کی راہ سے ہرگز قدرت نہیں ہوگی کہ کسی ایسی حدیث کے لفظ لفظ کی صحت قطعی اور یقینی کی نسبت دلائل شافیہ، جو غیر قوم کے لوگ بھی سمجھ سکیں، پیش کر سکیں (جس قدر اطمینان عمل کے لئے بکار ہے وہ تحقیق شرط رواۃ میں حاصل ہو چکی ہے، مرزا صاحب اس کوچہ سے نابلد ہیں اس لئے اس کو محال جانتے ہیں۔ اور احادیث صحیحین کی صحت کی نسبت اطمینان لائق عمل حاصل ہے اور اس پر قسم جائز ہے۔ ہماری تحریر نمبر ۸ ملاحظہ ہو۔ محمد حسین)

سو چونکہ واقعی صورت یہی ہے کہ جس قدر حدیثیں تعامل کے سلسلہ سے فیض یاب ہیں، وہ حسب استقضا اور بقدر اپنے فیض یابی کے، یقین کے درجہ تک پہنچ گئی ہیں، لیکن باقی حدیثیں ظن کے مرتبہ سے زیادہ نہیں، غایت کا

ربعض حدیثیں ظن غالب کے مرتبہ پر ہیں (پھر قطعی و ظنی کی بحث کو ناحق مرزا صاحب نے چھیڑا اور خروج از بحث اختیار کیا جس کی یہ تیروہیں دفعہ ہے۔ یہاں انہوں نے ظن غالب کو یقین کا مقابل ٹھہرایا ہے اور اپنی تحریر ہشتم میں اس کا خلاف کیا اور ظن غالب کو یقین کا ادنیٰ مرتبہ ٹھہرایا۔ محمد حسین) اس لئے میرا مذہب بخاری و مسلم وغیرہ کتب حدیث کی نسبت یہی ہے، جو میں نے بیان کر دیا ہے۔ یعنی مراتب صحت میں یہ تمام حدیثیں یکساں نہیں ہیں، بعض بوجہ تعلق سلسلہ تعامل یقین کی حد تک پہنچ گئی ہیں اور بعض باعث محروم رہنے کے اس تعلق سے، ظن کی حالت میں ہیں۔ لیکن ہر حالت میں کسی حدیث کو جب تک قرآن کے صریح مخالف نہ ہو موضوع قرار نہیں دے سکتا (اس مقام میں مرزا صاحب نے احادیث بخاری و مسلم کی ظنی صحت تو مان لی ہے لیکن پھر ان احادیث کے مخالف قرآن ہونے کی صورت میں ان کو موضوع کہنے پر مستعدی کا اظہار کر کے آئندہ رد احادیث صحیحین کے لئے راستہ نکال لیا۔ جو احادیث صحیحین پر آپ کا چودھواں حملہ ہے، مگر ایک شبہ، مخالفت قرآن، کی آڑ میں، جس کے وقوع آپ نے از الوداہام میں صفحہ ۲۲۳ سے ۲۲۹ تک بیان کیا ہے چنانچہ اشاعت السنہ ۲ ج ۱۳ ص ۱۱۷ اور ۱۲۵ وغیرہ میں آپ کی عبارات منقول ہیں۔ محمد حسین) اور میں سچے دل سے اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ حدیثوں کے پرکھنے کے لئے قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی معیار ہمارے پاس نہیں۔ ہر چند محدثین نے اپنے طریق پر روایت کی حالت کو صحت یا غیر صحت حدیث کے لئے معیار مقرر کیا ہے، لیکن کبھی انہوں نے دعویٰ نہیں کیا کہ یہ معیار کامل اور قرآن کریم سے مستعنی کرنے والا ہے (ان کا یہ دعویٰ طشت از باہم کا مصداق ہے وہ کبھی کسی حدیث کو اصول روایت سے صحیح ہو جانے کے بعد امتحان صحت کے لئے قرآن پر عرض نہ کرتے، اور یہ مانتے چلے آئے ہیں کہ حدیث بحکم اصول روایت، صحیح ہو تو پھر وہ دوسری حدیث صحیح کے مخالف نہیں ہوتی، چہ جائے کہ قرآن کے مخالف ہو۔ ہماری تحریر نمبر ۸ ملاحظہ ہو۔ محمد حسین)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے یا ایہا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا یعنی اگر کوئی فاسق کوئی خبر لاوے تو اس کی اچھی طرح تفتیش کر لی جائے۔ اور ظاہر ہے کہ بوجہ اس کے کہ بجز نبی کے اور کوئی معصوم نہیں ٹھہر سکتا، اور امکانی طور پر صدور کذب وغیرہ ذنوب کا ہر ایک سے بجز نبی کے ممکن الوقوع ہے (مرزا صاحب کا اس آیت کو صرف امکان صدور کذب وغیرہ کی نظر سے ثقہ و عادل محقق الثقہ و العدالۃ راویوں پر لگانا اور ان کو فاسق بنانا اور صدق کو معصوم میں منحصر کرنا، اپنے فسق کا اقرار اور چھپے نفس کا اظہار کرنا ہے، مسلمان اہل سنت تو ظاہر العدالت راوی کی روایت کو راست اور صحیح سمجھتے ہیں اور امکان صدور کذب کے لحاظ سے صحیح روایت کی عدم صحت تجویز نہیں کرتے۔ اپنی تحریر ہشتم میں مرزا قادیانی نے صحیح احادیث کے راویوں میں امکان کذب کی جو وجہ بتائی ہے اس کا جواب اس تحریر کے حواشی میں ہوگا انشاء اللہ۔ محمد حسین) لہذا رواۃ کے حالات صدق و کذب و دیانت و خیانت کے پرکھنے کے لئے بڑی کامل تحقیقات درکار تھیں تا ان حدیثوں کو مرتبہ یقین کامل تک پہنچائیں، لیکن وہ

تحقیقات میسر نہیں آسکی (جس قدر کامل تحقیقات صحت حدیث کے لئے بکار ہے وہ میسر و حاصل ہو چکی ہے، مرزا صاحب فن حدیث سے جاہل ہونے کے سبب بار بار یقین کامل کا لفظ زبان و قلم میں لاتے ہیں، صحت احادیث کے لئے ظن غالب، جس کے حصول کو مرزا صاحب مان چکے ہیں، کافی ہے۔ محمد حسین) کیونکہ اگرچہ صحابہ کی حالات روشن تھے اور ان لوگوں کے حالات بھی جنہوں نے آئمہ حدیث تک حدیثوں کو پہنچایا، لیکن درمیانی لوگ جن کو نہ صحابہ نے دیکھا تھا اور نہ آئمہ ان کی اصلی حالت سے پوری اور یقینی طور پر واقف تھے، ان کے صادق یا کاذب ہونے کے حالات یقینی اور قطعی طور پر کیونکر معلوم ہو سکتے ہیں (اس قول مرزا میں صحابہ کے حالات کو اور آئمہ حدیث تک احادیث کو پہنچانے والے راویوں کے حالات کو روشن اور یقینی کہا ہے، اور ان دونوں گروہ کے درمیان کے راویوں کے حالات کو مرزا نے غیر یقینی و مشتبہ بتایا ہے۔ اور یہ ایسا کذب اور خلاف واقعہ قول ہے جس کی نہ قراداد محدثین سے موافقت ہو سکتی ہے، نہ مرزا قادیانی کے اپنے قول و اعتقاد سے۔

قادیانی کے اپنے قول و اعتقاد سے اس کی عدم موافقت کی یہ وجہ ہے کہ وہ اس قول سے دو سطر پہلے یہ کہہ چکا ہے کہ بجز نبی اور کوئی معصوم نہیں ہے اور امکانی طور پر صدور کذب و غیرہ ذنوب ہر ایک سے، بجز نبی، ممکن الوقوع ہے، اور یہ بھی وہ کہہ چکا ہے کہ امکان کذب قطعیت و یقین کا مخالف ہے۔ پھر اس کا صحابہ اور آئمہ حدیث تک احادیث کو پہنچانے والے راویوں کے حالات کو یقینی قرار دینا، اپنی سابق قراداد کے مخالف نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اس قول کے وقت قادیانی نے اس قول و اعتقاد سے رجوع کیا اور اس کو غلط سمجھا تو پھر جیسے صحابہ و آئمہ حدیث تک رواۃ کے حالات باوجود امکان صدور کذب و غیرہ ذنوب، قطعی و یقینی ہیں، ویسے ہی درمیانی لوگوں کے حالات باوجود امکان کے یقینی ہونے چاہئیں۔ کیونکہ ان کے حالات کی تفصیل و بیان، حالات صحابہ و رواۃ آئمہ حدیث سے کم نہیں ہے۔ جس قدر کوئی صحابہ کے حالات میں تفصیل کرے اسی قدر ہم سے درمیانی راویوں کے حالات کی تفصیل سن لے۔

قراداد محدثین سے اس قول قادیانی کی عدم موافقت کی یہ وجہ ہے کہ محدثین کے نزدیک جس قدر تفصیل حالات درمیانی راویوں کی ہو چکی ہے اس قدر ان لوگوں کے حالات کی تفصیل نہیں ہوئی جو آئمہ حدیث سے نیچے کے لوگ ہیں اور انہوں نے آئمہ حدیث تک حدیثوں کو پہنچا دیا ہے۔ ان میں بعض تو ایسے ہیں جن کے حالات قلم بند ہی نہیں ہوئے اور ان کو اکثر لوگ نہیں جانتے اور بعض ایسے ہیں جن کے حالات قلم بند ہوئے ہیں مگر وہ بہت تھوڑی تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ ہم ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنی تصانیف کے ذریعے سے آئمہ حدیث تک حدیثوں کو پہنچا دیا ہے، صرف ایک شخص مؤلف مشکوٰۃ کے حالات اور ان لوگوں میں سے جو کتب حدیث کو آئمہ حدیث سے بطور سند روایت کرتے چلے آئے ہیں، چند راویوں کے حالات قادیانی اور اس کے حواریوں سے پوچھنا اور سننا چاہئے ہیں۔ اگر مرزا قادیانی اور اس کے تمام اصحاب و انصار ان لوگوں کے حالات آئمہ حدیث اور صحابہ کے درمیانی راویوں کے حالات کا عشر عشر بھی بیان کریں تو ہم سے ہماری حیثیت کے موافق جس قدر چاہیں انعام لیں۔ اور اگر وہ ان کے حالات اس قدر نہ بتا سکیں تو اس بات کو تسلیم کریں کہ قادیانی نے ان کے حالات کے علم و تفصیل کی نسبت جو دعویٰ کیا ہے، وہ محض کذب ہے اور بے خبری و جہالت پر مبنی ہے۔ اور ان لوگوں کے بیان حالات کو درمیانی راویوں کے بیان حالات سے وہ نسبت بھی نہیں جو ایک کسو سے دی جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ محدثین کے نزدیک نقل و صحت روایت کا مدار آئمہ حدیث اور ان کی مشہور تصانیف ہیں، جن کے اوپر کے راویوں کے حالات ایسی تفصیل و وضاحت سے معلوم ہو چکے ہیں کہ گویا وہ چشم دید حالات ہیں۔ اور آئمہ حدیث سے نیچے کے راویوں کے حالات کی نظر سے تصحیح احادیث ممکن نہیں ہے اور اس وقت سلسلہ اسناد صرف تبرک کے طور پر ہے، تصحیح روایات کی غرض سے جو محدثین سے اوپر کے اسناد سے مقصود تھا۔ امام ابن الصلاح جو ساتویں



صدی میں گزر چکے ہیں اپنی کتاب علوم الحدیث میں فرماتے ہیں: انا وجدنا فیما یروی من اجزاء الحدیث وغیرہا حدیثاً صحیح الاسناد ولم نجدہ فی احد الصحیحین و لا منصوصاً علی صحته فی شیء من مصنفات آئمة الحدیث المعتمده المشهوره فاننا لا نتجاسر علی الجزم بصحته فقد تعذر فہ هذا الاعصار الاستقلال باءدراك الصحیح بمجرد اعتبار الاسانید لانہ من اسناد من ذالک الا والتجد فی رجالہ من اعتمد فی روايته علی ما فی کتابہ ... عما یشرط فی التصحیح و من الحفظ والضبط والاتقان قال الامران فی معرفۃ الصحیح والحسن الی الاعتماد علی مانص علیہ آئمة الحدیث فی تصانیفہم المعتمده التي بین فیہا الشہرتہا من التعلیل والتحریف وصار معظم المقصود اول .. من الاسانید ... عن ذالک ابقاء سلسلہ الاسناد التي خصت بها هذا لانه زادها الله شرفاً - اس عبارت کا خلاصہ یہی ہے جو عبارت آئندہ کا ترجمہ ہے۔

اورطی شارح مشکوٰۃ (جو آٹھویں صدی میں ہوئے ہیں) شرح مشکوٰۃ کے مقدمہ میں جو جامع ترمذی مطبوعہ مطبع احمدی کے ابتداء میں سید شریف جرجانی کے نام سے لٹھی ہے، فرماتے ہیں: اعرض الناس فی هذه الاعصار عن مجموع الشروط المذكورة و اكتفوا من عدالة الراوی بان يكون مستورا ومن ضبطه بوجود سماعه مثبتاً ... موثوق به و رواية من اصل موافق لاصل شیخہ ذالک لان الحدیث الصحیح والحسن وغیرہما قد جمعت فی کتب الآئمة فلا یذهب شیء عن جمعہم والقصد بالسماع ابقاء السلسلۃ فی الاسناد المخصوص بهذه الاما کہ ان زمانوں میں محدثین نے جملہ شرط مذکورہ سے منہ بھیر لیا ہے اور راوی کے عدالت کی جگہ اس امر کو کافی سمجھا ہے کہ وہ مستور الحال ہو، یعنی اس کا کوئی عیب معلوم نہ ہو اور اس کے ضبط حدیث سے اس قدر پرکتفا کیا ہے کہ اس کی روایت ایسے دستخطوں سے لکھی ہوئی ہو جس پر اس کا اعتماد ہو۔ اور وہ روایت شیخ کے مطابق ہو۔ یہ اس لئے ہوا کہ احادیث صحیح اور حسن وغیرہ کتب حدیث میں جمع ہو چکی ہیں اس سے کوئی حدیث فوت نہیں ہوتی اور اس وقت روایت سننے سے مقصود صرف سلسلہ اسناد کو باقی رکھنا ہے۔ جو اس امت کا خاصہ ہے یعنی اس وقت اسناد اور حالات راویوں کی نظر سے تصحیح احادیث ممکن نہیں۔

اور اگر آئمہ حدیث کے نیچے کے راویوں کے حالات اور ان کے اور صحابہ کے درمیانی راویوں کی نسبت زیادہ مفصل و مبین ہوتے تو محدثین پچھلے زمانوں میں اسناد کی نظر سے تصحیح حدیث کے دروازہ کو بند نہ کرتے، بلکہ پہلے زمانہ کی نسبت اس کو اور فراخ کرتے اور آسان قرار دیتے۔ حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہوا۔

امام ابن الصلاح کے قول سے امام نووی وغیرہ نے خلاف کیا ہے تو صرف اس امر میں کیا ہے کہ پچھلے زمانوں میں بھی تصحیح احادیث بنظر اسانید حسب بصیرت والہیت کے لئے ممکن ہے، یہ کسی نے نہیں کہا کہ پہلے یا درمیانی زمانوں کی نسبت پچھلے زمانوں میں راویوں کے حالات زیادہ مفصل و مشروح ہو چکے ہیں اس لئے ان زمانوں میں تصحیح احادیث بنظر اسناد آسان ہے۔

اس بیان سے ثابت ہے کہ مرزا قادیانی نے جو اس قول میں دعویٰ کیا ہے وہ محض کذب ہے۔ نہ قراہ محمد شین سے اس کی موافقت ہو سکتی ہے نہ مرزا قادیانی کے اپنے قراہ و ادعا و اعتقاد سے۔ (محمد حسین)

سو ہر ایک منصف اور ایمان دار کو یہی مذہب اور عقیدہ رکھنا پڑتا ہے کہ بغیر ان حدیثوں کے جو آفتاب سلسلہ تعامل سے منور ہوتی چلی آئی ہیں، باقی تمام حدیثیں کسی قدر تاریکی سے باہر نہیں (مباحثہ لہذا مطبوعہ قادیانی کے الفاظ

یوں ہیں: باقی تمام حدیثیں کسی قدر تار یکے سے پر ہیں۔ اور ہمارے پاس جو قادیانی کا قلمی پرچہ ہے اس میں یہ الفاظ ہیں: کسی قدر تار یکے میں پڑی ہوئی ہیں، پھر ان الفاظ کو لکھ کر قادیانی کی قلم سے یہ الفاظ لکھے گئے: کسی قدر تار یکے سے باہر نہیں۔ اور یہ مرزا صاحب ہی کا ایمان یہ گواہی دیتا ہوگا کہ صحیحین کی حدیثیں تار یکے میں ہیں۔ مسلمانان اہل سنت کا ایمان تو یہ فتویٰ دیتا ہے کہ صحیحین کی جملہ احادیث تار یکے، منافی صحت، سے باہر ہیں۔ اس بارہ میں عبارات فقہاء و محدثین ہماری تحریر نمبر ۸ میں ملاحظہ ہوں۔ (محمد حسین) اور ان کی اصلی حالت بیان کرنے کے وقت ایک متقی

کی یہ شان نہیں ہونی چاہے کہ چشم دید یا قطعی الثبوت خبروں کی طرح ان کی نسبت صحت کا دعویٰ کرے بلکہ گمان صحت رکھ کر واللہ اعلم کہہ دے۔ اور جو شخص ان حدیثوں کی نسبت واللہ اعلم بالصواب نہیں کہتا اور احاطہ تام کا دعویٰ کرتا ہے وہ بلاشبہ جھوٹا ہے۔ خداوند کریم ہرگز پسند نہیں کرتا کہ انسان علم تام سے پہلے علم تام کا دعویٰ کرے، اسی قدر دعویٰ کرنا چاہیے جس قدر علم حاصل ہو۔ پھر اس سے زیادہ اگر کوئی سوال کرے تو واللہ

اعلم بالصواب کہہ دینا چاہیے (ان الفاظ سے مرزا صاحب نے اپنے جھوٹ کو کسی قدر راستی کا لباس پہنانا اور اس دہوکے کے طبع سے ناواقف مسلمانوں کو دام میں لانا چاہا ہے۔ ان کو بظاہر یہ کہا ہے کہ جس قدر روشنی و یقینی، ثبوت و صحت تام کا دعویٰ قرآن کی نسبت ہو سکتا ہے اس قدر احادیث صحیحین کی نسبت نہیں ہو سکتا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ صحیحین کی صحت مشتبہ و شکلی ہے۔ اور یہ اسرودہوک و مغالطہ ہے۔ کیونکہ صحت و ثبوت کا مرتبہ صرف ایک و ہی نہیں ہے جو قرآن کو حاصل ہے، تاکہ احادیث صحیحین میں اس مرتبہ کے مفقود ہونے سے ان کی صحت میں شک و اشتباہ لازم آوے۔ بلکہ قرآن سے اتر کر صحت و ثبوت کے مرتبہ سات اور ہیں جن میں اعلیٰ و ارفع مرتبہ صحیحین کی متفق علیہ احادیث کو حاصل ہے اور باقی مراتب اور احادیث کو حاصل ہیں۔ طبعی نے شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے: و تتفاوت درجات الصحیح بحسب قوۃ شروطہ و ضعفہا۔ و اول من صنف فی الصحیح .... الامام البخاری ثم مسلم و کتابا ہما اصح الکتب بعد کتاب اللہ العزیز،، و اعلیٰ اقسام الصحیح ما اتفقا علیہ ثم ما انفرد بہ البخاری ثم ما انفرد بہ مسلم ثم ما کان علی شرطہما و ان لم یخرجاہ ثم علی شرط البخاری ثم علی شرط مسلم ثم ما صححہ غیرہما من الائمة فہذہ سبعة اقسام۔ ایسا ہی شرح تخریج الفکر وغیرہ میں ہے۔ اس کا خلاصہ ترجمہ یہ کہ درجات صحیح قوت شروط کی نظر سے متفاوت ہیں، سب سے اعلیٰ درجہ بخاری مسلم کی اتفاقی حدیث ہے۔ پھر جس کو صرف بخاری لایا ہے، پھر وہ جس کو صرف مسلم لایا ہے۔ پھر وہ جو ان دونوں کی شروط پر ہے گمان کی کتاب میں نہیں۔ پھر وہ جو صرف بخاری کی شرط پر ہے پھر وہ جو صرف مسلم کی شرط پر ہے، پھر وہ جس کو کسی اور نے صحیح کہا ہے۔

مرزا قادیانی نے غضب کیا اور ناواقف مسلمانوں کو سخت دہوکہ دیا ہے کہ ان سب مراتب ہفتگانہ صحت سے آگے بند کر کے صحت و ثبوت کا ایک ہی مرتبہ (جو قرآن کو حاصل ہے) مقرر کیا اور احادیث صحیحین کو اس مرتبہ سے خارج کر کے اس سے ان کی صحت کا شکلی و مشتبہ ہونا نکال لیا۔ اور صحیحین پر یہ پندرہواں حملہ کیا۔ اور طرفیہ کی اپنی تحریر نمبر ۸ میں اس نے اس کا خلاف کیا اور جملہ احادیث متعلقہ عمل، جن میں احادیث محل اختلاف مثل حدیث رفع یدین وغیرہ کو بھی اس نے داخل و شامل کر دیا ہے، علی اختلاف المراتب قطعی صحیح اور واجب العمل تسلیم کر لیا ہے، چنانچہ عقرب نابینا ظن میں اس کی تحریر سے معلوم ہوگا مگر اس وقت اس دجال کو تکلم: دروغ گورا حافظہ نہ باشد، یہ خیال نہ آیا اور یاد نہ رہا کہ میں نے تو قطعی صحت کا مرتبہ ایک ہی قرار دیا ہوا ہے، جو قرآن کو حاصل ہے۔ پھر میں ان احادیث کی قطعی صحت علی اختلاف المراتب کیوں تسلیم کرتا ہوں۔ یا یہ کہ وہ دیدہ دانستہ لوگوں کو دہوکہ دیتا ہے،

جس بات سے کوئی دام میں آوے اس سے اس کو دام میں لاتا ہے، اور اس میں اختلاف اپنے اقوال کا بھی کچھ بھی لحاظ نہیں کرتا۔ اور یہ سمجھ رہا ہے کہ جو قول کسی نظر میں پڑے گا وہ اس کے دام میں آجائے گا۔ دوسرا دوسرے قول کے دام میں۔ سبھی لوگ سبھی اقوال کہاں دیکھتے ہیں کہ اختلاف و تعارض کا اعتراض کریں گے۔ محمد حسین)

سو میں آپ کی خدمت میں کھول کر گزارش کرتا ہوں کہ میں حصہ دوم حدیثوں کی نسبت خواہ وہ حدیثیں بخاری کی ہوں یا مسلم کی، ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ وہ میرے نزدیک قطعی الثبوت ہیں (قطعی ہونے سے سوال نہ تھا، اور نہ جواب میں اس سے تعرض کی ضرورت تھی۔ مرزا صاحب اس قطعیت کے ذکر و تعرض سے بار بار خروج از بحث کرتے ہیں جس کی یہ چودہویں دفعہ ہے۔ محمد حسین) اگر میں ایسا کہوں تو خدا تعالیٰ کو کیا جواب دوں۔ ہاں اگر کوئی ایسی حدیث قرآن کریم کے مخالف نہ ہو تو پھر میں اس کی صحت کا ملکہ کی نسبت قائل ہو جاؤں گا (مرزا صاحب کا یہ قول صاف مشعر ہے کہ اگر کوئی حدیث صحیحین انہیں مخالف قرآن معلوم ہو گی، جیسے احادیث متعلقہ حضرت مسیح، و دجال ہیں، جن کو آپ از الہ اوہام کے صفحہ ۲۲۴ وغیرہ میں اور تحریر نمبر ہشتم میں مخالف قرار دے چکے ہیں، تو اس کو موضوع کہنے کے لئے آپ مستعد و تیار ہیں۔ یہ احادیث صحیحین پر ان کا سوا ہوا حملہ ہے۔ محمد حسین)

اور آپ کا یہ فرمانا کہ قرآن کریم کو کیوں محکم صحت احادیث ٹھہراتے ہو۔ اس کا جواب میں بار بار یہی دوں گا کہ قرآن کریم ہمیں اور امام اور میرزاں اور قول فصل اور ہادی ہے اگر اس کو محکم نہ ٹھہراؤں تو اور کس کو ٹھہراؤں (اس پر چہ میں ہم نے یہ سوال کہیں نہیں کیا، اور جو جواب مرزا صاحب نے دیا ہے وہ بھی کوئی نیا جواب نہیں۔ اس میں بچھلی ہی باتوں کا اعادہ ہے۔ چنانچہ اس جواب میں انہوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ میں بار بار یہی جواب دوں گا۔ یہ ہمارے اس دعویٰ کی تصدیق ہے جو ایک حاشیہ سابق میں کر آئے ہیں۔ محمد حسین) کیا ہمیں قرآن کریم کے اس مرتبہ پر ایمان نہیں لانا چاہیے۔ جو مرتبہ وہ خود اپنے لئے قرار دیتا ہے اور صاف الفاظ میں فرماتا ہے و اعتصموا بحبل اللہ جمیعاً و لا نفرقوا کیا اس حبل سے حدیثیں مراد ہیں؟ (احادیث صحیحہ مسلم الصحت قرآن سے جدا اور اس کے مخالف نہیں تو وہ بھی حبل اللہ میں داخل ہیں اور ان سے تمسک بعینہ قرآن سے تمسک ہے۔ محمد حسین) پھر جس حالت وہ اس حبل سے بچھ مارنے کے لئے تاکید شدید فرماتا ہے تو کیا اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم ہر ایک اختلاف کے وقت قرآن کریم کی طرف رجوع کریں۔ پھر فرماتا ہے و من اعرض عن ذکرہ فان له معیشتہ ضنکاً و نحشرہ یوم القیامۃ اعمی یعنی جو شخص میرے فرمودہ سے اعراض کرے اور اسکے مخالف کی طرف مائل ہو تو اس کیلئے ننگ معیشت ہے یعنی وہ حقائق اور معارف سے بے نصیب ہے اور قیامت کو اندھا اٹھایا جائے گا۔

اب ہم اگر ایک حدیث کو صریح قرآن کریم کے مخالف پائیں (حدیث صحیح قرآن کے مخالف نہیں ہوتی تو پھر یہ رجوع مجددیث

رجوع بقرآن ہے، نہ اعراض ازقرآن۔ محمد حسین) اور پھر مخالفت کی حالت میں ہی اس کو مان لیں اور اس تخالف کی کچھ بھی پرواہ نہ کریں تو گویا اس بات پر راضی ہو گئے کہ معارف حقہ سے بے نصیب رہیں اور قیامت کو اندھے اٹھائے جائیں۔ پھر ایک جگہ فرماتا ہے فاستمسک بالذی اوحی الیک انه لذكرک و لقومک یعنی قرآن کو ہر ایک امر میں دست آویز پکڑ، تم سب کا اسی میں شرف ہے کہ تم قرآن کو دستاویز پکڑو اور اسی کو مقدم رکھو۔ اب ہم مخالفت قرآن اور حدیث (حدیث صحیح قرآن کے مخالف نہیں بلکہ موافق اور اس کے اجمال کی بنیاد ہوتی ہے تو دست آویز حدیث عین دستاویز قرآن ہے اور عین شرف جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔ محمد حسین) کے وقت میں قرآن کو دستاویز نہ پکڑیں تو گویا ہماری یہ مرضی ہوگی کہ جس شرف کا ہم کو وعدہ دیا گیا ہے، اس شرف سے محروم رہیں۔ اور یہ فرماتا ہے و من یعش عن ذکر الرحمن نقیض له شیطاناً فهو له قرین یعنی جو شخص قرآن کریم سے اعراض کرے اور جو چیز اس کے صریح مخالف ہے اس کی طرف مائل ہو، ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں کہ ہر وقت اس کے دل میں وساوس ڈالتا ہے، اور حق سے اس کو پھیرتا ہے اور نابینائی اسکی نظر میں آراستہ کرتا ہے اور ایک دم اس سے جدا نہیں ہوتا۔

اب اگر ہم کسی ایسی حدیث کو قبول کر لیں جو صریح قرآن کے مخالف ہو تو گویا ہم چاہتے ہیں کہ شیطان ہمارا دن رات کارِ مفتی ہو جائے اور اپنے وساوس میں ہمیں گرفتار کرے اور ہم پر نابینائی طاری ہو۔ اور ہم حق سے بے نصیب رہ جائیں۔ اور یہ فرماتا ہے: اللہ نزل احسن الحدیث کتاباً متشابهاً۔ مثانی تقشعر من جلود الذین یخشون ربہم ثم تلین جلودہم و قلوبہم الی ذکر اللہ۔ یعنی ذالک الکتاب کتاب متشابہ یشبہ بعضہ بعضاً لیس فیہ تناقض و لا اختلاف مثنیٰ فیہ کل ذکر لیکون بعض الذکر تفسیر البعض تقشعر منه جلود الذین یخشون ربہم یعنی سیتولی جلالہ و ہیبتہ علی قلوب العشاق لتقشعر جلودہم من کمال الخشیة و الخوف یجاہدون فی طاعة اللہ لیلاً و نهاراً بتحرک تاثیرات الجلالیة و تنبیہات قہریة من القرآن ثم یبدل اللہ حالتہم الی التلذذ فیصیر الطاعة جزو طبیعتہم و خاصة فطرتہم فتلین جلودہم و قلوبہم الی

ذکر اللہ - یعنی یسبل الذکر فی قلوبہم کسیلان الماء ویصدر منہم کل امر فی طاعة اللہ بکمال السہولة و الصفا لیس فیہ ثقل و لا تکلف و لا ضیق فی صدورہم بل یتلذذون بامثال امر الہم و یجدون لذة و حلا وة فی طاعة مولہم و ہذا هو المنتہی الذی ینتہی الیہ امر العابدین و المطیعین و یبدل اللہ الالمہم باللذات ... (اس آیت اور اس کی تفسیر سے، جو مرزا قادیانی نے کی ہے، گویا ثابت ہے کہ قرآن کی بعض آیات، بعض کی تفسیر ہیں، مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حدیث قرآن کی تفسیر نہیں ہے۔ اور مرزا نے خود بھی اس آیت سے یہ نتیجہ نہیں نکالا، بلکہ دینی زبان سے یہ اقرار کر لیا ہے کہ عوام الناس کو سمجھانے کے لئے احادیث سے بھی قرآن کی تفسیر ہوئی ہے۔ اور اس آیت یا پہلی چار آیتوں سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سحت احادیث کا معیار قرآن شریف ہے۔ پھر ان آیات کو اس مدعا کے ثبوت کے لئے پیش کرنے سے بجز تکرار بلا حاصل و تطویل بلا طائل کیا مقصود ہے۔ آخری آیت کی تفسیر میں جو آپ نے حالات باطنی کی جو تشریح کی ہے یہ محض اجنبی ہے، جس کو نہ ہمارے سوال سے کوئی تعلق ہے، نہ آپ کے جواب سے۔ لہذا اس کے بیان سے آپ نے پندرہویں دفعہ خروج از بحث کا ارتکاب کیا و معہذا آپ نے اس میں ارتکاب سرتقہ کیا۔ کیونکہ اس تشریح کا مضمون تو آپ نے تفسیر رحمانی وغیرہ سے لیا ہے مگر ان کا حوالہ نہیں دیا، بلکہ یہ جتایا ہے کہ یہ آپ کا ایجاد و طبع زاد ہے۔

و نیز اس تشریح میں مسلمانوں کو وہ دیکھو کہ دیا اور یہ جتایا ہے کہ اس مضمون کے مصداق خود بدولت ہیں اور اس میں کذب محض سے کام لیا۔ آپ کو خدیت و بہیت الہی و معارف و حقائق قرآنی سے کیا تعلق؟ اطاعت و عبادت و ذکر سے کیا نسبت؟ اور جو یہ باتیں آپ قرآن سے نکالتے ہیں، ان کو دین سے کیا مناسبت۔ وہ تو طحاہ و منافقہ نہ مفریات ہیں نہ معارف قرآنیہ و نکات۔ آپ کی اطاعت و عبادت و ذکر کا یہ حال ہے کہ مدت العمر جمعہ جماعت کا التزام نہیں رہا۔ آپ سے اور ذکر کیا ہوگا۔ نماز کے بعد تینتیس تینتیس دفعہ سبحان اللہ و الحمد للہ کہنا آپ کو نصیب نہیں ہوتا۔ آپ کو دس ہزار روپے مالیت کی ملکیت کا دعویٰ ہے، مگر کبھی کوۃ نہیں دی۔ اب تک حج کعبہ کی توفیق نہ ملی۔ اخلاق کا یہ حال ہے کہ بازاری اور فحش اور عامیانا نہ جالیوں سے آپ کا قلم و زبان نہیں بچ سکتے۔ آپ کا رسالہ شحہ حق و فیصلہ آسمانی وغیرہ تصانیف اور ہمارا جواب فیصلہ آسمانی وغیرہ پرچہ ہائے اشاعت السنہ جلد ۱۳ و ۱۴ ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے تو اس بیان کی پوری تصدیق و تائید کریں گے۔ ایسے اعتقادات و اخلاق و عبادات و طاعات والے اشخاص آکشاف معارف قرآنی کے محل ہوں تو پھر وہ معارف۔ یعنی رحمانی نہیں، شیطانی ہونگے۔ محمد حسن

اب ان تمام محامد سے جو قرآن کریم اپنی نسبت فرماتا ہے صاف اور صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقاصد عظیمہ کی آپ تفسیر فرماتا ہے اور اس کی بعض آیات بعض کی تفسیر واقعہ ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ اپنی تفسیر میں بھی حدیثوں کا محتاج ہے۔ بلکہ صرف ایسے امور جو سلسلہ تعامل کے محتاج تھے وہ اس سلسلہ کے حوالہ کر دئے گئے ہیں اور ماسوا ان امور کے جس قدر امور ہیں ان کی تفسیر بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ ہاں باوجود اس تفسیر کے حدیثوں کی رو سے بھی عوام کے سمجھانے کے لئے جو لا یمسہ کے گروہ میں داخل ہیں زیادہ تر

وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ لیکن جو اس امت میں الا المطہرون کا گروہ ہے وہ قرآن کریم کی تفسیروں سے کامل طور پر فائدہ حاصل کرتا ہے (ان فقرات میں مرزا قادیانی نے پہلے تو قرآن کا اپنی تفسیر میں احادیث کا محتاج نہ ہونا بیان کیا ہے۔ دوسرے فقرہ میں اس کو تعامل کا جو احادیث متعاملہ و سنن متوارثہ میں پایا جاتا ہے محتاج بنایا۔ یہ مرزا کے الفاظ ہیں جو اس کی تحریر نمبر ۸ میں ہیں، تیسرے فقرہ میں ذی زبان سے حدیث کا مفسر قرآن ہونا تسلیم کیا، چوتھے فقرہ میں پھر ہیئتہ ان کا مفسر قرآن نہ ہونا ظاہر کیا۔ اس سے مرزا صاحب کا مقصود یہ ہے کہ اگر جانب ثانی نے حدیث کا مفسر قرآن ہونا ثابت کر دیا تو میں کہوں گا کہ میں نے حدیث کے مفسر قرآن ہونے سے کب انکار کیا ہے، اور ایسا ہی آپ سے وقوع میں آیا ہے، اپنی تحریر نمبر ۸ میں ہم نے حدیث کا مفسر قرآن ہونا بشہادت قرآن و حدیث و آثار ثابت کیا تو اس کے جواب میں اپنی تحریر نمبر ۸ میں مرزا صاحب نے صاف کہہ دیا کہ میں نے کہاں اور کس جگہ کہا ہے کہ حدیث قرآن کی مفسر نہیں۔ الخ اور اگر جانب ثانی نے اس کا ثبوت پیش نہ کیا تو اس انکار کے ذریعہ سے ان احادیث کو اڑایا جائے گا جن کو تفصیل نزول حضرت مسیح وغیرہ میں پیش کیا جاتا ہے۔

ہم اس کے اس کلام سے اس کی غرض و مقصود کے مخالف نتیجہ نکال سکتے اور اس کو الزام دے سکتے ہیں۔ اس کے پہلے فقرہ کی رو سے اس کو حدیث کے مفسر قرآن ہونے سے منکر ہونے کا الزام دے سکتے ہیں، چنانچہ تحریر نمبر ۸ میں ہم سے وقوع میں آیا ہے، اور اس کے تیسرے فقرہ کی نظر سے اس کو حدیث کے مفسر قرآن ہونے کا قائل بنا کر اس پر ان احادیث سے الزام قائم کر سکتے ہیں جو نزول مسیح وغیرہ میں قرآن کی تفسیر کر رہے ہیں۔ فقرہ سوم کے برخلاف دوسرے اور چوتھے فقرہ میں جو قادیانی نے قرآن کا امور غیر متعاملہ میں اپنا مفسر آپ ہونا ان میں حدیثوں کی طرف محتاج نہ ہونا بیان کیا ہے، وہ محض غلط و خلاف واقعہ ہے۔ امور غیر متعاملہ کا بڑا حصہ وہ اعتقادات ہیں جو حالات برزخ اور واقع حشر و نشر و صفات بہشت و دوزخ میں وارد ہیں۔ ان کی تفصیل و تفسیر جو احادیث میں وارد ہے، اور اہل اسلام کے مختلف فرقوں میں وہ اتفاق کے ساتھ مسلم چلے آئے ہیں وہ قرآن میں کہیں نہیں ہیں۔ مرزا وہ تفصیل و تقاسیر، قرآن سے نکال دے تو ہر ایک امر کی تفصیل پر ہم سے پانچ روپہ انعام لے۔ ورنہ ندامت کے ساتھ ان فقرات ۲ و ۱۰ کو واپس لے۔ قادیانی اور اس کے اتباع نے صرف احادیث متعلقہ نزول مسیح کو ناقابل تفسیر قرآن بنانے کی غرض سے تفسیر قرآن ہونے کیلئے احادیث متعلقہ اعمال کو مخصوص کیا اور جملہ احادیث متعلقہ اعتقاد کو ناقابل تفسیر قرار دیا اور یہ خیال نہ کیا کہ اس اصول پر جملہ احادیث متضمنہ تفصیل برزخ و حشر و نشر و احوال جنت و احوال دوزخ مہمل بیکار ہو جائے گی۔ (محمد حسین) لیکن اس امر کا زیادہ لکھنا چند اہل ضروری نہیں (اس بات میں جو کچھ مرزا صاحب نے لکھا ہے وہ کو نسا ضروری امر تھا۔ اس کے بیان میں بھی آپ نے خر و خ از اصل بحث و مطلب کہا۔ جس کی یہ سہولتیں دفعہ ہے۔ اور ضروری امر تو صرف اسی قدر ہے کہ ہر ایک حدیث مخالف ہونے کی حالت میں قرآن کریم پر پیش کرنی چاہیے کیونکہ مخالفت معلوم و ثابت ہو جائے تو پھر عرض کی کیا حاجت ہے۔ عرض تو قائلین عرض کے نزدیک بھی قبل از علم مخالفت و موافقت ہونا چاہیے۔ مرزا صاحب کے اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سخن فہمی میں ایسے طاق ہیں کہ اپنی کام کا مطلب بھی نہیں سمجھتے۔ اور پھر یہ دعویٰ کہ البام و تفہیم الہی میرے شامل حال ہے اور روح القدس ان کا رہبر ہے۔ لا حول و لا قوۃ محمد حسین) چنانچہ یہ امر ایک مشکوٰۃ کی حدیث سے بھی حسب مشابہت بخوبی طے ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے: عن الحارث الاعور فاذا الناس يخوضون في الاحاديث فدخلت على علي فاخبرته فقال او قد فعلوها قلت نعم قال امانى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول

الا نها ستكون فتنة قلت ما لمرح عنها يا رسول قال كتاب الله فيه خبر ما قبلكم و خبر ما بعدكم و حكم بينكم هو الفصل ليس بالهزل من تركه من جبار قصمه الله و من ابتغى الهدى في غيره اضله الله و هو حبل الله المتين.... من قال به صدق و من عمل به اجر و من حكم به عدل و من دعا اليه هدى الى صراط مستقيم ، یعنی روایت ہے حارث اعمور سے کہ میں مسجد میں ، جہاں لوگ بیٹھے تھے اور حدیثوں میں خوش کر رہے تھے ، گذرا۔ سو میں یہ بات دیکھ کر کہ لوگ قرآن کو چھوڑ کر دوسری حدیثوں میں کیوں لگ گئے ، حضرت علیؑ کے پاس گیا اور ان کو یہ خبر دی۔ حضرت علیؑ نے مجھے کہا کہ کیا سچ مچ لوگ احادیث کی خوش میں مشغول ہیں (اس بات کا ہماری تحریر ہشتم میں کافی جواب دیا گیا ہے یہاں ناظرین دیکھیں کہ مرزا قادیانی نے لفظ احادیث سے مراد احادیث نبویہ لیا ہے ، جو ایک تحریف ہے اور اس تحریف سے اس نے وہ نتیجہ نکالا ہے جو اگلے حاشیے میں ہے۔ محمد حسین) اور قرآن کو چھوڑ بیٹھے ہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ تب حضرت علیؑ نے مجھے کہا کہ یقیناً سمجھ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ عنقریب ایک فتنہ ہوگا ، یعنی دینی امور میں لوگوں کو غلطیاں لگیں گی اور اختلاف میں پڑیں گے اور کچھ کا کچھ سمجھ بیٹھیں گے تب میں نے عرض کیا کہ اس فتنہ سے رہائی کیوں کر ہوگی۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ کتاب کے ذریعہ سے رہائی ہوگی۔ اس میں تم سے پہلوں کی خبر موجود ہے اور آنے والے لوگوں کی بھی خبر ہے اور جو تم میں تنازعات پیدا ہوں گے ان کا ان میں فیصلہ موجود ہے۔ وہ قبول فصل ہے ، ہزل نہیں۔ جو شخص اس کو جباروں میں سے ترک کرے گا خدا تعالیٰ اس کو ہلاک کرے گا اور جو شخص اسکے غیر میں ہدایت ڈھونڈے گا اور اسکو حکم نہیں بنائے گا ، خدا اس کو گمراہ کرے گا۔ وہ حبل اللہ المتین ہے جس نے اسکے حوالہ سے کوئی بات کہی اس نے سچ کہا اور جس نے اس پر عمل کیا وہ ماجور ہے اور جس نے اس کی رو سے حکم کیا ، اس نے عدالت کی اور جس نے اسکی طرف بلایا اس نے راہ راست کی طرف بلایا رواہ الترمذی و الدارمی ۔

اب ظاہر ہے کہ اس حدیث میں صاف اور صریح طور پر خبر دی گئی ہے کہ اس امت میں فتنہ ہو جائے گا اور لوگ طرح طرح کے مذہب نکال لیں گے اور انواع اقسام اختلافات اس امت میں باہم پڑ جائیں گے۔ تب اس فتنہ سے مخلصی پانے کے لئے قرآن کریم ہی وسیلہ ہوگا ، جو شخص اس کو محکم اور معیار اور میزان قرار

دے گا وہ بیچ جائے گا اور جو شخص اس کو محک قرار نہیں دے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

اب ناظرین انصاف فرمائیں۔ کیا یہ حدیث باواز بلند نہیں پکارتی کہ احادیث وغیرہ میں جس قدر اختلافات باہمی پائے جاتے ہیں ان کا تصفیہ قرآن کریم کی رو سے کرنا چاہیے (اس نتیجہ کا ماخذ و مولد وہی تریف ہے جو لفظ احادیث کے ترجمہ میں مرزا صاحب نے کی ہے اور درحقیقت کسی مسلمان کے نزدیک اس حدیث میں لفظ احادیث سے احادیث نبویہ، جو وحی غیر منلو ہوتی ہے، مراد نہیں۔ بلکہ احادیث کے لغوی معنی لوگوں کی باتیں ہیں، جو وہ اس وقت کر رہے تھے۔ اس کی تفصیل ہماری تحریر نمبر ۸ میں ہے اور لفظ حدیث کے لغوی کی معنی تفصیل و تشریح تحریر بقا دیبانی نمبر سوم کے حواشی میں ہو چکی ہے۔ محمد حسین) ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ اسلام میں تہمت فرقہ ہو گئے ہیں۔ ہر ایک اپنی طرز کی حدیثیں پیش کرتا ہے اور دوسرے کی حدیثوں کو ضعیف اور موضوع قرار دیتا ہے (یہ محض غلط و مغالطہ ہے۔ جو اختلاف امت محمدیہ کے بہتر فرقوں نے فرقہ اہلسنت و جماعت سے کیا ہے وہ احادیث کی طرف رجوع کرنے پر مبنی نہیں ہے بلکہ وہ اختلاف احادیث کو چھوڑ کر قرآن سے تمسک کرنے پر مبنی ہے، جیسا کہ آج کل مرزا قادیانی کر رہا ہے۔

معتزلہ جو معانی گناہوں کے لئے شفاعت انبیاء سے منکر ہیں وہ اس انکار پر ان آیات قرآن سے تمسک کرتے ہیں جن میں قیامت کے دن شفاعت نہ ہونے کا ذکر ہے لا بیع و لا خلة و لا شفاعة۔ بقرہ۔ ع ۲۴۔ اگر وہ اس باب میں حدیث کی طرف رجوع کرتے اور اس میں یہ صاف تصریح پاتے کہ آنحضرت ﷺ خدا کے اذن سے شفاعت کریں گے اور آپ کی شفاعت کا مستحق وہ شخص ہے جو مشرک نہ ہو اور آپ ﷺ کی شفاعت آپ کی امت یعنی مسلمان گناہوں کیلئے ہے۔ تو وہ انکار شفاعت سے بچ جاتے۔ استنا ذن علی ربی فی دارہ فیو ذل لی علیہ فاذا رایتہ وقعت ساجداً فیدعی ما شاء اللہ ان یدعی فیقول ارفع محمد راسک و قل تسمع اشفع اشفع متشفع متفق علیہ۔ مشکوٰۃ ص ۴۸۰۔

اور آیات نئی شفاعت کے یہ معنی کرتے کہ وہ کافروں سے مخصوص ہیں جن کیلئے خدا تعالیٰ اذن شفاعت نہ دے گا اور نہ انہیں ان کیلئے شفاعت کریں گے۔ شیعہ وغیرہ جو قیامت کے دن دیدار خدا سے منکر ہیں وہ اس انکار پر اس آیت قرآن سے تمسک کرتے ہیں: لا تدرکہ الا بصار و هو یدرک الا بصار۔ انعام۔ ع ۱۳۔ کہ خدا تعالیٰ کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ پاتی۔ اور اگر وہ اس باب میں اس حدیث کی طرف رجوع کرتے قال جریر بن عبد اللہ کنا عند النبی ﷺ اذ نظر الی القمر لیلۃ البدر فقال اما انکم سترون ربکم کما ترون ہذا لا تضامون فی رویتہ۔ (بخاری ص ۸۱)۔ کہ تم خدا کو ایسا دیکھو گے جیسا چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو۔ تو خدا کے دیدار کے قائل ہو جاتے اور اس آیت کے معنی یہ کرتے کہ دنیا کی آنکھیں خدا کو نہیں دیکھتی یا اس کے کدے کو نہیں پا سکتیں۔

خوارج جو گناہ کے سبب مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں تو وہ اس تکفیر پر اس آیت قرآن سے تمسک کرتے ہیں جس میں ذکر ہے کہ جو شخص مومن کو عمداً قتل کرے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ و من یقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤہ جہنم خالداً فیہا۔ نساء ع ۱۳، اور اگر وہ اس باب میں حدیث کی طرف رجوع کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ: قال رسول اللہ و یخرج من النار من قال لا الہ الا اللہ و فی قلبہ وزن ذرۃ من خیر فقال ابو عبد اللہ قال ابان حد ثنا قتادہ حد ثنا انس عن النبی ﷺ من ایمان مکان خیر (بخاری ص ۱۱) کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص لا الہ الا اللہ کہے گا اور اس کے دل میں ذرہ کے برابر ایمان ہوگا وہ دوزخ سے نکالا



جائے گا اور بہشت میں داخل ہوگا۔ تو خوارج مومن کو گناہ کے سبب خارج از ملت نہ کہتے اور اس آیت کے معنی وہ یہ کرتے کہ جو شخص مومن کو اس کے مومن ہونے کی نظر سے مارے اور ایمان کو برا سمجھے وہ ہمیشہ آگ میں رہے گا،

مختر لہ جو الہامات وغیرہ کرامات اولیاء سے منکر ہیں تو وہ اس انکار پر اس آیت قرآن سے تمسک کرتے ہیں: و لا یظہر علی غیبہ احداً الا من ار تضى من رسول کہ خدا تعالیٰ اپنے غیوب پر بجز رسول کسی کو مطلع نہیں کرتا، اگر وہ حدیث کی طرف رجوع کرتے اور ان میں بہت سے مواقع پر غیر نبی کا بعض امور پر خدا کی طرف سے مطلع کیا جانا (جیسے حضرت عبداللہ، والد جابر کا جنگ احد میں سب سے پہلے اپنے شہید ہونے پر مطلع ہونا۔ یا حضرت عمر کا کئی منزلوں کے فاصلہ سے حضرت ساریہ کے جنگ میں بے موقع کھڑا ہونے کو دیکھ لینا وغیرہ) اور دیگر برکات و کرامات کو دیکھتے تو الہامات و کرامات اولیاء اللہ کے قائل ہو جاتے اور اس نئی کو جو آیت سے مفہوم ہوتی ہے، اس حالت و کیفیت پر جس سے انبیاء مطلع کئے جاتے ہیں، یعنی وحی و جبراست ملائکہ پر محمول کرتے۔

عن جابر قال لما حضر احد دعا نبی من اللیل فقال لا ارا نبی الا مقتولاً فی اول من یقتل من اصحاب النبی ﷺ و انی لا اترك بعدك اعز علی منک غیر نفس رسول رسول الله ﷺ و ان علی دیناً فاقض و استوص باخوانک خیرا فاصبحنا فکان .. اول قتیل . ( رواہ البخاری )

و عن ابن عمر ان عمر بعث جیشا و امر علیہم رجلاً تدعی ساریة بینما عمر یخطب فجعل یصیح یا ساری الجبل فقدم رسول من الجیش فقال یا امیر المؤمنین لقینا عدو نا فہزمنا فاذا بصائح یصیح یا ساری الجبل فاسندنا ظہرنا الی الجبل فہزمنا اللہ تعالیٰ . رواہ البیہقی . ( مشکوٰۃ )

اس کے نظائر اور بہت ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ ہائے ضالہ سے جو فرقہ گمراہ ہوا ہے وہ اس سب سے گمراہ ہوا ہے کہ اس فرقہ نے حدیث شارح قرآن کو چھوڑ کر صرف قرآن سے تمسک کیا کیا ہے۔ اور ان کے مقابلے میں فرقہ ہائے اہل سنت اس ضلالت سے اسی سبب سے بچے رہے کہ وہ ان مسائل میں احادیث کی طرف رجوع کر کے قرآن کا وہ مطلب سمجھتے ہیں جو اس کے شارح و مفسر احادیث سے ثابت و مفہوم ہوتا ہے۔ اور وہی مطلب قرآن اس امت کے سلف صحابہ نے سمجھا ہے اور اس وجہ سے اس فرقہ کا نام اہل سنت و جماعت رکھا گیا۔ اس نام میں سنت سے مراد آنحضرت ﷺ کا قول و فعل و تقریر ہے جس کا دوسرا نام حدیث قول و فعلی و تقریری ہے اور جماعت سے صحابہ کی جماعت مراد ہے جن کے اقوال و تقریرات کتب حدیث میں مروی ہیں۔

ہمارے اس بیان سے صاف اور قطعی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس وقت اور آئندہ بھی اس ضلالت سے وہی شخص بچے گا جو ذوالوجہ آیات قرآن کا مطلب حدیث صحیح سے سمجھے گا اور جو شخص احادیث کو چھوڑ کر ایسی آیات کا مطلب اپنے فکر ناروا، و فہم ناراسے کچھ قرار دے گا وہ یقیناً گمراہ ہوگا اور سیدھا جہنم کو جائے گا۔ اسی نظر سے حضرت فاروق اعظم نے فرمایا: انہ سیاتى ناس یجا دلو نکم بشبہات القرآن فخذوہم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ ( سنن دارمی ) کہ جو لوگ قرآن کی مثلثا بہ آیتیں پیش کریں ان کو احادیث سے پکڑو کیونکہ حدیث والے قرآن خوب جانتے ہیں۔ اور سعید بن جبیر نے ایک دن ایک حدیث بیان کی تو ایک شخص نے کہا کہ قرآن میں اس حدیث کا خلاف ہے، تو اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت ﷺ کی حدیث پڑھتا ہوں اور تو اس کے مقابلے میں قرآن پیش کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ، جنہوں نے یہ حدیث فرمائی ہے، تجھ سے بڑھ کر قرآن جاننے والے تھے۔ یعنی یہ حدیث مخالف قرآن ہوتی تو آپ ﷺ نہ فرماتے۔

و عن سعید بن جبیر انہ حدثت یوماً بحدیث عن النبى ﷺ فقال رجل فی کتاب اللہ ما یخالف هذا . قال الا

ارانی احد تک عن رسول الله و تعرض فيه بكتاب الله. كان رسول الله ﷺ اعلم بكتاب الله منك - (دار می) اور اسی نظر سے امت محمدیہ کا اس پر اتفاق ہے، چنانچہ شعرانی نے منہج میں نقل کیا ہے: اجتمعت الامة على ان السنة قاضية على كتاب الله كسنت، كتاب اللہ کی وجوہات مختلفہ کا فیصلہ کرنے والی ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ کے پاس حدیث پڑھی جارتی تھی، ایک شخص وہاں آیا اور کہنے لگا ان احادیث کو چھوڑو۔ اس پر حضرت امام نے اس کو سخت جھڑکا اور فرمایا کہ حدیث نہ ہوتی تو ہم قرآن نہ سمجھتے: دخل عليه مرة رجل و الحدیث یقره عنده فقال الرجل دعونا عن هذه الاحادیث فزجره الامام اشد الزجر و قال لولا السنة ما فهم احدنا القرآن -

مرزا قادیانی جو اس وقت قرآن، قرآن کہہ کر لوگوں کو حدیث سے مستغنی و بے اعتقاد کر رہا ہے اور حتماء و جہلا و کودام میں لا رہا ہے تو اس کا اصل مقصود یہی ہے کہ لوگ قرآن کی ذوالوجہ آیات کے جو معنی چاہیں کریں اور اصلی دین قدیم و صراط مستقیم کو جس پر اہل سنت و جماعت کو چلنے کی توفیق ملی ہے چھوڑ کر طغرل و مردہ ہو جائیں اور کم سے کم اہل بدعت و ضلالت تو بنیں۔ ورنہ درحقیقت اس کو قرآن سے بھی کوئی اعتقاد نہیں ہے۔ قرآن کو وہ لائق اتباع سمجھتا تو اس کی متعدد آیات متفاہتہ معجزات منج و غیرہ کو صرف عقل کے مخالف سمجھ کر کیوں ترک کرتا؟ محمد حسین)

چنانچہ دیکھنا چاہیے کہ خود حنفیوں کے بخاری و مسلم کی تحقیق احادیث پر کس قدر اعتراض ہیں تو اس حالت میں کون فیصلہ کرے؟ آخر قرآن ہی ہے کہ اس گرداب سے اپنے مخلص بندوں کو بچاتا ہے اور اسی عروہ و قنی کے پناہ سے سچے طالب ہلاک ہونے سے بچ جاتے ہیں (حنفی کی مخالفت احادیث بخاری سے وجہ اجتہاد یہ پرتی ہے چنانچہ ہماری تحریر ۸ میں مفصل بیان ہوا ہے۔ مرزا میں کچھ شرم و حیا ہے تو بتا دے کہ علماء حنفیہ کو بخاری کی کس حدیث کی سخت پر اعتراض ہے اور وہ کیا ہے۔ محمد حسین)

اور آپ نے جو یہ دریافت فرمایا ہے کہ اس مذہب میں تمہارا کوئی دوسرا ہم خیال بھی ہے؟ تو اس میں یہ عرض ہے کہ تمام لوگ جو اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ قرآن کریم درحقیقت حکم اور رہنما اور امام اور مہین اور فرقان اور میزبان ہے، وہ سب میرے ساتھ شریک ہیں۔ اگر آپ قرآن کریم کی ان عظمتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ بھی شریک ہیں۔ (قرآن مجید کو عام مسلمان حکم، رہنما، مہین، فرقان وغیرہ جانتے ہیں۔ مگر خاص کر ان باتوں کے فیصلہ کیلئے جو لوگ اپنی رائے سے کریں اور ان میں ان کا باخود ہا اختلاف ہو، نہ حدیث صحیح نبوی مسلم الصحیح کی سخت پر کھنکھیلنے جو جی غیر ملکہ کھلاتی ہیں، اور وہ ہمیشہ موافق و مثل قرآن ہوتی ہے، نہ مخالف قرآن۔ مرزا صاحب بار بار یہ دعویٰ تحریر میں لاتے ہیں تو ہم کبھی بار بار اس کا یہی جواب دینا پڑتا ہے۔ محمد حسین)

اور جن لوگوں نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک فتنہ واقعہ ہونے والا ہے، اس سے خروج و جرد و ریعہ قرآن کریم ممکن نہیں، وہ لوگ بھی میرے ساتھ شریک ہیں (اس حدیث میں یہ بیان نہیں ہے کہ حدیث صحیح کے فتنہ سے جرد و ریعہ قرآن نجات ممکن نہیں ہے۔ یہ مطلب مرزا صاحب نے لفظ حدیث کے معنی میں تحریف و الحاد اختیار کر کے نکالا ہے لہذا اس حدیث کے بیان کرنے والے، گو کیسے ہی قوی یا ضعیف ہوں، آپ کے ساتھ نہیں ہیں۔ محمد حسین)۔ اور عمر فاروق جس نے کہا تھا

حسبنا کتاب اللہ وہ بھی میرے ساتھ شریک ہیں ( عمر فاروق کے قول مذکور کے یہ معنی نہیں کہ حدیث چھوڑ کر قرآن کا بر ہے، چنانچہ ہماری تحریر نمبر ۸ میں اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ لہذا حضرت عمر بھی آپ کے ساتھ نہیں۔ محمد حسین) اور دوسرے بہت سے اکابر ہیں جن کے ذکر کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیے۔ صرف نمونہ کے طور پر لکھتا ہوں۔

تفسیر حسینی میں زیر تفسیر و اقیمو الصلوٰۃ و لا تکونوا من المشرکین لکھا ہے کہ کتاب تیسیر میں شیخ محمد بن اسلم طوسی سے نقل کیا ہے کہ جو کچھ مجھ سے روایت کرو اس کو پہلے کتاب اللہ پر عرض کر لو، اگر وہ حدیث کتاب اللہ کے موافق ہو تو وہ حدیث میری طرف سے ہوگی، ورنہ نہیں۔ سو میں نے اس حدیث کو کہ من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر قرآن سے مطابقت کرنا چاہا اور تیس سال سے اس بارے میں فکر کرتا رہا تو مجھے یہ آیت ملی و اقیمو الصلوٰۃ و لا تکونوا من المشرکین۔ اب چونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ پہلوں میں سے کسی ایک کا نام لو جو قرآن کریم کو محکم ٹھہراتا ہو، سو میں نے بحوالہ مذکورہ بالا ثابت کر دیا، تو اب آپ کو ضد چھوڑ کر مان لینا چاہیے (صاحب تفسیر حسینی یا شیخ طوسی نے نہ حدیث من ترک الصلوٰۃ کی صحت لفظی کو قرآن سے پرکھا ہے اور نہ اس کو عام اصول ٹھہرایا ہے چنانچہ ہماری تحریر نمبر ۸ میں بہ تفصیل ثابت کیا گیا ہے۔ لہذا یہ دونوں صاحب بھی مرزا قادیانی کے موافق نہیں ہیں اور ان کے قول و فعل سے مرزا کا مذہب ثابت نہیں ہوتا۔ اب انہی کو مناسب کہ اپنی ضد چھوڑ دیں۔ محمد حسین) اور صاف ظاہر ہے کہ چونکہ وہ تمام حدیثیں جو سلسلہ تعامل کی تقویت یا ب نہیں، صرف ظن یا شک کے درجہ میں ہیں (شک کے لفظ کو ناظرین دیکھیں اور پھر جملہ احادیث پر، جس میں صحیحین داخل ہیں، بلکہ خاص مقصود بالجہم ہے، مرزا صاحب کے شکلی (مشکوٰۃ) ہونے کا حکم لگانے کو ملاحظہ فرمائیں، یہ صحت صحیحین پر ان کا ستر ہواں حملہ ہے۔ محمد حسین) ان حدیث کی تحقیقاتیں ان کے ثبوت، کامل درجہ تک نہیں پہنچا سکیں (وہ تحقیقاتیں مثبت صحت کامل نہیں تو پھر موافقت قرآن، جو ایک موضوع حدیث کو بھی حاصل ہے، ان کو کامل صحت تک کیونکر پہنچا سکتے ہیں۔ محمد حسین) اس صورت میں اس محکم مقدس سے ان کی تصحیح کیلئے مدد نہ لیں تو گویا ہم ہرگز نہیں چاہتے کہ وہ حدیثیں صحت کاملہ کے درجہ تک پہنچ سکیں۔

میں متعجب ہوں کہ آپ اس بات کے ماننے سے کیوں اور کس وجہ سے رکتے ہیں کہ قرآن کریم ایسی احادیث کے لئے محکم و معیار ٹھہرایا جائے۔ کیا آپ قرآن کریم کی ان خوبیوں کے بارے میں، کہ وہ محکم اور معیار اور میزان ہے، کچھ شک میں ہیں؟ (یہاں مرزا صاحب لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں ورنہ وہ جانتے ہیں۔ اور اپنے پرچہ نمبر ۵ میں

مان چکے ہیں کہ ہمیں قرآن کی خوبیوں کی تسلیم میں کچھ شک نہیں بلکہ اس کا اقبال ہے۔ آپ کی تحریر نمبر ۵ اور ہماری تحریر نمبر ۸ ملاحظہ ہو۔ محمد حسین)

آپ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بخاری و مسلم کے صحیح ہونے پر اجماع ہو چکا ہے۔ اب ان کو بہر حال آنکھیں بند کر کے صحیح مان لینا چاہیے۔ لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ اجماع کن لوگوں نے کیا ہے اور کس وجہ سے واجب العمل ہو گیا ہے (حدیث صحیحین کے واجب العمل ہونے کو تو مرزا صاحب بارہا مان چکے ہیں۔ اپنے اشتہار یکم اگست ۱۸۹۱ء وغیرہ میں جلی قلم سے لکھ چکے ہیں کہ میں صحیحین کو مانتا ہوں بخاری کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ یقین کرتا ہوں اور واجب العمل مانتا ہوں۔ انہیں شک ہے تو وجوب اعتقاد میں ہے نہ وجوب عمل میں جو ظنیات پر بھی جائز ہے۔ پھر یہ سوال معاندانہ ہے؟ یا وہ اقبال منافقانہ؟ بیذا تو جرو۔ اس کے جواب میں جو شوق اختیار کریں گے اس سے مرزا صاحب کی قلمی کھل جائے گی۔ محمد حسین)

دنیا میں خفی لوگ پندرہ کروڑ کے قریب ہیں، وہ اس اجماع سے منکر ہیں۔ ماسوا اسکے آپ صاحبان بھی فرمایا کرتے ہیں کہ حدیث کو بشرط صحت ماننا چاہیے۔ اور قرآن کریم پر بغیر کسی شرط کے ایمان لانا فرض ہے۔ اب اگرچہ اس بات پر تو ہمارا ایمان ہے کہ جو حدیث ثابت ہو جائے وہ واجب العمل ہے، لیکن اس بات پر ہم کیوں کر ایمان لے آویں کہ ہر ایک حدیث بخاری و مسلم کی بغیر کسی شک و شبہ کے واجب العمل ماننی چاہیے۔ یہ وجوب کس سند شرعی یا نص صریح سے پیدا ہوتا ہے کچھ بیان تو کیا ہوتا؟ (یہ مرزا صاحب کا بخاری و مسلم کو شک و مشتبہ کہنا اور ان کے واجب العمل ہونے پر ایمان نہ لانے کا اقرار ہی ہونا، صاف یقین دلاتا ہے کہ جو اشتہار یکم اگست ۱۸۹۱ء وغیرہ میں انہوں نے وجوب عمل کا اقرار کیا ہے، وہ منافقانہ اقرار ہے اور درحقیقت وہ ان کتابوں کی جملہ حدیثوں کو واجب العمل نہیں سمجھتے اور وجوب عمل کے قائل ہونے کو ایک غلط دُبے دلیل امر جانتے ہیں۔ یہ صحیحین پر ان کا اٹھارہواں حملہ ہے۔ محمد حسین)

تفسیر فتح العزیز میں فلا تجعلوا لله انداداً و انتم تعلمون کے تحت لکھا ہے:

چنانچہ عبادت غیر خدا مطلق شرک و کفرست اطاعت غیر او تعالیٰ نیز بالاستقلال کفرست و معنی اطاعت غیر بالاستقلال آنست کہ ربقہ تقلید او در گردن اندازد و تقلید او لازم شمارد با وجود ظہور مخالفت حکم او بحکم او تعالیٰ (یہ کھلم کھلا اشارہ ہے کہ محدثین کی تقلید بے دلیل سے احادیث صحیحین کو صحیح ماننے والے کافر ہیں کیونکہ وہ اس تسلیم و صحت میں غیر خدا کی اطاعت کرتے ہیں، جس میں حکم خدا یعنی قرآن کی مخالفت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ بخاری و مسلم کی بہت سی حدیثیں مخالف قرآن ہیں۔ یہ بخاری و مسلم پر مرزا قادیانی کا انیسواں حملہ ہے جس میں اس نے بخاری و مسلم کو صحیح ماننے والوں کو بھی شامل کر لیا ہے۔ محمد حسین)

اور مولوی عبداللہ صاحب غزنوی مرحوم بھی اپنے ایک خط میں، جو آپ ہی کے نام ہے، جو لا ہور کی گول سڑک کے باغ میں آپ نے مجھے دیا تھا، قرآن کریم کی نسبت چند سطریں اسی امر کی تائید میں لکھتے ہیں

اور وہ یہ ہیں: فقیر را از ابتداء حال میلان بکلام رب عزیز بود و دعا کردم کہ یا الہ العالمین دروازہ ہائے کلام خود بریں عاجز باز کنید۔ سالہا شد و معصیت بسیار شد تا بحدے کہ ہر جا کہ میرفتم بلو امیشد و دل تنگ شد ناگاہ القاشد قد نری تقلب و جہک فی السماء فلنولینک قبلۃ ترضاہا بعد ازاں رد بقرآن شد و آیاتیکہ در باب بوجہ بقرآن بود القامے شد مانند اتبعوا ما انزل الیکم و لا تتبعوا من دونہ اولیاء و امثال آن تا بحدے کہ یک روز دیدم کہ قرآن مجید پیش روئم نہادہ شد القاء شد ہذا کتابی ہذا کتابی و ہذا عبادی فاقرئوا کتابی علی عبادی

پس یہ آیت کہ مولوی صاحب اپنے القاء کی رو سے ذکر فرماتے ہیں کہ اتبعوا ما انزل الیکم کیسی فیصلہ کرنے والی آیت ہے۔ جس سے صریح اور صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اول توجہ مومن کی قرآن کریم کی طرف ہونی چاہیے پھر اگر اس توجہ کے بعد کسی حدیث یا قول کو من دونہ میں داخل دیکھے تو اس سے منہ پھیر لیوے (حضرت شیخنا مولانا عبداللہ غزنوی مرحوم کے خط میں یہ تصریح کجا، اشارہ بھی نہیں پایا جاتا کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث صحیح من دونہ میں داخل ہے۔ صحیحین کو اور دوسری کتب کی احادیث صحیحہ کو وہ نصب العین رکھتے۔ اور مدت العمر اپنا دستور العمل بنائے ہوئے تھے۔ کسی حدیث صحیحین کو انہوں نے مخالف قرآن دے کر من دونہ میں کبھی داخل نہیں کیا۔ یہ امر ان کے احباب و اصحاب و اولاد میں سے کسی نے ان سے نقل نہیں کیا۔ مرزا قادیانی نے ان پر افتراء کیا ہے۔ محمد حسین)

پھر آپ مجھ سے دریافت فرماتے ہیں، بلکہ مجھے الزام دیتے ہیں کہ میں نے مسلم کی حدیث کو اس وجہ سے ضعیف ٹھہرایا ہے کہ بخاری نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ اس کے جواب میں میری طرف سے یہ عرض ہے کہ موضوع ہونا کسی حدیث کا اور بات ہے، اور اس کا ضعیف ہونا اور بات۔ اور چونکہ دمشق حدیث ایک ایسی حدیث ہے جو اس کے متعلق کی حدیثیں بخاری نے اپنی کتاب میں لکھی ہیں مگر اس طولانی حدیث کو چھوڑ دیا ہے، اس لئے بوجہ تعلقات خاصہ اس حدیث کے جو دوسری حدیثوں سے ہیں یہ شک ہرگز نہیں ہو سکتا کہ بخاری صاحب اس حدیث کے مضمون سے بے خبر رہے ہیں، بلکہ ذہن اسی بات کی طرف انتقال کرتا ہے کہ انہوں نے اپنی رائے میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے (ہماری تحریر نمبر ۸ میں بتفصیل ثابت ہے کہ ضعیف و موضوع ہونا مرزا کے نزدیک ایک ہے اور آپ مسلم کی اس حدیث کو موضوع جانتے ہیں۔ محمد حسین) سو یہ میری طرف سے ایک اجتہادی امر ہے، اور میں ایسا ہی سمجھتا

ہوں اس کو موضوع ہونے سے کچھ تعلق نہیں اور یہ بحث اصلی بحث سے خارج ہے، اسلئے میں اس میں طول دینا نہیں چاہتا۔ آپ کا اختیار ہے جو چاہیں رائے قائم کریں، پر کھنے والے خود میری اور آپ کی رائے میں فیصلہ کر لیں گے، میرے پر اس امر کا کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔

اور پھر آپ نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۲۶ کا حوالہ دے کر ناحق ایک طول اپنی کلام کو دیا ہے۔ میری اس تمام کلام کا ہرگز مطلب یہ نہیں ہے کہ میں نے فیصلہ کے طور پر کسی حدیث مسلم یا بخاری کو موضوع قرار دے دیا ہے (یہی مطلب ہے اور مرزا صاحب نے اچھے طور سے احادیث صحیحین متعلقہ دجال کو موضوع قرار دیا ہے۔ ہماری تحریر نمبر ۸ ملاحظہ ہو۔ محمد حسین)۔ بلکہ میرا مطلب صرف تناقض کو ظاہر کرنا ہے اور یہ دکھانا ہے کہ اگر تناقض کو دور نہ کیا جائے تو پھر دونوں طور کی حدیثوں میں سے ایک کو موضوع ماننا پڑے گا۔ سو میرے اس بیان میں فیصلہ کے طور پر کوئی حکم قطعی نہیں کہ درحقیقت بلا ریب فلاں حدیث موضوع ہے، بلکہ میرا تو ابتداء سے مذہب یہی ہے کہ اگر حدیث کی قرآن قریم سے کسی طور سے تطبیق نہ ہو سکے تو وہی حدیث موضوع ٹھہرے گی یا وہ حدیثیں جو سلسلہ تعامل کے متواترہ حدیثوں سے یا جو ایسی حدیثوں سے مخالف ہوں جو کہی اور کہنی طور پر اپنے ساتھ کثرت اور قوت رکھتی ہیں، وہ موضوع ماننی پڑے گی۔ اگر میں کسی حدیث کو مخالف قرآن ٹھہراؤں اور آپ اس کو موافق قرآن کر کے دکھلا دیں تو میں اگر فرض کے طور پر اس کو موضوع بھی قرار دوں، تب میں عندالتطابق اپنے مذہب سے رجوع کر لوں گا، میری غرض تو صرف اسی قدر ہے کہ حدیث کا قرآن کریم سے مطابق ہونا چاہیے۔ ہاں اگر سلسلہ تعامل کی رو سے کسی حدیث کا مضمون قرآن کے کسی خاص حکم سے بظاہر منافی معلوم ہو تو اس کو بھی تسلیم کر سکتا ہوں کیونکہ سلسلہ تعامل حجت قوی ہے (احادیث سلسلہ تعامل سے مرزا صاحب کی مراد وہ احادیث ہیں جو متعلق عمل ہیں، جن میں احادیث متعلقہ فروعات اختلافی بھی داخل و شامل ہیں، ایسی احادیث کو باوجود مخالف قرآن قطعی حجت ماننا اور احادیث متعلقہ اعتقاد کو، کہ از انجملہ احادیث نزول مسیح و خروج دجال ہیں، مخالف قرآن قرار دے کر غیر قطعی قرار دینا، مرزا صاحب ہی کا کام ہے، جو نہ قطعی و یقینی کے معنی جانتے ہیں، نہ تفاوت مراتب احکام و عقائد سے واقف ہیں۔ اس امر کی تشریح اس کی تحریر نمبر ۸ کے جواب میں ہم کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ محمد حسین)۔ میرے نزدیک، بہتر ہے کہ آپ ان باتوں کے ذکر کو جانے دیں اور اس ضروری بات پر توجہ کریں کہ کیا ایسی حالت میں جب کہ ایک حدیث، صریح قرآن کریم کے مخالف ہو اور سلسلہ تعامل سے باہر، تو اس وقت کیا کرنا چاہیے۔ میں

آپ پر اپنا اعتقاد بار بار ظاہر کرتا ہوں کہ صحیح بخاری اور مسلم کی حدیثوں کو یوں ہی بلاوجہ ضعیف اور موضوع قرار نہیں دے سکتا، بلکہ میرا ان کی نسبت حسن ظن ہے۔ ہاں جو حدیث قرآن کریم کے مخالف معلوم ہو اور کسی طرح اس سے مطابقت نہ کھا سکے میں اس کو ہرگز من جانب رسول کریم یقین نہیں کروں گا جب تک کوئی مجھ کو مدلل طور پر سمجھانہ دیوے کہ درحقیقت کوئی مخالفت نہیں۔ ہاں سلسلہ تعالٰی کی حدیثیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کو حدیث کا معیار صحت ٹھہرانے میں کوئی علمائے سلف میں سے تمہارے ساتھ نہیں، سو حضرت میں تو حوالہ دے چکا، اب ماننا نہ ماننا آپ کے اختیار میں ہے۔

پھر آپ مجھ سے اجماع کی تعریف پوچھتے ہیں (میں نے مرزا سے یہ نہیں پوچھا کہ ان کے نزدیک اجماع کی تعریف کیا ہے۔ بلکہ یہ تین سوال تھے: ۱۔ تعریف اجماع جو آپ نے کی، وہ کس کتاب میں ہے۔ ۲۔ بعض صحابہ کے اتفاق کو اجماع کون کہتا ہے۔ ۳۔ باقی صحابہ کے سکوت پر نقل کی شہادت کہاں ہے، مرزا صاحب نے ان سوالات کا جواب کچھ نہ دیا بلکہ سوالات کو بھلا دینے کی نیت سے جواب سوالات میں پہلی باتوں کا اعادہ کر دیا جس سے ثابت ہوا کہ سائل کو اس کا سوال بھلا دینا، اور اس کو دوسری طرف لے جانا، آپ ہی پر ختم ہے۔ مگر: ہر رنگے کے آئی شناس، کے مصداق ہم مرزا قادیانی کی بھول جھلیوں میں نہیں چھنے، دیکھو پیر نمبر ۸ میں اسکا اس جواب کی کسی خبری گئی ہے۔ محمد حسین)

میں آپ پر ظاہر کرتا ہوں کہ میرے نزدیک اجماع کا لفظ اس حالت پر صادق آسکتا ہے کہ جب صحابہ میں سے مشاہیر صحابہ ایک اپنی رائے کو شائع کریں، اور دوسرے باوجود سننے اس رائے کے، مخالفت ظاہر نہ فرمائیں، تو یہ بھی اجماع ہے۔ ہمیں کچھ شک نہیں کہ ایسے صحابہ نے جو امیر المؤمنین تھے، ابن صیاد کے دجال معبود ہونے کی نسبت قسم کھا کر آنحضرت ﷺ کے روبرو اپنی رائے ظاہر کی، اور آنحضرت ﷺ نے اس سے انکار نہیں کیا اور نہ کسی صحابی نے۔ اور پھر اسی امر کے بارے میں ابن عمرؓ نے بھی قسم کھائی اور جابر نے بھی اور کئی اور صحابیوں نے بھی رائے ظاہر کی، تو ظاہر ہے کہ یہ امر باقی صحابہ سے پوشیدہ نہیں رہا ہوگا۔ سو میرے نزدیک یہ بھی اجماع ہے۔ اور کون سی اجماع کی تعریف مجھ سے آپ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کے نزدیک یہ اجماع نہیں، تو آپ جس قدر ابن صیاد کے دجال معبود ہونے پر صحابہ نے قسمیں کھا کر اس کا دجال معبود ہونا بیان کیا ہے، یا بغیر قسم کے اس بارے میں شہادت دی ہے، دونوں قسم کی شہادتیں بالمقابل پیش کریں، اور اگر آپ نہ پیش کر سکیں تو آپ پر من کل الوجوه ثابت ہے کہ ضرور اجماع ہو گیا تھا، کیونکہ اگر انکار پر قسمیں کھائی جاتیں تو ضرور وہ بھی نقل کی جاتیں۔ آنحضرت ﷺ کا قسم کوسن کر چپ رہنا، ہزار اجماع سے افضل ہے اور تمام

صحابہ کی شہادت سے کامل تر شہادت ہے۔ پھر اگر یہ چیڑ پھاڑ فضول نہیں تو اور کیا ہے۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ ابن صیاد کے دجال ہونے پر کب آنحضرت ﷺ نے اپنی زبان سے اپنا ڈرنا ظاہر فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تمام باتیں تصریح سے ثابت نہیں ہوتیں، اشارہ سے بھی ثابت ہو جاتی ہیں (یہ مسلم ہے، مگر جو بات آنحضرت ﷺ کے اشارہ سے ثابت ہو، اس کو صریح قول نبوی قرار نہیں دیا جاتا۔ اور اس کی نسبت یہ نہیں کہا جاتا کہ آنحضرت ﷺ نے وہ بات خود فرمادی ہے جیسا کہ مرزا صاحب نے کہا اور رسول اللہ ﷺ پر انفراداً کیا۔ ان کی تحریرات نمبر ۴، ۵، ۶ اور ہماری تحریرات نمبر ۵، ۶ و ۸ ملاحظہ ہوں۔ محمد حسین) جس حالت میں صحابی کا یہ قول ہے کہ جس وقت تک آنحضرت ﷺ بعد دیکھنے ابن صیاد کے زندہ رہے، اس بات سے ڈرتے رہے کہ وہی دجال معبود ہوگا، جیسا کہ لم یزل کے لفظ سے ظاہر ہے۔

اس صورت میں کوئی دانا خیال کر سکتا ہے کہ اس طول طویل مدت کا ڈر ایک احتمالی بات تھی اور اس لمبی مدت میں کبھی آنحضرت ﷺ نے اپنے منہ سے نہیں فرمایا تھا۔ جس حالت میں آنحضرت ﷺ آپ فرماتے ہیں کہ ہر ایک نبی دجال سے ڈرتا رہا ہے اور میں بھی ڈرتا ہوں، تو اس صورت میں کیونکر سمجھ میں آ سکتا ہے کہ جو ڈر آنحضرت ﷺ کے دل میں مخفی تھا، وہ کبھی اس مدت میں کسی صحابی پر ظاہر نہیں کیا (آنحضرت ﷺ کے دل میں کس دجال کا خوف تھا، اور مرزا نے اس کو کس کا خوف بنا دیا۔ پھر اس کا ظہور لازمی ٹھہرا دیا، بے شک آپ ﷺ دجال موعود سے ڈرتے اور اس ڈر کا بار بار اظہار کرتے، اور لوگوں کو اس سے ڈراتے رہے مگر وہ دجال آپ ﷺ کے نزدیک ابن صیاد ہرگز نہ تھا، وہ ہوتا تو آپ ﷺ صاف فرمادیتے کہ یہی ابن صیاد دجال موعود ہے، اس سے میں ڈرتا ہوں اور اس سے پہلے انہی ڈرتے چلے آئے ہیں۔ اور اسکی علامات ایسی بیان فرمائیں جن کا ابن صیاد میں نام و نشان بھی پایا نہ جاتا تھا، جیسے اسکے ساتھ آگ و پانی کی نہریں ہونا، اور اس کا ایک آدمی قتل کر کے زندہ کر دینا وغیرہ، جو نہ صرف صحیح مسلم میں بلکہ صحیح بخاری میں بھی مروی ہے۔ بلکہ وہ دجال اور ہے جبکہ تفصیلی حال آپ ﷺ نے صحیح حدیثوں میں فرمادیا ہے اور وہ قیامت کے قریب ظاہر ہو گا، محمد حسین)۔ ماسوا اس کے جب ایک آدمی قال سے ایک بات بیان کر کے اس کا قائل ٹھہرتا ہے، ایسا ہی اپنے

اشارات و ایمانات اور حالات سے اس کو ادا کر کے اس کا قائل قرار پاتا ہے (ہاں قرار پاتا ہے، مگر اس معنی کو کہ وہ اس کا معتقد ہے اور اس بات کو جائز رکھتا ہے یا پسند کرتا ہے، نہ اس معنی کہ اس نے یہ بات بصریح کہدی اور فرمادی ہے۔۔۔ اشارہ کو صریح قول قرار دینا تو محض کذب کہلاتا ہے جو مرزا صاحب سے وقوع میں آیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے تو بقول مرزا صاحب ابن صیاد کے دجال ہونے کی نسبت صرف اشارہ کیا تھا، مگر اس اشارہ کو صریح قول نبوی سے تعبیر کر کے مرزا صاحب خود ہی اپنی تحریر نمبر ۵ میں لکھ دیا کہ آنحضرت ﷺ نے آپ ہی فرمایا ہے کہ میں اپنی امت پر ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتا ہوں، اور مرزا صاحب نے اپنے ازالہ اوہام میں بھی لکھ دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کیوں فرماتے کہ ہمیں اس، یعنی ابن صیاد، کے حال میں ابھی شک و اشتباہ ہے۔ ان فقرات میں مرزا کا اشارہ نبوی کو جو اس کے نزدیک، نہ نفس الامر اور واقع میں، ثابت تھا، قول نبوی سے تعبیر کرنا، اور اس تعبیر کے لئے اتنی لمبی عبارت از خود بنا لینا، آنحضرت ﷺ پر انفراداً نہیں تو پھر معلوم نہیں انفراداً کس جانور کا نام



ہے۔ محمد حسین) سو یہ کون سی بڑی بات ہے جس کی وجہ سے آپ مجھ کو مفتزی تجویز کرتے ہیں۔ آپ کو ڈرنا چاہیے، انسان جو بے وجہ اپنے بھائی کی نسبت تجویز کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی جناب میں اس لائق ہو جاتا ہے کہ کوئی دوسرا وہی تہمت اس پر کرے۔

خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھ کو پختہ طور پر اس بات پر یقین ہے کہ اگر لم یزل کا لفظ حدیث میں صحیح اور مطابق واقعہ ہے، تو اس کا مصداق مجر دگرانی حالات ہرگز نہیں ٹھہر سکتا مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ میں زید کو دس بارہ برس سے برابر دیکھتا ہوں کہ وہ دہلی جانے کا ہمیشہ ارادہ رکھتا ہے تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ زید نے کبھی زبان سے مدت دس برس میں دہلی جانے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا۔ اور بفرض محال اگر یہ احتمالی امر ہے تو جیسا احتمال اس بات کا ہے کہ زبان سے کچھ نہ کہا ہو، یہ احتمال بھی تو ہے کہ زبان سے کہا ہو۔ لیکن لم یزل کا لفظ احتمال کے امر کو دور کرتا ہے۔ ایک مدت تک کسی امر کی نسبت وہ حالت بتائے رکھنا جس کا ادا کرنا زبان کا کام ہے، صریح اس بات پر قوی قرینہ ہے کہ اتنی لمبی مدت میں کبھی تو زبان سے بھی کام لیا ہوگا۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ تمہارا یہ کہنا کہ اگر آپ ابن عربی کے مخالف تھے تو کیوں ناحق اس کا ذکر کیا، باطل ہے کیونکہ میری کلام کے صریح منطوق سے مخالف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کے کلام کا آپ کے ابتدائی بیان میں یہ صریح منطوق بھی پایا جاتا ہے کہ آپ ابن عربی کے مؤید ہیں۔ اگر آپ مؤید نہیں تو آپ نے صحیح بخاری کی حدیث کیوں نقل کی ہے جس میں لکھا ہے کہ محدث بھی نبی مرسل کی طرح ہے (تاہم صرف الہام و محدثیت کے ثبوت و وجود کی ہے، نہ اس امر کی کہ ملہم و محدث کا قول دوسرے پر جمت ہوتا ہے، اور نہ اس امر کی کہ اگر کسی کو احادیث صحیحہ اتفاقہ کے برخلاف الہام یا تحدیث ہو تو وہ واقعی محدث اور من جانب اللہ ملہم ہے۔ ایسا شخص تو یقیناً شیطان کا مخاطب ہے۔ دیکھو ہماری تحریر نمبر ۸۔ محمد حسین)

اور آپ نے کیوں محمد (بن) اسماعیل صاحب کا قول نقل کیا ہے کہ محدث کی وحی نبی کی طرح دخل شیطان سے منزہ کی جاتی ہے۔ اگر آپ بخاری کی حدیث کو نہیں مانتے تو گدشتہ راصلوٰۃ، ابھی اقرار کر دیں کہ میں محدث کی وحی کو دخل شیطان سے منزہ ہونے والی نہیں سمجھتا۔ تعجب ہے ایک طرف تو آپ بخاری بخاری کرتے ہیں اور ایک طرف اس کے برخلاف چلتے ہیں۔ پھر جب کہ آپ کا بخاری پر ایمان ہے کہ اس کی سب حدیثیں صحیح ہیں تو اس صورت میں تو آپ کو ابن عربی سے اتفاق کرنا پڑے گا کیونکہ اگر کسی محدث پر یہ کھل جائے کہ فلاں حدیث

موضوع ہے اور وہ بار بار کی وحی سے اس پر قائم کیا جائے تو کیا آپ حسب منشاء بخاری یہ اعتقاد نہیں کریں گے کہ محدث کو وہ حدیث موضوع مان لینی چاہیے۔ پھر جب کہ آپ کا یہ اعتقاد ہے تو میں نے آپ پر کیا افتراء کیا حضرت مولوی صاحب! آپ ایسے الفاظ کو کیوں استعمال کرتے ہیں، اتقوا اللہ کے مضمون کو کیوں اپنے دل میں قائم نہیں کرتے۔ مفتری، ملعون، دین سے خارج ہوتے ہیں۔ اجتہادی طور پر کسی بات کو کسی نہج سے گویا ہی سہی، سمجھ لینا اور چیز ہے اور عمداً ایک واقعہ معلومۃ الحقیقت کے برخلاف لکھنا یہ امر اور ہے (اجتہاد نہیں محض کذب ہے۔ محمد حسین)

آپ کے خلاصہ سوال کی نسبت میرا یہی بیان ہے کہ میں اس طرح سے کہ جیسے حنفی لوگ اما اعظم صاحب پر محض تقلید کے طور پر ایمان رکھتے ہیں، بخاری و مسلم پر ایمان نہیں رکھتا۔ ان کی صحت کو ظن کے طور پر مانتا ہوں اور الغیب عند اللہ کہتا ہوں (آپ کو ظن صحت کہاں ہے، آپ تو صحت صحیحین کو مخلوک و مشتبہ قرار دے چکے ہیں۔ جیسا کہ پہلے حواشی میں گذر چکا۔ محمد حسین)۔ مجھے ان کے بارے میں روایت کی مانند علم نہیں ہے۔ اگر کسی حدیث کو مخالف کتاب اللہ یا دیگر کتابیں اور فیصلہ کے ہرگز اس کو قول رسول کریم نہیں سمجھوں گا (حدیث صحیحین کی قرآن سے مخالفت تجویز کرنا اور اس شرط سے اس کے قول رسول ہونے سے انکار کرنا، یہ کہنے کے برابر ہے کہ حدیث صحیحین سب کی سب صحیح نہیں۔ اور یہ صحیحین پر مرزا صاحب کا بیسواں حملہ ہے۔ محمد حسین) گو حدیث صحیح میرا مذہب ہے اور قرآن کے معیار ٹھہرانے میں پہلے عرض کر آیا ہوں، اور سب کچھ بیان کر چکا ہوں، حاجت اعادہ نہیں ہے۔ فقط۔ خاکسار غلام احمد .. جولائی ۱۸۹۱ء

## شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ کی تحریر ہشتم

افسوس آپ نے پھر بھی میرے اصل سوال کا صاف اور قطعی جواب نہ دیا اور نہ فرمایا کہ صحیح بخاری و مسلم کی احادیث جملہ صحیح ہیں، یا جملہ موضوع ہیں، یا مختلط، یعنی بعض صحیح ہیں بعض موضوع۔ باوجودیکہ میرا سوال آپ نے شروع تحریر میں نقل کر دیا جس سے یہ گمان کہ آپ نے مطلب سوال نہ سمجھا ہو، رفع ہو گیا۔ ہر چند آپ نے یہ بات تصریح سے کہدی ہے کہ اگر میں کسی حدیث صحیح بخاری و مسلم کو کتاب اللہ کے موافق نہ پاؤں گا تو اس کو موضوع قرار دوں گا، کلام رسول نہ سمجھوں گا اور اپنے پرچہ نمبر ۴ میں آپ صاف کہہ چکے ہیں کہ ان کتابوں

کے وہ مقامات جن میں تعارض ہے، تحریف سے خالی نہیں۔ مگر اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ایسی کوئی حدیث ہے یا نہیں، جس کو آپ اس اصول کی شہادت سے موضوع قرار دیتے ہیں۔ اور طرفہ یہ کہ ان مقامات ازالہ اوہام میں جو میرے پرچہ نمبر ۱ میں منقول ہوئے ہیں، آپ صحیحین کی بعض احادیث کو موضوع قرار دے چکے ہیں مگر اب اپنے پرچہ نمبر ۲ میں آپ اس سے انکار کرتے اور یہ فرماتے ہیں کہ: جو کچھ میں نے وہاں کہا ہے شرطیہ طور پر کہا ہے کہ بشرط تعارض و عدم موافقت و مطابقت وہ احادیث موضوع ہیں۔ میرا وہ قطعی فیصلہ نہیں ہے، باوجودیکہ ان مقامات میں آپ نے یہ شرط نہیں لگائی، بلکہ ان احادیث کا باہم تعارض خوب زور سے ثابت کیا اور پھر ان کو موضوع قرار دیا ہے (مرزا صاحب کے جوابات ہمارے سوالات کے مقابلے میں بعض رؤساء لوہانہ نے سنے تو اس کی نظیر میں ایک ریخس نے چشم دید حکایت بیان کی۔ اس حکایت کو اس مقام میں نقل کرنا لطف سے خالی نہیں۔ ریخس مذکور نے بیان کیا کہ ایک رسالہ کے ایک کمان افسر پورچن صاحب تھے، جو رات کو دو گھنٹہ دربار کرتے اور اس میں اپنی فوج کی معروضات اور رسالے کے میوہ واقعات سننے۔ ایک دن ایک سردار کی اونٹنی کھو گئی۔ کمان افسر کو یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے رات کے دربار میں اونٹنی کے مالک سردار سے کہا کہ سردار صاحب اس واقعہ کے متعلق مجھے آپ صرف تین باتوں کا جواب دیں اور کچھ نہ فرماویں۔ یہ اسلئے کہ کمان افسر کو اس بات کا علم تھا کہ سردار صاحب بڑے باتونی ہیں، وہ مطلب کی بات کا جواب جلد نہ دیں گے۔ وہ تین باتیں یہ تھیں۔ اونٹنی کس پڑاؤ پر کھوئی گئی اور کس تاریخ اور وقت۔ سردار صاحب نے تمہید شروع کی کہ حضور وہ اونٹنی میں نے ۳۵۰ روپے کو خریدی تھی اور اس کے عوض ۵۰۰ مانگے جاتے تھے۔ کمان افسر نے کہا سردار صاحب میں نے یہ بات آپ سے نہیں پوچھی، جو میں نے پوچھا ہے اس کا جواب دیں۔ سردار صاحب نے کہا کہ حضور وہ اونٹنی میں نے بیکانیر کی منڈی سے خریدی تھی اس پر کمان افسر نے فرمایا کہ سردار صاحب یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔ آپ میرے سوالات کا جواب دیں۔ سردار صاحب نے فرمایا کہ ہاں حضور جواب دیتا ہوں، وہ اونٹنی سوکوس روز چلتی تھی، اس پر کمان افسر نے پھر وہی عذر کیا کہ سردار صاحب اور تکلیف نہ کریں صرف میرے سوالات کا جواب دیں۔ اس پر بھی سردار صاحب نے ان تینوں سوالوں کا کوئی جواب نہ دیا اور اپنی اونٹنی کے واقع عمری شاعر کا شروع کیا یہاں تک کہ دربار کا وقت مقرر گزر گیا اور ان سوالات ثلاثہ کا جواب نہ دیا۔ محمد حسین) آپ کو میرے اصل سوال کا جواب نہ دینے اور ازالہ اوہام کی تصریحات مذکورہ پرچہ نمبر ۱ سے انکار کر جانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ اس سوال کے دونوں شق جواب میں چھنتے ہیں اور کوئی شق قطعی طور پر اختیار نہیں کر سکتے۔

اگر آپ یہ شق اختیار کریں کہ وہ احادیث سب کی سب صحیح ہیں تو اس سے آپ پر سخت مصیبت عائد ہوتی ہے کیونکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث آپ کے عقاید مستحدثہ جدیدہ کے صریح خلاف ہیں۔ ان احادیث کو صحیح مان کر آپ کا کوئی عقیدہ جدیدہ قائم و ثابت نہیں رہ سکتا۔ اس وجہ سے آپ نے یہ مذہب اختیار کیا

ہے کہ احادیث صحیحین کو بلا وقفہ و نظر صحیح تسلیم کرنا اندھا پن اور تقلید بلا دلیل ہے۔

اور اگر آپ یہ شق جواب اختیار کریں کہ احادیث صحیحین سب کی سب موضوع، یا ازاں جملہ بعض صحیح اور بعض موضوع ہیں، تو اس سے عام اہل اسلام اور خصوصاً اہلحدیث جن کے بعض عوام آپ کے بچہ یا دام میں پھنس گئے ہیں، آپ سے بے اعتقاد ہوتے ہیں، اور کفر یا فسق اور بدعت کا فتویٰ لگانے کو تیار ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ میرے سوال کا صاف اور قطعی جواب نہیں دیتے، صرف شرطی طور پر کہتے ہیں کہ اگر کتاب بخاری و مسلم کی احادیث کو موافق قرآن نہ پاؤنگا تو میں ان کو موضوع قرار دوںگا، ورنہ مجھے بخاری و مسلم سے حسن ظن ہے، میں خواہ مخواہ یعنی قبل از وقت و بلا ضرورت انکی احادیث کو موضوع قرار دینا ضروری نہیں سمجھتا، ضرورت ہو گی، یعنی قرآن سے انکی موافقت نہ ہو سکی، تو موضوع قرار دوںگا۔

آپ کے اس شرطی جواب پر مجھے حق و اختیار حاصل ہے کہ میں آپ سے اس سوال کے جواب کا مطالبہ کروں۔ لیکن اب میری یہ امید کہ آپ میرے سوال کا جواب دیں گے، قطع ہو گئی ہے اور میں یہ بھی جان چکا ہوں کہ میرے اس مطالبہ پر بھی آپ ۲۶ صفحہ یا اس سے دو چندان ۵۲ صفحہ میں ایسی ہی لایعنی اور فضول باتوں کا اعادہ کریں گے جو اس وقت تک مکرر، سہ کر تحریر کر چکے ہیں، جن سے آپ کا تو یہ فائدہ ہے کہ آپ کے مرید حاضر مجلس یہ کہیں گے، اور کہہ رہے ہیں کہ سبحان اللہ ہمارے حضرت مسیح اقدس کس قدر طولانی تحریرات کرتے ہیں اور کتنے صفحہ کاغذات پر کرتے ہیں اور بیسیوں آیات قرآن تحریر فرمائے جاتے ہیں اور یہی فائدہ اس تحریر سے آپ کو پیش نظر ہے، مگر میرے اوقات کا کمال حرج ہے، مجھے اس بحث کے علاوہ اور بھی بہت سے اہم کام دامن گیر ہیں۔ لہذا اب میں آپ سے اس سوال کے جواب کا مطالبہ نہیں کرتا اور ناظرین و سامعین کو آپ کی طولانی تحریرات کے وہ نتائج بتانا چاہتا ہوں، جن نتائج کے جتانے کی غرض سے میں اب تک آپ کے جواب پر نکتہ چینیوں کو تار ہا ہوں

میرا یہ مقصود نہ ہوتا تو جوابات میں آپ کے پرچہ نمبر ۳ کے جواب میں لکھ چکا تھا کہ آپ نے قبولیت حدیث کی شرط بتائی ہے مگر یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ شرط احادیث صحیحین میں پائی جاتی ہیں یا نہیں۔ و بناء علیہ وہ احادیث صحیح ہیں یا نہیں۔ اسی پر اکتفا کرتا اور اسی کے جواب دینے پر آپ کو مجبور کرتا۔ اور دوسری کوئی بات آپ

کی نہ سنتا، کیونکہ ہر شخص جس کو فن مناظرہ سے ادنیٰ مس ہو، یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ جب کوئی اپنے مناظر و مخاطب سے اصول تسلیم کرانا چاہے، و بناء علیہ کوئی اصول پیش کر کے اس سے دریافت کرے کہ آپ اس اصول کو مانتے ہیں یا نہیں، تو اس کے مخاطب کا فرض صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کو تسلیم کرے یا اس سے انکار کرے۔ اس سے زیادہ کسی اصول کی تسلیم یا عدم تسلیم کی وجہ بیان کرنا اس کا فرض نہیں ہوتا۔ یہ اس صورت میں اور اسی وقت ہوتا ہے جب کہ اس کا مقابل، صاحب تمہید، اس کی تسلیم یا عدم تسلیم کے خلاف کا مدعی ہو اور اپنے مہمہد و اصول پر دلائل قائم کرے۔

آپ نے میرے اصول کی نسبت تسلیم یا عدم تسلیم تو قطعی طور پر ظاہر نہیں کی، مگر ان اصول کا خلاف ثابت کرنے پر مستعد ہو گئے۔ سو بھی ایسے طور پر کہ اصل سوال سے غیر متعلق اور فضول باتوں میں خامہ فرسائی شروع کر دی۔ اس صورت میں مجھ پر لازم نہ تھا کہ میں آپ کی کسی بات کا جواب دیتا، یا اس پر کوئی سوال کرتا۔ مگر اسی غرض سے اب تک آپ کے جوابات کے متعلق خدشے و سوالات کرتا رہا ہوں کہ آپ کی کلام سے وہ نتائج پیدا ہوں جن کو میں عام اہل اسلام پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ اس غرض سے میں اب آپ کی تحریرات حال و سابقہ پر تفصیلی نکتہ چینی کرتا ہوں جس کا وعدہ اپنی تحریرات سابقہ میں دے چکا ہوں۔ اس نکتہ چینی میں بالاستقلال تو آپ کا پرچہ نمبر ۷ نشانہ ہوگا مگر اس کے ضمن میں آپ کی جملہ تحریرات سابقہ کا جواب آجائے گا۔ بحول اللہ و قوتہ۔

آپ لکھتے ہیں کہ احادیث کے دو حصے ہیں۔ اول وہ حصہ جو تعامل میں آچکا ہے۔ اس میں تمام ضروریات دین اور عبادات اور معاملات اور احکام شرع داخل ہیں۔ یہ حصہ بلاشبہ صحیح ہے مگر اس کی صحت روایت کی مدد سے نہیں، بلکہ تعامل کے ذریعہ سے ہے۔ دوسرا وہ حصہ جس پر تعامل نہیں پایا گیا۔ یہ حصہ یقیناً صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا مدار صرف اصول روایت پر ہے اور اصول روایت سے صحت کا ثبوت اور کامل اطمینان نہیں ہو سکتا۔ ہاں اس حصہ کی قرآن کریم سے موافقت ثابت ہو تو یہ بھی یقیناً صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

اس قول سے ثابت ہے اور یہی جتنا اس وقت مد نظر ہے کہ آپ فن حدیث اور اصول روایت اور قوانین درایت سے محض ناواقف ہیں، اور مسائل اسلامیہ سے نا آشنا۔ آپ یہ نہیں جانتے کہ ضروریات دین اصطلاح علماء اسلام میں کس کو کہتے ہیں؟ اور تعامل کی کیا حقیقت ہے؟ اور وہ جملہ احادیث معاملات و احکام

سے متعلق کیونکر ہو سکتا ہے؟ اور اہل اسلام کے نزدیک اصول تصحیح روایت کیا ہیں؟ خاکسار ہر ایک امر سے آپ کو اور دیگر ناواقف ناظرین کو مطلع کر کے یہ جتنا چاہتا ہے کہ جو کچھ آپ نے کہا ہے۔ وہ ناواقفی پر مبنی ہے اور وہ میرے سوال کا جواب نہیں ہو سکتا۔

پس واضح ہو کہ ضروریات دین وہ کہلاتے ہیں جو دین سے ضرورۃً یعنی بداہتہً اور بلا نظر و فکر معلوم ہوں، نہ وہ امور جن کی طرف دین کی ضرورت یعنی حاجت متعلق ہو۔ ضرورت سے مراد امور متعلقہ حاجت ہوں تو اس سے آنحضرت ﷺ کی کوئی حدیث خارج و مستثنیٰ نہیں ہوتی۔ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ دین میں فرمایا ہے وہ دینی حاجت و ضرورت کے متعلق ہے۔ اس صورت میں دوسرا حصہ احادیث جس کو آپ یقیناً صحیح نہیں جانتے، ضروریات دین میں داخل ہو جاتا ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ ضروریات سے میری مراد وہی ہے جو تم نے بیان کی ہے تو پھر جملہ احکام معاملات و عقود کو ضروریات میں شامل کرنا غلط قرار پاتا ہے۔ احکام متعلقہ معاملات بلکہ عبادات جملہ ایسے نہیں جو بداہتہً دین سے ثابت ہوں۔

کسی حکم یا امر پر تعامل کی صورت یہ ہے کہ وہ حکم عام لوگوں کے عمل میں آجائے، اس کی مثال ہم احکام شرع سے صرف ان اتفاقی امور کو ٹھہرا سکتے ہیں جو جملہ اہل اسلام میں علی سبیل الاشتراک عمل میں آگئے ہیں۔ یعنی نماز یا حج یا صوم کے اتفاقی ارکان بلا لحاظ ان کے قیودات و خصوصیات کے کہ نماز رفع یدین والی ہو یا بلا رفع اور اس میں ہاتھ سینہ پر باندھے جاویں یا زیر ناف یا ارسال یدین ہو و علی هذا القیاس اور ان کے قیود اور خصوصیات کا لحاظ کیا جائے تو ان پر تعامل کا ادعا محض غلط ہے۔ اور کوئی فریق یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہمارا طریق تعامل عام اہل اسلام سے ثابت ہے۔ ان امور پر تعامل عام ہوتا تو اس میں اختلاف ہرگز واقع نہ ہوتا، جو آپ کے نزدیک وضع و عدم صحت کی دلیل ہے۔ لہذا آپ کا یہ کہنا کہ احادیث کا حصہ متعلقہ عبادات و معاملات تعامل سے ثابت ہے، محض ناواقفی پر مبنی ہے۔

اور اگر تعامل سے آپ کی مراد (اس تحریر کے جواب میں آپ نے تحریر نمبر ۸ میں تعامل کی تفریح کی اس سے آپ کے یہی مراد ثابت ہوتی ہے۔ لہذا جو اعتراض اس مراد پر وارد ہوتا ہے وہ یقیناً آپ پر وارد ہے۔ محمد حسین) خاص خاص فرقوں یا شہروں یا اشخاص کا تعامل ہے۔ اور اس تعامل کو آپ قطعی صحت کی دلیل سمجھتے ہیں تو آپ پر سخت مصیبت پڑے گی، کیونکہ یہ تعامل

خاص ہر ایک قوم و شہر و مذہب کا باہم مختلف ہے۔ یہ موجب یقین ہو، تو چاہیے کہ جملہ احادیث مختلفہ جن پر یہ تعامل ہائے خاص خاص پائے جاتے ہیں، یقینی اور صحیح ہوں، اور یہ امر نہ صرف آپ کے مذہب کے بالکل مخالف ہے، بلکہ حق اور نفس الامر کے بھی مخالف ہے۔

اصول تصحیح روایت محققین اہل اسلام کے نزدیک یہ نہیں جو آپ نے قرار دیا ہے کہ وہ توافق قرآن ہے یا تعامل امت، بلکہ وہ اصول شروط صحت ہیں جن کا مدار چار امور ہیں۔ عدل۔ ضبط۔ عدم شذوذ۔ وعدم علت۔ ان شروط میں جو آپ نے سلامت فہم راوی کو داخل کیا ہے، یہ بھی آپ کی فنون حدیث سے ناواقفی پر دلیل ہے۔ فہم معانی ہر ایک حدیث کی روایت کے لئے شرط نہیں ہے۔ بلکہ خاص کر اس حدیث کے لئے شرط ہے جس میں بالمعنی حکایت ہو اور جس حدیث کو راوی بعینہ الفاظ سے نقل کر دے اس میں راوی کے فہم معانی کو کوئی شرط نہیں ٹھہراتا۔ کتب اصول حدیث شرح نخبہ وغیرہ ملاحظہ ہوں۔ اس کے جواب میں شاید آپ یہ کہیں گے کہ احادیث سبھی بالمعنی روایت ہوتی ہے جیسا کہ آپ کے مقتدا سید احمد خاں نے کہا ہے تو آپ کو اس پر اہل اسلام جو فن حدیث سے واقف ہیں محض ناواقف کہیں گے

(سر سید کی تقلید سے آپ نے قرآن کو معیار صحت احادیث ٹھہرایا ہے۔ سر سید کی اقتداء کا ثبوت درج ذیل ہے:

احادیث مسلم الصحت کو صحیح اور درحقیقت قول نبوی قرار دینے کیلئے موافقت قرآن کو شرط ٹھہرانے میں مرزا صاحب نے سر سید کی کارہ لیبسی کی ہے۔ اس مسئلہ ہی کی کیا خصوصیت ہے، جو بات بھی آپ نے تمام مسلمانوں کے برخلاف اسلام میں نکالی ہے اس میں سر سید کی متابعت و شاگردی اختیار فرمائی ہے۔ اس مسئلہ میں جو مرزا نے کہا ہے وہ ناظرین تحریرات فریقین پر مخفی نہیں ہے۔ اب ناظرین ان کے پیرومرشد سر سید احمد کا کلام سنیں اور فرغ کی اصل سے فقرہ فقرہ مطابقت کر لیں۔

سر سید احمد نے تہذیب الاخلاق نمبر ۲۰ جلد ۲ مطبوعہ مکہ ذی الحجہ ۱۲۸۸ھ میں مضمون نمبر ۶۱ بعنوان اقسام حدیث شائع کیا ہے۔ اس کی تمہید میں آپ نے کہا ہے: انسان کی روحانی ترقی اور دنیاوی بہبودی اور حسن معاشرت اور علم و تجربہ کا کمال بہت کچھ اس کے مسائل مذہبی کی نتیجہ پر موقوف ہے۔ اوہام مذہبی کی تاریکی انسان کے دل کو سیاہ اور اس کے دماغ اور عقل کو کند اور خراب کر دیتی ہے۔ اسلئے جو لوگ مسلمانوں کی ترقی علوم اور ترقی تہذیب و دانشگی پر بحث کرتے ہیں ان کو ایسے مسائل سے بحث کرنا جو غلطی سے ان چیزوں کے مانع خیال کئے جاتے ہیں ناگزیر ہوتا ہے۔ ۲۔ منجملہ ان ہی موارد کے بہت سے مسائل ہیں جن کی بنیاد غلط یا نامعتبر حدیثوں پر بھی ہوتی ہے۔ ۳۔ مسلمانوں میں یہ ایک عام خیال ہو گیا ہے کہ جو بات کسی حدیث میں آئی ہے اس سے انکار کرنا کفر یا خوف معصیت ہے۔ مگر اس بات پر خیال نہیں جاتا کہ جب ہم یہ بات سن کر فلاں بات کسی حدیث میں ہے تو اول اس بات کی بھی تحقیق کر لیں کہ آیا وہ حدیث بھی معتبر ہے یا نہیں۔ اور درحقیقت وہ قول یا فعل یا تقریر رسول خدا ﷺ ہے یا نہیں۔ ۴۔ غالباً لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ تحقیق حدیث کا زمانہ گزر گیا۔ اور جو کچھ اگلے علماء تحقیق کر کے لکھ چکے ہیں وہی احادیث حقیقہ ہیں۔ اب ہمارے لئے صرف اتنی بات کا

جاننا کافی ہے کہ وہ حدیث کتب حدیث میں مندرج ہے اور علماء نے اس کو صحیح لکھا ہے۔ ۵۔ ہمارا بھی مطلب اس مقام پر کسی نئی تحقیق سے نہیں ہے۔ بلکہ ہم ان ہی حدیثوں کی نسبت جو کتب حدیث میں مندرج ہیں یہ بات دیکھنی چاہتے ہیں کہ ان میں کوئی حدیث درحقیقت قول یا فعل یا تقریر رسول خدا ﷺ کی ہے۔ اور کون سی ان کی نہیں، بلکہ دوسرے شخص کی ہے۔ تاکہ ہم اپنے رسول مقبول کی کلام کو دوسرے شخص کی کلام سے باہل جدا کر لیں۔ پس اس مراد سے ہم اقسام حدیث کو جو علماء نے بیان کئے ہیں اس مقام پر لکھتے ہیں۔

اس کے بعد سر سید احمد نے ایک قسم حدیث بالمعنی بیان کیا ہے۔ یعنی وہ حدیث جس کو راوی نے آنحضرت ﷺ کے الفاظ سے نقل نہ کیا ہو بلکہ اپنے الفاظ سے آنحضرت ﷺ کی مراد کو بیان کیا ہو۔ دوسرا قسم حدیث در حکم مرفوع، یعنی وہ حدیث جس کو بتقریح آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب نہ کیا گیا ہو بلکہ صحابی کے ایسے قول کو جو عقل سے نہ کہا جاسکتا ہو، آنحضرت ﷺ سے مسوع قرار دے کر حدیث نبوی قرار دیا گیا ہو، گیارہویں قسم حدیث معنعن، یعنی وہ جس کو راوی حدیث نے بلنظ عن آنحضرت ﷺ سے نقل کیا ہو، بارہویں قسم حدیث مٹو ذن، یعنی وہ حدیث جسکو راوی نے بلنظ ان نقل کیا ہو، اور دیگر اقسام حدیث موقوف، مقطوع، معلق، مرسل یا منقطع، بعض، مدلس، مضطر۔ ۶۔ اس کے بعد کہا ہے یہ بارہ قسمیں حدیث صحیح کی (یہ غلط ہے۔ قسم سوم سے دہم تک کو محدثین صحیح ولاق دست آور نہیں سمجھتے۔ بلکہ ضعیف و ناقابل اعتماد قرار دے چکے ہیں۔ اور ان اقسام کی حدیثوں کو وہ کتب حدیث ملتزم الصحیحہ کے مقاصد میں نہیں لائے۔ محمد حسین) جو ہم نے بیان کی ہیں ایسی ہیں کہ ہر عاقل شخص یہ بات کہے گا کہ ان میں سے حدیث نبوی ہونا بھی ممکن ہے اور ان میں سے کسی کا بھی بالیقین حدیث نبوی ہونا ثابت نہیں۔

پھر آپ (سر سید) فرماتے ہیں: ۷۔ علماء متقدمین نے جو کچھ رائے اس کی نسبت قائم کی ہے وہ صرف ان کی رائے ہے، کوئی حدیث یا حکم من جانب شارع اس پر نہیں۔ پس ہمارا بھی یہی مقصود ہے کہ جہاں تک ممکن ہے ہم بھی ان راویوں اور بزرگوں کا ادب ملحوظ رکھیں اور ہمیشہ دل سے حسن ظن ان کی طرف رکھیں۔ مگر ایسا کرنے میں بالکل اندھے نہ ہو جائیں۔ اور کچھ بھی خیال نہ کریں بلکہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان حدیثوں کے حدیث نبوی ٹھہرانے کے لئے کوئی عمدہ اصول قرار دیں پس وہ اصول یہ ہے۔ اول۔ یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا وہ حدیث احکام قرآن مجید کے برخلاف ہے یا نہیں۔ اگر ہو تو ہم کو یقین کرنا چاہیے کہ وہ حدیث نبوی نہیں۔ اس کے بعد سر سید نے چھ اصول اور بیان کئے ہیں جو نیچری اصول ہیں۔ اور پھر کہا ہے: ۸۔ اقسام مذکورہ بالا کی حدیثیں تمام کتب میں یہاں تک کہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہیں۔ پس ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ اسی قدر کہتے ہیں کہ اس قسم کی حدیثوں میں سے کسی حدیث کو صرف اسی وجہ سے کہ فلاں حدیث کی کتاب میں، (مثلاً بخاری میں یا مسلم میں، کیونکہ بخاری و مسلم کا نام اور پرفا صاف لے چکے ہیں) مندرج ہے، حدیث نبوی کہنا نہیں چاہیے بلکہ ان اصول ہفت گانہ سے اس کا امتحان کرنا لازم ہے۔ اس میں بھی وہ ٹھیک اور پوری اترے اس وقت اس کی نسبت حدیث ہونے کا ظن غالب رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اس امتحان کے بعد بھی اس سب سے کہ اس حدیث کی روایت بھی اسی قسم کی ہے جس سے حدیث نبوی ہونے کا شوبہ نہیں ہے اس حدیث کو بالجزم اور بالیقین حدیث نبوی نہیں کہہ سکتے۔ راقم سید احمد۔

اس کلام کا فقرہ اول تمہیدی ہے۔ باقی فقرات میں جو کہا گیا ہے۔ وہ قادیانی کی کلام میں موجود ہے فقرہ دوم و سوم میں جو احادیث کو غلط و معتبر کہا گیا ہے اور ان کے درحقیقت قول و فعل یا تقریر نبوی ہونے سے انکار کیا گیا ہے، یہ بات مرزا صاحب بخاری و مسلم کی نسبت بار بار کہہ چکے ہیں۔ اور ان احادیث کے درحقیقت احادیث نبوی ہونے سے انکار کر چکے ہیں۔ فقرہ چہارم پنجم، ہشتم و ہشتم میں راویان حدیث کی نسبت حسن ظن و ادب کا بھی اظہار کیا ہے اور ان کے اصول روایت اور تحقیق کو مان کر ان کی احادیث کو بظن غالب صحیح قرار دیا ہے و مع ہذا ان احادیث کے بلا تحقیق صحیح مان لینے کو اندھا پن قرار دے کر موافقت قرآن سے ان کی صحت کا امتحان ضروری ٹھہرایا ہے۔ یہ بات مرزا قادیانی کی اکثر تحریرات سابقہ و تحریر آئندہ نمبر ۸ میں پایا جاتا ہے۔ فقرہ ہشتم میں اور فقرہ ششم سے آخر میں جو ان احادیث کا بالجزم و بالیقین کلام نبوی نہ ہونا بیان کیا گیا ہے، یہ بھی مرزا کی ہر ایک تحریر میں موجود ہے۔



ناظرین تحریرات قادیانی کو بغور و توجہ ملاحظہ فرمائیں گے تو یقین و ایمان لائیں گے کہ احادیث صحیحہ مسلم الصحیحہ کو مخالف قرآن ہونے یا غیر قطعی ہونے کے بہانہ سے رد کرنا، قادیانی نے سرسید سے سیکھا ہے اور جو کچھ اس باب میں اس نے کہا ہے وہ سرسید ہی کا اولچہ ہے۔ رہبان اس امر کا کہ سرسید احمد کی ان باتوں کا جن میں قادیانی نے ان کی تقلید و شاگردی کی ہے، کیا جواب ہے۔ سواس مکان میں انجمنی ہے۔ یہ بیان ہمارے مضمون حدیث نبوی اور نیچری و عیسائی میں جو اثنائے السنۃ جلد پنجم کے متعدد نمبروں میں (۲ تا ۵) میں درج ہے، شائع و شہرت ہو چکا ہے۔ ناظرین ان نمبروں کو ملاحظہ فرما دیں گے تو جان لیں گے کہ ان تمام باتوں میں سرسید احمد نے دہوکھا یا اور مرزا قادیانی وغیرہ اتباع و تلامذہ کو دہوکے کے گرداب میں ڈال دیا۔

یہ احادیث صحیحہ کو ظلیت و مخالفت قرآن کے بہانہ سے رد کرنے میں سرسید احمد کے شاگرد ہونے کا ثبوت ہے۔ اب چند اور مسائل مخالفہ اسلام میں مرزا صاحب کا شاگرد سرسید احمد ہونا ثابت کرنے کی غرض سے بطور تمثیل تصانیف سرسید احمد اور تصانیف مرزا قادیانی سے ذکر کرتے جاتے ہیں۔ اور رسالہ اثنائے السنۃ میں ان مسائل کے مواضع جواب کی بھی نشان دہی کی جاتی ہے۔

۱۔ اپنے خیالی نیچر کو خدا کی قدرت کا قانون قرار دینے اور اس کی دست آویز سے عقائد اسلام کو رد کرنے کا مسئلہ قادیانی نے سرسید احمد سے لے کر توضیح المرام ص ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱

چڑھائے ہی نہیں گئے۔ یہ مضمون قادیانی نے سرسید احمد سے لے کر اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۷۸ پر بیان کیا جس کی عبارت یہ ہے: قرآن کریم کا منشاء و ماصلبہ سے یہ ہرگز نہیں کہ وہ مسیح صلیب پر چڑھایا نہیں گیا۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ جو صلیب پر چڑھانے کا اصل مدعا تھا، یعنی قتل کرنا، اس سے خدا نے مسیح کو محفوظ رکھا،

سرسید احمد نے تفسیر القرآن ص ۴۵ ج ۲ میں یوں لکھا تھا: و ما قتلوه و ما صللبوه پہلے ما نانیہ سے قتل کا سلب مراد ہے، اور دوسرے سے کمال کا، کیونکہ صلیب پر چڑھانے کی تکمیل اس وقت ہوتی جب صلیب کے سب موت واقع ہوتی، حالانکہ صلیب پر موت واقع نہیں ہوتی، یہ قادیانی اور سرسید احمد کی اصل عبارات ہیں اور تفصیل واقعہ صلیب ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۸۱ میں ہے اور تفسیر سرسید کے صفحہ ۴۳ ج ۲ میں۔ ان عبارات میں جو حضرت مسیح کا صلیب پر فوت نہ ہونا بیان کیا ہے، یہ کسی کتاب آسمانی یا تصنیف اسلامی میں نہیں پایا جاتا۔ قرآن نے تو سرے سے حضرت مسیح کے صلیب پر چڑھانے جانے کی نفی کی اور یہ بات فرمادی ہے کہ و ما صللبوه یعنی یہود نے مسیح کو صلیب پر نہیں چڑھایا۔ چاروں انجیلوں میں ان کے صلیب پر چڑھانے جانے کا ذکر ہے، مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی ان چاروں میں تصریح ہے کہ مسیح نے صلیب پر جان دے دی اور اس کی تجہیز و تکفین دستور یہود کے مطابق ہوئی۔

انجیل متی کے باب ۲۷ میں ہے

۵۰۔ تب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر دم چھوڑ دیا... جب شام ہوئی یوسف نامی... ایک دولت مند جو یسوع کا بھی شاگرد تھا آیا۔ ۵۸۔ اس نے پلاطس کے پاس جا کر لاش مانگی تب پلاطس نے حکم دیا کہ لاش اسے دیں۔ ۵۹۔ یوسف نے لاش لے کر سوتی صاف چادر میں لپیٹی اور اپنی قبر میں جو چٹان میں کھودی تھی رکھی۔ اور ایک پہاڑی پتھر کے منہ پر دھکا کے چلا گیا۔

اور انجیل مرقس کے باب ۱۵ میں ہے۔

۳۷۔ تب مسیح نے بڑی آواز سے چلا کر دم چھوڑ دیا... ۴۳۔ یوسف آرتیا آیا اور دلیری کے ساتھ پلاطس کے پاس جا کر یسوع کی لاش مانگی۔ ۴۴۔ تب پلاطس نے متعجب ہو کر شبہ کیا کہ وہ ایسا جلد مر گیا اور صوبیدار کو بلا کر پوچھا، کیا دیر ہوئی کہ وہ مر گیا۔ جب صوبیدار سے ایسا معلوم کیا تو لاش یوسف کو دلادی اور اس نے مہین سوتی کپڑا مول لیا اور اسے اتار کے اس کپڑے میں کفنایا۔ (تا آخر مطابق بیان سابق)

اور انجیل یوحنا باب ۲۳ میں ہے۔

۲۶۔ اور یسوع نے بڑی آواز سے پکار کے کہا۔ اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں اور یہ کہہ کے دم چھوڑ دیا۔ ۵۷۔ جب شام ہوئی یوسف نامی آرمینیا کا ایک دولت مند جو یسوع کا بھی شاگرد تھا آیا۔ ۵۸۔ اس نے پلاطس کے پاس جا کے لاش مانگی۔ تب پلاطس نے حکم دیا کہ لاش اسے دیں۔ ۵۹۔ یوسف نے لاش لے کر سوتی صاف چادر میں لپیٹی اور اپنی قبر میں جو چٹان میں کھودی تھی رکھی

اور انجیل یوحنا باب ۱۹ میں ہے۔

۳۰۔ تب یسوع نے سر جھکا کے جان دی... ۳۷۔ لیکن انہوں نے آ کے دیکھا کہ وہ مر چکا ہے تو اس کی نائگیں نٹوڑیں۔ پر سپاہیوں میں سے ایک نے بھالے سے اس کی پسیلی چھیدی۔ ۴۰۔ پھر انہوں نے یسوع کی لاش لے کر سوتی کپڑے میں خوشبوؤں کے ساتھ، جس طرح دفن کرنے میں یہودیوں کا دستور ہے، کفنایا۔ ۴۱۔ اور جس جگہ کہ اس نے صلیب دی تھی ایک باغ تھا اور اس باغ میں ایک نئی قبر تھی جس میں کوئی نہ دہرا گیا تھا۔ سو انہوں نے یسوع کو یہودیوں کی تیاری کے دن کے باعث وہیں رکھا، کیونکہ یہ قبر زدیگ تھی۔

ان تصریحات و نصوص انجیل اربعہ سے پہلے سرسید نے آنکھ بند کر کے اپنی تفسیر میں مسیح کے صلیب پر فوت ہونے سے انکار کا۔ اور دلیری و بہادری کے

ساتھ یہ کہہ دیا کہ کسی کتاب سے بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کوئی رسم تجہیز و تکفین کی حضرت عیسیٰ کے ساتھ عمل میں آئی تھی۔ پھر ان کی تقلید و پیروی میں قادیانی نے اپنے آپ کو اندھا کر کے صلیب پر حضرت مسیح کے فوت ہونے سے انکار کیا اور جو سرسید نے کہا تھا سو کہا، اور اس کے ساتھ ایک اور دلیہ کی کر کے یہ دعویٰ کیا کہ اس واقعہ کے متعلق جو کچھ آپ نے دروغ بے فروغ ملایا ہے وہ انجیلوں میں لکھا ہوا ہے۔ اور خوف خدا و تنگ دنیا کو پیش نظر رکھ کر اتنا نہ سوچا کہ چاروں انجیلوں میں تو حضرت مسیح کا صلیب پر فوت ہو جانا، پھر دستور یہودیوں کے مطابق کفنایا اور دفنایا جانا بضریح بیان کیا گیا ہے، پھر میرا جھوٹ کب تک چھپا رہے گا۔ کوئی انجیلوں کو نکال کر دیکھے گا تو مجھے کیا کہے گا؟

مرزا قادیانی میں کچھ شرم و حیا ہوتا تو اپنے اس بیان سراپا بہتان کا انجیلوں میں پایا جانا نہ بتاتا۔ صرف یہ کہتا کہ میں نے سید احمد کی تفسیر میں ایسا پایا ہے اور کسی کتاب آسمانی یا تصنیف اسلامی میں اس کا اثر نہیں دیکھا۔ مگر اس کو شرم کہاں؟ اور سرسید کی شاگردی کا اظہار کرنے کی جرئت کہاں؟ وہ تو سرسید احمد کے کام سے اپنا نام کرنا، اور خود استاد بننا چاہتا ہے۔ اور اس وجہ سے اس کی اتباع سے عار و انکار کرتا ہے، اور نمک خوردن و نمک دان شکستن، پرپورا کار بند ہو رہا ہے۔ مگر خدا نے اس کا بھانڈا پھوڑ دیا اور اشاعت السنہ کے ذریعہ سے ہر کس و ناکس کو بتا دیا کہ یہ سرسید کا چور ہے اور ان کا شاگرد ہے۔ گرنہ شکر! ۵۶۷۔ صلیب سے اترنے کے بعد حضرت مسیح کوفت شدہ قرار دینے کا عقیدہ قادیانی نے سرسید سے لے کر فتح الاسلام، توضیح المرام، ازالہ اوہام۔ اور اشتہار مئی ۱۸۹۱ء میں بیان کیا اور اس کی اصل عبارات اشاعت السنہ نمبر ۴، ۱۳۳ میں بضمن فتویٰ منقول ہیں۔ سرسید نے یہ مضمون تفسیر القرآن ج ۲ صفحہ ۴۶، ۵۰ میں بیان کیا۔ اور اشاعت السنہ نمبر ۲، ۳۔ ۴ جلد ۱۱ اشاعت السنہ میں اس کا جواب ہے۔

۶۔ آیہ و ان من اهل الكتاب الا ليقو منن به میں ایمان سے حضرت مسیح کے صلیب پر مارے نہ جانے پر ایمان مراد ہونے کا عقیدہ، مرزا قادیانی نے سرسید احمد خان سے لے کر اپنے ازالہ اوہام کے صفحات ۳۶۹ سے ۳۷۶ میں لکھا کہ کسی کو ان گروہوں سے مسیح کے مصلوب ہونے پر یقین نہیں۔ (ص ۳۷۵ ازالہ اوہام)۔ اور کوئی اہل کتاب ایسا نہیں جو ہمارے اس بیان پر جو ہم نے اہل کتاب کے حالات کی نسبت ظاہر کئے ہے ایمان نہ رکھتا ہو (ازالہ اوہام ص ۳۷۴)۔ اور سرسید احمد نے یہ مضمون تفسیر القرآن جلد ۲ ص ۱۶۵ میں بیان کیا۔ اصل عبارت یوں ہے: یہ ہی نہیں کوئی اہل کتاب سے یقین کرے ساتھ اس کے یعنی حضرت عیسیٰ کے صلیب پر مارے جانے کے قبل اپنے مرنے کے یعنی بعد مرنے کے وہ جان لے گا کہ صلیب پر حضرت مسیح کا مرنا غلط تھا۔

ان کا جواب اشاعت السنہ جلد ۱۲ کے شروع کے نمبروں میں ہے۔ یہاں قادیانی اور سرسید احمد کی عبارتیں کیسی صاف بتا رہی ہیں کہ ان میں سے اول الذکر، ثانی سے مسروق یا ماخوذ ہے۔ اور اس آیت کی تاویل و تحریف میں مرزا صاحب نے سرسید احمد کی شاگردی کی ہے۔ پھر مرزا کی اس جرئت کو ملاحظہ کرو کہ اس نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۷۶ میں یہ ادعا سراسر افتراء کیا ہے کہ ان معنی کا انکشاف مجھے بذریعہ الہام ہوا ہے۔ ہم کہتے ہیں جی ہے، یہ الہام ہوا ہے مگر خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں، بلکہ سرسید اور ان کی تفسیر سے یا علم الملکوت کی طرف سے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: و ان الشیاطین لیو حون الی او

لیا ئہم۔ اور قال اللہ تعالیٰ یوحی بعضهم الی بعض زخرف القول غرورا

۷۔ یہ مضمون کہ روح القدس، جبریل وغیرہ انسان کی صفت ہے جو خدا کی محبت اور انسان کا مل کی محبت کے تلقینی سے متولد ہوتی ہے، مرزا صاحب نے سرسید احمد سے اخذ کیا اور توضیح المرام کے صفحہ ۲۱ میں کہا ہے: ان دو مضمونوں کے ملنے سے جو درحقیقت تراوہ مادہ کا حکم رکھتے ہیں، ایک تیسری پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام روح القدس ہے۔

اور اس کتاب کے صفحہ ۲۵ میں لکھا ہے: یہ کیفیت دونوں مضمونوں کے جوڑ سے پیدا ہو جاتی ہے اس کو روح امین بولتے ہیں اس کا نام شدید القوی بھی ہے اس کا نام ذوالافاق الاعلیٰ بھی ہے۔

سر سید احمد نے یہ مضمون تفسیر القرآن جلد اول ص ۴۹ میں یوں بیان کیا تھا: ان باریک باتوں پر غور کرنے اور اس بات کے سمجھنے سے کہ خدا تعالیٰ جو اپنے جاہ و جلال اور اپنی قدرت اور اپنے افعال کو فرشتوں سے نسبت کرتا ہے تو جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے اس کا کوئی اصلی وجود نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی بے انتہاء قدرتوں کے ظہور کو اور ان قوی کو جو خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں، ملک یا ملائکہ کہا ہے۔ جن میں ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے۔ پہاڑوں کی قوت صلابت، پانی کی رقت، درختوں کی قوت نمو، برق کی قوت جذب و دفع۔ غرض تمام قوی جن سے مخلوقات موجود ہوئی ہیں۔ اور جو مخلوقات میں نہیں، وہی ملائکہ یا ملائکہ ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہوتا ہے۔

۸۔ یہ مضمون کہ آنحضرت ﷺ وغیرہ انبیاء و صلحاء جو ملائکہ کی صورتیں دیکھتے ہیں یا ان کی آوازیں سنتے ہیں، یہ ان کی خیالی صورتیں ہیں، مرزا قادیانی نے توضیح مرام کے صفحہ ۷ میں یوں بیان کیا: جب انسان بوجہ اقترانِ حُسن روح القدس کی نالی کے قریب اپنے تئیں رکھ دیتا ہے، معاً اس نالی میں سے فیض وحی اس کے اندر گر جاتا ہے۔ یا یوں کہو کہ اس وقت جبریل اپنا نورانی سایہ اس مستعد دل پر ڈال کر ایک عکسی تصویر اپنی اس کے اندر رکھ دیتا ہے۔ تب جس نے اس فرشتہ کا جو آسمان پر مستقر ہے جبریل نام ہے اس عکسی تصویر کا نام بھی جبریل ہی ہوتا ہے۔ یا مثلاً اس فرشتہ کا نام روح القدس ہے تو اس عکسی تصویر کا نام بھی روح القدس ہی رکھا جاتا ہے۔ سو یہ نہیں کہ فرشتہ انسان کے اندر گھس آتا ہے، بلکہ اس کا عکس انسان کے آئینہ قلب میں نمودار ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب آئینہ تم اپنے منہ کے سامنے رکھ دو گے تو تمہاری شکل کا عکس اس میں پڑے گا، یہ نہیں کہ تمہارا منہ اور سر، گردن سے ٹوٹ کر الگ ہو کر آئینہ میں رکھ دیا جائے گا۔

اور اس کتاب کے صفحہ ۷۹ میں مرزا قادیانی نے لکھا: پس جب جبریل جنبش میں آتا ہے تو معاً اس کی ایک عکسی تصویر جس کو روح القدس کے بھی نام سے موسوم کرنا چاہیے، محبت صادق کے دل میں منقش ہو جاتی ہے اور اس کی محبت صادق کا ایک عرض لازم ظہور جاتی ہے، تب یہ قوت خدا تعالیٰ کی آواز سننے کے لئے کان کا فائدہ بخشی ہے۔ اور اس کے الہامات زبان پر جاری ہونے کے لئے ایک ایسی محرک حرارت کا کام دیتی ہے جو زبان کے پہیہ کو زور کے ساتھ الہامی خط پر چلاتی ہے۔ یہ قوت جو روح القدس سے موسوم ہے ہر ایک دل میں یکساں نہیں ہوتی۔

اور سر سید احمد خان نے یہ مضمون تفسیر القرآن جلد ۲ ص ۴۲ میں یوں بیان کیا: تمام یہودی یقین رکھتے تھے کہ ان میں ایک مسیح پیدا ہونے والا ہے جو یہودیوں کی بادشاہت کو پھر قائم کرے گا۔ اس لئے یہودی عورتیں بیٹا ہونے کی نہایت آرزو رکھتیں تھیں اور دعا مانگتی تھیں اور عبادتیں کرتی تھیں کہ وہ شخص ہمارا ہی بیٹا ہو۔ ایسی حالتوں میں اس قسم کی خوابوں کا دیکھنا یا بن بولنے والی آوازوں کا سننا یا تخیلہ میں کسی مجسم شے کا دکھائی دینا، ایسا امر ہے جو بمقتضائے فطرت انسانی واقع ہوتا ہے۔

اس عبارت سر سید میں اور قادیانی کی عبارت میں گواہ خیالی صورت کے جو انبیاء و صلحاء دیکھتے تھے پیدا ہونے کا موجب جدا گانہ بیان ہوا ہے۔ مگر اس صورت کو خیالی قرار دینے میں دونوں عبارتوں کا اتفاق ہے۔ ایسا ہی اس سے پہلے مضمون کی مصدق عبارت کا، گو کسی قدر اختلاف ہے مگر قوی پر ملائکہ کا اطلاق کرنے میں دونوں کا اتفاق ہے۔ اس سے ناظرین سمجھ لیں کہ قادیانی نے مضمون نمبر ۸ سر سید احمد سے لیا ہے مگر اسکی ادا کے طرز بیان کو بدل دیا ہے۔

۹۔ یہ مضمون کہ آنحضرت ﷺ کو جسم سے معراج نہیں ہوا، قادیانی سر سید سے اخذ کر کے اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۴۷ وغیرہ میں بیان کیا۔ اور سر سید نے تہذیب الاخلاق نمبر ۱۱ ج ۵ بابت شعبان ۹۱ھ میں بیان کیا تھا۔ اس مسئلہ کے اخذ و شاگردی میں شاگرد صاحب استاد سے بڑھے گئے۔ استاد نے تو دور اندیشی سے کام لیا اور جسمانی معراج کو حکم عقل محال و ناممکن قرار نہیں دیا تھا۔ اور اس انکار پر بزرگ خود صرف لطفی دلائل قرآن و حدیث و اقوال بعض صحابہ سے، جو اس معراج کو ایک خواب قرار دیتے ہیں، استدلال کر کے اپنے اصل مذہب اور اس کی عقلی وجہ انکار پر پردہ ڈال دیا تھا، مگر شاگرد صاحب کوتاہ

اندیشی سے کھلے اور جسمانی معراج کو عقلاً ناممکن و محال قرار دے کر عقلی وجوہات اور نیچرل استدلال سے اس کے مبطل ہوئے ہیں۔ استاد سید احمد کا اصل کلام جو پرچہ مذکور میں ہے، یہ ہے: نسبت معراج رسول خدا ﷺ کے تین مذہب ہیں۔ اول مذہب حضرت عائشہ صدیقہ اور بعض صحابہ کا جو اس بات کے قائل ہیں کہ معراج روحانی ہے، نہ جسمانی۔ دوسرا مذہب چندا کا بردین کا ہے اور وہ یہ ہے کہ معراج بیت المقدس تک جسمانی تھی اور وہاں سے ملا اعلیٰ تک روحانی۔ تیسرا مذہب عام جو سب میں مشہور ہے کہ تمام معراج جسمانی تھی۔ میری یہ رائے ہے کہ جہاں تک اس مسئلہ پر ادرقرآن مجید اور احادیث پر غور کیا جاتا ہے تو مذہب حضرت عائشہ کا ٹھیک اور درست معلوم ہوتا ہے وہی مذہب میں نے اختیار کیا ہے۔

شاگرد صاحب کا اصل کلام، جو بظاہر حضرت مسیح کے عروج آسمانی پر ایک حملہ ہے مگر اس میں آپ نے آنحضرت ﷺ کے معراج کو بھی لپیٹ لیا ہے، یہ ہے جو الزام اوہام کے صفحہ مذکور میں ہے: ماسوا اس کے اور کئی طریق سے ان پرانے خیالات پر سخت سخت اعتراض عقل کے وارد ہوتے ہیں جن سے نخلص حاصل کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی... ازاں جملہ ایک یہ اعتراض کہ نیا اور پرانا فلسفہ بالاتفاق اس بات کو محال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اپنے خاکی جسم کے ساتھ کرہ زمہریر تک بھی پہنچ سکے۔ بلکہ علم طبعی کی نئی تحقیقات میں اس بات کو ثابت کر چکی ہیں کہ بعض بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچ کر اس طبقہ کی ہوا ایسی مضرت معلوم ہوتی ہے کہ جس میں زندہ رہنا ناممکن نہیں۔ اس جسم کا کرہ ماہتاب یا کرہ آفتاب تک پہنچنا کس قدر لغو خیال ہے۔ اس جگہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر جسم خاکی کا آسمان پر جانا محال ہے تو آنحضرت ﷺ کا معراج اس جسم کے ساتھ کیونکر جاز ہوگا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سیر معراج اس جسم تکلیف (یہ لفظ آنحضرت ﷺ کے جسم شریف و لطیف کی نسبت اسی کے منہ سے نکل سکتا ہے جس کے دل میں آنحضرت ﷺ کی مطلق تنظیم نہ ہو۔ محمد حسین) کے ساتھ نہیں تھا، بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا کشف تھا جس کو درحقیقت بیداری کہنا چاہیے۔ ایسی کشف کی حالت میں انسان ایک نوری جسم کے ساتھ حسب استعداد نفس ناطقہ اپنے کے، آسمان کی سیر کر سکتا ہے... اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔

اس کلام میں مرزا صاحب نے کسی نیچرل وجوہات سے جسمانی معراج نبوی کا بزعیم خود ابطال کیا ہے اور جس قسم کا روحانی اور کشفی معراج آنحضرت ﷺ کے لئے تجویز کیا ہے اس میں اپنا حصہ بھی رکھ لیا۔ اور صاف یہ دعویٰ کیا ہے کہ ایسا معراج کشفی مجھے خود ہو چکا ہے۔ نعوذ باللہ۔ کسبت کلمۃ تخرج من افواہم ان یقولون الا کذباً۔ اس کلام کو دیکھ کر بھی کوئی شخص آپ کے نیچری ہونے میں شک ظاہر کرے تو سمجھا جاوے گا کہ وہ خود نیچری ہے۔ جو ایسے ایمانی امور تشاہد الحقیقت مجہول الکنہ پر ایمان نہیں رکھتا۔

۱۰۔ یہ مضمون کہ بنی اسرائیل کا مقتول جس کا ذکر آیت واذ قتلتم نفساً فادارتہم میں ہے، درحقیقت زندہ نہیں ہوا تھا، مرزا قادیانی نے اپنے الزام اوہام کے صفحہ ۴۹ میں یوں بیان کیا ہے: قرآن شریف کی کسی عبارت سے نہیں لگتا کہ فی الحقیقت کوئی مردہ زندہ ہو گیا تھا۔ اور واقعی طور سے قالب میں جان پڑ گئی تھی۔ بلکہ اس آیت پر غور کرنے سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ یہود یوں کی ایک جماعت نے ایک خون کر کے چھپا دیا تھا اور بعض، بعض پر تہمت خون لگاتے تھے۔ سو خدا تعالیٰ نے اصل مجرم کے پکڑنے کیلئے یہ تدبیر سمجھائی تھی کہ تم ایک گائے ذبح کر کے اس کی بوٹیوں کو اس لاش پر مار دو اور وہ تمام اشخاص جن پر شبہ تھا ان بوٹیوں کو بوت نبوت اس لاش پر ماریں۔ تب اصل خونی کے ساتھ سے جب لاش پر بوٹی لگے گی تو لاش سے ایسی حرکات صادر ہوں گی جس سے خونی پکڑا جاوے۔ اب اس قصہ سے واقعی طور پر لاش کا زندہ ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ صرف دہمکی تھی، تاچور بے دل ہو کر اپنے تئیں ظاہر کر دے۔ لیکن ایسی تاویل سے عالم الغیب کا بجز ظاہر ہونا ہے اور ایسی تاویلیں وہی لوگ کرتے ہیں کہ جن کو عالم ملکوت کے اسرار سے حصہ نہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ طریق علم عمل الترب یعنی مسمریزم کا ایک شعبہ تھا جس کے بعض خواص یہ ہیں کہ جمادات یا مردہ حیوانات میں ایک حرکت مشابہ بحرکت حیوانات پیدا ہو کر اس سے بعض مشتبہ مجہول امور کا پتہ لگ جاتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ کسی سچائی

کو ضائع نہ کریں۔ اور ہر ایک حقیقت یا خاصیت جو عین صداقت ہے اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھیں۔ علم عمل الترب ایک عظیم الشان ہے جو طبعی کا ایک روحانی حصہ ہے۔ (تا آخر صفحہ)۔

اس مضمون کو سر سید احمد نے تفسیر القرآن ج ۱۲۰ و ۱۲۱ وغیرہ میں بیان کیا تھا جس کے بعض فقرات یہ ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے دل میں یہ بات ڈالی تاکہ سب لوگ جو موجود ہیں اور ان ہی میں قاتل بھی ہے، مقتول کے اعضا سے مقتول کو ماریں۔ جو لوگ درحقیقت قاتل نہیں وہ بہ سبب یقین اپنی بے گناہی کے ایسا کرنے میں کچھ خوف نہ کریں گے، مگر اصل قاتل بہ سبب خوف اپنے جرم کے جو از روئے فطرت انسان کے دل میں اور بالخصوص جہالت کے زمانہ میں اس قسم کی باتوں سے دل میں ہوتا ہے، ہرگز ایسا نہیں کرنے کا۔ اور اس وقت معلوم ہو جائے گا۔ اس قسم کے کیلوں سے اس زمانہ میں بہت سے چور معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور وہ بہ سبب خوف اپنے جرم کے ایسا کام جو دوسرے لوگ بلا خوف کرتے ہیں، نہیں کر سکتے۔ پس یہ ایک تدبیر قاتل کے معلوم کرنے کی تھی۔ اس سے زیادہ کچھ نہ تھا۔

اس مسئلہ کے اخذ میں بھی شاگرد (قادیانی) صاحب اپنے استاد سے بڑھ گئے۔ استاد صاحب نے تو مقتول بنی اسرائیل کے زندہ ہونے سے انکار پر یہ پردہ ڈالا تھا کہ جو کام اس مقتول کی نسبت بحکم الہی کیا گیا تھا وہ صرف ایک ذہنی تھی، شاگرد صاحب نے اس پردہ کو ناکافی سمجھ کر اس انکار زندگی مقتول پر یہ پردہ ڈالا کہ وہ مسمریزم کا عمل تھا، جو نئی روشنی، نئی تہذیب والوں کی نظروں میں خوش نما معلوم ہوا۔ مگر اس سبقت کے ساتھ جو انہوں نے اپنے استاد پر ذہنی کی تجویز کے سبب یہ طعن کیا ہے کہ وہ علم عالم ملکوت اور عمل الترب سے بے نصیب ہیں، اس میں استاد کی ناشکری اور کفران نعمت کا ارتکاب کیا ہے۔ اور یہ خیال نہ فرمایا کہ مسمریزم کا مسئلہ تو میں نے سرسید ہی سے سیکھا ہے۔ پھر ان کو اس عمل کے علم سے بے نصیب قرار دینا ناشکری نہیں تو کیا ہے۔

ہاں یہ سچ ہے کہ اس آیت کی تاویل و تخریج کے وقت یہ تجویز عمل مسمریزم استاد کو یاد نہ آئی، مگر اس سے ان کی بے علمی و بے نصیبی ثابت نہیں ہوتی۔ یہ تو صرف بھول ہے جو بڑے بڑے استادوں سے ہو جاتی ہے۔ اس بھول پر مرزا کا ان کو بے علم و بے نصیب کہنا اور اس بات پر جو ان ہی سیکھی ہوئی ہے فخر کرنا، ہرگز مناسب نہ تھا۔

اس عبارت کے آخر میں مرزا صاحب نے علم مسمریزم یا عمل الترب کو عظیم الشان کہا ہے اور اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۰۹ میں جس کی اصل عبارت فتویٰ تکفیر مرزا میں منقول ہے، مکرور اور قابل نفرت کہا ہے۔ اس سے مرزا صاحب نے منحل مشہور: دروغ گورا حافظ بنیاشد، کوچ کر دکھایا اور یہ بتایا ہے کہ علم عمل الترب کی نسبت آپ کو کچھ واقفیت اور دلی یقین نہیں ہے۔ اور جو کچھ اس کے متعلق آپ نے کہا ہے، اس میں لاف زنی کی ہے، اور کذب سے کام لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے قلم سے اس کے متعلق کہیں کچھ نکل گیا کہیں کچھ۔

ان امثلہ کے نظائر قادیانی کے کام میں اس کثرت سے ہیں کہ ان سب کو اس پرچہ میں شاکر نادر یا کوکوزہ سے ناچنا ہے۔

جیسے قادیانی کا حضرت مسیح کی نسبت یہ سوالات کرنا کہ اگر وہ جسم کے ساتھ آسمان پر ہیں تو کبھی سوتے، کبھی جاگتے ہوں گے۔ دنیوی طعام و شراب پیتے کھاتے ہوں گے۔ اوقات ضرورت میں پا پینا نہ پیشاب کرتے ہوں گے، اور ناخن اور بال کٹواتے ہوں گے۔ اس کے لئے کوئی چار پائی بستر ہوگا وغیرہ، دیکھو ازالہ اوہام صفحہ ۴۱ وغیرہ

اور تفسیر لیلۃ القدر میں یہ کہنا کہ اس سے کمال درجہ کی ظلمت مراد ہے، نہ درحقیقت کوئی رات۔ (فتح الاسلام صفحہ ۵۲)۔

اور تفسیر سورہ الشمس میں اس کا یہ کہنا کہ ناقۃ اللہ سے نفس انسانی مراد ہے اور سقیاء سے یاد الہی اور معارف کا چشمہ۔ (توضیح المرام ص ۶۵)

اور تفسیر علامات قیامت میں اس کا یہ کہنا کہ دا بة الارض سے علماء ہر مراد ہیں (ازالہ اوہام ص ۵۰۳)۔

اور درخان سے یہ قحط مراد ہے جو اس وقت ملک میں پڑا ہوا ہے۔ (ازالہ اوہام ص ۵۱۱)

اور مغرب سے طلوع آفتاب سے یورپ میں اسلام کا پھیلنا مراد ہے۔ (ازالہ اوہام ص ۵۱۵)۔

اور خروج یا جوج ماجوج سے روس و انگریز کا باہم جنگ کرنا مراد ہے۔ (ازالہ اوہام ص ۵۰۸)۔

اور دجال سے پادری وغیرہ انگریز مراد ہیں۔ (ازالہ اوہام ص ۴۹۹ او ۴۹۵)۔

اور خردجال سے ریل گاڑی مراد ہے۔ (ازالہ اوہام ص ۴۳۲ وغیرہ)۔

اور ان چیزوں کے حقائق مشہورہ لوہنی اور چٹھے میں اڑانا۔ چنانچہ ازالہ اوہام کے صفحہ ۵۰۵ میں لکھا ہے: مولوی صاحبان کو شش کر کے کوئی یا جوج ماجوج کا آدمی یا دجال کے جسامہ یا ابن صیاد کو ہی کسی جنگل سے پکڑ کر لے آویں۔ پھر کیا بات ہے۔ سب مان جائیں گے کہ اسی طرح حضرت مسیح بھی آسمان پر زندہ ہیں۔ اور مفت میں فتح ہو جائے گی۔ حضرات اب ہمت کیجئے۔ کہیں سے دجال شیر کے جسامہ کو بھی پکڑیے۔ حوصلہ نہ ہاریں۔ آخر یہ سب زمین پر ہی ہیں۔ ابن تیمیہ کی حدیث کو مسلم میں پڑھ کر اس پتہ سے جسامہ دجال کا سراغ لگائیے۔ یا خبیث دجال کو ہی جوج نیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ پچشم خود کچھ کر پھر اوروں کو دکھلایئے تو خوب ہے۔ انگریزوں نے ہمت اور کوشش کر کے نئی دنیا کا سراغ لگایا۔ آپ اس ناکارہ کام میں ہی کامیابی دکھلایئے۔ شانندان لوگوں میں کسی کا پتہ چلے

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد اگر خارے بود گل دستہ گردد

اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو پھر خیر اسی میں ہے کہ ان بے ہودہ خیالات سے باز آ جاویں..... یہ تحقیق اور تدقیق کا زمانہ ہے۔ اسلام کا ایسا خاکہ کھینچ کر نہ دکھلایئے جس پر بچہ بچہ ہنسی کرے۔ غور کر کے سوچئے کہ یہ کروڑہا انسان جو صد ہا برسوں سے زندہ فرض کئے گئے ہیں، جواب تک مرنے میں نہیں آتے۔ کس ملک، کس شہر میں رہتے ہیں۔ تعجب ہے کہ معمورہ دنیا کی حقیقت بخوبی کھل گئی، اور پہاڑوں اور جزیروں کا حال بخوبی معلوم ہو گیا اور تفتیش کرنے والوں نے یہاں تک اس تفتیش کو کمال تک پہنچا دیا جو ایسی آبادیاں جو ابتداء دنیا سے معلوم نہ تھیں وہ اب معلوم ہو گئیں۔ مگر اب تک اس جسامہ اور دجال اور ابن صیاد مفقود الخیر اور دابۃ الارض اور یا جوج ماجوج کے کروڑہا انسانوں کا پتہ نہیں ملتا،

اور اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۶۸ میں اس نے کہا ہے کہ: اس فلسفی الطبع کا زمانہ میں جو عقلی شائستگی اور ذہنی تیزی اپنے ساتھ رکھتا ہے، ایسے عقیدوں کے ساتھ دینی کامیابی کی امید رکھنا ایک بڑی بھاری غلطی ہے۔ اگر افریقہ کے ریگستان، یا عرب کے صحرائیں امیوں اور بدوؤں میں یا سمندر کے جزیروں کے اور حشی لوگوں کی جماعتوں میں یہ بے سرو پا باتیں پھیلائیں تو شاندا آسانی سے پھیل سکیں، لیکن ہم ایسی تعلیمات کو جو عقل اور تجربہ اور طبعی فلسفہ سے بلکی مخالف ہیں، تعلیم یافتہ لوگوں میں ہرگز نہیں پھیلا سکتے اور نہ یورپ اور امریکہ کے متحقق طبع لوگوں کی طرف جو اپنے دین کی لغویات سے دست بردار ہو رہے ہیں، بطور ہدیہ بھیج سکتے ہیں۔ جن لوگوں کے دماغ کو نئے علوم کی روشنی نے انسانی قوی میں ترقی دیدی ہے، وہ ایسی باتوں کو کیونکر تسلیم کریں گے جس میں سر اسر خدا تعالیٰ کی توہین اور اس کی توحید کی اہانت اور اس کے قانون قدرت کا ابطال اور اس کے کتابی اصول کی تنسیخ پائی جاتی ہے۔

کتابی اصول اور توحید کو مرزا صاحب نے صرف مسلمانوں کو دام میں لانے کے لئے شامل کر لیا ہے۔ آپ کا اصل استدلال اسی قانون قدرت یعنی نیچر سے ہے۔ لہذا اسی کے ذکر پر اکتفاء آپ کو مناسب تھا۔ جو حالات دجال یا جوج ماجوج وغیرہ کے آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائے ہیں وہ کتابی اصول و توحید خداوندی کے ہرگز مخالف نہیں۔ اس کی تفصیل ان امور کے متعلق عقلی بحث میں ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور حدیث کے راوی صحابی کا نام ابن تیم نہیں جیسا کہ قادیانی نے لکھا ہے بلکہ تیم ان کا نام ہے۔ مرزا قادیانی خود تو حدیث سے جاہل محض ہے، حکیم نور الدین وغیرہ سے سنی سنائی باتیں نقل کر دیتا ہے۔ پس جو خیال میں آیا سولکھ مارا۔ یہ حدیث تیم داری کی مع ترجمہ اشاعت السنۃ ۱۳۵۷ کے نمبر ۸ میں منقول ہے۔

اور ناظرین خیال فرمائیں کہ اس مقام میں اس حدیث کے مضمون پر قادیانی نے کبھی ہنسی اڑائی ہے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ اس ہنسی اڑانے کیلئے احادیث متعلقہ دجال و ابن صیاد یا جوج ماجوج میں اس نے بہت سی باتیں خارج از قیاس از خود ملادی ہیں۔ جیسے اس کا کہنا کہ یہ کروڑ ہا انسان یا جوج ماجوج صد ہا برسوں سے زندہ ہیں، مرنے میں نہیں آتے۔ اور ابن صیاد اور دابة الارض بھی زندہ موجود ہیں، جن کا کسی حدیث میں ذکر نہیں اور نہ کوئی مسلمان قائل ہے، اس طعن و تمسخر کے ساتھ اس کا یہ کہنا کہ میں نیچری نہیں ہوں، کیونکہ نیچریوں کے دل میں حدیث کی عظمت نہیں۔ اور میں حدیث کو مانتا ہوں اور صحیح بخاری اور مسلم کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ جانتا ہوں، کذب و نفاق اور مسلمان کو دام میں لانے کے لئے ایک جال نہیں تو کیا ہے؟

ایسے ہی بے حد بے شمار نظائر تصانیف قادیانی میں اور بھی پائے جاتے ہیں جو بعینہا یا ان کا اصول سرسید احمد کے کلام میں موجود ہے۔ ان نظائر کی نظر سے ہمارا یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ قادیانی نے جوئی بات نکالی ہے، وہ سرسید احمد سے لی ہے اور اس میں ان کی شاگردی اختیار کی ہے، گو بعض باتوں میں شاگرد نے استاد پر سبقت حاصل کر لی ہے۔

قادیانی نے جو سرسید احمد کی شاگردی و پیروی سے انکار کیا اور اپنی تحریر نمبر پنجم میں کہا ہے کہ نیچریوں کا اول دشمن میں ہوں۔ تو اس کی ایک وجہ تو وہی آپ کی ناشکری ہے۔ جو اوپر بیان ہوئی ہے کہ آپ سرسید احمد کے کام سے اپنا نام چاہتے ہیں۔ اور شاگرد ہو کر استاد کہلانے کے فکر میں ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ آپ نے یہ خیال کیا کہ سرسید احمد اور ان کے پیروان بظہر من الشمس مسلمانوں میں بدنام ہیں۔ لہذا ہم ان کے پیرو و شاگرد کہلا کر مسلمانوں کو اپنے دام تزیرو میں نہیں لاسکتے۔ یہ سوچ کر آپ نے ان کے اصول و مسائل کو سرگرمی کے ساتھ رواج دیا، مگر ان کے شاگرد و پیرو ہونے سے انکار مناسب سمجھا۔ بلکہ کہیں کہیں ان کی مخالفت و عداوت کا اظہار بھی ضروری خیال کیا۔ چنانچہ تحریر نمبر ۵ میں آپ سے ظہور میں آیا ہے۔ ایسا ہی ازالہ اوہام کے صفحہ ۴۹ میں آپ کا سرسید کو اشارۃً علم عمل الترب سے بے نصیب کہنا ہے۔ اور ازالہ اوہام کے صفحہ ۵۵ میں تمام نیچریوں کو صراحتاً برا کہنا اور یہ دعویٰ کرنا ہے کہ ان کے دلوں میں قال اللہ وقال الرسول کی عظمت نہیں اور یہ لوگ حدیثوں کو نہیں مانتے۔

لیکن عقل و حیا سے کام لے کر مرزا صاحب نے یہ خیال نہ فرمایا کہ اصول نیچری کی پیروی و موافقت کے ساتھ آپ کی یہ مخالفت ظاہری کس کام آتی ہے۔ جس قدر ظنون و توہین و استہزاء، بھتک و احادیث صحیحہ آپ کی کلام میں پایا جاتا ہے، سرسید اور ان کے اتباع کی کلام میں اس کا عشر عشر بھی پایا نہیں جاتا، اور جن باتوں میں آپ نے سرسید کی شاگردی و پیروی اختیار کی ہے، ان کے اظہار و بیان میں آپ نے سرسید کو پیچھے چھوڑ دیا اور سبقت کا علم بلند کیا۔ مثلاً ۱۔ سرسید احمد نے تو حضرت مسیح کو صرف مردہ قرار دیا تھا۔ آپ نے ان کو مار کر یا زندہ درگور کر کے ان کا عہدہ خود چھین لیا۔ اور اپنے مسیح موعود ہونے کا اشتہار دے دیا۔

۲۔ سرسید احمد نے تو معجزات مشہورہ حضرت مسیح سے صرف انکار کیا اور ان کو مسمریزم کا اثر قرار دیا تھا۔ مرزا صاحب نے حضرت مسیح کے معجزات کو محفل مسمریزم قرار دے کر ایک کمرہ و قابل نفرت فعل ٹھہرایا اور خود حضرت مسیح سے بڑھ کر یا اس کے برابر عمل مسمریزم کر دکھانے کا دعویٰ کیا۔

۳۔ سرسید احمد نے تو منصب نبوت کو وضع کر کے اوروں (جیسے کالون، لوقر۔ اور بابو کشب چند رہین وغیرہ) کا نبی ہونا تجویز کیا تھا۔ مرزا صاحب نے ختم نبوت کو توڑ کر خود دعویٰ نبوت و رسالت کیا۔ اور اپنا احمد رسول ہمشربزبان جیسے علیہ السلام بھص قرآن و مبشر آ برسول یاتس من بعدی اسمہ احمد ہونا مشتہر کر دیا

پھر اس سبقت کے ساتھ آپ کا انکار شاگردی و پیروی سرسید سے کیا فائدہ بخش ہو سکتا ہے، اور اس سے آپ کا نیچری ہونا کب چھپا رہ سکتا تھا۔ ان باتوں نے عام لوگوں کی نظروں میں آپ کو سرسید احمد کا مرشد، جیسا کہ آپ چاہتے ہیں، بنا دیا۔ اور ان کو سرسید احمد کا ذکر بھلا دیا۔ مگر ہم انصاف کا خون کرنا چاہتے ہیں اور ان کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اور اس لئے اب تک سرسید احمد کو آپ کا استاد اور آپ کو ان کا شاگرد مان رہے ہیں، عام



لوگوں کو اختیار ہے جو چاہیں سو کہیں۔

اس بحث و بیان سے کوئی نادان اتباع سرسید احمد خان سے شائد یہ نتیجہ نکال لے کہ جو کچھ مرزا قادیانی نے کہا ہے، اگر یہ سرسید کی کلام میں بعینہ یا باصلہ موجود ہے تو قادیانی صاحب، سرسید احمد کے شاگرد اور خلیفہ چٹھہرے، پھر ہم اپنے امام کے خلیفہ کی پیروی کیوں نہ کریں۔ اور کھلے خزانہ عیسائی مرزائی کیوں نہ کہلاویں۔ مگر ان کا یہ نتیجہ نکالنا محض دھوکہ کھانا ہے۔ اس لئے کہ کوئی شخص کسی کا خلیفہ تب ہی ہو سکتا ہے جب کہ وہ دو شرطوں کا پابند ہو، ان میں سے ایک شرط کا بھی وہ خلاف کرے گا تو ہرگز خلیفہ نہیں کہلائے گا۔

اول یہ کہ وہ اس کی پیروی اور نیابت اور خلافت کا معترف ہو۔ اس کی پیروی کا منکر اور اس کے مقابلہ کا مدعی نہ ہو۔ کیونکہ اس صورت میں وہ اس کا باغی کہلا تا ہے، نہ کہ خلیفہ، دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اس کے اصول کا پابند رہے۔ ان کی مخالفت نہ کرے۔ کیونکہ در صورت مخالفت اصول وہ اس کا خلیفہ نہیں کہلا تا۔ بلکہ ایک مستقل امام کہلانے کا مدعی سمجھا جاتا ہے۔

اور مرزا قادیانی میں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں اور ان کی اضداد موجود۔ وہ سرسید کی پیروی و نیابت کا منکر اور ان کے مقابلہ کا مدعی اور ان کے اصول جدیدہ کی پیروی کے ساتھ اس بات کا مدعی ہے کہ یہ اصول ایجاد بندہ ہیں۔ سرسید تو ان سے محض بے نصیب ہیں۔ اور ان کے اصول کے مقابلہ میں وہ بعض ایسے پرانے اصول کو بھی ہاتھ مارتا ہے جو اصول مذہب سرسید کے مخالف ہیں۔ اور اس سے وہ تناقض اور جمع بین الضدین کا مرتکب ہو رہا ہے۔ مثلاً ۱۔ وہ عجزات انبیاء کا منکر ہے، مگر اپنے لئے عجزات و خوارق کے انبار و طومار تجویز کر رہا ہے۔ ۲۔ وہ حضرت مسیح کے صعود و نزول جسمانی اور اس کے متعلقات و لوازم کو خلاف قانون قدرت (نیچر)، وغیرہ معمولی سمجھ کر اس سے منکر ہے، مگر اپنے لئے غیر معمولی الہام ثابت کر رہا ہے و علیٰ ہذا القیاس۔

اسی وجہ سے ان کے پیرومرشد سرسید نے اپنے پرچہ میں اس کے الہامات کے برخلاف ایک مضمون شائع کر دیا ہے جس میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ اس الہام کی تجویز میں وہ اصول سرسید کی پیروی سے خارج ہو گیا اور ایک ناخلف مرید اور عاق شاگرد بن گیا ہے۔ اس لئے وہ سرسید کا خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ اب اتباع سرسید احمد کو، اگر وہ ان کے سچے اتباع ہیں، ہرگز مناسب نہیں ہے کہ اس مخالفت و بغاوت کے ساتھ صرف بعض اصول جدیدہ میں اس کے پیرو سید ہوجانے کے سبب اس کو سرسید کا خلیفہ سمجھیں اور اس کی اتباع و پیروی کو سرسید کی اتباع قرار دیں۔ قطع نظر اس سے ان کو یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ وہ کون سا نیچر عقیدہ ہے جو سرسید سے حل نہیں ہوا، اور اس کو قادیانی نے حل کر دیا ہے۔ پھر پیرومرشد کو چھوڑ کر شاگرد کی مریدی کا دم بھرنے سے فائدہ ہی کیا ہے۔ محمد حسین)

سلف نے احادیث نبویہ کو بعینہ الفاظ سے نقل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں شک راوی موجود ہے۔ اگر صحابہ وغیرہ رواۃ سلف میں حکایت بالمعنی کا رواج ہوتا تو دو، ہم معنی لفظوں کو جیسے لفظ مومن اور مسلم ہے، شک سے بلفظ مومن او مسلم روایت نہ کیا جاتا۔ اس مسئلہ کی تحقیق کتب اصول فقہ و اصول حدیث میں ہے۔ اور ہماری تالیفات اشاعت السنۃ وغیرہ میں بھی ہے۔ آپ ان کو ملاحظہ فرمائیں۔

آپ شروط صحت کی تحقیق و ثبوت کو شکی فرماتے ہیں۔ و بناءً علیہ صرف اصول روایت کو مثبت و صحت قرار نہیں دیتے۔ یہ امر بھی فن حدیث سے آپ کی ناواقفی کا مثبت ہے۔ مہربان من، شروط کے تحقیق و ثبوت میں محدثین نے ایسی تحقیق کی ہے کہ اس سے علم طمانیت حاصل ہو جاتا ہے۔ محدثین نے ہر ایک راوی کے تحقیق

حال میں کہ وہ کب پیدا ہوا، کہاں کہاں سے سفر کر کے اس نے حدیث حاصل کی، کس کس سے حدیث سنی، کس نے اس سے حدیث سنی، کون سی حدیث میں وہ متفرد رہا۔ کس حدیث میں اسے وہم ہو گیا ہے۔ کس شخص نے اسکی حدیث کو بلحاظ تحقق شروط، صحیح کہا، کس نے ضعیف قرار دیا ہے وغیرہ، دفتروں کے دفتر لکھ دیئے ہیں۔ و بناء علیہ ہر ایک حدیث کی نسبت جسکو آئمہ حدیث خصوصاً امامین ہمامین، بخاری و مسلم نے صحیح قرار دیا ہے، اور عام اہل اسلام نے اسکو صحیح تسلیم کر لیا ہے، ظن غالب صحت حاصل ہو جاتا ہے۔ بلکہ ابن الصلاح وغیرہ آئمہ حدیث کے نزدیک شیخین کی اتفاقی حدیث جس پر کسی نے کچھ کلام نہیں کیا، مفید یقین ہے۔ آپ یقین کو مانیں، خواہ نہ مانیں، ظن غالب سے تو انکار نہیں کر سکتے، کیونکہ اپنی تحریرات میں اس کا اقرار کر چکے ہیں۔

اس پر جو آپ نے باستدلال آیت و ان الظن لا یغنی عن الحق شیئاً اعتراض کیا ہے، وہ بھی آپ کی اصول دین سے ناواقفی پر مبنی ہے۔ مہربان من، ظن غالب عملیات میں لائق اعتبار ہے اور قرآن مجید کی آیت مذکورہ اور دیگر آیات میں جہاں ظن کے اتباع سے ممانعت وارد ہے اس سے اعتقاد کے متعلق ظن مراد ہے، کیا آپ کو یہ مسائل معلوم نہیں یا کسی عالم سے نہیں سنے کہ اگر نماز میں بھول ہو جاوے کہ رکعت ایک پڑھی یا دو؟ تو نمازی تحرری کرے اور جو ظن غالب ہو اس پر عمل کرے۔ یا اگر وضو کے ٹوٹ جانے میں شک واقع ہو تو ظن غالب پر عمل کرے، اسی وجہ سے جملہ علمائے اسلام کا، حنفی ہیں یا شافعی، اہل حدیث ہیں خواہ اہل فقہ، اتفاق ہے کہ خبر واحد صحیح ہو تو واجب العمل ہے، حالانکہ خبر واحد ہر ایک کے نزدیک موجب ظن ہے، نہ مثبت یقین۔ اسی وجہ سے خاص کر صحیحین کی نسبت علماء اسلام نے، جن میں مقلد و مجتہد و فقیہ و محدث سب داخل ہیں، اتفاق کیا ہے کہ صحیحین کی احادیث واجب العمل ہیں۔ اور ابن الصلاح نے فرمایا ہے کہ انکی اتفاقی حدیثیں موجب یقین ہیں، لہذا ان کے مضمون پر اعتقاد بھی واجب ہے۔ اور اکابر آئمہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی یہ قسم کھا لے کہ جو احادیث صحیحین میں ہیں، وہ صحیح نہ ہوں تو اس کی عورت پر طلاق ہے، تو اس کی عورت پر طلاق واقع نہیں ہوتی، اور اس قسم میں وہ جھوٹا نہیں ہوتا۔

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں فرمایا ہے: اتفق العلماء علی ان اصح الكتب بعد القرآن العزیز الصحیحان البخاری و مسلم و تلقتهما الامة بالقبول و کتاب البخاری اصحهما

صحيحاً و اكثرهما فوائد و معارف ظاهرة و غامضة و قد صح ان مسلماً كان ممن يستفيد من البخارى و يعترف بانه ليس له نظير فى علم الحديث و هذا الذى ذكرنا من ترجيح كتاب البخارى هو المذهب المختار الذى قاله الجماهير و اهل الاتقان و الحذق و الغوض على اسرار الحديث - (مقدمه شرح مسلم ص ۵) کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کے بعد تمام کتابوں سے صحیح تر، صحیح بخاری و مسلم ہیں۔ ان کتابوں کو امت محمدیہ نے قبول کر لیا ہے۔ ان دونوں میں سے صحیح بخاری زیادہ صحیح ہے اور فوائد و معارف ظاہرہ اور پوشیدہ میں بڑھ کر ہے اور یہ بات صحت کو پہنچ چکی ہے کہ امام مسلم، امام بخاری کا شاگرد ہے اور وہ معترف تھا کہ علم حدیث میں بخاری کا کوئی نظیر نہیں۔ یہ بات جو ہم نے کہی ہے کہ بخاری کو مسلم پر ترجیح ہے، یہی جمہور علماء کا، جو حدیث کے خوب ماہر ہیں اور اس کی باریکیوں میں غوطہ زن، پسند کیا ہوا مذہب ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ذہبیؒ نے تاریخ الاسلام میں فرمایا ہے: اما جامع البخاری الصحيح فاجل كتب الاسلام و افضلها بعد كتاب الله و هو اعلى فى وقتنا (يعنى سنة ثالث عشر بعد سبع مائة و من ثلاثين سنة يفرحون العلماء بعلم سماه فكيف اليوم فلور حل شخص لسماعه من الف فرسخ لما ضاعت رحلته کہ صحیح بخاری، قرآن کے بعد اسلام کی سب کتابوں سے اجل و افضل ہے۔ وہ ہمارے وقت (۱۳ھ) میں بڑے اعلیٰ مرتبہ میں ہے۔ اس سے تیس برس پہلے سے علماء اس کی بلندی رتبہ روایت پر فخر کر رہے ہیں۔ پھر وہ فخر آج کیونکر نہ ہو۔ کوئی شخص ہزار فرسنگ اس کتاب کے سننے کے لئے سفر اختیار کرے تو اس کا سفر ضائع نہ ہوگا۔

قسطانیؒ نے شرح بخاری میں فرمایا ہے: و اما تالیفه یعنی البخاری فانها سارت مسير الشمس و دارت فى الدنيا فما جدد فضلها الا الذى يتخطه الشيطان من المس و اجلها و اعظمها الجامع الصحيح - (قسطانی۔ ج ۱ ص ۴۱) کہ امام بخاری کی تالیفات دنیا میں پھیل رہی اور وہاں پھرتی ہیں جہاں آفتاب پھرتا ہے۔ ان کی بزرگی کا منکر وہی شخص ہوگا جس کو شیطان نے چھو کر مخلوط الحواس کر دیا ہوگا ان تصانیف میں سے بزرگ اور بڑی صحیح بخاری ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے کتاب البدایہ والنہایہ میں فرمایا ہے کہ: و کتابہ الصحیح یستسقی بقرئۃ الغمام و اجمع علی قبولہ و صحته ما فیہ اهل الاسلام کہ کتاب صحیح بخاری کی قرأت کے وسیلہ سے بارش کی دعا جاتی ہے، اور اس کی احادیث کی صحت و قبول پر اہل اسلام کا اجماع ہو چکا ہے۔

اور شاہ ولی اللہؒ حجة اللہ البالغہ ص ۱۳۹ میں فرماتے ہیں: اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع ما فیہما من المتصل المرفوع صحیح با لقطع و انہما متواتران الی مصنفیہما و انه کل من یہون امرہما فهو مبتدع متبع غیر سبیل المئو منین کہ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ صحیحین کی مرفوع متصل حدیثیں یقیناً صحیح ہیں، اور اس پر کہ یہ کتابیں اپنے مصنفوں تک تواتر کے ساتھ پہنچ چکی ہیں اور اس پر بھی ان کا اتفاق ہے کہ جو شخص ان کی شان کو ہلکا جانے وہ بدعتی ہے، مومنوں کی راہ کے خلاف چلنے والا۔

اور صاحب دراسات نے (دراسات اللیبیب ص ۲۷۹) فرمایا ہے: و کون ہما اصح کتاب فی الصحیح المجرّد تحت ادیم السماء و انہما اصح الکتب بعد القرآن العزیز با جماع من علیہ التعویل فی هذا العلم الشریف قاطبة فی کل عصر و اجماع کل فقیہ ردیف و موافق۔ کہ ان دونوں کتابوں کا قرآن کے بعد تمام کتابوں سے جو آسمان کے نیچے ہیں صحیح تر ہونا اور خالص صحیح حدیثوں پر مشتمل ہونا، ہر زمانہ کے جملہ علماء کے (جن پر اس علم حدیث میں اعتماد ہے) اور ہر ایک فقیہ موافق و مخالف کے اجماع و اتفاق سے ثابت ہے۔

امام ابن الصلاحؒ نے مقدمہ ابن الصلاح میں فرمایا ہے: و هذا القسم یعنی المتفق علیہ مقطوع بصحة و العلم الیقینی النظری واقع بہ خلافاً لقول من نفی ذلک متحجاً۔ بانہ لا یفید الا الظن و انما تلقته الامۃ بالقبول لانہ یجب علیہ العمل بالظن و الظن قد یخطی و قد کنت امیل الی هذا و احسبہ قویاً ثم بان لی ان المذہب الذی اخترناہ اولاً هو الصحیح لان ظن من هو معصوم من الخطاء لا یخطی و الامۃ فی اجماعها معصومة من الخطاء و لهذا کان الاجماع المبنی علی الاجتہاد حجة

مقطوعاً بہا و اکثر اجماعات العلماء كذلك کہ بخاری و مسلم کی اتفاقی حدیثیں یقینی صحیح ہیں۔ اور علم یقینی جو دلائل سے پیدا ہوتا ہے اس قسم کی صحت کے متعلق حاصل ہے۔ اس میں اس شخص کو خلاف ہے جو یقینی علم کی نفی کرتا ہے اس دلیل سے متمسک ہو کر کہ اس قسم کی حدیثیں مفید ظن ہیں اور امت نے اسی وجہ سے ان کو قبول کیا ہے، کہ ظن پر عمل کرنا اس کے نزدیک واجب ہوتا ہے اور ظن کبھی خطا بھی کرتا ہے۔ میں بھی اس مذہب کی طرف مائل ہو گیا تھا اور اس کو قوی سمجھنے لگا تھا۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ جو مذہب میں نے پہلے اختیار کیا تھا وہی صحیح ہے کہ اس قسم کی حدیثیں قطعی ہیں کیونکہ امت محمدیہ میں اس قسم کی حدیثوں کو صحیح سمجھنے پر اتفاق کرنے میں معصوم ہے اور معصوم کا ظن کبھی خطا نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ جو اجماع اجتہاد پر مبنی ہوتا وہ (عصمت امت اہل اجماع کی نظر سے) قطعی سمجھا جاتا ہے۔ باوجودیکہ اجتہاد ایک ظنی امر ہے۔

امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا ہے: قد قال امام الحرمین لو حلف انسان

بطلاق امرتہ ان مافی کتابی البخاری و مسلم مما حکما بصحتہ من قول النبی ﷺ لما لزمته الطلاق و لا حنثہ لا جماع علماء المسلمین علی صحتہما (مقدمہ شرح مسلم ص ۶) کہ امام الحرمین نے کہا ہے کوئی آدمی اگر یہ قسم کھالے کہ بخاری و مسلم کی حدیثیں صحیح نہ ہوں تو اس کی عورت پر طلاق ہے، تو اس کی یہ طلاق واقع نہ ہوگی اور نہ اس قسم میں وہ جھوٹا ہوگا کیونکہ مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کتابوں کی حدیثیں صحیح ہیں۔

اس مضمون کے اقوال بکثرت موجود ہیں جن کی نقل سے تطویل ہوتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں آپ

(مرزا) کا یہ کہنا کہ پندرہ کروڑ حنفی صحیح بخاری کو نہیں مانتے (یہ تعداد بھی معلوم نہیں کس ملک کے حنفیوں کی ہے۔ ہندوستان میں تو حنفیوں کی یہ تعداد نہیں ہے۔ ۱۸۹۱ء کے ہندوستان کے کل مسلمان چھ کروڑ ہیں جن میں حنفی، اہل حدیث شیعہ وغیرہ سب شامل ہیں۔ محمد حسین) یہ محض ایک عامیانہ بات ہے۔ عامی لوگ جن کی تعداد مردم شماری کے کاغذات سے آپ نے بتائی ہے بخاری کو نہ مانتے ہوں تو ان کا اعتبار نہیں ہے۔ عالم حنفی تو صحیح بخاری کی صحت سے انکار نہیں کرتے۔ آپ اس دعویٰ میں سچے ہیں تو کم سے کم ایک عالم کا متقدمین یا متاخرین سے نام بتادیں، جس نے صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی احادیث کو غیر صحیح یا موضوع کہا ہو۔

اور آپ کا یہ کہنا کہ حضرت امام اعظمؒ نے احادیث صحیح بخاری کو ان پر اطلاع پا کر چھوڑ دیا، یہ بھی ایک عامیانه بات ہے۔ آپ یہ نہیں جانتے کہ امام اعظمؒ کب ہوئے اور صحیح بخاری کب لکھی گئی؟ مہربان من، امام اعظمؒ ڈیڑھ سو سوسہ ہجری میں انتقال کر کے داخل فردوس ہوئے۔ اور صحیح بخاری دو سو سوسہ ہجری کے بعد تالیف ہوئی۔ صحیح بخاری، امام صاحبؒ کے وقت میں تالیف ہوتی تو امام صاحب اس کو آنکھ پر رکھ لیتے۔ امام شعرانی میزان کبری جلد ۱ کے صفحہ ۷۲ وغیرہ میں فرماتے ہیں:

و اعتقاد ناو اعتقاد کل منصف فی الامام ابی حنیفہ بقرینۃ ما روینا انفا منه من ذم الرائی و التبری منه و من تقدیمہ النص علی القیاس انه لو عاش حتی دو نت احادیث الشریعة بعد ر حیل الحفاظ فی جمعها من البلاد و الثغور و ظفر بها لا خذ بها و ترک کل قیاس کان قاسه و کان القیاس قل فی مذہب کما قل فی مذہب غیرہ بالنسبة الیہ لکن لما كانت ادلة الشریعة مفرقة فی عصره مع التابعین و تابع التابعین فی المدائن و القرى و الثغور کثر القیاس فی مذہبہ بالنسبة الی غیرہ من الآئمة ضروره لعدم وجود النص فی تلك المسائل التي قاس فیها بخلاف غیرہ من الآئمة فان الحفاظ قدر حلوا فی طلب الاحادیث و جمعها فی عصرهم من المدائن و القرى و دونها فجاءت احادیث الشریعة بعضها بعضاً۔ فهذا کان سبب کثرة القیاس فی مذہبہ و قلته فی مذاهب غیرہ کہ ہمارا اور ہر ایک منصف کا امام ابو حنیفہ کی نسبت بشہادت ان اقوال کے جو ان سے درباب مذمت رائے و اظہار برائت از رائے ہم نقل کر چکے ہیں اور بشہادت اس امر کے کہ وہ نص کو قیاس سے مقدم سمجھتے، یہ اعتقاد ہے کہ اگر وہ احادیث کے جمع ہو جانے تک، جو حفاظ حدیث کے مختلف شہروں اور سرحدوں کے سفر کرنے کے بعد جمع ہوئیں، زندہ رہتے تو وہ ان احادیث کو لے لیتے۔ اور جو قیاس وہ (ان احادیث کے نہ ملنے سے) کر چکے تھے چھوڑ دیتے اور ان کے مذہب میں قیاس کم ہوتا جیسا کہ اور آئمہ کے مذہب میں جن کو ان احادیث پر اطلاع ہوئی تھی، کم ہوا ہے۔ لیکن چونکہ ان کے زمانہ میں شریعت کے دلائل (حدیثیں) تابعین اور تبع تابعین کے ساتھ شہروں اور گاؤں اور سرحدوں میں متفرق

تھیں، لہذا انکے مذہب میں قیاس کی کثرت ہوئی، اس ضرورت کی وجہ سے کہ ان مسائل میں جس میں انہوں نے قیاس کیا ہے ان کو حدیثیں نہ ملی تھیں اور دیگر آئمہ کا حال اس کے برخلاف رہا کیونکہ ان کے زمانہ میں حفاظ حدیث نے حدیثوں کی طلب اور جمع کرنے کیلئے شہروں اور گاؤں کے سفر کئے لہذا، ان کے زمانہ میں حدیثیں جمع ہو گئیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کے مذہب میں قیاس زیادہ ہوا اور دیگر اماموں کے مذہب میں کم ہوا۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ کتب احادیث امام ابوحنیفہ کے بعد تالیف ہوئیں۔ امام صاحب ان احادیث کو پاتے تو ضرور قبول فرماتے۔ اور اس سے پہلے ایک جگہ فرماتے ہیں:

فلو ان الامام ابا حنیفہ ظفر بحدیث من مس فرجه فلیتوضا ، لاخذبها (میزان شعرانی ص ۱۲۱)۔ اگر امام ابوحنیفہ اس حدیث پر اطلاع پاتے تو اس کو قبول فرماتے کہ جو شخص اپنی شرم گاہ کو چھوئے وہ وضو کرے۔ واضح رہے کہ یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے۔ بلکہ اس سے کم مرتبہ کتب سنن میں ہے۔ اس تحقیق سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اہل حدیث کا صحیحین کو بلا وقفہ و نظر واجب العمل سمجھنا تقلید بے دلیل نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ان دلائل و اصول کا اتباع ہے جو تصحیح حدیث میں مرعی رکھے گئے ہیں۔ اجماع مخالفین و موافقین جس کو مخالف و موافق نقل کرتے ہیں ان احادیث کی صحت پر بڑی روشن دلیل ہے۔ آپ اجماع کے لفظ سے گھبراتے ہیں تو اس کی جگہ تلقی و تداول امت کو، جو تعامل و توارث کا ہم وزن ہے، قبول کریں اور یقین کے ساتھ مان لیں کہ صحیح بخاری صحیح مسلم پر جملہ فرمائے اہل سنت کا عمل و استدلال چلا آیا ہے اس پر جو آپ کا یہ سوال ہے کہ صحیح بخاری صحیح مسلم مسلمانوں میں اتفاق کے ساتھ چلی آئی ہیں تو بعض علماء حنفیہ وغیرہ نے ان احادیث کا خلاف کیوں کیا اور سبھی نے ان کے مطابق کیوں مذہب اختیار نہ کر لیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خلاف فہم معانی میں اختلاف پر مبنی ہے۔ یا بعض وجوہات ترجیح پر۔ آپ کتب اصول و فروع میں نظر نہیں رکھتے۔ آپ فتح القدر کو جو حنفی مذہب کی مشہور کتاب ہے یا برہان شرح مواہب الرحمن کو جو عرب و عجم میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، ایک دو روز مطالعہ کر کے دیکھیں کہ ان میں کس عزت و ادب کے ساتھ صحیحین کی حدیث سے استدلال کیا گیا ہے، اور جس حدیث سے اختلاف کیا ہے، اس کو ضعیف سمجھ کر اختلاف کیا ہے یا اس کے معانی میں اختلاف کر کے یا دیگر وجوہات خارجیہ سے دوسری احادیث کو ترجیح دیکر اختلاف کیا ہے؟

آپ فرماتے ہیں کہ حدیث پر کھنے کیلئے قرآن کریم سے بڑھ کر ہمارے پاس معیار نہیں، محدثین نے گو معیار صحت قوانین روایت کو ٹھہرایا ہے، مگر انہوں نے اس کو کامل معیار نہیں کہا، اور نہ قرآن کریم سے مستغنی کریں والہ بتایا ہے۔ اور اس دعویٰ کی تائید میں متعدد تحریروں میں متعدد آیات کو ذکر کیا ہے۔ جن میں قرآن مجید کے محامد علمیہ و فاضل سنیہ مسلمہ اہل اسلام کا ذکر ہے۔

مہربان من! محدثین کیا، کوئی محقق مسلمان حنفی یا شافعی مقلد یا غیر مقلد تصحیح روایات حدیثیہ کا معیار قرآن کریم کو نہیں ٹھہراتا اور یہ نہیں کہتا کہ جب کسی حدیث کی صحت پر کھنی ہو تو اس کو قرآن کریم کی موافقت یا مخالفت سے صحیح یا غیر صحیح قرار دیں، بلکہ معیار تصحیح وہ قوانین روایت ٹھہراتے ہیں کہ از انجملہ کسی قدر بیان ہو چکے ہیں، اس کی وجہ معاذ اللہ ثم عیاذاً باللہ یہ نہیں کہ قرآن مجید مسلمانوں کا حکم و مہیمن نہیں، یا وہ امام جبل التین نہیں، کوئی مسلمان جو قرآن پر اعتقاد رکھتا ہے یہ نہیں سمجھتا۔ اور اگر کوئی ایسا سمجھے تو وہ سخت کافر ہے۔ ابو جہل کا بڑا بھائی، نہ چھوٹا۔ کیونکہ ابو جہل نے تو قرآن مجید کو تسلیم ہی نہیں کیا تھا، یہ کافر قرآن پر ایمان لاکر اس کو اپنا نہیں بناتا، اور حکم نہیں سمجھتا۔ ایسا شخص درحقیقت قرآن پر ایمان نہیں رکھتا اگرچہ بظاہر مدعی ایمان ہو۔ آپ نے ناحق و بلا ضرورت ان آیات قرآنیہ کو ہمارے سوال کے جواب میں پیش کیا، جن میں قرآن مجید کے محامد علیہ وارد ہیں، اور ان کی بے ضرورت نقل و بیان سے اپنے اور ہمارے اوقات کا خون کیا، بلکہ توافق قرآن کو معیار صحت نہ ٹھہرانے اور اس باب میں اصول روایات کی طرف رجوع کرنے کے دو وجہ ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ جو احادیث ان اصول روایت سے صحیح ہو چکی ہوں وہ خود بخود قرآن مجید کے موافق ہوتی ہیں اور ہرگز ہرگز وہ قرآن کے مخالف نہیں ہوتیں۔ قرآن امام ہے اور وہ احادیث، خادم قرآن اور اس کی وجوہات کی مفسر و مبین، اور ان وجوہات معانی قرآن کے جو کم فہم و قاصر الفکر لوگوں کے خیال میں متعارض معلوم ہوتی ہیں، فیصلہ کرنے والی ہیں۔ جس حالت میں ایک حدیث صحیح، دوسری حدیث صحیح کے مخالف نہیں ہوتی اور ان کی باہمی تطبیق ممکن ہے۔ چنانچہ امام الآئمہ ابن خزیمہؒ سے منقول ہے: لا اعرف انه روى عن النبي ﷺ حدیثان باسنادین صحیحین متضادین فمن كان عنده فلیاتینى به لأولف بینهما۔ تو پھر کسی حدیث صحیح کا مخالف قرآن ہونا کیونکر ممکن ہے۔ جو شخص کسی حدیث صحیح کو قرآن کے مخالف سمجھتا ہے وہ نافرہم



ہے اور اپنی نانہی سے حدیث کو مخالف قرآن قرار دیتا ہے۔ محققین اسلام و محدثین و فقہاء ایسے نہیں ہیں کہ صحیح حدیث کو مخالف قرآن سمجھیں۔ اس لئے ان کو صحیح حدیث کے لئے اس امر کی ضرورت نہیں ہے کہ موافقت یا مخالفت قرآن سے اس کا امتحان کریں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء اسلام قاطبہ حدیث کی صحت، تو انین روایت سے ثابت کرتے ہیں اور بعد تسلیم صحت و حصول فراغ از تصفیہ صحت، اس حدیث کی قرآن سے تطبیق کرتے ہیں، وہ بھی ایسے طور پر کہ امام قرآن ہی رہے اور احادیث اس کی خادم و مفسر و مترجم و فیصلہ کنندہ و جوہ اختلاف در نظر اشخاص قاصر الا نظر رہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ صرف توافق مضمون کسی حدیث کا، اس کی صحت کا موجب ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ موضوع حدیثیں، اگر ان کے مضامین صادق اور قرآن کے مطابق ہوں، صحیح متصور ہوں جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں۔ اس کے مقابلہ میں جو آپ نے کہا ہے کہ قرآن خود اپنا مفسر ہے، حدیث اس کی مفسر نہیں ہو سکتی۔ اس سے بھی آپ کی ناواقفیت اصول و مسائل اسلام سے ثابت ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے خود حدیث کو اپنا خادم و مفسر قرار دیا ہے خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں بعض احکام ایسے طور پر بیان کئے ہیں کہ وہ بلا تفصیل صاحب حدیث ﷺ کے کسی مسلمان مخاطب قرآن کی سمجھ میں نہ آتے اور نہ وہ دستور العمل ٹھہرائے جاسکتے۔ ایک حکم نماز ہی کو لو۔ قرآن میں اس کی نسبت صرف یہ ارشاد ہے اقیموا الصلوٰۃ اور کہیں اس کی تفسیر نہیں ہے کہ نماز کیونکر قائم کی جائے۔ صاحب الحدیث آنحضرت ﷺ (فداه ابسی و امی) نے تولى و فعلی حدیثوں سے بتایا کہ نمازیوں پڑھی جاتی ہے تو وہ حکم قرآن سمجھ اور عقل میں آیا۔ آپ کہیں گے کہ یہ کیفیت نماز تعامل سے ثابت ہے۔ اس پر سوال کیا جائے گا کہ تعامل کب سے شروع ہوا اور جس طریق پر تعامل ہوا وہ طریق کس نے بتایا؟ اس کے جواب میں اخیر یہی ہوگا کہ حدیث یا صاحب حدیث نے۔

دوسرا یہ سوال کہ وہ تعامل کن کن صورتوں پر ہوا ہے، اتفاقی پر یا اختلافی پر؟ صرف اتفاقی صورتوں میں اس کو منحصر کرو گے تو آپ کو نماز پڑھنا مشکل ہو جائے گا۔ اختلافی صورتوں پر تعامل کا دعویٰ کرو گے تو اختلاف موجب تساقط ہوگا۔ یا آخر اس اختلاف کا تصفیہ احادیث صحیحہ سے ہوگا جو آپس میں متوافق ہو سکتی ہیں اب ہم ایک دو ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جن میں آپ کو تعامل کا اشتباہ نہ ہو۔ قرآن کریم نے

حرام جانوروں کو (جیسے خزیرو منخنتقہ وغیرہ) حرام فرما کر ان کے سوا دیگر جانوروں کو حلال کر دیا اور فرمایا ہے: قل لا اجد فیما او حی الی محر ماعلی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة او د ماً مسفو حاً ) تو کہہ دے میں اس وحی میں جو میری طرف ہوئی ہے کسی کھانے والے مردار یا خون جاری کے سوا کچھ حرام نہیں پاتا) نیز و هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً (خدا وہ ہے جس نے تمہارے واسطے جو کچھ کہ زمین میں ہے پیدا کیا ہے)۔

اور بعض جانوروں کی حرمت کا بیان اپنے خادم، حدیث یا صاحب الحدیث ﷺ کے حوالے کر دیا۔ و بناء علیہ اس نے ظاہر کر دیا ہے کہ علاوہ ان جانوروں کے جن کی حرمت کا بیان قرآن میں ہے، گدھا اور درندے حرام ہیں۔ اب فرمائیے اس حکم گدھے اور درندوں کی حرمت کی تفسیر قرآن کریم نے خود کہاں فرمائی ہے۔ اس پر وقوع تعامل کا بھی آپ دعویٰ نہیں کر سکتے۔ گدھے وغیرہ درندوں کی حرمت کا اعتقاد یا اس کے استعمال کا ترک کوئی عمل نہیں ہے۔ جس پر تعامل کا ادعا ہو سکے۔ حدیث کو یہ خدمت تفسیر و فیصلہ و جوہات، قرآن کریم نے خود عطا فرمائی ہے اور صاحب الحدیث ﷺ نے بھی اپنی کلام میں جس کو حدیث کہا جاتا ہے، اس خدمت کے عطا ہونے کا اظہار کیا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: و ما آ تاکم الرسول فخذوه و ما نہاکم عنہ فانتهوا کہ جو کچھ (حکم) تمہیں رسول دے، لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔

اس مضمون کی آیات قرآن میں اور بہت ہیں مگر ہم آپ کی طرح ان سب کو شمار کر کے تطویل کلام نہیں کرنا چاہتے۔ (آیت زیر نظر میں فرمایا گیا ہے) اے مسلمانوں جو کچھ رسول ﷺ تم کو دے (قرآن ہو خواہ وحی غیر متلو حدیث) وہ لے لو اور جس سے روکے یعنی جو حکم کسی چیز کے عدم استعمال کی نسبت دے گو وہ حکم قرآن میں نہ ہو، اس سے رک جاؤ۔ اس ارشاد قرآن کی ہدایت و شہادت سے حضرت ابن مسعود نے وشم (جسم کو گوندھنا) پر لعنت کی وعید کو جو صرف حدیث میں وارد ہے، قرآن میں داخل قرار دیا تو اس پر ایک عورت ام یعقوب نے اعتراض کیا کہ یہ لعنت قرآن میں کہاں ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جس حالت میں لعنت حدیث میں وارد ہے تو بحکم آیت و ما آ تاکم الرسول فخذوه ... یہ قرآن کریم میں وارد ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے:

عن عبد الله قال لعن الله الواشمات و المتوشمات و المتنصمات و المتفلجات  
 للحسن المغيرات خلق الله قال فبلغ ذلك امرءة من بنى اسد يقال لها ام يعقوب و  
 كانت تقرأ القرآن فاتته فقالت بلغنى عنك انك لعنت الواشمات و المتنصمات و  
 المتفلجات للحسن المغيرات لخلق الله فقال عبد الله و ما لى لا العن من لعن رسول  
 الله ﷺ و هو فى كتاب الله عز و جل فقالت المرثة لقد قرئت ما بين لوى  
 المصحف فما وجدته فقال لئن كنت قرءته لقد وجدته قال الله عز و جل ما آتاكم  
 الرسول فخذوه و ما نهاكم عنه فانتهوا . (صحيح مسلم ج ۲ ص ۲۱۵) کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے  
 کہا کہ خدا تعالیٰ نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو جسم گودتی (گودنا۔ سوئی وغیرہ سے جسم کی کھال میں سوراخ کر کے اس میں سرمہ  
 وغیرہ رنگ بھرتا) ہیں اور گدواتی ہیں اور ابرو وغیرہ کے بال چنتی اور چنوتی ہیں اور دانتوں کو باریک کرتی اور کرواتی  
 ہیں خوبصورتی کے لئے وہ خدا کی پیدائش میں تبدیلی چاہتی ہیں۔ یہ قول ابن مسعود کا بنی اسد کی عورت ام  
 یعقوب کو جو قرآن پڑھی ہوئی تھی پہنچا تو وہ ابن مسعودؓ کے پاس آئی اور بولی یہ کیسی بات ہے جو تجھ سے پہنچی  
 ہے کہ تو ایسی عورتوں کو لعنت کرتا ہے۔ وہ بولے میں ایسی عورتوں کو لعنت کیوں نہ کروں جن کو رسول اللہ ﷺ  
 نے لعنت کی ہو اور وہ لعنت قرآن میں بھی ہو۔ وہ بولی میں نے تو قرآن مجید سب کا سب پڑھا اس میں تو کہیں  
 یہ لعنت نہیں ہے۔ انہوں نے کہا تو قرآن کو پڑھتی تو اس میں یہ آیت پاتی و ما آتاکم الرسول فخذوه  
 و ما نهاکم عنه فانتهوا یعنی رسول جو حکم دے، لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔

جناب صاحب الحدیث ﷺ نے اسی ارشاد قرآنی کے موافق ارشاد کیا ہے: عن المقدام بن  
 معدی کر ب قال قال رسول الله ﷺ الا انى او تيت القرآن و مثله معه الا يوشك ر  
 جل شعبان على اريكته يقول عليكم بهذا القرآن فيما و جدتم من حلال فاحلوه و  
 ما و جدتم فيه من حرام فحرموه و ان ما حرم رسول الله ﷺ الا لا  
 يحل لكم الحمار الا هلى و لا كل ذى ناب من السباع و لا لقطه معاهد الا ان يستغنى  
 عنها صاحبها و من نزل بقوم فعليهم ان يقروه فان لم يقروه فله ان يعقبهم بمثل

قراہ - (رواہ ابو داؤد ص ۲۷۶) مقدمہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا سن رکھو کہ مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس ساتھ ایک ایسی چیز جو اس کی مثل ہے (یعنی حدیث) سن رکھو عنقریب ایک شخص پیٹ بھرا اپنی چھپر کھٹ پر بیٹھایا کہے گا کہ لوگو تم قرآن کو لازم پکڑو، اس میں جو حلال ہے اسے حلال سمجھو اور جو حرام پاؤ اسے حرام سمجھو (یعنی جو حکم قرآن میں نہ ہو، حدیث میں ہو، اس کو نہ مانو) حالانکہ جس چیز کو رسول ﷺ نے حرام کیا ہے وہ ایسی ہی حرام ہے جو خدا نے حرام کی ہے۔ سن رکھو تمہارے لئے آبادی کے گدھے حلال نہیں اور نہ دانت کا ٹٹنے والے درندہ اور نہ مسلمانوں کی امان و پناہ میں رہنے والے کافر کی کوئی گری ہوئی چیز، بجز اس حالت کے کہ وہ اس سے بے پرواہ ہو۔ اور جو شخص کسی قوم کا مہمان ہو، ان پر لازم ہے کہ وہ اسے کھانے کو دیں ورنہ اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے کھانے کی مقدار خود بخود ان کے مال سے لے لے۔

طیبی نے شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے: فی هذا الحدیث تو بیخ و تقریب ینشاء من غضب عظیم علی ترک السنۃ و ما عمل بالحدیث استغناء عنها بالکتاب۔ اس حدیث میں بڑی زجر و ملامت ہے، جو بڑے غصہ سے پیدا ہوئی، اس شخص کیلئے جو صرف کتاب اللہ کو کافی سمجھ کر حدیث کے عمل سے بے پرواہ ہو جائے۔

اس حدیث کو دارمی نے بھی نقل کیا ہے اور اس سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ حدیث کتاب کے اجمال و ابہام کا فیصلہ کرنے والی ہے۔ یعنی حدیث ان وجوہات و اختلافات قرآن کا فیصلہ کرنے والی ہے جو کتاب اللہ کے معانی مختلفہ سے لوگوں کے خیال میں آتی ہیں۔ پھر امام عجمی بن ابی کثیر سے نقل کیا ہے: قال السنۃ قاضیۃ علی القرآن و لیس القرآن بقاض علی السنۃ (سنن دارمی ص ۷۷) کہ حدیث اجمال قرآن کا فیصلہ کرنے والی ہے۔ قرآن، حدیث کا فیصلہ کرنے والا نہیں ہے، یعنی حدیث، قرآن کی وجوہات و اختلافات کا فیصلہ کرنے والی ہے۔ اور قرآن ایسا نہیں کرتا کہ وہ حدیث کی وجوہ اختلاف کا فیصلہ کرے۔ یعنی اس لئے کہ خدمت خادم کا کام ہے، نہ مخدوم کا۔

اور دارمی (دارمی ص ۷۹) نے حسان سے نقل کیا ہے: قال کان جبیریل ینزل علی النبی بالسنۃ کما ینزل علیہ بالقرآن کہ جبیریل آنحضرت ﷺ پر حدیث لے کر بھیجی ویسے ہی نازل ہوتے جیسا

کہ قرآن لے کر آتے۔ یعنی جبریل جیسا کہ آنحضرت ﷺ پر قرآن اتارتے، ویسے ہی حدیث۔

اور سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے: انه حدث يوماً بحديث عن النبي ﷺ فقال الرجل في كتاب الله ما يخالف هذا قال الا ارا نى احدك عن رسول الله ﷺ وتعرض فيه بكتاب الله كان رسول الله اعلم بكتاب الله منك (سنن دارمی ص ۷۹) کہ حضرت سعید بن جبیر تابعی نے ایک دن آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث نقل کی تو ایک آدمی بولا قرآن میں اس حدیث کا خلاف موجود ہے۔ حضرت سعید نے فرمایا میں تجھے آنحضرت ﷺ کی حدیث سناتا ہوں تو اس کے مقابلہ میں قرآن پیش کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ تجھ سے بڑھ کر قرآن مجید جاننے والے تھے (یعنی آنحضرت ﷺ یہ حدیث فرمائی ہے تو قرآن کا مطلب سمجھ کر فرمائی ہے۔ قرآن میں اس کا خلاف ہوتا تو آپ یہ حدیث کیوں فرماتے)۔

امام شعرانی نے منہج البین میں کہا ہے: اجتمعت الامة على ان السنة قاضية على كتاب الله - (منہج شعرانی) کہ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ حدیث، قرآن مجید کی وجوہ مختلف کا فیصلہ کر نیوالی ہے۔

ان آیات قرآنی و اقوال نبوی و آثار سلف کے مقابلے میں جو حدیث آپ نے تفسیر حسینی سے نقل کی ہے وہ قابل اعتبار نہیں ہے۔ وہ حدیث زندیقوں یعنی چھپے مردوں کی بنائی ہوئی ہے اور اگر اس حدیث کو بطور فرض مجال صحیح فرض کر لیا جاوے تو وہ خود اپنے مضمون کی مبطل و مکذب ہے۔ ہم اس حدیث کی رو سے پہلے اسی کو قرآن پر پیش کرتے ہیں تو بحکم آیه و ما آتاکم الرسول وغیرہ اس کو موضوع پاتے ہیں۔ یہ بات میں صرف اپنی رائے سے نہیں کہتا بلکہ آئمہ محدثین اور فقہاء اصولیوں کی کتابوں میں پاتا ہوں۔

کتاب تلوح میں ہے: وقد طعن فيه المحدثون بان في رواية يزيد بن ربيعه وهو مجهول وترك في اسناده واسطة بين الاشعث وثوبان فيكون منقطعاً و ذكر يحيى بن معين انه حديث وضعه الزنادقة (تلويح ص ۲۶۹) کہ محدثین نے اس حدیث کو اس وجہ سے مطعون کیا ہے کہ اس کے راویوں میں ایک یزید بن ربیعہ ہے جو مجهول الحال تھا اور اس کی سند میں اشعث اور ثوبان کے درمیان سے ایک راوی چھوٹ گیا ہے۔ لہذا یہ منقطع ہے (متصل) اور یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ یہ ایسی حدیث ہے جس کو زندیقوں نے وضع کیا ہے۔ یعنی از خود گھڑ لیا ہے۔

مولانا بحر العلومؒ نے شرح مسلم الثبوت میں فرمایا ہے: قال صاحب سفر السعادة انه

من اشد الموضوعات قال الشيخ ابن حجر العسقلاني قد جاء بطرق لا تخلوا عن

المقال وقال بعضهم قد وضعه الزنادقة وايضاً هو مخالف لقوله تعالى ما آتاكم

الرسول فخذوه فصحة هذا الحديث يستلزم وضعه و رده فهو ضعيف مردود -

کہ صاحب سفر السعادة نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث سخت موضوعات سے ہے۔ ابن حجر عسقلانی نے

فرمایا ہے کہ یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے جو گفتگو سے خالی نہیں۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ اس کو

زندیقوں نے وضع کیا ہے۔ یعنی از خود بنا لیا ہے۔ اور نیز یہ اس قول باری کے مخالف ہے جس میں فرمایا ہے کہ

رسول جو کچھ تمہیں دے، لے لو۔ پس اگر اس حدیث کو صحیح مان لیں تو اس سے بھی اس کا موضوع مردود ہونا

لازم آتا ہے (یعنی اس حدیث کو صحیح مان کر اس کے مضمون کے مطابق اس کو قرآن پر عرض کیا تو قرآن نے اس کے برخلاف ہر ایک صحیح حدیث کو

قبول کرنے کا حکم دیا اور اس کے مضمون کو رد کر دیا)

ابن طاہر حنفی، صاحب مجمع البحار کہتے ہیں: و ما اوردوه الا صوليين من قوله اذا

روی عنی حدیث فاعرضوه علی کتاب اللہ فان وافقه فاقبلوه وان خالفه ردوه،

قال الخطابی وضعته الزنادقة ویدفعه حدیث انی اوتیت الكتاب وما یعدله و

یروی ومثله وكذا قال الصنعانی وهو كما قال - انتھی (تذکرہ ابن طاہر) ان اصولیوں

نے جو آنحضرت ﷺ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ جب کوئی حدیث میری طرف سے مروی ہو تو اس کو قرآن پر

عرض کرو، پس اگر وہ اس کے موافق نکلے تو اس کو قبول کرو، اور اگر مخالف نکلے تو رد کر دو۔ اس کی نسبت خطابی

نے کہا ہے کہ زندیقوں نے اس کو گھڑ لیا ہے۔ اور اس کو آنحضرت ﷺ کا وہ قول رد کرتا ہے جس میں ارشاد ہے

کہ میں قرآن دیا گیا ہوں اور وہ چیز جو اس کے برابر یا اس کی مانند (یعنی حدیث)۔ ایسا ہی صنعانی نے کہا ہے۔ اور

حقیقت میں بھی ایسا ہے جیسا کہ اس نے کہا ہے۔

قاضی محمد بن علی شوکانی نوائند مجموعہ میں فرماتے ہیں:

حدیث اذا روی عنی حدیث فاعرضوه علی کتاب اللہ فان وافقه فاقبلوه

وان خالفه ردوه قال الخطابي و ضعته الزنادقة و يدفعه انى اوتيت القرآن و مثله معه و كذا قال الصنعاني قلت و قد سبقهما الى نسبته الى الزنادقة ابن معين كما حكاه الذهبي على ان فى هذا الحديث الموضوع نفسه ما يدل على رده لانا اذا عرضناه على كتاب الله خالفه فى كتاب الله عز و جل ما آتاكم الرسول فخذوه و ما نهاكم عنه فانتهوا - و نحوه من الآيات - (تذكرة موضوعات - شوکانی - ص ۱۶۶) - اس قول کی نسبت جو اصولیوں نے آنحضرت ﷺ سے نقل کیا ہے، خطابى نے کہا ہے کہ اس کو زندیقوں نے وضع کیا ہے اور اس کو وہ قول رسول خدا، رد کر رہا ہے (جو پہلے گزرا) ایسا ہی صنعانی نے کہا ہے اور ان دونوں سے پہلے یحییٰ بن معین نے اس کو زندیقوں کی طرف منسوب کیا ہے، چنانچہ حافظ ذہبی نے ان سے نقل کیا ہے۔ علاوہ بریں خود اس حدیث موضوع کا مضمون اس کو رد کر رہا ہے، کیونکہ ہم نے اس کے مضمون کے مطابق اس کو قرآن پر پیش کیا تو وہ قرآن کے مخالف نکلا کیونکہ قرآن میں صاف آچکا ہے کہ جو کچھ تمہیں رسول دے اس کو قبول کرو۔ اور جو حدیث حارث عور آپ نے پیش کی ہے وہ بھی اولاً صحیح نہیں، جس کتاب مشکوٰۃ سے آپ نے وہ حدیث نقل کی ہے اس میں اس کا جرح موجود ہے۔ جس کو آپ نے سرقہ و خیانت سے نقل نہیں کیا۔ اس میں

منقول ہے: قال الترمذی هذا حدیث اسنادہ مجهول فى الحارث مقال

ایسا ہی تقریب التہذیب میں حارث عور کو مجہول کہا ہے۔ اور اس حارث کا حال ہم کتب اسماء الرجال سے تفصیل نقل کریں تو ایک دفتر ہو جائے۔ یہ عور بھی ایک دجال تھا اور اگر بطور فرض محال اس حدیث کو صحیح تسلیم کر لیں تو اس کے وہ معنی نہیں جو آپ نے بطور تحریف کئے ہیں۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگ دلائل شرعیہ یعنی قرآن و حدیث کو چھوڑ کر محض رائے والی باتوں میں خوض کریں تو اس فتنہ سے نجات قرآن سے متصور ہے اور احادیث و آثار سابقہ سے ظاہر ہو چکا ہے کہ حدیث بھی مثل قرآن ہے و بناء علیہ اس حدیث کے یہ معنی ہونگے کہ اس فتنہ سے نجات قرآن و حدیث دونوں کے اتباع سے متصور ہے، نہ یہ کہ حدیث نبوی فتنہ ہے اور اس سے نجات مطلوب ہے۔ آپ نے اس حدیث کے ترجمہ میں لفظ احادیث کا ترجمہ حدیثوں سے کیا اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔ روئے زمین پر ایسا کوئی مسلمان نہ ہوگا جو اس کلام میں احادیث سے نبوی حدیثیں مراد لیتا ہو

یہاں احادیث سے مراد، لوگوں کی باتیں ہیں، جو اس کے لغوی معنی ہیں۔ اور بہت سی احادیث نبویہ

میں یہ لغوی معنی پائے جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے:

اياك و الظن فان الظن اكد ب الحدیث یعنی ظن سے بچو، ظن جھوٹی بات ہے۔

ایک حدیث میں ذکر ہے: كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل ما سمع کہ آدمی کو جھوٹا بننے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ جو بات سنے اس کو نقل کر دے۔ یعنی صحیح و غیر صحیح کی تمیز و تحقیق نہ کرے۔

یہاں بھی حدیث سے بات کرنا مراد ہے۔ جس حدیث میں بوقت قضا حاجت دو شخصوں کی آپس میں باتیں کرنے سے ممانعت وارد ہے، اس حدیث میں بھی لفظ یحد ثا ن بولا گیا ہے۔ کیا ان سب احادیث میں حدیث سے حدیث نبوی کی تحدیث مراد ہے۔ ہرگز نہیں (قرآن کے محاورہ میں بھی لفظ حدیث بات جیت کے معنی بولا گیا ہے)

آپ نے اس حدیث اعمور کے معنی میں تحریف کرنے کے وقت یہ غور نہ کیا کہ حدیث کے لغوی معنی کیا ہیں۔ یادیدہ دانستہ لوگوں کو دہو کہہ دیا۔ حضرت عمرؓ کے قول حسبنا کتاب اللہ سے جو آپ نے تمسک کیا ہے اس سے یہ مقصود نہیں کہ احادیث صحیحہ مسلم الصحیحہ والنبوت کو چھوڑ کر کتاب اللہ کو کافی سمجھنا چاہیے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جہاں ہمارے پاس سنت صحیحہ نبویہ سے کوئی تفصیل نہ ہو، وہاں قرآن کریم کو کافی سمجھیں گے، کیونکہ اس صورت میں یہ امر ناممکن ہے کہ قرآن کریم میں اس کا بیان کافی نہ ہوا ہو۔ قرآن میں اس کا بیان نہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ کی حدیث میں ضرور اس کی تفصیل پائی جاتی۔ اس پر روشن دلیل جس سے کوئی مسلمان انکار نہ کرے، یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی تمام عمر میں اپنے سے چھوٹے رتبہ کے لوگوں کی روایات کو قبول کیا ہے، اور ان روایات سے مستغنی ہو کر عمل کتاب اللہ کو کافی نہیں سمجھا۔ اس کی تفصیل ہمارے ضمیمہ جات ۱۸۷۸ء میں بخوبی ہو چکی ہے اس مقام میں اس کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

اول۔ قرآن مجید میں بیٹی کی وراثت کا یہ حکم بیان ہوا ہے کہ کسی شخص کی ایک بیٹی ہو تو وہ نصف مال کی وارث ہے۔ اس حکم قرآنی کے مفسر یا یوں کہیں کہ مخصص آنحضرت ﷺ کی یہ احادیث ہیں:

گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ جس کی دست آویز سے حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت فاطمہؓ زہرا کو آنحضرت ﷺ کے خالص مال سے ورثہ نہ دیا، باوجودیکہ انہوں نے مطالبہ بھی کیا۔



آنحضرت ﷺ نے بیٹی بیٹی وغیرہ وارثوں کو اس حالت میں محروم الارث ٹھہرایا ہے جب کہ وہ مورث کو قتل کر دیں یا وارث و مورث کے مذہب میں اختلاف ہو جاوے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ان احادیث کو قبول فرمایا اور ان پر عمل کیا اور ان احادیث سے مستغنی ہو کر آیت میراث کے عمل پر اکتفا نہ کیا۔

۲۔ قرآن مجید میں ان عورتوں کو جن کا نکاح مرد پر حرام ہے، شمار کر کے فرمایا ہے احل لکم ما وراء ذالکم۔ یعنی ان عورتوں کے سوا جن کا حکم حرمت نکاح قرآن میں بیان ہوا ہے، سب عورتیں تم پر حلال ہیں۔ اس حکم قرآن کی تفسیر یا یوں کہیں کہ تخصیص میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جو رو کی خالہ اور پھوپھی جو رو کے نکاح میں ہونے کی حالت میں نکاح میں نہ لائی جائے چنانچہ فرمایا لا تنکح المرثۃ علی عہما و لا علی خالتهما آنحضرت ﷺ کے جملہ صحابہ نے جن میں حضرت عمر بھی داخل و شامل ہیں اس حدیث نبوی کو قبول فرمایا ہے اور اس کو مخالف قرآن سمجھ کر اس کے عمل سے استغنا اور عمل قرآن پر اکتفا نہیں کیا۔

فاضل حبیب اللہ قدھاری نے کتاب مغنم الحصول میں کہا ہے:

ان الصحابة خصصوا و احل لکم ما وراء ذالکم بلا تنکیح المرثۃ علی عمتها و لا علی خالتهما و یو صیکم اللہ فی او لا دکم بلا یرث القاتل و لا یتوارثان اهل الملتین و نحن معشر الانبیاء لانرث و لانورث کہ صحابہ نے اس آیت کے حکم کو جس میں ارشاد ہے کہ محرمات مذکورہ قرآن کے سوا اور سب عورتیں تم پر حلال ہیں اس حدیث سے مخصوص البعض ٹھہرایا ہے جس میں ارشاد ہے کہ کسی عورت کو اس کی پھوپھی اور خالہ کے ساتھ نکاح میں جمع نہ کریں اور آیت میراث کے حکم کو اس حدیث سے مخصوص البعض قرار دیا ہے جس میں ارشاد ہے کہ دو مختلف دین والے آپس میں وارث نہ ہوں، اور نبی کسی کے وارث نہیں ہوتے اور نہ انکا کوئی وارث ہوتا ہے۔

۳۔ حضرت عمر فاروق نے ایک بادیہ نشین راوی کی اس حدیث کو قبول فرمایا جس میں بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک عورت کو اسکے خاوند کی دیت کا وارث کیا، باوجودیکہ قرآن مجید اس عورت کو دیت کا وارث نہیں بنا تا، کیونکہ وہ دیت بعد موت شوہر کا مال ہوتا ہے اور عورت بعد موت شوہر اس کی عورت نہیں رہتی۔ و بناء علیہ حضرت عمر فاروق کی رائے یہ تھی کہ وہ عورت اس مال سے وراثت کی مستحق نہیں مگر جب آپ کو حدیث مذکور

معلوم ہوئی تو اپنی رائے کو چھوڑ دیا اور حدیث کو قبول فرمایا۔ ترمذی میں ہے:

كان عمر ابن الخطاب يقول الدية على العاقلة و لا تراث المرأة من دية زوجها شيئاً حتى قال له الضحاک بن سفیان كتب الى رسول الله ﷺ ان وراث امرأۃ اشيم الضبابی من دية زوجها فرجع عمر - (رواه الترمذی و ابو داؤد) کہ حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے کہ خون بہا عصبات وغیرہ وارثوں پر ہے۔ اور عورت اپنے شوہر کے خون بہا سے وارث نہیں ہوتی، یہاں تک کہ ضحاک بن سفیان نے ان کو خبر دی کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے لکھا تھا کہ اشیم الضبابی کی عورت کو اس کے خون بہا سے وارث بنا، تو حضرت عمرؓ نے اپنے قول سے رجوع کیا۔

۴۔ دیت جنین کی حدیث کو دو شخصوں کی روایت وشہادت سے آپ نے قبول کیا اور اس باب میں قرآن کریم کے حکم قصاص پر اکتفا فرمایا۔ ہشام نے اپنے باپ عروہ سے روایت کی ہے:

عن هشام عن ابیه ان عمر بن الخطاب انشد الناس من سمع النبی ﷺ قضی فی السقط فقال المغيرة انا سمعته قضی فی السقط فقال المغيرة انا سمعته قضی فی السقط بغرة عبد او امة قال ائت من يشهد معك على هذا فقال محمد بن مسلمه انا اشهد على النبی ﷺ بمثل هذا - رواه البخاری - و زاد ابو داؤد فقال عمر بن الخطاب الله اكبر لو لم اسمع بهذا لقضينا بغير هذا کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے قسم دے کر پوچھا کہ کیا کسی نے اس بچہ کا حکم رسول اللہ سے سنا ہے جو ماں کے پیٹ سے مردہ گرایا گیا ہو تو مغیرہؓ نے ہاں میں نے سنا ہے آپ نے اس کا خون بہا ایک غلام یا لونڈی مقرر کیا ہے اس پر آپ نے فرمایا تیرے ساتھ کوئی اور بھی اس بات کا گواہ ہے۔ محمد بن مسلمہ بولے ہاں میں گواہ ہوں۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ پھر حضرت عمرؓ بولے اللہ اکبر، ہم یہ حکم نہ سنتے تو کچھ اور ہی فیصلہ کرتے۔

۵۔ سبھی انگلیوں کے خون بہا کے برابر ہونے کی حدیث آپ نے قبول فرمائی باوجودیکہ آپ کی رائے اس میں یہ تھی کہ چھوٹی انگلی اور اس کے ساتھ والی کی دیت نو (۹) اونٹ ہونی چاہیے، بیچ والی اور اس کے ساتھ والی سبابہ کے ۱۲، اونٹ انگوٹھے کے ۱۵۔ اونٹ جو بظاہر ان کے مختلف قوتوں اور مققداروں کی نظر سے انصاف اور عدل

معلوم ہوتی ہے مگر آپ نے حدیث سنی تو قبول فرمائی، اور قرآن سے اسکے مطابق کرنے کی کچھ پرواہ نہ کی۔ صحیح بخاری میں حدیث ہے: عن النبی ﷺ قال هذه هذه یعنی الخنصر و الابہام سواء (یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ چھوٹی انگلی اور گونڈا برابر ہیں)

اور مسلم الثبوت کی شرح فواتح الرحموت میں ہے:

و ترك عمر را ئیہ فی دیت الا صابع و كان را ئه فی الخنصر و البنصر تسعا و فی الوسط و فی المسبحة اثنا عشر و فی الابہام خمسة عشر كل ذلك فی التیسیر قال الشارح و كذا ذكر غیره و الذی فی روایت البهیقی انه كان یری فی المسبحة اثنا عشر و فی الوسطی ثلاثه عشر بخبر عمر و بن حزم فی كل اصبع عشر من الابل۔ کہ حضرت عمرؓ نے اپنی رائے کو انگلیوں کے خون بہا میں ترک کر دیا۔ ان کی رائے یہ تھی کہ چھوٹی انگلی اور اس کے ساتھ والی کا خون بہا نو اونٹ، بیچ والی اور کلمہ کی انگلی کے بارہ اونٹ، انگوٹھے کے پندرہ۔ ایسا ہی کتاب تیسیر میں ہے۔ شارح نے کہا ہے کہ ایسا ہی اوروں نے ذکر کیا ہے، مگر بہیقی کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کلمہ والی انگلی کا خون بہا بارہ اونٹ خیال کرتے اور بیچ والی کے تیرہ اونٹ۔ اس رائے کو آپ نے عمرو بن حزم کی اس حدیث سے ترک کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ہر ایک انگلی کا خون بہا دس اونٹ مقرر کئے ہیں۔

اس مضمون کی اور بہت مثالیں ہیں مگر ہم آپ کی طرح تطویل پسند نہیں کرتے۔ ان امثلہ کو دیکھ کر کس و ناکس بشر طیکہ ادنیٰ فہم و انصاف رکھتا ہو ہرگز نہ کہے گا کہ حضرت عمرؓ نے جو فرمایا ہے کہ ہم کو کتاب اللہ کافی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ حدیث نبوی کی ہم کو حاجت نہیں اور قرآن اس کی جگہ کافی ہے، اور نہ یہ مراد ہے کہ جب تک کسی حدیث کی شہادت قرآن میں نہ پائی جائے وہ لائق قبول نہیں۔ بلکہ اس سے مراد صرف وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ جس مسئلہ میں سنت صحیحہ سے کوئی تفصیل نہ ہو وہاں قرآن کافی ہے۔ اس قول فاروقی کے مورد کو دیکھا جائے تو اس سے بھی یہی معنی سمجھ میں آتے ہیں مگر اس کی بحث تفصیلی میں تطویل ہوتی ہے، (کیونکہ اس میں شیعہ سنیوں کے باہمی اختلاف کو جو اس قول کی نسبت ہے، ذکر کرنا پڑتا ہے)، جس سے بحث مقصود سے خروں لازم آتا ہے۔

امکان تضعیف و توہین حدیث صحیحین پر آپ نے ایک یہ دلیل پیش کی ہے کہ قرآن کریم میں ارشاد

ہے جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو تم اسکی تفتیش کرو۔ یہ دلیل بھی آپ کی ناواقفی پر ایک دلیل ہے۔ احادیث صحیحین کے راوی تہمت فسق سے بری ہیں اور ان کی عدالت ثابت و متحقق ہو چکی ہے اسی نظر سے ان کتابوں کی احادیث اتفاق اہل اسلام کے ساتھ صحیح تسلیم کی گئی ہیں۔

امام حافظ ابن حجرؒ مقدمہ فتح الباری (ص ۲۳۳) میں فرماتے ہیں:

ينبغي لكل منصف ان يعلم ان تخریج صاحب الصحيح لا ی راوی کان مقتضى بعدالته عنده عنده و صحة ضبطه و عدم غفلته و لا سيما ما انصاف الی ذالك من اطلاق جمهور الآئمة على تسمية الكتابین بالصحيحين و هذا المعنى لم یحمل لغير من خرج عنه فی الصحيحين فهو نهايت اطباق الجمهور على تعديل من ذکر فیہما۔ هذا اذا اخرج له فی الاصول فاما ان اخرج له فی المتابعات و الشواهد و التعالیق فهذا یتفاوت درجات من اخرج له فی الضبط و غیره مع حصول اسم الصدق لهم و حينئذ اذا وجدنا غیره فی احد منهم طعننا فذالك الطعن للتعديل لهذا الامام فلا یقبل الا مبين السبب مضرا بقادح یقدح فی عدالت هذا الراوی و فی ضبطه مطلقاً او فی ضبطه الخبر بعينه لان الاسباب الحاملة للآئمة على الجرح متفوتة منها ما یقدح و منها ما لا یقدح و قد كان الشيخ ابو الحسن المقدسی یقول فی الرجل الذی یخرج عنه فی الصحيح هذا جاز القنطرة یعنی بذلك انه لا یلتفت الی ما قیل فیہ قال الشيخ ابو الفتح القشیری فی مختصره و هكذا نعتقد و به اقول و لا یخرج عنه الا بحجة ظاهرة و بیان شاف یزید فی غلبة الظن على المعنى الذی قد مناه۔ من اتفاق الناس بعد الشيخین على تسمية کتابیہما بالصحيحين و من لوازم ذالك تعديل رواتها۔ قلت فلا یقبل الطعن فی احد منهم الا بقادح واضح، کہ ہر ایک منصف کو یہ جان لینا چاہیے کہ صحیح (بخاری یا مسلم) کے مصنف کا کسی راوی کی حدیث کو روایت کرنا اس کے نزدیک اس کے عادل ہونے اور اس کے ضبط کے صحیح ہونے اور

اس کے غافل نہ ہونے کا متقاضی ہے، خصوصاً اس حالت میں کہ اس امر کے ساتھ جمہور علماء کا ان دو کتابوں کے صحیح کہنا ملایا جائے، یہ معنی ان راویوں میں پائے نہیں جاتے جن سے صحیحین میں روایت حدیث نہ ہوئی ہو۔ ان کتابوں کو صحیح کہنا ان کے راویوں کے عادل ہونے پر جمہور علماء کا پرلے سرے کا اتفاق ہے، یہ حکم اس وقت ہے جبکہ ان راویوں سے اصل روایات میں روایت کی گئی ہو اور اگر انکی روایات اصل روایات کے شواہد و متابعات میں ہو تو پھر ان راویوں کے درجات ضبط وغیرہ مختلف ہیں یعنی بعض اعلیٰ بعض ادنیٰ، ومعہذا راست گو ہونے کا نام ان سب راویوں پر صادق آتا ہے۔ جب یہ قرار پایا تو جب ہم کسی اور محدث کا کوئی طعن و اعتراض ان کتابوں کے کسی راوی کے حق میں پائیں گے تو یہ طعن مصنف کتاب کے اس راوی کو عادل کہنے کے مقابل ہوگا۔ سو بلا بیان سبب طعن جو مفسر ہو اور اس راوی کے عادل ہونے کو توڑ سکے، یا اس کے ضابطہ ہونے میں خلل انداز ہو، مقبول نہ ہوگا کیونکہ اسباب طعن جو موجب جرح سمجھے جاتے ہیں مختلف ہوتے ہیں، بعض قدح ضبط و عدالت کرتے ہیں، بعض نہیں کرتے (لہذا اس کا بیان تفصیل سے ضروری ہے) شیخ ابوالحسن مقدسی اس شخص کے حق میں، جس سے کتاب صحیح میں روایت ہو چکی ہو، فرمایا کرتے تھے کہ یہ پل کے اس پار اتر گیا ہے، یعنی اس کے حق میں کسی کا طعن سنا نہ جائے گا۔ شیخ ابوالفتح قشیری اپنی مختصر میں فرما گئے ہیں کہ ہم بھی ایسا ہی اعتقاد رکھتے ہیں، اس سے بجز دلیل روشن اور بیان شافی کے جو محدثین کے بالاتفاق صحیح کو صحیح کہنے پر جس سے روادہ صحیحین کا عادل ہونا لازم آتا ہے فوقیت رکھے عدول نہ کیا جائے گا۔ میں (صاحب فتح الباری) کہتا ہوں پس ان راویوں میں کسی کا طعن و جرح بلا بیان سبب جو قدح عدل و ضبط نہ ہو، مقبول نہ ہوگا۔

اس کے مقابلہ میں جو آپ (مرزا) نے لکھا ہے کہ امکانی طور پر صدور کذب وغیرہ ذنوب ہر ایک سے بجز نبی کے ممکن الوقوع ہے۔ یہ آپ کی ناواقفی پر ایک اور دلیل ہے۔ آپ یہ نہیں جانتے کہ روایت اور شہادت کا حکم ایک ہے۔ جس میں فعلی صدور کذب مانع قبول و اعتبار ہے نہ امکانی۔ اور اگر امکانی کذب بھی مانع قبول و اعتبار ہوتا، تو خدا تعالیٰ کسی گواہ کی شہادت بجز نبی معصوم قبول نہ کرتا۔ اور نہ عدالت شہود کا نام لیتا اور مسلمانوں کو یہ اجازت نہ دیتا و اشہدوا ذوی عدل منکم یعنی دو گواہ عادل گواہ بناؤ، اور نہ فرماتا ممن ترضون من الشهداء یعنی ان لوگوں کو گواہ بناؤ جن کو پسند کرو۔ یعنی بلحاظ ان کے عدل و استقامت کے

اچھا سمجھو۔ بلکہ صاف یہ فرماتا کہ ہر معاملہ میں نبی معصوم کو گواہ کر لیا کرو کیونکہ امکان کذب وغیرہ جو بقول آپ (مرزا) کے بجز نبی معصوم کے، ہر ایک گواہ میں موجود ہے۔ اور امید ہے کہ یہ بات آپ بھی نہ کہیں گے کہ امکان کذب کی نظر سے شہادت بجز نبی معصوم کسی کی مقبول نہیں، پھر اس امکان کذب کی نظر سے روایت حدیث کو کیوں ناقابل اعتبار ٹھہراتے ہیں۔ آپ کے ایسے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو فن حدیث کے کوچہ سے بالکل نا آشنائی ہے۔ آپ کو کتب حدیث پر اتفاقی نظر بھی نہیں پڑی۔ صحیح مسلم کا صفحہ ۶ اگر آپ کی نظر سے گزرا ہوا ہوتا تو آپ ہرگز اس آیت سے اپنے دعویٰ پر استدلال نہ کرتے۔ یہ تو اس امر کی دلیل ہے کہ جب راویوں یا ناقلوں کے ظاہری صدق و عدالت کا حال معلوم نہ ہو تو ان کو بلا تحقیق قبول نہ کرو، نہ یہ کہ جن کا صدق و عدالت تم کو ثابت ہو ان کو نقل و روایت میں اس خیال سے کہ ان سے صدور کذب ممکن ہے بلا تحقیق جدید نہ مانو۔

صحیح مسلم کے صفحہ ۶ میں ہے: و اعلم و فقلك الله ان الواجب على كل احد عرف التميز بين صحيح الروايات و سقيمها و ثقاوت الناقليين لها من المتهمين ان لا يروى منها الا ما عرف صحت مخرجها و الستارة في ناقلية و ان يتقى منها عن اهل التهم و المعاندين من اهل البدع و الدليل على ان الذي قلنا من هذا هو اللازم دون ما خالفه قول الله تبارك و تعالیٰ ذكره يا ايها الذين آمنوا ان جاءكم فاسق بنبا فتبينوا ان تصيبوا قوماً بجهالة فتصبحوا على ما فعلتم نادمين۔ و قال جل ثنائه ممن ترضون من الشهداء۔ و قال و اشهدوا ذوى عدل منكم۔ فدل بما ذكرنا من هذه الآي ان خبر الفاسق ساقط غير مقبول و ان شهادة غير العدل مردودة و الخبران فارق معناه معنى الشهادات في بعض الوجوه فقد يجتمعان في اعظم معانيهما ان كان خبر الفاسق غير مقبول عند اهل العلم كما ان شهادته مردودة عند جميعهم۔ تو جان لے، خدا تعالیٰ تجھے توفیق دے، کہ ہر شخص پر جو صحیح و غیر صحیح روایات میں ثقہ اور غیر ثقہ راویوں میں تمیز رکھتا ہو، یہ واجب ہے کہ وہی حدیث روایت کرے جس کے مخرج (جہاں سے وہ حدیث نکلے اور مروی ہوئی ہے) کی صحت پہچان لے اور اس کے راوی کا مستور ہونا جان لے۔ اور جو روایت

مہتم اور مخالفین حق اور اہل بدعت سے مروی ہو اس سے بچے اس پر دلیل وہ قول خداوندی ہے جس میں یہ ذکر ہے۔ اے ایمان والو کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو تم اسکی تحقیق کرو ایسا نہ ہو کہ کسی قوم پر نادانی سے جا پڑو پھر اپنے کئے پر نام نہ ہو۔ اور وہ آیت جس میں ارشاد ہے کہ جن گواہوں کو تم پسند کرو اور وہ قول جس میں فرمایا ہے دو گواہ عادل کو گواہ بناؤ، ان آیتوں سے ثابت ہے کہ فاسق کی خبر ساقط ہے، مقبول نہیں ہے۔ اور غیر عادل کی شہادت مردود ہے اور خبر اگرچہ بعض اوصاف میں شہادت سے متفارق ہے مگر بڑی بھاری اوصاف میں وہ دونوں متفق ہیں، کیونکہ فاسق کی خبر اہل علم کے نزدیک مقبول نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کی شہادت نامقبول ہے۔

میرے اس سوال کے جواب میں کہ قرآن مجید کو احادیث صحیحہ کا معیار صحت ٹھہرانے میں آپ کا کوئی شخص امام یا موافق ہے، جو آپ نے فرمایا ہے کہ تمام مسلمان جو قرآن کو امام جانتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اس مسئلہ میں میرے موافق ہیں اور خاص کر صاحب تفسیر حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی میرا موافق ہے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے اس حکم سے کہ جو کچھ مجھ سے روایت کرو اس کو پہلے کتاب اللہ پر عرض کرو حدیث من ترک الصلوۃ متعمداً فقد کفر کو قرآن پر عرض کیا اور تیس سال کے بعد اس کو آیت اقیموا الصلوۃ و لا تکنوا من المشرکین کے مطابق پایا تو اس حدیث کو قبول کیا،

اس کے پہلے حصہ کا جواب تو سابقاً گزر چکا ہے کہ مسلمانوں کا قرآن کو امام ماننا اور اس پر ایمان لانا، یہ نہیں چاہتا کہ وہ کوئی حدیث صحیح جب تک کہ اس کو قرآن پر عرض نہ کریں قبول نہ کریں۔ بلکہ وہ ایمان ان کو یہ سکھلاتا ہے کہ وہ حدیث کو جب اس کی صحت کا بقوا نین روایت ثابت ہو، فوراً قبول کریں اور اس کو قرآن مجید کی مانند واجب العمل سمجھیں، صرف قرآن مجید کو کافی سمجھ کر اس حدیث سے استغنائہ نہ کریں۔

رہا جواب دوسرے حصہ کا کہ صاحب تفسیر حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی نے آپ کے اعتقاد کے موافق عمل کیا ہے اور حدیث من ترک الصلوۃ متعمداً کو قبول نہ کیا جب تک کہ اس کو آیت اقیموا الصلوۃ کے مطابق و موافق نہ پایا،

سو اس کا جواب یہ ہے کہ کلام صاحب حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی کا مطلب بیان کرنے میں آپ نے دو وجہ سے دھوکہ کھایا ہے، یادیدہ دانستہ مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہا ہے۔ وجہ اول یہ ہے کہ صاحب تفسیر حسینی یا شیخ

محمد اسلم طوسی نے آپ کی مانند یہ عام اصول نہیں ٹھہرایا کہ احادیث صحیحہ مسلمہ صحت کے ثابت ہو جانے کے بعد اس کی صحت کا امتحان اس اصول سے کیا جائے، اور جب تک وہ حدیث مطابق قرآن نہ ہو، اس کو صحیح نہ سمجھا جائے۔ ان کی کلام میں اس عام اصول کا نام و نشان بھی نہیں ہے اور نہ آپ نے یہ عام اصول ان سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے صرف اس ایک حدیث من ترك الصلوة کو کتاب اللہ پر عرض کیا۔ اور اگر اس حدیث کے سوا اور احادیث کو بھی انہوں نے اسی عرض کے ذریعہ سے صحیح قرار دیا ہے، تو آپ یہ امر ان سے بحقل صحیح ثابت کریں، ورنہ آپ پر یہ الزام قائم ہے کہ آپ جزء واقعہ کو عام اصول بناتے ہیں، اور خود ہو کا کھاتے اور مسلمانوں کو دہو کہ دیتے ہیں۔ اس پر اگر یہ سوال کرو کہ ان کے نزدیک یہ اصول تصحیح روایت عام مقرر نہ تھا، تو انہوں نے اس حدیث من ترك الصلوة کو قرآن پر کیوں عرض کیا؟ تو جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی صحت معنی میں ان کو کچھ شک ہوگا، اس شک کو رفع کرنے کی غرض سے انہوں نے یہ عمل کیا، یا یہ کہ باوجود تسلیم صحت و عدم شک انہوں نے حصول مزید طہانیت کے لئے ایسا کیا، اور اس حدیث کے اعتقاد کو اور پختہ کر لیا۔ اس کے جواب میں اگر یہ کہو کہ اس مسئلہ کا عام اصول ہونا خود اس حدیث کے الفاظ سے ثابت ہے، اس صورت میں یہ اصول گویا آنحضرت ﷺ کا مجوزہ اصول ہوا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا آنحضرت ﷺ سے ثابت نہ ہونا، بلکہ زندیقوں، چھپے کافروں کی بناوٹ ہونا، سابقاً بخوبی ثابت ہو چکا ہے۔ لہذا اس مسئلہ کا بحکم نبوی عام اصول ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

دوسری وجہ یہ کہ صاحب تفسیر حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی کی کلام میں یہ تصریح نہیں ہے کہ جب تک شیخ طوسی نے اس حدیث کو آیت اقیموا الصلوة کے موافق نہ کر لیا تھا تب تک اس کو غیر صحیح یا وضعی سمجھا تھا۔ یا تیس سال کے عرصہ تک اس حدیث کی صحت یا عدم صحت کی نسبت کوئی فیصلہ نہ کیا تھا۔ کیوں جائز نہیں کہ وہ اس حدیث کو مان چکے تھے مگر مزید اطمینان کے لئے وہ تیس برس تک قرآن مجید سے اس کا متوافق ہونا تلاش کرتے رہے۔ آپ سچے ہیں تو اس احتمال کو دلیل سے اٹھائیں اور بحقل صریح ثابت کریں کہ شیخ طوسی تیس سال تک اس حدیث کو غیر صحیح یا موضوع سمجھتے رہے یا اس کی صحت میں متردد و متوقف رہے۔ اس احتمال کو بدل لیں اٹھا کر اس امر کو بحقل صریح ثابت کرنے کے بغیر آپ کا اس قول طوسی سے استدلال کرنا اور اس پر یہ درخواست کرنا کہ



میں نے ایک آدمی کا نام اپنے موافقین سے بتادیا، اب آپ ضد چھوڑیں۔ کمال تعجب کا محل ہے اور شرم کا موجب ثبت العرش ثم انقش

آپ شیخ محمد اسلم طوسی سے اس عرض کا عام اصول صحت احادیث ہونا، یا تیس سال تک خاص کر حدیث من ترك الصلوة کی صحت میں متوقف رہنا، ثابت کریں۔ تو ہمارے انکار کو ضد کہیں۔ یہ نہ ہو سکے تو اس حدیث کی صحت ہی ثابت کریں۔ پھر ہم شیخ طوسی سے ان امور کا ثبوت بہم پہنچانے کے طالب نہ رہیں گے۔ اور اس حدیث کو جس کا مضمون خود ایک اصول ہے، تسلیم کر کے اپنے انکار سے رجوع کریں گے۔ واللہ ثم باللہ، ثم باللہ، و کفی باللہ شہیدا و کفی باللہ وکیلاً۔

اور اگر آپ صحت حدیث ثابت نہ کر سکیں یا شیخ طوسی سے امور مذکورہ بنقل صریح ثابت نہ کریں تو آپ اپنے مخترعہ مستحدہ اصول پر اصرار و ضد چھوڑ دیں۔ زیادہ ہم کیا کہیں۔

۵۔ آپ لکھتے ہیں کیا آپ قرآن کریم کی ان خوبیوں کے بارے میں کہ وہ محکم اور معیار اور میزان ہے، کچھ شک میں ہیں؟ یہ کمال دھوکہ دہی ہے اور اپنے پرچہ نمبر ۵ میں میرا یہ اقرار کہ میں قرآن کو امام جانتا ہوں اور احادیث صحیحین کو قرآن کے برابر نہیں سمجھتا، نقل کرنے کے بعد یہ استفسار ایک افتراء ہے، جس سے مقصود صرف اپنے بے علم مریدوں کو میری طرف سے بدظن کرنا ہے اور یہ جتنا ہے کہ یہ شخص قرآن کو نہیں مانتا۔ اس کا جواب میں پہلے بھی دے چکا ہوں کہ جو شخص قرآن کو حکم و امام نہ مانے، وہ کافر ہے۔ اب پھر کہتا ہوں کہ قرآن ہمارا حکم، امام، میزان، معیار، قول فیصل وغیرہ ہے، مگر اپنے غیر پر، یعنی لوگوں کے باہمی اختلافات و تنازعات پر جو رائے پڑتی ہوں اور حدیث صحیح تو خادم و مفسر قرآن اور وجوب عمل میں مثل قرآن ہے، وہ اس سے مخالف و منازع نہیں، اور کسی مسلمان کا اسکی صحت قبول کرنے میں اختلاف نہیں تو پھر قرآن اس کی صحت کا حکم و معیار و محکم کیونکر ہو سکتا ہے۔

اے خدا کی مخلوق، خدا سے ڈرو۔ مسلمانوں کو دھوکہ میں نہ ڈالو۔ قرآن وحدیث صحیح ایک ہی چیز ہیں اور ایک دوسرے کے مصدق ہیں تو پھر ایک دوسرے کے محکم و معیار ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔

آپ کہتے ہیں کہ موضوع ہونا کسی حدیث کا اور بات ہے، ضعیف ہونا اور ہے۔ اور میں نے صحیح مسلم

کی حدیث دمشق کے ضعیف ہونے کا امام بخاری کو قائل قرار دیا ہے۔ انہوں نے اس حدیث کی روایت کو ترک کیا تو اس سے مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے اس حدیث کو ضعیف سمجھا ہے، جس کو موضوع ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ اس قول میں ایک تو آپ نے دہوکہ دیا ہے۔ دوسرا اپنی ناواقفی کا اظہار کیا ہے۔ دہوکہ یہ کہ یہاں آپ ضعیف اور موضوع میں فرق کو تسلیم کرتے ہیں، حالانکہ آپ کے نزدیک جو حدیث موافق قرآن نہ ہو، وہ موضوع ہے اور کلام رسول ہونے سے خارج، نہ اور قسم کی ضعیف۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اپنی تحریرات نمبر ۲ وغیرہ میں ایسی حدیثوں کو کبھی موضوع کہتے ہیں کبھی غیر صحیح و ضعیف، جس سے صاف ثابت ہے کہ آپ کی اصطلاح میں موضوع و ضعیف ایک ہے۔ اور صحیح مسلم کی حدیث دمشق کو بھی آپ قرآن کریم کے مخالف سمجھتے ہیں اور اپنے ازالہ اوہام میں اس کی وجوہ مخالفت بڑے زور سے بیان کر چکے ہیں۔ لہذا وہ آپ کے نزدیک موضوع ہے، نہ اور قسم کی ضعیف۔ یہاں اپنے اس اعتقاد کو چھپا کر مسلمانوں کو دہوکہ دیتے ہیں۔

جس ناواقفی کا آپ نے اظہار کیا ہے وہ یہ ہے کہ روایت صحیح مسلم کو امام بخاری کے ترک کرنے سے آپ نے یہ اجتہاد کیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، صحیح سمجھتے تو وہ اس کو ضرور اپنی کتاب میں لاتے۔ یہ بات وہی شخص کہے گا، جس کا حدیث کے کوچہ میں بھولے سے بھی کبھی گزر نہ ہوا ہو۔ امام بخاری نے بہت سی احادیث صحیحہ کو اپنی کتاب میں ذکر نہیں کیا اور یہ فرما دیا ہے کہ میں نے ان کو بخوف طوالت ترک کر دیا ہے۔

صحیح بخاری کے مقدمہ (صفحہ ۶) میں ہے: و روی من جہات عن البخاری قال صنفت کتابی الصحیح بستة عشر سنة خر جته من ست مائة الف حدیث و جعلته حجة بینی و بین اللہ و روی عنه قال رئیْتُ النبی ﷺ فی المنام و کانی واقف بین یدیہ و بیدی مروحة اذ ب عنه فسالت بعض المعبرین فقال انت تذ ب عنه الکذب - فهو الذی حملنی علی اخراج الصحیح - و روی عنه قال ما اذ خلت فی کتاب الجامع الا ما صح و ترکت کثیراً من الصحاح لحال الطول - امام بخاری سے کئی سندوں سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے اپنی کتاب صحیح کو سولہ سال میں جمع کیا ہے اور وہ کتاب چھ لاکھ حدیث کا انتخاب ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے سامنے میری دست آویز ہے۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں آنحضرت

ﷺ کے سامنے کھڑا ہوں اور ان کو پنکھا کر رہا ہوں۔ میں نے بعض تعبیر دانوں سے اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے یہ تعبیر بتائی کہ تو آنحضرت ﷺ سے جھوٹ دور کر رہا ہے۔ یہی خواب مجھے اس کتاب کے جمع کرنے پر باعث ہوا۔ امام بخاری سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے اس کتاب میں صرف صحیح احادیث کو داخل کیا ہے اور بہت سی صحیح حدیثوں کو طوالت کے خوف سے ترک کر دیا ہے۔

امام بخاری سے یہ بھی منقول ہے کہ مجھے دو لاکھ حدیثیں غیر صحیح اور ایک لاکھ صحیح یاد ہیں۔ باوجودیکہ صحیح بخاری میں چار ہزار احادیث منقول ہیں، جس سے ثابت ہے کہ مزید چھیا نوے ہزار حدیث امام بخاری کے نزدیک صحیح ہے جن کو وہ اپنی کتاب میں نہیں لائے۔

وجملة ما فى الصحيح البخارى من الاحاديث المسندة سبعة آلاف و مائتان و خمسة و سبعون حديثاً بالاحاديث المكررة و بحذف المكررة نحو اربعة آلاف. كذا ذكر النووى فى التهذيب و الحافظ ابن حجر فى مقدمة فتح البارى كصحیح بخاری کی حدیثوں کی تعداد سات ہزار دو سو ۷۵ ہے اگر مکرر احادیث کو شمار کریں اور اگر مکرر کو چھوڑ دیں تو کل چار ہزار حدیثیں ہیں ایسا ہی امام نوویؒ نے تہذیب میں اور ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری میں ذکر کیا ہے۔

شیخ عبدالحقؒ نے مقدمہ شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے کہ امام بخاریؒ سے منقول ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ مجھے ایک لاکھ حدیث صحیح یاد ہے اور دو لاکھ غیر صحیح و نقل عن البخارى انه قال حفظت من

الصحيح مائة الف حديث و من غير الصحيح مائة الف . (مقدمہ شرح مشکوٰۃ ص ۶)

اس سے صاف ثابت ہے کہ امام بخاری کا کسی حدیث کی روایت کو ترک کرنا اس امر کا ثبوت نہیں

ہے کہ انہوں نے اس کو ضعیف قرار دیا۔ پھر امام بخاری کا ترک روایت حدیث مسلم کیونکر موجب ضعف ہو۔ امام مسلمؒ نے خود اپنی کتاب میں بہت سی احادیث کو، جن کو وہ صحیح سمجھتے ہیں، ذکر نہیں کیا۔ جیسا کہ مقدمہ شرح مشکوٰۃ میں ہے: قال مسلم الذى او ردت فى هذا الكتاب من الاحاديث صحيح. و لا اقول ان ما تركت ضعيف (مقدمہ شرح مشکوٰۃ ص ۶) کہ مسلمؒ نے کہا ہے جو حدیث میں اس کتاب میں لایا ہوں وہ صحیح ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ جس حدیث کو میں نے چھوڑ دیا (یعنی اس کتاب میں نہیں لایا) وہ صحیح نہیں۔

امام مسلمؒ نے خود اپنی کتاب صحیح میں فرمایا ہے: و لیس کل شیء عندی صحیح و وضعته هنا ( یعنی فی کتابہ الصحیح ) و انا و ضعت هنا ما اجمعوا علیہ . ( صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۲ )۔ یہ نہیں کہ جو حدیث میرے نزدیک صحیح سمجھتی تھی وہ میں نے اس کتاب میں جمع کر دی ہے۔ میں نے اس میں وہی حدیث جمع کی ہے جس کی صحت پر سب کا اتفاق تھا (یعنی جس حدیث کی صحت میں اختلاف تھا وہ میں نے کتاب میں نقل نہیں کی۔ گو میرے نزدیک وہ صحیح تھی)

اب دل میں سوچ کر انصاف سے کہیں کہ امام بخاری یا خود امام مسلم کے کسی حدیث کی روایت کو ترک کرنے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح نہ ہو۔ آپ انکل پچواہیسی باتیں کہہ کر یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ فن حدیث سے آپ کو کوئی تعلق اور کچھ مس نہیں۔ اس الزام دہو کہ وہی و ناواقفی کو آپ مانیں خواہ نہ مانیں، آپ کی کلام سے یہ تو ثابت ہوتا ہے، جس کے ماننے سے آپ کو بھی انکار نہیں، کہ حدیث دمشق صحیح مسلم کو آپ نے اپنے اجتہاد سے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور آپ کے اعتقاد مخفی، توہین صحیحین، کے اظہار کے لئے اس مقام میں اسی قدر بس ہے۔ اہل حدیث جو آپ کے پنچہ میں گرفتار ہیں آپ کے اس قول و اقرار سے یقین کریں گے کہ آپ حدیث صحیح مسلم کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور اس پر جو فتوے لگائیں گے وہ مخفی نہیں ہے۔

۶۔ آپ لکھتے ہیں کہ ازالۃ الاوہام میں احادیث صحیح بخاری و صحیح مسلم کی نسبت میں نے یہ قطعی فیصلہ نہیں دیا کہ وہ موضوع ہیں، بلکہ شرطیہ طور پر کہا ہے کہ اگر ان کے باہمی تناقض کو دور نہ کیا جائے گا تو ایک جانب کی حدیثوں کو موضوع ماننا پڑے گا۔ یہ آپ کی محض حیلہ سازی ہے۔ جس مقام میں آپ نے ان احادیث کو موضوع کہا وہاں شرط تناقض بیان نہیں کی، بلکہ بڑے زور سے پہلے ان کا تعارض ثابت کیا ہے پھر ان پر موضوع ہونے کا حکم لگا دیا ہے، جس سے صاف ثابت ہے کہ آپ کے نزدیک ان احادیث میں تناقض و تعارض متحقق ہے۔ و بناءً علیہ وہ احادیث آپ کے نزدیک موضوع ہیں۔ ہاں آپ نے ان احادیث میں کچھ کچھ تاویلیں بھی کی ہیں، جن سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ تاویل بفرض صحت احادیث مذکورہ آپ کرتے ہیں۔ آپ کی کلام سے صاف یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ احادیث اول تو آپ کے نزدیک صحیح نہیں، موضوع ہیں۔ اور اگر بالفرض وہ صحیح مانی جائیں تو پھر وہ آپ کے نزدیک تاویلات سے ماول ہیں۔ یہ مطلب آپ کی ان عبارات ازالہ اوہام سے، جو

ہم اشاعت السنۃ میں نقل کر چکے ہیں اور جن میں بلا شرط آپ نے ان احادیث کو موضوع کہا ہے، صاف ثابت ہے۔ آپ اس کے خلاف کے مدعی اور اپنے دعویٰ حال میں سچے ہیں تو اس مضمون کی عبارت نقل کریں، جس میں پہلے آپ نے قطعی اور صاف طور پر ان احادیث کو صحیح مان لیا ہو۔ پھر اس بیان صحت کے بعد شرطیہ طور پر یہ کہا ہو کہ ان احادیث کی تاویل نہ کی جائے تو یہ موضوع ٹھہرتی ہیں۔ آپ اپنی کتاب سے یہ تصریح نکال دیں گے تو ہم آپ کو اس الزام سے، کہ آپ نے صحیحین کی احادیث کو موضوع قرار دیا ہے، بری کر دیں گے۔ ورنہ کس ونا کس کو یقین ہوگا کہ درحقیقت آپ صحیح بخاری و مسلم کی حدیثوں کو موضوع ٹھہرا چکے ہیں، مگر اپنے اتباع عوام اہل حدیث کے خوف سے ان کو موضوع کہنے سے انکار کرتے ہیں تاکہ عوام آپ کو منکر احادیث نہ کہیں اور اہل سنت سے خارج نہ کریں۔

۷۔ آپ (یعنی مرزا) لکھتے ہیں، میرے نزدیک اجماع کا لفظ اس حالت پر صادق آسکتا ہے کہ جب صحابہ میں سے مشابہ صحابہ اپنی رائے کو شائع کریں، اور دوسرے باوجود سننے کے اس رائے کی مخالفت ظاہر نہ فرمائیں، سو یہی اجماع ہے۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ و جابرؓ نے ابن صیاد کو دجال کہا، تو یہ امر باقی صحابہ سے پوشیدہ نہ رہا ہو گا۔ سو میرے نزدیک یہی اجماع ہے۔ آپ کے نزدیک یہ اجماع نہیں تو بتادیں کہ کس صحابی نے ابن صیاد کے دجال ہونے سے انکار کیا۔ پھر آپ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے ابن صیاد کو دجال کہنے پر آنحضرت ﷺ نے سکوت کیا ہے اور یہ ہزار اجماع سے افضل ہے۔

ان عبارات میں آپ نے میرے سوالات کا کہ: ۱۔ یہ تعریف اجماع جو آپ نے لکھی ہے وہ کس کتاب میں ہے؟ ۲۔ بعض صحابہ کے اتفاق کو کون اجماع کہتا ہے؟ ۳۔ سکوت صحابہ پر نقل صحیح کی کہاں شہادت پائی جاتی ہے، اس کو نقل کریں، غائباً، اور ہو گا، (وغیرہ الفاظ) سے کام نہ لیں، کچھ جواب نہ دیا اور پھر اپنے خیالات سابقہ کو دوبارہ نقل کر دیا جس سے صاف ثابت ہے کہ آپ علمی سوالات کو سمجھ نہیں سکتے اور مسائل متعلقہ اجماع سے واقف نہیں۔ یادیدہ دانستہ مسلمانوں کو دہی کی غرض سے ان کے جواب سے، جو آپ کے دعاوی کے مہمل ہیں، چشم پوشی کرتے ہیں۔

اب میں ان سوالات کا پھر اعادہ نہیں کرتا، کیونکہ میں آپ سے جواب ملنے کی امید نہیں رکھتا، اور بجائے اس کے آپ کی باتوں کا خود ایسا جواب دیتا ہوں جس سے ثابت ہو کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ آپ کی ناواقفی پر مبنی ہے، اور وہ میرے سوالات کا جواب نہیں۔

آپ نے اپنے پرچہ نمبر ۵ وغیرہ میں تین شخصوں کی جماعت کے اتفاق کو اجماع قرار دیا تھا، جو محض غلط اور ناواقفی پر مبنی ہے۔ علماء اسلام جو اجماع کے قائل ہیں اجماع کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ وہ ایک وقت کے جملہ مجتہدین کے، جن میں ایک شخص بھی متفرد و مخالف نہ ہو، اتفاق کا نام ہے۔

توضیح میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی امت کے ایک وقت کے تمام مجتہدوں کا ایک حکم شرعی پر اتفاق کرنا اجماع کہلاتا ہے۔ ہو اتفاق المجتہدین امة محمد ﷺ فی عصر علی حکم شرعی۔ کتب اصول میں یہ بھی مصرح ہے کہ: خلاف الواحد مانع ایک مجتہد بھی اہل اتفاق کا مخالف ہو تو اجماع متحقق نہ ہوگا مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے: قيل اجماع الاكثر مع ندرة

المخالف اجماع كثير كغير ابن عباس اجمعوا على القول بالعلول و غير ابى موسى الا شعري اجمعوا على نقض النوم الوضوء و غير ابى هريره و ابن عمر اجمعوا على جواز الصوم فى السفر .. و المختار انه ليس باجماع لا انتفاء الكل الذى هو مناط العصمة کہ بعض علماء قائل ہیں کہ اکثر مجتہدین کا اجماع مخالفین کی ندرت و قلت کی حالت میں اجماع سمجھا جاتا ہے، جیسا کہ ابن عباس کے سوا اور سب کا اس امر کا قائل ہونا کہ اگر اہل میراث کے حصے اس عدد سے جس کے حصہ نکالے گئے ہوں بڑھ جاویں تو اس عدد کو بڑھایا جائے، اور ابو موسیٰ اشعری کے سوا اور سب لوگوں کا قائل ہونا کہ سو جانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور ابو ہریرہ و ابن عمر کے سوا اور سب لوگوں کا اس پر اتفاق کرنا کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے۔ مگر مذہب مختار یہ ہے کہ ایسا اجماع شرعاً اجماع نہیں کہلاتا کیونکہ یہ اتفاق کل نہیں جو عصمت کا مدار ہے۔

نیز اس میں ہے: لا ینعقد الا جماع باهل البيت و حد هم لانهم بعض الامة خلا فآ للشيعة (مسلم الثبوت) کہ صرف اہل بیت نبوی کے اتفاق سے اجماع منعقد نہیں ہوتا کیونکہ وہ صرف بعض

مجتہدین امت ہیں۔ شیعہ کو اس میں خلاف ہے جو اس کو اجماع سمجھتے ہیں۔

نیز اس میں ہے: و لا ینعقد بالخلفاء الا ربعة خلافاً لا حمد الا امام۔ (مسلم الثبوت)  
 صرف خلفاء اربعہ کے اتفاق سے بھی اجماع منعقد نہیں ہوتا اس میں امام احمد کا خلاف ہے۔

سکوت باقی اصحاب سے آپ نے اجماع استنباط کیا ہے مگر اس کا ثبوت نہیں دیا بلکہ الٹا ہم سے ثبوت مخالفت طلب کیا ہے۔ یہ ثبوت پیش کرنا ہمارا فرض نہ تھا مگر ہم آپ پر احسان کرتے ہیں، آپ کو سکوت کل کا ثبوت پیش کرنا معاف کر کے خود ثبوت خلاف پیش کرتے ہیں۔ پس واضح ہو کہ ابن صیاد کو دجال موعود نہ سمجھنے والے ایک ابوسعید خدری صحابی تھے، ان سے صحیح مسلم میں منقول ہے:

عن ابی سعید قال صحبت ابن صیاد الی مکة فقال لی ما قد لقیتم من الناس یزعمون انی دجال الست سمعت رسول اللہ ﷺ یقول انه لا یولد له قال قلت بلی۔ قال فقد ولد لی۔ او لیس سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا یدخل المدینة ولا مکة قلت بلی۔ قال فقد ولدت بالمدینة وها انا ارید مکة قال ثم قال لی فی آخر قوله اما واللہ انی لا علم مولده و مکانه و این هو فلبسنى (صحیح مسلم۔ ص ۳۹۷) ابو سعید کہتے ہیں میں مکہ تک ابن صیاد کے ساتھ ہو کر چلا تو اس نے کہا مجھے لوگوں سے کیا تکلیف پہنچی ہے۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ میں دجال ہوں۔ تو نے آنحضرت ﷺ سے نہیں سنا کہ آپ فرماتے ہیں دجال لا ولد ہوگا۔ میں نے کہا ہاں سنا ہے۔ پھر وہ بولا کہ میں تو صاحب اولاد ہوں۔ پھر بولا کیا تو نے آنحضرت ﷺ سے نہیں سنا کہ دجال مکہ و مدینہ میں داخل نہ ہوگا۔ میں نے کہا ہاں سنا ہے۔ پھر وہ بولا میں مدینہ میں پیدا ہوا ہوں اور اب مکہ کو جا رہا ہوں۔ ابوسعید نے فرمایا ہے کہ اس نے اپنی کلام کے آخر میں کہا کہ میں جانتا ہوں کہ دجال کہاں پیدا ہوا اور اب وہ کہاں ہے۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے شبہ میں ڈال دیا۔

ابوسعید خدری کا یہ لفظ لبسنى صاف مشعر ہے کہ وہ ابن صیاد کو یقیناً دجال موعود نہ سمجھتے تھے بلکہ اس میں ان کو لبس یعنی شبہ تھا۔

دوسرے تمیم داریؒ ہیں، جو دجال کو اپنی آنکھ سے ایک جزیرہ میں مقید دیکھ کر آئے تھے، چنانچہ صحیح

مسلم (صفحہ ۴۰۴) میں ہے:

وفى رواية فاطمة بنت قيس قالت سمعت نداء المنادى رسول الله ﷺ ينادى الصلوة جامعة فخرجت الى المسجد فصليت مع رسول الله ﷺ فى صف النساء الذى يلى ظهور القوم فلما قضى رسول الله ﷺ صلوته جلس على المنبر و هو يضحك فقال ليلزم كل انسان مصلاه ثم قال اتدرون لم جمعتمكم قالوا الله و رسوله اعلم - قال انى و الله ما جمعتمكم لرغبة و لالرهبه و لكن جمعتمكم لان تميم الدارى كان رجلاً نصرانياً فجاى فبايع و اسلم و حدثنى حديثاً وافق الذى كنت احد تكم عن مسيح الدجال حدثنى انه ركب فى سفينة بحرية مع ثلاثين رجلاً من لخم و جذام فلعب بهم الموح شهرأ فى البحر ثم اوفوا الى جزيرة فى البحر حين تغرب حين مغرب الشمس فجلسوا فى اقرب السفينة فدخلوا الجزيرة فلقيتهم دابة اهلب كثير الشعر لا يدرون ما قبله من دبره من كثرة الشعر فقالوا و يلك ما انت قالت انا الجساسة قالوا و ما الجساسة قالت يا ايها القوم ان طلقوا الى هذا الرجل فى الدير فانه الى خبركم بالاشواق قال لما سمت لنا رجلاً فرقنا منها ان تكون شيطانة قال فانطلقنا سرا عاً حتى دخلنا الدير فاذا فيه اعظم انسان رئيساه قط خلقا و اشده و ثقاً مجموعة يداه الى عنقه ما بين ركبتيه الى كعبيه بالحد يد قلنا و يلك ما انت قال قد قدرتم على خبرى فاخبرونى ما انتم - قالوا نحن اناس من العرب ركبنا فى سفينة بحرية فصادفنا البحر حين اغتلم فلعب بنا الموح شهرأ ثم اوفينا الى جزيرة فكنا هذه فجلسنا فى اقربها فدخلنا الجزيرة فلقينا دابة اهلب كثير الشعر لا ندري ما قبله من دبره من كثرة الشعر فقلنا و يلك ما انت فقالت انا الجساسة قلنا و ما الجساسة قالت اعمدوا الى هذا الرجل فى الدير فانه الى خبركم بالاشواق فاقبلنا اليك سرا عاً و فزعنا منها و لم نامن ان تكون شيطانة



فقال اخبروني عن نخل بيسان قلنا عن ابي شانها تستخبر قال اسئلكم عن نخلها هل يثمر قلنا له نعم قال اما انها يوشك ان لا تثمر قال اخبروني عن بحيرة طبرية قلنا عن ابي شانها تستخبر قال هل فيها ماء قالوا هي كثيرة الماء قال اما ان ماءها يوشك ان يذهب قال اخبروني عن عين زغر قالوا عن ابي شانها تستخبر قال هل في العين ماء وهل يزرع اهلها بماء العين قلنا له نعم هي كثيرة الماء واهلها يزرعون من ماءها. قال اخبروني عن نبي الاميين ما فعل قالوا قد خرج من مكة و نزل يثرب قال اقاتله العرب قلنا نعم قال كيف صنع بهم فاخبرنا انه قد ظهر على من يليه من العرب و اطاعوه قال قال لهم قد كان ذاك قلنا نعم قال اما ان ذاك خير لهم ان يطيعوه و اني مخبركم عنى اني انا المسيح الدجال و اني اوشك ان يوءذن لى فى الخروج فاخرج فاسير فى الارض فلا ادع قرية الا هطبتها فى اربعين ليلة غير مكة و طيبة فهما محرمتان على كلتاها كلما اردت ان ادخل و وحدة او واحداً منهما استقبلنى ملك بيده السيف صلنا يصدنى عنها و ان على كل نقب منها ملائكة يحرسونها قالت قال رسول الله ﷺ و طعن بمخصرته فى المنبر هذه طيبة هذه طيبة هذه طيبة يعنى المدينة الاهل كنت حدتكم ذلك فقال الناس نعم فانه اعجبنى حديث تميم انه وافق الذى كنت احدتكم عنه و عن المدينة و مكة الا انه فى بحر الشام او بحر اليمن لابل من قبل المشرق ما هو من قبل المشرق ما هو من قبل المشرق ما هو و اومى بيده الى المشرق قالت فحفظت هذا من رسول الله ﷺ كفاطمة بنت قيس سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے موذن کی آواز اذان سنی تو میں مسجد کی طرف نکلے اور میں عورتوں کی صف میں جو مردوں کی پیٹھ پیچھے ہوئی جاٹھری۔ جب آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ منبر پر رونق افروز ہوئے اور آپ نے یہ فرمایا کہ سب اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہیں۔ پھر فرمایا تم جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں جمع کیا ہے۔ وہ بولے اللہ

اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تمہیں ترغیب (ترغبت دلانے) ترہیب (ڈرسانے) کے لئے نہیں بلایا، بلکہ اس لئے بلایا ہے کہ تم میری نصرائی تھا وہ آیا ہے اور مسلمان ہو گیا ہے اور اس نے مجھے ایک ایسی بات کہی ہے جو میری اس حدیث کے مطابق و موافق ہے جو میں تمہیں دجال کی بابت سنایا کرتا تھا۔ اس نے کہا ہے کہ وہ تیس آدمیوں کے ساتھ جو بنی لثم و بنی جذام سے تھے، ایک جہاز میں سوار ہوا۔ موج بحر نے ایک مہینہ تک ان کے جہاز کو خراب کیا اور پھرایا۔ پھر وہ غروب آفتاب کے وقت ایک جزیرہ کی طرف پناہ گزین ہوئے اور ایک چھوٹی سی کشتی میں بیٹھ کر ایک جزیرہ میں داخل ہوئے تو ان کو ایک جانور ساملا جس کو اہلب کہتے ہیں۔ اس کے بالوں کی کثرت کے سبب اس کا منہ اور پیچھا نظر نہ آتا تھا۔ وہ بولے تجھے خرابی تو کون ہے۔ وہ بولا میں جساسہ ہوں۔ وہ بولے کیسا جساسہ۔ اس نے کہا اس صومعہ (گرجا) میں چلو وہاں ایک آدمی تمہاری خبروں کا مشتاق ہے۔ جب اس نے ایک آدمی کا ذکر کا تو ہم ڈر گئے کہ مبادا یہ کوئی بھوت یا چڑیل ہو۔ مگر ہم جلدی سے اس صومعہ میں گئے تو ایک اتنا بڑا آدمی جس کے برابر ہم نے کبھی کوئی نہ دیکھا تھا، نظر آیا، جس کے ہاتھ گردن سے جکڑے ہوئے اور وہ گھٹنوں سے ٹخنوں تک لوہے کے زنجیروں سے باندھا ہوا ہے۔ ہم نے اس کو کہا تجھے خرابی تو کون ہے۔ وہ بولا تم میری خبر پر تو قادر ہو چکے۔ تم بتلاؤ تم کون ہو۔ ہم بولے ہم عرب کے لوگ ہیں۔ ہم ایک جہاز پر ایسے وقت میں سوار ہوئے جب کہ موجوں کا زور تھا۔ موج بحر نے ہم کو ایک مہینہ تک خراب کیا۔ پھر ہم اس جزیرہ پر آگئے تو ہم کو یہ جانور ملا (پھر جو اس سے سوال جواب ہوئے ان کو بیان کیا)، پھر کہا ہم تیری طرف جلدی سے آگئے اور ہم ڈرے تھے کہ تو کوئی بھوت ہوگا۔ وہ بولا (موضع) بیسان کے باغ خرما کا کیا حال ہے۔ وہ پھل دیتا ہے؟ ہم بولے ہاں دیتا ہے۔ وہ بولا ایک وقت عنقریب ایسا آئے گا کہ وہ پھل نہ دے گا۔ پھر اس نے کہا بحیرہ طبریہ کا حال بتلاؤ۔ ہم نے کہا اس کا کیا حال پوچھتا ہے۔ وہ بولا اس میں پانی ہے؟ ہم نے کہا اس میں بہت پانی ہے۔ وہ بولا عنقریب ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس کا پانی جاتا رہے گا۔ پھر وہ بولا (موضع) زغر کے چشمہ کا حال بتاؤ۔ ہم نے کہا اس کا کیا حال پوچھتا ہے۔ وہ بولا اس میں پانی ہے؟ ہم نے کہا اس میں بہت پانی ہے جس سے لوگ کھیتوں کو پانی دیتے ہیں۔ وہ بولا امیوں (عرب کے ان پڑھوں) کے نبی کی مجھے خبر دو۔ اس کا کیا حال ہوا؟ ہم نے کہا آپ ﷺ مکہ سے نکلے اور مدینہ میں رونق افروز ہوئے ہیں۔ وہ بولا ملک عرب نے ان

سے لڑائی کی ہے؟ ہم نے کہا ہاں کی ہے۔ وہ بولا پھر ان کا کیا حال ہوا؟ ہم نے کہا کہ آپ اپنے پاس والے عربوں پر غالب آگئے ہیں اور وہ ان کے تابع ہو گئے ہیں۔ وہ بولا کیا انہوں نے ایسا کیا ہے؟ ہم نے کہا ہاں ایسا کیا ہے۔ وہ بولا سن رکھوان کے حق میں یہی بہتر ہے کہ وہ آپ کے مطیع ہو جائیں اور میں تمہیں اپنا حال کہتا ہوں کہ میں مسیح دجال ہوں۔ مجھے عنقریب نکلنے کی اجازت ہوگی تو میں نکلونگا اور تمام زمین پر پھر جاؤنگا۔ کوئی گاؤں نہ چھوڑونگا جس میں چالیس رات کے عرصہ میں نہ اترونگا، بجز مکہ اور طیبہ کے، کہ وہ دونوں مجھ پر حرام کئے گئے ہیں۔ جب میں ان دو شہروں میں داخل ہونا چاہوں گا، فرشتہ تلوار ہاتھ میں کھینچے ہوئے میرے سامنے آئے گا اور مجھے روک دے گا۔ ان کے ہر ایک پھاٹک پر فرشتے ہوں گے جو ان کی حفاظت کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی چھڑی کو (جو آپ کے ہاتھ میں تھی) منبر پر مارا اور فرمایا کہ طیبہ (جس کا دجال نے ذکر کیا ہے) یہی ہے۔ طیبہ یہی ہے۔ طیبہ یہی ہے۔ یعنی مدینہ۔ سن رکھو، کیا میں تمہیں یہ حدیث دجال کی سنایا نہ کرتا تھا۔ لوگوں نے کہا ہاں بے شک آپ سنایا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا مجھے یہ تمیم کی بات پسند آئی ہے۔ یہ میری اس حدیث کے موافق ہے جو میں تم کو دجال کی بابت اور مکہ و مدینہ کی بابت سنایا کرتا تھا۔ سن رکھو کہ وہ دریاے شام یا یمن میں نہیں وہ تو مشرق کی طرف ہے، وہ وہی ہے جو مشرق کی طرف ہے، وہ وہی ہے جو مشرق کی طرف ہے۔ اور آپ ﷺ نے مشرق کی طرف ہاتھ سے بھی اشارہ کیا۔ فاطمہ اس حدیث کی راوی کہتی ہیں یہ حدیث میں نے آنحضرت ﷺ سے سنی اور یاد رکھی ہے۔

اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ تمیم داریؓ نے دجال کو آنکھ سے دیکھا، پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ قول ابن عمرؓ کے موافق ابن صیاد کو دجال سمجھتے۔

آپ نے اس حدیث کا ضعف ایک دوست کے حوالے سے نواب صدیق حسن خان مرحوم سے نقل کیا ہے۔ اس کا جواب ہم اس وقت دیں گے جب آپ نواب صاحب کا اصل کلام نقل کریں گے۔

تیسرے وہ لوگ جو حضرت ابن عمرؓ کے منہ پر ابن صیاد کے دجال ہونے سے انکار کر چکے ہیں، چنانچہ صحیح مسلم کے صفحہ ۳۹۹ میں حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے: فقلت لبعضهم هل تحدثون انه هو قال لا والله قال قلت كذبتني والله لقد اخبرني في بعضكم انه

لن يموت حتى يكون اكثر كم ما لا وولداً فكذلك هو زعموا اليوم .  
ابن عمر فرماتے ہیں میں ابن صیاد کو دو دفعہ ملا۔ (ایک دفعہ) میں اس سے ملا تو میں نے بعض لوگوں سے کہا کہ کیا تم یہ باتیں کرتے ہو کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔ وہ بولے بخدا ہم یہ باتیں نہیں کرتے۔ میں نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو، مجھے تم میں سے بعض لوگوں نے خبر دی تھی کہ دجال تب مرے گا جب کہ تم سے بڑھ کر مال اور اولاد والا ہو جائے گا اور وہ ان کے خیال میں آج ایسا ہی ہے۔

یعنی حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ میں نے بعض لوگوں کو (جن سے ان کے معاصر اصحاب مراد ہیں) کہا، کیا تم کہتے ہو کہ ابن صیاد دجال ہے، تو وہ بولے بخدا ہم نہیں کہتے۔ میں نے کہا تم مجھے جھوٹا کرتے ہو۔ بخدا تمہیں سے بعض نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ دجال صاحب اولاد ہو کر مرے گا اور وہ (ابن صیاد) ایسا ہی صاحب اولاد ہے۔ یہ قول ابن عمرؓ امر پر نص صریح ہے کہ ابن صیاد کو اور لوگ، حضرت ابن عمرؓ کے معاصر، دجال نہیں جانتے تھے اور ان کے سامنے ان کی رائے سے خلاف ظاہر کرتے تھے۔

صرف ابن عمرؓ ہی کا ایسا قول تھا جس میں ابن صیاد کو دجال موعود بلفظ مسیح دجال کہا گیا ہے، کیونکہ جابر و حضرت عمرؓ کے قول میں یہ تصریح نہیں ہے کہ وہ دجال موعود ہے، بلکہ انہوں نے ابن صیاد کو صرف دجال کہا ہے جس سے مجملہ تیس دجالوں کے ایک دجال مراد ہو سکتا ہے۔ چنانچہ عنقریب اس کا ثبوت آتا ہے اور جب کہ ابن عمر کے صریح قول پر انکار پایا گیا ہے تو اس سے بڑھ کر خلاف کی تصریح آپ کیا چاہیں گے؟

آپ کے حواری حکیم نور الدین نے ہمارے سوال نمبری ۲۱ (مباحثہ لاہور میں) کے جواب میں اس اختلاف کو تسلیم کیا اور یہ کہا ہے کہ دجال کی نسبت مختلف خیال ہیں۔ آپ نے بڑا غضب ڈھایا کہ ابن صیاد کے دجال ہونے پر اجماع صحابہ کا دعویٰ کر لیا۔ اپنے حواری سے تو مشورہ کر لیا ہوتا۔

اخیر میں جو آپ نے قول فاروقی پر آنحضرت ﷺ کے سکوت کا دعویٰ کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو آنحضرت ﷺ کے سامنے ابن صیاد کو دجال کہا اور اس پر قسم کھائی تھی، اس میں یہ تصریح نہ کی تھی کہ ابن صیاد ہی وہ دجال ہے جس کے آنے کی آنحضرت ﷺ نے علامات خاصہ بیان کر کے خبر دی تھی اور جملہ انبیاء سابقین نے اپنی امت کو ڈرایا تھا۔ لہذا ممکن و محتمل ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس قول سے یہ مراد ہو کہ

ابن صیاد منجملہ ان تیس دجالوں کے ہے جن کے خروج کی آنحضرت ﷺ نے خبر دی ہے۔

اس صورت میں آنحضرت ﷺ کا سکوت آپ کے لئے کچھ مفید نہیں ہے، کیونکہ یہ سکوت ابن صیاد کو

آخری دجال کہنے پر نہ ہوا۔ بلکہ کوئی اور دجال منجملہ دجالہ۔

ملا علی قاری نے مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ میں کہا ہے:

قیل لعل عمر اراد بذالك ان ابن صياد من الدجالين الذين يخرون فيدعون النبوة و يضلون الناس و يلبسون الامل عليهم بعضا قول ہے کہ شاید حضرت عمرؓ کے ابن صیاد کو دجال کہنے سے یہ مراد ہو کہ وہ منجملہ ان تیس دجالوں کے، جو قیامت سے پہلے نکلیں گے اور نبوت کا دعویٰ کریں گے اور لوگوں کو بہکائیں گے اور ان پر دین کو مشتبہ کریں، ایک دجال ہے۔

اس پر شاید آپ اعتراض کریں کہ جابرؓ کے قول ابن صیاد الدجال میں جو حضرت عمرؓ کی طرف بھی منسوب ہوا ہے، لفظ دجال پر الف و لام بتا رہا ہے کہ دجال سے ان کی مراد خاص دجال ہے نہ کہ کوئی دجال۔ اور علماء معانی و بیان نے کہا ہے کہ خبر معرف بلام ہو تو اس کا مبتداء میں قصر ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر دجال سے آخری دجال مراد نہ لیں بلکہ منجملہ تیس دجال کے ایک دجال مراد ٹھہرائیں تو اس صورت میں بھی خاص دجال کی طرف الف و لام کا اشارہ ہو سکتا ہے۔

رہا جواب قصر سو یہ ہے کہ خبر معرف بلام مقدم ہو جیسے کہ ابن عمرؓ کے قول المسيح الدجال ابن صیاد میں ہے۔ تو بے شک و بلا اختلاف خبر کا مبتداء پر قصر ہوتا ہے مگر در صورتیکہ خبر مؤخر ہو تو اس کا مفید قصر ہونا محل اختلاف ہے۔ صاحب کشف نے فائق میں اس سے انکار کیا ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالحکیم فاضل سیالکوٹی نے مطول کا حاشیہ میں کہا ہے: مال صاحب الكشاف الى التفرقة بينهما حيث ذكر في الفائق ان قولك الله وهو الدهر معناه انه الجالب للحوادث لا غير الجالب و قولك الدهر هو الله معناه ان الجالب بالحوادث هو الله لا غيره۔ صاحب کشف ان دونوں صورتوں میں فرق کی طرف مائل ہوا ہے، چنانچہ فائق میں اس نے لکھا ہے کہ الله هو الدهر (جس میں خبر معرف بلام مؤخر ہے) کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ حوادث زمانہ کا لانیوالہ ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ حوادث نہ لائے۔

اور الدھر هو الله (جس میں خبر معرف بلا لام مقدم ہو) یہ معنی ہیں کہ خدا ہی حوادث لانے والا ہے۔ بجز خدا کے اور کوئی حادثہ لانے والا نہیں ہے۔

بناءً علیہ لام الدجال سے قصر ثابت نہیں ہوتا۔ لام کو عہدی کہو، خواہ جنسی۔ اور قول جابرؓ یا حضرت عمرؓ کے معنی یہ بنتے ہیں کہ ابن صیاد دجال ہے نہ کچھ اور، یہ معنی نہیں کہ دجال وہی ہے نہ کوئی اور۔ مگر ان باتوں کے سمجھنے کے لئے علم ادب و معانی و بیان میں دخل بکا رہے۔ آپ اس احتمال کو کہ حضرت عمرؓ نے دجال سے تیس دجالوں میں سے ایک دجال مراد رکھا تھا، کسی دلیل سے اٹھائیں اور اس کے صریح الفاظ سے ثابت کریں کہ دجال سے ان کی مراد آخری دجال تھا، تو پھر اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو جب انہوں نے ابن صیاد کو قتل کرنا چاہا تھا یہ فرمادیا تھا کہ ابن صیاد وہ دجال ہے تو تجھے اس کے قتل پر قدرت نہ ہو گی، اس کے قاتل عیسے ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے: فقال عمر بن الخطاب ذرني يا رسول الله اضرب عنقه فقال له رسول الله ﷺ ان يكن فلن تسلط عليه وان لم يكن فلا خير لك في قتله۔ کہ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن مار دوں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ دجال موعود ہے تو اس کے قتل پر ہرگز مسلط نہ ہوگا، اگر وہ نہیں تو اس کا قتل بہتر نہیں۔ شرح السنہ کی روایت میں یوں آیا ہے۔ ان یکن هو۔ فلسست صاحبہ انما صاحبہ عیسی بن مریم و ان لا یکن هو فلیس لك ان تقتل رجلا من اهل الذمه (ص۔ ۴۷۱) کہ اگر یہ دجال موعود ہے تو اس کا قاتل نہیں، اس کا قاتل عیسے بن مریم ہے اور اگر یہ وہ نہیں تو تجھے نہیں پہنچتا کہ تو ایک ایسے شخص کو قتل کرے جو مسلمانوں کی امان و پناہ میں ہے۔

اس قول آنحضرت ﷺ سے صاف ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ کو اس خیال سے انہوں نے بالفرض ظاہر کیا ہو یا دل میں رکھا ہو (کہ ابن صیاد دجال موعود ہے) روک دیا اور بناءً علیہ اس کے قتل سے منع کر دیا۔ اس قول نبوی کے کتب حدیث میں موجود ہونے کے ساتھ یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ کے ابن صیاد کو دجال موعود کہنے یا سمجھنے پر سکوت کیا، اسی شخص کا کام ہے جس کو حدیث بلکہ کسی شخص کی کلام سمجھنے سے کوئی تعلق نہ ہو۔

اس بیان سے صاف ثابت ہے کہ آپ نے جو کچھ اس باب میں کہا ہے وہ فن حدیث، اصول فقہ، علم معانی و بیان و ادب وغیرہ سے ناواقفی پر مبنی ہے۔

۸۔ آپ لکھتے ہیں کہ کسی کو کسی بات کا قائل ٹھہرانا تصریح پر موقوف نہیں۔

۱۔ اس امر کی نسبت اسکے اشارات پائے جانے سے بھی اسکو قائل بنایا جاتا ہے

۲۔ آنحضرت ﷺ کا ایک مدت طویل تک ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتے رہنا، احتمالی امر نہیں۔ آپ

ﷺ نے زبان سے ڈر سنایا ہوگا تب ہی صحابی نے لم یزل کا لفظ فرمایا

۳۔ آنحضرت ﷺ اور سبھی انبیاء دجال سے ڈراتے آئے ہیں۔

۴۔ ایک شخص کا دس برس سے دہلی کی تیاری کرنا کوئی بیان کرے تو اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس شخص نے

دہلی جانے کا ارادہ کبھی زبان سے بتایا ہوگا۔

۵۔ اور اگر یہی احتمال مسلم ہو کہ آنحضرت ﷺ کے حالات سے آپ کا ڈرنا صحابی نے سمجھ لیا تھا، تو بھی احتمال

ہے کہ زبان سے سنا ہو۔ اور لفظ لم یزل سے یہ احتمال قوی ہوتا ہے۔ اس صورت میں آپ کا مجھ کو مفتری کہنا

بے جا ہے۔

اس سے آپ کا افتراء سابق اور پختہ و متیقن ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے جو کچھ پہلے

کہا تھا وہ خطا نہیں کہا، عمداً افتراء کیا ہے اور اس پر آپ کو اب تک ایسا اصرار ہے کہ جملانے سے بھی باز نہیں

آتے اور اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے۔ محدثین نے بیان کیا ہے کہ جو شخص روایت حدیث میں غلطی پر متنبہ

کیا جائے اور پھر اس سے باز نہ آئے وہ ساقط العدالت ہو جاتا ہے۔

آپ کا یہ کہنا کہ اشارات سے بھی ایک شخص کو ایک امر کا قائل بنایا جاتا ہے، تب آپ کے حق میں

مفید ہو جب صحابی آنحضرت ﷺ کو اس قول کا قائل بناتا، جس کا قائل آنحضرت ﷺ کو آپ نے بنا دیا ہے۔

صحابی نے آپ ﷺ کو قائل قول مذکور نہیں بنایا، بلکہ اپنا خیال بیان کیا ہے تو پھر اس کہنے سے آپ کو کیا فائدہ ہے

کہ اشارات سے بھی قائل بنایا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی طرف کسی قول کو منسوب کرنا اسی صورت و پیرایہ

میں حلال ہے جس صورت و پیرایہ میں آپ نے فرمایا ہو۔ اشارۃً ہو تو اشارۃً۔ صراحۃً کہا ہو تو صراحۃً۔ آپ

ﷺ نے فرمایا اتقوا عنی الا ما علمتم فمن کذب علی متعمداً فیتبوا مقعدہ من النار ☆ آپ کی کتب حدیث میں نظر ہو تو آپ کو معلوم ہو کہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب آپ سے کوئی ایسا لفظ نقل نہ کرتے جو آپ نے نہ فرمایا ہوتا اور اگر ان کو اصل لفظ حضرت رسالت میں شک واقع ہو جاتا تو شک و تردد کے ساتھ الفاظ فرماتے۔ آپ نے باوجودیکہ آپ کو یہ علم نہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے وہ الفاظ فرمائے ہیں، جو آپ نے نقل کئے ہیں اور اب تک اس کا علم و یقین نہیں صرف خیالی احتمال ہے، پھر آپ نے اس لفظ کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کیا تو یہ بجز افتراء عمدی اور کیا ہو سکتا ہے۔

۲۔ آنحضرت ﷺ کے ابن صیاد سے ڈرنے کو احتمال کون کہتا ہے، وہ ہمیشہ اس سے ڈرتے اور اصحاب اس امر کو ملاحظہ کرتے۔ تب ہی ایک صحابی نے کہہ دیا کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ ڈرتے تھے۔ لفظ ہمیشہ یا لم یزل کو یہ لازم نہیں ہے کہ آپ زبان سے بھی فرمادیا کرتے کہ میں ڈرتا ہوں۔

۳۔ پہلے انبیاء اور آنحضرت ﷺ نے بے شک دجال موعود سے ڈرایا ہے، مگر اس سے یہ بات نکالنا کہ آپ ﷺ نے ابن صیاد کو دجال کہہ کر ڈرایا، آنحضرت ﷺ پر ایک اور افتراء ہے۔ دجال سے ڈرانا، ابن صیاد سے ڈرانا نہیں ہے۔ خدا سے ڈرو۔ آنحضرت ﷺ پر افتراء نہ کرتے جاؤ۔

۴۔ تیاری دہلی کی مثال میں آپ نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے۔ ایک شخص کو دس برس سے اگر کوئی دیکھے کہ وہ وقتاً فوقتاً دہلی کا ٹکٹ خرید کر واپس کر آتا ہے اور اسی حالت میں آخری برس تک وہ رہا ہے تو اس کی نسبت یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ دس برس سے تیار ہے گو تیاری کا حرف زبان پر کبھی نہ لاوے۔

ہم سے ایک اور مثال سنیے۔ ایک شخص مدت العمر نمازوں اور دعاؤں میں زاری کرتا رہے، احکام شریعت کا پابند ہو، خدا کا اور بندوں کا حق تلف نہ کرے۔ اس کی نسبت کس و ناکس، بشرطیکہ فاتر الحواس نہ ہو، یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے گو وہ منہ سے کبھی نہ کہے کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔

۵۔ ایک احتمال کے مقابل دوسرا احتمال ہو تو مدعی کو اس سے استدلال درست نہیں ہے۔ اس کے خصم منکر کو پہنچتا ہے کہ وہ اس احتمال سے تمسک کر کے بحکم: اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال ل، مدعی کے استدلال کو توڑ دے۔ آپ اس امر سے ناواقف ہیں تب ہی مدعی ہو کر احتمال سے استدلال کرتے ہیں۔



۶۔ افتراء آپ کی قدیم سنت ہے۔ ان افتراؤں کے علاوہ جو ثابت کئے گئے ہیں۔ آپ نے ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۰۱ میں حدیث: کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم واما کم منکم کا ترجمہ کیا تو اس میں اس سوال و جواب کا رسول اللہ ﷺ پر افتراء کیا ہے، کہ تم جانتے ہو کہ ابن مریم کون ہے؟ وہ تمہارا ہی ایک امام ہوگا اور تم میں سے (اے امتی لوگو) پیدا ہوگا۔

آپ نے عمداً رسول اللہ ﷺ پر افتراء نہیں کیا تو بتائیں کہ اس حدیث کے کس طریق یا وجہ میں یہ سوال و جواب وارد ہیں؟

ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۱۸ میں آپ نے دجال موعود کے محل نزول میں اختلاف علماء بیان کیا تو اس میں علماء اسلام پر یہ افتراء کیا ہے کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ بیت المقدس میں اترے گا، نہ دمشق میں، بلکہ مسلمانوں کے لشکر میں اترے گا، آپ اس قول کے بیان میں مضمری نہیں تو بتادیں کہ کس عالم کا یہ قول ہے کہ وہ نہ بیت المقدس میں اتریں گے نہ دمشق میں۔ آپ کے ان افتراؤں سے کامل یقین ہوتا ہے کہ آپ کسی الہام کے دعویٰ میں سچے نہیں اور جو تار و پود اپنے پھیلا رکھا ہے وہ سب افتراء ہے۔

۹۔ آپ لکھتے ہیں کہ آپ بخاری بخاری کرتے ہیں اور بخاری کی یہ حدیث اپنے رسالہ میں نقل کر چکے ہیں کہ محدث کی بات میں بھی شیطان کا دخل نہیں ہوتا۔ بخاری پر آپ کا ایمان ہے تو اس حدیث کی تسلیم سے ابن عربی کا قول آپ کے نزدیک مسلم ہے پھر میں نے کیا افتراء کیا۔

اس میں آپ نے مجھ (محمد حسین) پر ایک اور افتراء کیا اور مسلمانوں کو دہوکہ دیا۔ مہربان من! میں صحیح بخاری کو تسلیم کرتا ہوں اور اس حدیث پر جو صحیح بخاری میں محدث کی شان میں مروی ہے، میں ایمان رکھتا ہوں اور معہذا یہ اعتقاد رکھتا ہوں کہ جو شخص محدث کہلائے اور صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی احادیث کو بشہادت الہام خود موضوع قرار دے، وہ محدث نہیں ہے، شیطان کی طرف سے مخاطب ہے۔ واقعی محدث و ملہم وہی شخص ہے جس کی تحدیث و الہام، الہام قدیم قرآن مجید و احادیث صحیحہ کے مخالف نہ ہو۔ اور جو شخص محدث یا ملہم ہونے کا دعویٰ کرے، اور اس کے ساتھ یہ کہے کہ مجھے فرشتوں نے کہا ہے، یا خدا نے الہام کیا ہے، یا رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا ہے کہ صحیحین کی حدیثیں موضوع ہیں، میں اس کو شیطان کا مخاطب اور اس کی طرف سے محدث بلکہ

شیطان مجسم سمجھتا ہوں۔ ایسا جعلی محدث بعینہ ویسا ہے جو محدث بن کر کہے کہ مجھے الہام ہوا کہ قرآن مجید خدا کا کلام نہیں ہے، جس کو امید ہے آپ بھی محدث تسلیم نہ کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت کے مسلمان جو بخاری کو ماننے میں، آپ کے دعویٰ محدثیت کو قبول نہیں کرتے۔ کیا وہ اس انکار سے اس حدیث بخاری کے منکر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

خدا سے ڈرو اور مسلمانوں کو مغالطے نہ دو۔ یہ آپ کی کلام کا مختصر جواب ہے، جس سے آپ کے مغالطات اور ناواقفی اور دہوکہ دہی کا بخوبی اظہار ہو گیا۔ بعض مطالب پرچہ آخری اور پرچہ ہائے سابق کے جوابات و نتائج کو بخوف تطویل عمداً چھوڑ دیا گیا ہے کیونکہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ ہمارے حصول مطلب کے لئے کافی ہے۔ ان باتوں کو ہمارے اصل مدعا سے ایسا تعلق نہیں ہے کہ بلا بیان ان باتوں کے وہ مدعا حاصل نہ ہوتا۔ ان باتوں کا اظہار صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ آپ نے اصل سوال کا جواب نہ دیا۔ اور ان باتوں کے بیان سے جن کا جواب ہم نے دیا ہے، جواب کو ٹھلایا۔ آئندہ آپ اپنی طرزِ تحریر اور تطویل اور دفع الوقتی کو بدل دیں، تا اس طرف سے بھی اسی قسم کی باتوں سے قلم کو روک لیا جائے گا۔ اور اس تحریر کے جواب میں آپ نے پھر وہی روش اختیار کی تو آپ دیکھ لیں گے اس طرف سے بھی ایسا سلوک ہوگا۔ آپ کے لئے بہتر ہے کہ اس روش کو بدل دیں، اور میرے اصل سوال کا جواب اتنی سطروں میں دیں، جتنی سطروں میں میرا سوال ہے۔ میں سردست جواب با دلائل نہیں چاہتا، مجرد جواب کا طالب ہوں۔ جس وقت میں کسی مسئلہ میں آپ سے بحث و دلائل کا طالب ہوں گا، اس وقت آپ تفصیلی بحث کریں۔ میری یہ نصیحت منظور ہو تو آپ مختصر بتا دیں کہ: صحیح بخاری صحیح مسلم کی احادیث جملہ صحیح اور واجب العمل ہیں، یا جملہ موضوع ناقابل عمل، یا مختلط ہیں جن میں بعض صحیح ہوں اور بعض موضوع۔ اس سوال کا جواب دو حرفی آپ نے دیا تو پھر میں اور سوال کرونگا اور اسی طرح اختصار آپ نے مد نظر رکھا تو ایک دن میں مباحثہ ختم ہوگا ان شاء اللہ آئندہ اختیار۔ کما تدین

تدان۔

ابوسعید محمد حسین۔ ۲۶ جولائی ۱۸۹۱ء

## قادیانی کی تحریر ہشتم، اور شیخ الاسلام کا تبصرہ بمنزلہ جواب

(یہ وہ تحریر ہے جس کو مرزا قادیانی نے آخری جلسہ مباحثہ میں پڑھ کر سنایا اور اس پر مباحثہ کو نامہ تمام چھوڑ کر فرار اختیار کیا تھا۔ اس تحریر کی نقل دینے کا اس نے اس جلسہ میں تو اقرار کیا تھا، مگر گھر پہنچ کر دوسرے دن بذریعہ خط نقل دینے سے انکار کر دیا۔ پھر اس تحریر کو چھاپ کر مشتہر کیا، تب بھی اس کو ہمارے پاس نہ بھجوا یا۔ باوجودیکہ رسالہ اشاعت السنۃ سالہا سال سے زمانہ اشاعت تحریر مذکور تک بلا قیوت اس کے پاس پہنچتا رہا۔ اس قطع تعلق سے اس نے گویا ہم سے بحث و خطاب کا سلسلہ توڑ دیا اور ہم سے اپنا پیچھا چھوڑنا چاہا، لہذا ہم بھی اب اس کو اس تحریر میں اپنا مخاطب بنانا نہیں چاہتے اور اس کی تحریر ہشتم کے متعلق جو لکھنا چاہتے ہیں وہ بغرض مباحثہ و مطالبہ جواب نہیں لکھتے، بلکہ صرف اپنے ناظرین کو اس کی دھوکہ بازیوں اور کاذیب پر مطلع کرنے کی غرض سے اس تحریر پر چند نوٹ تحریر کرتے ہیں، جن سے ان کو معلوم ہو کہ قادیانی درپردہ زندیق ہے۔ اس وجہ سے اس کی اصل تمام عبارت یا اس کے پورے مضمون کی نقل سے تعرض نہیں کرتے اور نہ اس کے ترک بحث و خطاب کی حالت میں اس امر کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ بلکہ صرف اس کی تمہیدی تحریر کو، جس میں اس نے ہماری تحریر ہشتم کا مجمل جواب دیا ہے، بعینہ اور باقی تحریر کے فقرات لائق نوٹ کا خلاصہ مطلب نقل کر کے اس پر تبصرہ کرتے ہیں۔ و باللہ التوفیق۔ محمد حسین)

حضرت مولوی صاحب! میں نہایت افسوس سے تحریر کرتا ہوں کہ جس سوال کے جواب کو میں کئی دفعہ آپ کی خدمت میں گزارش کر چکا ہوں۔ وہی سوال آپ بار بار بہت سی غیر متعلق باتوں کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اچھی طرح میری تحریرات پر غور بھی نہیں کیا اور نہ میری کلام کو سمجھا ہے۔ اسی وجہ سے آپ ان امور کا بھی الزام میرے پر لگاتے ہیں جن کا میں قائل نہیں ہوں (آپ کے کلام سے صاف نکلتا ہے کہ آپ ان باتوں کے قائل ہیں مگر چونکہ آپ اپنی کلام کا مطلب خود نہیں سمجھ سکتے، لہذا ممکن ہے کہ آپ دل سے قائل نہ ہوں۔ مگر ہم ظاہر کلام پر حکم لگا سکتے ہیں آپ کے دل کو چیر نہیں سکتے۔ محمد حسین)۔ لہذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ برعایت اختصار پھر آپ کو اپنے عقیدہ اور مذہب سے، جو حدیثوں کے بارہ میں رکھتا ہوں، اطلاع دوں (آپ کے عام عقیدہ سے سوال نہ تھا، بلکہ خاص صحت احادیث صحیحین سے سوال تھا۔ سو آپ نے اب تک صاف صاف جواب ظاہر نہیں کیا۔ محمد حسین)

سو مہربان من! آپ پر ظاہر ہو کہ میں اپنی تحریر چہارم و پنجم میں بہ تفصیل و تصریح بیان کر چکا ہوں)

تحریر چہارم دراصل پنجم ہے اور پنجم دراصل ہفتم۔ آپ نے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے نمبروں کو الٹ پلٹ کر دیا ہے۔ محمد حسین) کہ احادیث کے دو حصہ ہیں۔ ایک وہ حصہ جو سلسلہ تعامل کی پناہ میں آ گیا ہے، یعنی وہ حدیثیں جن کو تعامل کے محکم اور قوی اور لاریب سلسلہ نے قوت دی ہے اور دوسرا وہ حصہ ہے جسکو سلسلہ تعامل سے کچھ تعلق اور رشتہ نہیں اور صرف راویوں کے سہارے اور ان کی راست گوئی کے اعتبار پر قبول کئے گئے ہیں۔ سو اگرچہ میں صحیحین کی حدیثیں اس قوت اور مرتبہ پر نہیں سمجھتا کہ باوجود مخالفت آیات صریحہ و بینہ قرآن ان کو صحیح سمجھ سکوں لیکن سلسلہ تعامل کی حدیثیں میری اس شرط سے باہر ہیں، چنانچہ اپنی تحریر کے نمبر پنجم میں بقرہ لکھ چکا ہوں۔ اگر سلسلہ تعامل کی حدیثوں کے رو سے کسی حدیث کا مضمون قرآن کے کسی خاص حکم سے بظاہر مغاثر معلوم ہو تو میں اس کو تسلیم کر سکتا ہوں کیونکہ سلسلہ تعامل کی حدیثیں حجت قوی ہیں اور قرآن کو معیار ٹھہرانے سے سلسلہ تعامل کی حدیثیں مستثنیٰ ہیں۔ دیکھو تحریر نمبر پنجم بجواب آپ کی تحریر کے۔ آپ میری تحریر نمبر پنجم کے پڑھنے کے بعد اگر فہم اور تدبر سے کام لیتے تو بے ہودہ اور غیر متعلق باتوں سے اپنی تحریر کو طول نہ دیتے۔ میں نے کب اور کہاں یہ اعتقاد ظاہر کیا ہے کہ سنت متوارثہ متعاملہ اور حدیث مجرد دونوں اس بات کی محتاج ہیں کہ قرآن کریم سے اپنی تحقیق کی صحت کے لئے پرکھی جائیں۔ بلکہ میں نمبر مذکور میں صاف لکھ چکا ہوں کہ سلسلہ تعامل کی حدیثیں بحث ما نحن فیہ سے خارج ہیں۔ اب مکرراً و از بلند کے ساتھ آپ پر کھولتا ہوں کہ سلسلہ تعامل کی حدیثیں یعنی سنن متوارثہ متعاملہ جو عالمین اور امرین کی زیر نظر چلی آتی ہیں (ان فقرات والفاظ میں مرزا صاحب نے تعامل و احادیث محل و متعلق تعامل کے ساتھ محکم قوی و لاریب و حجت قوی کی قیدیں لگا کر اپنے کلام کا مطلب ہر ذی فہم و شعور پر یہ ظاہر کیا ہے) گو خود نہ سمجھا ہو) کہ احادیث تعامل سے آپ کی مراد وہ احادیث ہیں جو قطعی و یقینی الثبوت ہیں اور ان کے عمل میں کسی کا اختلاف پایا نہیں گیا۔ اور خاص کر وہی احادیث قرآن پر عرض کرنے سے مستثنیٰ ہیں۔ باقی سب احادیث جن پر اتفاقی تعامل پایا نہیں گیا، و محتاج عرض قرآن ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کو ان احادیث سے الزام دیا گیا تھا جو ممانعت و شتم اور حرمت خرد و درنگان کے باب میں وارد ہیں۔ اور وہ اعتقادات میں سے ہونے کے سبب محل تعامل نہیں ہو سکتیں۔ آپ نے اپنی کلام کا مفہوم خود نہیں سمجھا اور ان غیر متعلق بات کہنے اور غیر لازم الزام دینے کا ہم پر اعتراض کیا ہے۔ محمد حسین) اور علی قدر مراتب تاکید مسلمانوں کے عملیات دین میں قرناً بعد قرن و عصرأ بعد عصر داخل رہی ہیں، وہ ہرگز میری آویزش کا مورد نہیں اور نہ قرآن کریم کو ان کا معیار ٹھہرانے کی ضرورت ہے۔ اور اگر ان کے ذریعہ کچھ زیادت تعلیم قرآن پر ہو تو اس سے انکار نہیں، (عملیات سے اگر مسائل اتفاقی متعلق عمل مراد ہیں۔ چنانچہ لفظ قرناً بعد قرن و عصرأ بعد عصر کا اشارہ

ہے تو اس کلام کا وہی مطلب ہے جو آپ کی تحریرات نمبر پنجم و ہفتم (یا بقول آپ کے نمبر چہارم و پنجم) کا مطلب ہے۔ لہذا اس صورت میں آپ پر وہی الزام قائم ہوتا ہے جو ان تحریرات کے مضمون پر قائم ہوا ہے کہ اس سے ان جملہ احادیث متعلق کلم کا (جن پر اتقاقی عمل اور تعامل عام اہل اسلام پایا نہیں گیا) بے اعتبار ہونا لازم آتا ہے۔ اور اگر اس سے عملیات اختلا فی مراد ہیں تو یہ آپ نے اب نیا پہلو بدلا ہے۔ یہ بات آپ کی پچھلی تحریرات کے الفاظ سے کسی صاحب فہم و فراسٹ صحیحہ کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ و معہذا یہ بات کسی اسلامی مذہب میں صحیح نہیں سمجھی گئی کہ ہر ایک حدیث سے، جس کے عمل میں اختلاف پایا گیا ہو تعلیم قرآن پر زیادتی جائز ہے۔ یہ طمانہ بات آپ ہی کے قلم سے نکلی ہے۔ محمد حسین) ہر چند میرا مذہب یہی ہے کہ قرآن اپنی تعلیم میں کامل ہے اور کوئی صداقت اس سے باہر نہیں، کیونکہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے: و نزلنا علیک الكتاب تبیاناً للکل شیء یعنی ہم نے تیرے پر کتاب اتاری ہے جس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے۔ اور نیز فرماتا ہے ما فرطنا فی الكتاب من شیء یعنی ہم نے اس کتاب سے کوئی چیز باہر نہیں کی۔

لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی میرا اعتقاد ہے کہ قرآن کریم سے تمام مسائل دیدیہ کا استخراج و استنباط کرنا اور اس کے جملات کی تفصیل صحیحہ پر حسب منشاء الہی قادر ہونا ہر ایک مجتہد اور مولوی کا کام نہیں، بلکہ یہ خاص طور پر ان کا کام ہے جو وحی الہی سے بطور نبوت یا بطور ولایت عظمی مدد دیئے گئے ہوں۔ سوائے لوگوں کیلئے جو استخراج و استنباط معارف قرآن پر بعلمت غیر ملہم ہونے کے قادر نہیں ہو سکتے ہیں، یہی سیدھی راہ ہے کہ وہ بغیر قصد استخراج و استنباط قرآن کے ان تمام تعلیمات کو جو سنن متوارثہ متعاملہ کے ذریعہ ملی ہیں بلا تامل و توقف قبول کر لیں۔ اور جو لوگ وحی ولایت عظمی کی روشنی سے منور ہیں اور الا المظہرون کے گروہ میں داخل ہیں ان سے بلاشبہ عادت اللہ یہی ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً دائق مخفیہ قرآن کے ان پر کھولتا رہتا ہے اور یہ بات ان پر ثابت کر دیتا ہے کہ کوئی زائد تعلیم آنحضرت ﷺ نے ہرگز نہیں دی، بلکہ احادیث صحیحہ میں جملات و اشارت قرآن کریم کی تفصیل ہے۔ سوا اس معرفت کے پانے سے اعجاز قرآن ان پر کھل جاتا ہے اور نیز ان آیات بینات کی سچائی ان پر روشن ہو جاتی ہے جو اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے: جو قرآن سے کوئی چیز باہر نہیں۔

علماء ظاہر بھی ایک قبض کی حالت کے ساتھ ان آیات پر ایمان لاتے ہیں، تا ان کی تکذیب لازم نہ آوے۔ لیکن وہ کامل یقین اور سکینت اور اطمینان جو ملہم کامل کو بعد معائنہ مطابقت و موافقت احادیث صحیحہ اور قرآن کریم کے اور بعد معلوم کرنے اس احاطہ تام کے جو درحقیقت قرآن کو احادیث پر ہی ملتی ہے، وہ علماء ظاہر کو کسی طرح مل نہیں سکتی۔ بلکہ بعض تو قرآن کو ناقص و ناتمام خیال کرتے ہیں، جن غیر محدود صدائقوں اور حقائق

اور معارف پر قرآن کریم کے دائمی اور تمام اعجاز کی بنیاد ہے، اس سے وہ منکر ہیں اور نہ صرف منکر بلکہ اپنی انکاری کی وجہ سے ان تمام آیات بینات کو جھٹلاتے ہیں جس میں صاف صاف اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے کہ قرآن جمیع تعلیمات دینیہ کا جامع ہے۔ (ان فقرات میں مرزا قادیانی نے عجیب رو باہ بازی کی ہے۔ اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مسائل دین کی تعلیم میں قرآن کریم کامل و کافی ہے، کوئی صداقت اس سے باہر نہیں۔ پھر ان تفصیل احکام کا جو احادیث میں پائے جاتے ہیں، اور وہ تفصیل یتھیا قرآن میں نہیں، بلکہ قرآن سے باہر ہیں وجود تسلیم کر لیا ہے۔ پھر اس کے برخلاف ان تفصیل میں قرآن سے زوائد نہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ و نیز علماء ظاہر و مجتہدین اسلام کا ان تفصیل احکام کو (جو احادیث میں وارد ہیں) قرآن سے نکالنے پر قادر نہ ہونا بیان کر کے ان کے مقابلہ میں گروہ انبیاء اور اولیاء ولایت عظمیٰ کے قادر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ مگر اس کے بعد ان انبیاء و اولیاء کا مبلغ علم و نبی قدرت و ما بہ الفرق بتایا، تو صرف یہ بتایا کہ ان کو یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کوئی تعلیم قرآن سے زائد نہیں دی، بلکہ احادیث صحیحہ میں جملات و اشارات قرآن کی تفصیل ہے۔ حالانکہ اس بات کے معلوم ہونے اور اس پر ایمان لانے میں اس نے بعد میں علماء ظاہر کو بھی ان کے ساتھ شریک کر لیا ہے۔ ان انبیاء و اولیاء کا خاصہ یہ نہیں بتایا کہ وہ ان تفصیل کو قرآن سے نکال سکتے ہیں، جس کا پہلے دعویٰ کیا تھا، اور نیز علماء ظاہر کا اس بات پر جو انبیاء و اولیاء مانتے ہیں، ایمان لانا تسلیم کیا ہے۔ مگر پھر اس کے برخلاف ان علماء کے اس بات سے منکر ہونے اور آیات قرآن کا مذب ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

اس رو باہ بازی اور اختلاف بیانی سے مرزا قادیانی کا مقصود لوگوں کو اشتباہ میں ڈالنا۔ اور اس اشتباہ کے ذریعہ سے ان کو اصل مطلب سے دور لے جانا ہے۔ جو جدالیت کا ایک خاصہ و خاص شیوہ ہے، اور اپنے لئے گریز و فرار کی ایک راہ رکھ لینا۔ تاکہ اگر کوئی ایک بات پر معترض ہو (مثلاً کوئی کہے کہ قرآن تفصیل احکام پر مشتمل نہیں) یا اولیاء و انبیاء زمانہ حال کے قرآن سے ان تفصیل کو نکالنے پر قادر نہیں۔ یا علماء ظاہر قرآن میں جملات و اشارات احکام پائے جانے سے منکر نہیں ہیں) تو وہ اس کے مقابلہ میں دوسری بات کو پیش کر سکے۔ مثلاً یہ کہے کہ میں نے قرآن کو تفصیل احکام پر مشتمل نہیں کہا۔ بلکہ صرف اجمالات و اشارات پر مشتمل بتایا ہے۔ اور اولیاء و انبیاء زمانہ حال کو قرآن سے ان تفصیل کے نکالنے پر قادر نہیں بتایا۔ وہ صرف اس بات کو جانتے ہیں کہ تفصیل احادیث کا جمال قرآن میں موجود ہے۔ اور علماء ظاہر کو بھی اس بات کے ماننے سے منکر نہیں بتایا بلکہ قائل و موافق ٹھہرایا ہے اور اگر کوئی ان باتوں کا عکس کہے تو اپنی کام سے اس کا عکس نکال دے۔ (محمد حسین)

اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ میں نے سنن متوارثہ متعاملہ کو نمبر پنجم و چہارم میں ایک علیحدہ حصہ بہ تفریح بیان کر دیا ہے اور میرے نمبر پنجم کے پڑھنے سے ظاہر ہوگا کہ میں نے ان سنن متوارثہ متعاملہ کو ایک ہی درجہ یقین پر قرار نہیں دیا، بلکہ ان میں مراتب متفاوتہ کا قائل ہوں جیسا کہ میرے نمبر پنجم میں یہ عبارت ہے: کہ جس قدر حدیثیں تعامل کے سلسلہ سے فیض یاب ہیں وہ حسب استفاضہ اور بقدر اپنی فیض یابی کے یقین کے درجہ تک پہنچتی ہیں۔ یعنی کوئی ان میں سے درجہ اول کے یقین پر پہنچ جاتی ہے اور کوئی اوسط تک اور کوئی ادنیٰ تک، جس کو ظن غالب کہتے ہیں (قادیانی نے اپنی تحریر نمبر ہفتم میں (جس کو پنجم کہتا ہے) صاف کہا ہے کہ: میں ایسی حدیثوں کو جہاں تک کہ اس سلسلہ تعامل سے قوت ملی ہے، ایک درجہ یقین تک تسلیم کرتا ہوں۔ اب اس کے برخلاف وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے اس تحریر میں سنن متوارثہ متعاملہ کو ایک ہی

درجہ یقین پر قرار نہیں دیا، یہ ایک سفید جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے۔ ہاں اس ایک درجہ یقین کے بیان کے ساتھ اس نے اس تحریر میں لفظ حسب استفاضہ اور بقدر فیض یابی بھی بول دیا تھا، جس سے ازراہ رو باہ بازی اس نے یہ ٹھہرایا تھا کہ اگر کوئی ایک درجہ یقین کے لفظ سے میرے مخالف نتیجہ نکال کر احادیث محل اختلاف کو جو یقین نہیں ہیں، پیش کر کے مجھے الزام دے گا تو میں یہ عذر کر دوں گا کہ لفظ حسب استفاضہ اور بقدر فیض یابی بکسر میں نے یہ جتا دیا تھا کہ یقین جو احادیث محل تعامل میں پایا جاتا ہے کئی مرتبہ درجہ رکھتا ہے۔ از انجملہ ادنیٰ درجہ ظن غالب کا ہے۔ جو احادیث محل اختلاف میں پایا جاتا ہے۔ لہذا ان احادیث سے الزام مجھ پر عائد نہیں ہو سکتا۔ مگر بد قسمتی سے لفظ حسب استفاضہ اور بقدر فیض یابی کے ساتھ اس کی قلم سے لفظ درجہ یقین بھی نکل گیا تھا، جس سے ہر کس و ناکس کو بشرطیکہ فہم و حواس سلیم رکھتا ہو، یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جو تفاوت مراتب یقین لفظ، حسب استفاضہ، و بقدر فیض یابی، سے سمجھ میں آتا ہے وہ تفاوت ایسا نہیں کہ یقین کو اپنے درجہ سے اتار کر درجہ ظن سے پہنچا دے۔ اور ظن غالب کو یقین کا ایک درجہ بنا دے۔ بلکہ وہ تفاوت مراتب یقین حدود یقین کے اندر ہے۔ اور سب مراتب متفاوتہ درجہ یقین میں شامل اور اس کے نیچے داخل ہیں۔ کوئی مرتبہ ایسا نہیں کہ وہ درجہ ظن میں اترا یا ہو۔ لہذا اب قادیانی کا اپنے اس لفظ درجہ یقین کو بحکم درغ گورا حافظہ نباشد، بھول کر یا دیدہ دانستہ لوگوں کو وہ لفظ فراموش کرا کر لفظ، حسب استفاضہ و بقدر فیض یابی، کے تفصیل تین مراتب سے جن میں سے ادنیٰ درجہ ظن ہو کر نا، اور عقل و حیا کو استغفادے کر ان الفاظ کی تشریح میں یہ کہنا: یعنی کوئی ان میں سے درجہ اول کے یقین پر پہنچ جاتی ہے اور کوئی اوسط تک اور کوئی ادنیٰ تک جس کو ظن غالب کہتے ہیں، ایک ایسی رو باہ بازی ہے جس کو سابق رو باہ بازی چلنے نہیں دیتی۔ اس کے الفاظ، درجہ یقین، سے اس کی تکذیب ہوتی ہے۔ دنیا میں ایسا کوئی غافل نظر نہیں آتا جو ظن کو ایک درجہ یقین کا سمجھتا ہو، لہذا ممکن نہیں کہ قادیانی کا یہ قول، اس کے قول سابق کی تشریح ہو سکے۔ وہ اپنی تحریرات سابقہ میں ظن اور ظن غالب کو یقین کا مقابل ٹھہرا چکا ہے، پھر وہ اپنے قراود سابق کے برخلاف ظن غالب کو یقین کا ادنیٰ درجہ کیونکر ٹھہرا سکتا ہے۔ محمد حسین) لیکن وہ تمام حدیثیں بغیر اس کے کہ قرآن سے آزمائی جائیں بوجہ جمع ہونے دونوں قوتوں تعامل اور صحت روایت کے اطمینان کے لائق ہیں (یہاں تو مرزا صاحب نے احادیث متعلقہ عمل کا دونوں جہت (تعامل اور صحت روایت) سے قوت پاکر یقینی ہونا بیان کیا ہے اور سابقاً تحریر چہارم میں صاف کہا ہے کہ ان احادیث کا یقینی ہونے کا موجب صرف تعامل ہے اور ظن حدیث کو اس سلسلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ محمد حسین) مگر ایسی احادیثیں جو سنن متوارثہ متعاملہ سے نہیں ہیں اور سلسلہ تعامل سے کوئی معتد بہ تعلق نہیں رکھتیں وہ اس درجہ صحت سے گری ہوئی ہیں۔ اب ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ ایسی حدیثیں صرف اخبار گزشتہ و قصص ماضیہ یا آئندہ ہیں جن کو نسخ سے بھی کچھ تعلق نہیں۔ یہ میرا وہ بیان ہے جو میں اس تحریر سے پہلے لکھ چکا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے کسی پرچہ میں ان دوسرے حصہ کی احادیث کا نام سنن متوارثہ متعاملہ نہیں رکھا، بلکہ ابتدائے تحریر سے ہر جگہ حدیث کے نام سے یاد کیا ہے، جس سے میری مراد واقعات ماضیہ و اخبار گزشتہ یا آئندہ تھیں اور ظاہر ہے کہ سنن متوارثہ متعاملہ اور احکام متداولہ کے نکالنے کے بعد جو احادیث بلکہ فرضیت تعامل سے باہر رہ جاتی ہیں وہ یہی واقعات و اخبار و قصص ہیں جو تعامل کے تاکید سلسلہ سے باہر ہیں (قصص آئندہ میں حضرت مسیح کے نزول اور دجال کے خروج کا قصہ بھی داخل ہے۔ بلکہ یہ خصوصیت کے ساتھ مرزا قادیانی کی چوٹ کے محل ہیں ایسے ہی وہ قصص ان میں داخل ہیں جو احوال حشر و

نشر و رزخ کے متعلق ہیں، جن کو عمل سے تعلق نہیں بلکہ وہ صرف متعلق اعتقاد ہیں۔ مرزا قادیانی نے بڑا غضب ڈھایا کہ ان سب قصص کو صرف اس وجہ سے کہ وہ متعلق عمل نہیں، درجہ صحت و اعتبار سے ساقط کر دیا اور احادیث متعلقہ عمل کو، گوان کے عمل میں اختلاف ہو، صرف عمل (گو اختلافی ہو) سے قوت یاب سمجھ کر ان کو ایسا قطعی و یقینی و بلا ریب ثابت قرار دیا کہ ان کی دست آویز سے تعلیم قرآن پر زیادتی کو بھی جائز کر دیا ہے اور عقل و فہم سے کام لے کر یا دوسرے اہل عقل و فہم و فراست کی پیروی کر کے اتنا خیال نہ کیا کہ احادیث متعلقہ عمل کو قبول کرنے اور ان کو بنظر عمل مساوی قرآن ٹھہرانے میں اس نے کس چیز پر اعتماد کیا ہے۔ اور کس چیز نے اس کی نظر میں ان احادیث کو قطعی اور یقینی اور عمل میں قرآن کے مساوی بنا دیا ہے اور وہ چیز احادیث متعلقہ اعتقاد میں جن کو وہ قصص کہتا ہے پائی جاتی ہے یا نہیں۔ اگر وہ اپنی یا پرانی عقل سے کام لیتا تو فوراً! جان جاتا کہ وہ چیز قرآن و قبولیت اہل اسلام ہے جو ان احادیث متعلقہ عمل پر ان کے عمل کرنے سے (گو اختلاف سے ہو) سمجھی جاتی ہے اور وہ چیز اس قرآن و قبولیت میں ان لوگوں پر یہ حسن ظنی ہے کہ اگر وہ حدیثیں صحیح نہ ہوتیں تو ان لوگوں کے عمل میں نہ آتیں۔ اور یہ قرآن و قبولیت کو یقیناً بلکہ بدرجہ اعلیٰ و اقویٰ ہے، احادیث متعلقہ اعتقاد میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ ان احادیث متعلقہ اعتقاد کو اہل اسلام خصوصاً اہل سنت نے اتفاق کے ساتھ قبول کیا اور اپنے اعتقادات میں داخل کیا۔ اور متعلق اعتقاد ٹھہرایا ہے۔ جو ان کے نزدیک بجز قطعیت متعلق نہیں ہوتا۔ لہذا ان احادیث کی قبولیت میں ان پر یہ حسن ظنی بطریق اولیٰ واجب ہے کہ اگر یہ احادیث یقینی صحیح اور قطعی ثابت نہ ہوتیں تو وہ ان کو اعتقادات اسلامیاہ سنہیہ میں داخل نہ کرتے۔ اس وجہ سے یہ احادیث، احادیث متعلقہ عمل سے بڑھ کر لائق قبول و اعتبار ہیں۔ اور نہ یہ خیال کیا کہ ان احادیث کو قرآن اور دیگر احادیث صحیحہ سے کوئی مخالفت و تعارض نہیں تو پھر ان کی تجویزی کیاضورت ہے۔ محمد حسین) اور ایک نادان بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ بحث احکام کے اختلافات کی وجہ سے شروع نہیں کی گئی اور میں تمام مسلمانوں کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے کسی ایک حکم میں بھی دوسرے مسلمانوں سے علیحدگی نہیں، جس طرح سارے اہل اسلام احکام بینہ قرآن کریم و احادیث صحیحہ و قیاسات مسلمہ مجتہدین کو واجب العمل جانتے ہیں، اسی طرح میں بھی مانتا ہوں (لفظ احکام اور واجب العمل کبہر آپ نے یہ بتایا ہے کہ عقائد اسلامیاہ کے جو قرآن و حدیث سے ثابت و مستنبط ہیں، ماننے میں آپ مسلمانوں کے ساتھ متفق نہیں ہیں۔ بلکہ ان عقائد سے منکر ہیں، از اجمہلہ اعتقاد حیات نزول مسیح ہے جو قرآن سے مستنبط ہے اور حدیث میں مصرح ہے مگر ازراہ رو باہ بازی اس انکار کو آپ نے اس مقام میں صاف الفاظ میں ظاہر نہیں کیا، تاکہ تمام مسلمانوں میں آپ کے طہرانہ اعتقاد کی پردہ دردی نہ ہو۔ مگر خدا تعالیٰ نے آپ کا پردہ پھاڑ دیا۔ اور ہماری قلم سے آپ کی کلام کا مطلب ظاہر کر دیا۔ اور اگر ان الفاظ سے عقائد اسلامیاہ مستنبط قرآن و حدیث سے انکار آپ کا مقصود نہیں ہے تو پھر لفظ عمل و حکم کیوں بولا، اس کے ساتھ لفظ اعتقاد کبہر اعتقادات میں اہل اسلام سے موافقت کا اقبال کیوں نہ کیا اور نیز اور جگہ اعتقاد نزول حضرت مسیح سے جو کتاب اللہ اور حدیث سے ثابت ہے، آپ نے کیوں انکار کیا اور اس اعتقاد کی مضمونہ احادیث کو مقررہ قصص ٹھہرا کر کیوں رد کر دیا۔ اور جو آپ نے قیاسات مسلمہ مجتہدین کو واجب العمل جاننے اور تسلیم کرنے کا اعتراف کیا ہے، یہ آپ کے دعویٰ نبوت کے برخلاف ہے۔ اور نیز آپ کے اس دعویٰ کے مخالف ہے جو قبل ازیں کر چکے ہیں کہ: جس مقام معرفت و دقائق و حقائق دین کو آپ پہنچے ہوئے ہیں، اس مقام تک مجتہدین کی رسائی نہیں ہوئی، اور یہ بات اپنے موقع (علم اصول) میں ثابت ہے کہ ایک مجتہد کے قیاس کو دوسرا مجتہد نہیں مانتا اور اس میں اس کی تقلید نہیں کرتا۔ پھر آپ نبی اور درجہ ولایت عظمیٰ کے ولی ہو کر اور اس مقام معرفت کو جہاں مجتہدین پہنچنے نہ سکیں، پہنچ کر مجتہدین کے قیاسات کو ماننے والے کب ہو سکتے ہیں؟ اور آپ کا یہ اعتراف، فریب نہیں تو اور کیا ہے۔ اور اگر یہ اقرار دلی اور راستی پر مبنی ہے تو پھر وہ دعویٰ نبوت و ولایت عظمیٰ، فریب نہیں تو اور کیا ہے؟ الغرض ان دونوں دعاوی تناقض میں آپ سچے نہیں ہو سکتے۔ دعویٰ نبوت و ولایت عظمیٰ



میں سچے ہیں تو دعویٰ تسلیم و تقلید قیاسات مجتہدین میں جھوٹے ہیں۔ اس میں سچے ہیں تو اس میں جھوٹے ہیں۔ محمد حسین) صرف بعض اخبار گزشتہ و مستقبلہ کی نسبت الہام الہی کی وجہ سے جس کو میں نے قرآن سے ہلکی مطابق پایا ہے، بعض اخبار حدیثیہ کے میں اس طرح پر معنی نہیں کرتا جو حال کے علماء کرتے ہیں، کیونکہ ایسے معنے کرنے سے وہ احادیث نہ صرف قرآن کریم کے مخالف ٹھہرتی ہیں (یہ کہنا کہ یہ احادیث قرآن مجید اور دیگر احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں، محض مغالطہ وہ ہے کہ ہے۔ احادیث نزول مسج کو نہ قرآن سے مخالفت ہے اور نہ احادیث صحیحہ سے۔ محمد حسین) بلکہ دوسری احادیث کی بھی جو صحت میں ان کے برابر ہیں، مغائر و مبائن قرار پاتی ہیں۔ سو دراصل یہ تمام بحث ان اخبار سے متعلق ہے جن کے نسخ کی نسبت کوئی سلف و خلف میں سے قائل نہیں، کوئی با سمجھ انسان ایسا نہیں جس کا یہ عقیدہ ہو کہ قرآن کریم کی وہ آیتیں جن میں حضرت عیسیٰ کی وفات کا ذکر ہے، حدیثوں سے منسوخ ہو چکی ہیں۔ یا یہ عقیدہ ہو کہ حدیثیں اپنی صحت میں ان سے بڑھ کر ہیں۔ بلکہ اس راہ میں بحالت انکار بجز اس طریق کے مجال کلام نہیں کہ یہ کہا جائے کہ وہ آیتیں پیش کرو ہم حدیثوں سے مطابق کر دیں گے۔

سوائے حضرت مولوی صاحب! آپ ناراض نہ ہوں کاش آپ نے دیانت و امانت کو مد نظر رکھ کر وہی طریق مقصود اختیار کیا ہوتا۔ کیا آپ کو معلوم نہیں تھا کہ جو احادیث تعامل کے سلسلہ میں داخل ہوں، ان کو میں بحث متنازعہ فیہ سے باہر کر چکا ہوں؟ اور اگر معلوم تھا تو پھر کیوں آپ نے گدھے کے حرام ہونے کی حدیث پیش کی؟ کیا کسی ایسی چیز کو حرام یا حلال کرنا احکام میں سے نہیں؟ اور کیا احکام اکل و شرب کے تعامل الناس سے باہر ہیں؟ اور پھر آپ نے لعنت علی الواشحات و المتوشحات کی بھی حدیث پیش کر دی اور آپ کو کچھ خیال نہ آیا کہ یہ تو سب احکام ہیں جن کیلئے تعامل کے سلسلہ کے نیچے داخل ہونا ضروری ہے۔ آپ سچ کہیں کہ ان تمام غیر متعلق باتوں سے آپ نے اپنا اور سامعین کا وقت ضائع کیا یا کچھ اور کیا؟ لوگ منتظر تھے کہ اصل بحث کے سننے سے جس کا ایک دنیا میں شور پڑ گیا ہے، فائدہ اٹھادیں اور حق اور ناحق کا فیصلہ ہو۔ لیکن آپ نے نکمی اور فضول اور بے تعلق باتیں شروع کر دیں۔ شائد ان باتوں سے وہ لوگ بہت خوش ہوئے ہوں گے جن میں اصل مقصود کی شناخت کا مادہ نہیں، لیکن میں سنتا ہوں کہ حقیقت شناس لوگ آپ کی اس تقریر سے سخت ناراض ہوئے اور آپ کی مناظرانہ لیاقت کا مادہ انہوں نے معلوم کر لیا کہ کہاں تک ہے بہر

حال چونکہ آپ اپنے اس دہوکہ دینے والے مضمون کو ایک جلسہ عام میں سنا چکے ہیں اس لئے میں مواضع مناسب سے آپ کے اقوال قولہ، اقوال کے طرز پر بیان کرتا ہوں تا مٹھنصفین پر کھل جائے کہ کہاں تک آپ نے دیانت و راستی و تہذیب اور طریق مناظرہ کا التزام کیا ہے۔ و باللہ التوفیق۔

قولہ۔ آپ نے میرے سوال کا جواب صاف اور قطعی نہیں دیا کہ احادیث جملہ صحیح ہیں یا جملہ موضوع یا مختلط۔  
اقول۔ حضرت میں آپ کو کئی دفعہ جواب دے چکا ہوں کہ حصہ دوم احادیث کا جو تعامل کے سلسلہ سے یا یوں کہو کہ سنن متوارثہ متعاملہ سے باہر ہے صرف ظن کے درجہ پر ہے اور یہی میرا مذہب ہے اور چونکہ اس حصہ سے جو اخبار گذشتہ یا مستقبلہ کی قسم میں سے ہے، نسخ بھی متعلق نہیں اسلئے درحالت مخالفت نصوص بینہ قرآن قابل تسلیم نہیں۔ اگر کوئی ایسی حدیث نص قطعی بین قرآن سے مخالف ہوگی تو قابل تاویل ہوگی یا موضوع قرار پائیگی  
قولہ۔ صحیح بخاری و مسلم میں کوئی حدیث ہے جو بوجہ تعارض موضوع ٹھہر سکتی ہے؟

اقول۔ بیشک حصہ دوم کے متعلق کئی حدیثیں ایسی ہیں جن میں سخت تعارض پایا جاتا ہے جیسا کہ وہی حدیثیں جو نزول ابن مریم کے متعلق ہیں، کیونکہ قرآن قطعی طور پر فیصلہ دیتا ہے کہ مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے (یہ بھی محض قادیانی کا کذب ہے۔ قرآن کی کسی آیت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں۔ بلکہ قرآن حضرت مسیح کا نزول اشارہ بیان کرتا ہے احادیث اس اشارہ کی تصریح کرتی ہیں۔ پھر مخالفت کیسی۔ اور تجویز نسخ کے کیا معنی۔ اور مطابقت کی کیا ضرورت و حاجت باقی رہتی ہے۔ محمد حسین) اور صحیحین کی بعض حدیثیں اس فیصلہ پر شاہد ناظر ہیں اور ایک گروہ صحابہ اور علماء امت کا بھی قرناً بعد قرن اسی بات کا مقرر ہے۔ اور نصاریٰ کا یونی ٹیرین (unitarian) فرقہ بھی اسی بات کا قائل ہے، اور یہودیوں کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ اب ان مخالف حدیثوں کی، جو قرآن اور احادیث صحیحہ کے برخلاف ہیں، ہماری طرز پر تاویل نہ کی جائے تو پھر بلاشبہ موضوع ٹھہریں گی (یہ بھی قادیانی کی ایک رو باہ بازی ہے۔ وہ احادیث متعلقہ نزول حضرت مسیح و خروج و جلال کے الفاظ کو غیر صحیح و موضوع و ضعیف قرار دے چکا ہے۔ چنانچہ پہلے ثابت ہو چکا ہے اور یہی اس کی تقریر کا نتیجہ ہے مگر اس مقام میں وہ ان کے الفاظ کی عدم صحت کا دعویٰ چھوڑ کر صرف ان احادیث کے معانی ظاہری سے، جو علماء اسلام کرتے ہیں، انکار کا مدعی بن بیٹھا ہے، جس سے اس نے یہ بتایا ہے کہ میں صحت ان احادیث کی تو ماننا ہوں، اس میں تمام مسلمانوں کا مخالف نہیں ہوں۔ ہاں صرف میں اس کے معنے وہ نہیں کرتا جو علماء کرتے ہیں۔ اور اگر یہ امر جو اس نے یہاں بتایا ہے اس کے دلی اعتقاد کے مطابق ہے تو اس کا فرض ہے کہ جو اس کی کلام میں جا بجا ان احادیث کے موضوع یا غیر صحیح یا ضعیف ہونے پر تصریح پائی گئی ہے اس کے غلط ہونے کا اشتہار دے اور آئندہ صاف اور کھلے الفاظ سے اعتراف کرے کہ یہ احادیث متعلقہ نزول

حضرت مسیح و خروج دجال وغیرہ صحیح ہیں، ان کی صحت میں مجھے کسی قسم کا شک و اشتباہ اور عام مسلمانوں سے خلاف نہیں۔ میں صرف ان احادیث کے معانی میں عام مسلمانوں سے مخالف ہوں، ظاہری معانی کو چھوڑ کر تاویلی معنی کرتا ہوں۔ اور اگر یہ اشتباہ و اعتراض اس سے وقوع میں نہ آوے تو قادیانی کے دام افتادہ اس کو صحت الفاظ احادیث متعلقہ نزول حضرت مسیح سے منکر سمجھیں۔ محمد حسین) اور خود وہ حدیثیں پکار پکار کر بتلا رہی ہیں کہ ابن مریم کا لفظ ان میں حقیقت پر محمول نہیں، لیکن اس زمانہ کے اکثر مولوی صاحبان اور خاص کر آپ کی مرضی معلوم ہوتی ہے کہ قرآن سے ان کی تطبیق نہ دی جائے گو وہ بوجہ اس مخالفت کے موضوع ہی ٹھہر جائیں۔ آپ کا دعویٰ تطبیق کا ہے لیکن اس فضول دعویٰ کو کون سنتا ہے جب تک آپ اس بحث کو شروع کر کے تطبیق کر کے نہ دکھلائیں۔

ایسا ہی کئی اور حدیثیں بھی ہیں جن میں سخت تعارض باہمی پایا جاتا ہے۔ مثلاً بخاری کے صفحہ ۴۵۵ میں جو معراج کی حدیث بروایت مالک لکھی ہے وہ دوسری حدیثوں سے جو اسی بخاری میں درج ہیں، بالکل مختلف ہے۔ صرف نمونہ کے طور پر دکھاتا ہوں کہ اس حدیث میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ کو چھٹے آسمان پر دیکھا لیکن بخاری کے صفحہ ۴۷۱ میں ابو ذر کی روایت سے بجائے موسیٰ کے ابراہیم کا چھٹے آسمان پر دیکھنا لکھا ہے۔ اور پھر وہ حدیث بخاری کی جو باب صلوة میں ہے اور نیز امام احمد کی مسند میں بھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج بیداری میں تھا اور اسی پر اکثر صحابہ کا اتفاق بھی ہے، لیکن بخاری کی حدیث صفحہ ۴۵۵ میں جو مالک کی روایت سے ہے اور نیز بخاری کی وہ حدیث جو شریک بن عبداللہ سے ہے، صاف بیان کر رہی ہیں کہ وہ اسراء یعنی معراج نیند کی حالت میں تھا۔ اور تینوں حدیثوں میں محل نزول جبریل مختلف لکھا ہے کسی میں عند البیت اور کسی میں اپنا گھر ظاہر کیا ہے، اور شریک کی حدیث میں قبل ان یوحی کا لفظ بھی درج ہے، جس سے سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیغمبری سے پہلے معراج ہوا تھا، حالانکہ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ اسراء بعد بعثت ہوا ہے، تبھی تو نمازیں بھی فرض ہوئیں۔ اور خود حدیث بھی بعد البعثت پر دلالت کر رہی ہے جیسا کہ اسی حدیث میں جبریل کا قول بواب السماء کے اس سوال کے جواب میں کہ ابعث؟ نعم لکھا ہے۔ ان اختلافات کا اگر یہ جواب دیا جائے کہ یہ اسراء متعدد اوقات میں ہوا ہے اسی وجہ سے کبھی موسیٰ کو چھٹے آسمان میں دیکھا اور کبھی ابراہیم کو، تو یہ تاویل رکیک ہے کیونکہ انبیاء اور اولیاء بعد موت اپنے اپنے مقامات

سے تجاوز نہیں کرتے جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔

ماسوا اس کے معراج کے متعدد ماننے میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ بعض احکام ناقابل تبدیل اور مستمرہ کا فضول طور پر منسوخ ماننا پڑتا ہے اور حکیم مطلق کو ایک لغو اور بے ضرورت تفسیح کا مرتکب قرار دے کر پھر پیشمانی کے طور پر پہلے ہی حکم کی طرف عود کرنے والا اعتقاد کرنا پڑتا ہے کیونکہ اگر قصہ معراج کئی مرتبہ واقع ہوا ہے جیسا کہ احادیث کا تعارض دور کرنے کیلئے جواب دیا جاتا ہے، تو پھر اس صورت میں یہ اعتقاد پیدا ہونا چاہیے کہ مثلاً پہلی دفعہ کی معراج کے وقت میں نمازیں پچاس فرض کی گئیں اور ان پچاس میں تخفیف کرانے کیلئے کئی مرتبہ آنحضرت ﷺ نے موسیٰ اور اپنے رب میں آمدورفت کی۔ یہاں تک کہ پچاس نماز سے تخفیف کر کر پانچ منظور کرائیں اور خدا تعالیٰ نے کہہ دیا کہ اب ہمیشہ کیلئے غیر مبطل یہ حکم ہے کہ نمازیں پانچ مقرر ہوں۔ اور قرآن پانچ کیلئے نازل ہو گیا۔ پھر دوسری دفعہ کی معراج میں یہی جھگڑا، پھر از سر نو پیش آ گیا، تو خدا تعالیٰ نے پھر نمازیں پچاس مقرر کیں اور قرآن میں جو حکم وارد ہو چکا تھا اس کا کچھ بھی لحاظ نہ رکھا اور منسوخ کر دیا۔ مگر پھر آنحضرت ﷺ نے پہلی دفعہ کے معراج کی طرح پچاس نمازوں میں کچھ تخفیف کرانے کی غرض سے کئی دفعہ حضرت موسیٰ اور اپنے رب میں آمدورفت کر کے نمازیں پانچ مقرر کرائیں اور جناب الہی سے ہمیشہ کیلئے یہ منظوری ہو گئی کہ نمازیں پانچ پڑھا کریں اور قرآن میں یہ حکم غیر متبدل قرار پا گیا۔ لیکن تیسری دفعہ کے معراج میں وہی پہلی مصیبت پھر پیش آ گئی اور نمازیں پچاس مقرر کی گئیں اور قرآن کریم کی آیتیں جو غیر متبدل تھیں، منسوخ کی گئیں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے بہت سی دقت اور بار بار کی آمدورفت سے پانچ نمازیں منظور کرائیں مگر منسوخ شدہ آیتوں کے بعد پھر کوئی نئی آیت نازل نہ ہوئی۔

اب کیا یہ سمجھ آ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ ایک دفعہ تخفیف کر کے پھر پانچ سے پچاس نمازیں بنا دے اور پھر تخفیف کرے اور پھر تخفیف کر کے پچاس کی پانچ ہو جائیں۔ اور بار بار قرآن کی آیتیں منسوخ کی جائیں اور حسب منشاء نأت بخیر منها او مثلها اور کوئی آیت ناسخ نازل نہ ہو۔ درحقیقت ایسا خیال کرنا وحی الہی کے ساتھ ایک بازی ہے۔ جن لوگوں نے ایسا خیال کیا تھا ان کا مدعا یہ تھا کہ کسی طرح تعارض دور ہو، لیکن ایسی تاویلوں سے ہرگز تعارض دور نہیں ہو سکتا، بلکہ اور بھی اعتراضات کا ذخیرہ بڑھتا ہے۔ ایسا ہی اور کئی حدیثوں

میں تعارض ہے۔

قولہ - آپ لکھتے ہیں کہ احادیث کے دو حصے ہیں۔ اول وہ حصہ جو تعامل میں آچکا ہے جس میں وہ تمام ضروریات دین اور عبادات اور معاملات اور احکام شرع داخل ہیں دوسرا وہ حصہ جو تعامل سے تعلق نہیں رکھتا۔ یہ حصہ یقینی طور پر صحیح نہیں ہے اور اگر قرآن سے مخالف نہ ہو تو صحیح تسلیم ہو سکتا ہے۔ اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ فن حدیث اور اصول روایات اور قوانین درایت سے محض ناواقف ہیں اور مسائل اسلامیہ سے نا آشنا۔

اقول - آپ کا یہ ثابت کرنا اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ علاوہ حدیث دانی کے، سخن فہمی کا بھی آپ کو بہت سا ملکہ ہے۔ ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ میں نے جو کچھ اپنی پہلی تحریروں کے نمبر چہارم و پنجم میں بیان کیا ہے وہ عام لوگوں کے سمجھانے کیلئے ایک عام فہم عبارت ہے۔ اسی لئے میں نے اہل حدیث کی اصطلاح سے کچھ سروکار نہیں رکھا کیونکہ جو مضمون جلسہ عام میں پڑھا جائے وہ حتی الوسع عوام کے فہم اور استعداد کے موافق ہونا چاہیے، نہ کہ ملاؤں کی طرح لفظ لفظ میں اپنے علم کی نمائش ہو۔ اور یہ بات ہر ایک کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ فی الواقع احادیث کے دو ہی حصے ہیں۔ ایک وہ جو احکام اور ایسے امور سے متعلق ہیں جو اصل اسلام اور تعامل سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک وہ جو حکایات اور واقعات اور قصص اور اخبار ہیں جن کا سلسلہ تعامل سے کچھ ایسا ضروری تعلق قرار نہیں دیا گیا۔ سو میں نے ضروریات دین کے لفظ سے انہی امور کو مراد لیا ہے جن کا سلسلہ تعامل سے ضروری تعلق ہے۔ اور آپ اپنی حدیث دانی دکھلانے کیلئے اس صاف اور سیدھی تقریر پر بے جا مواخذہ کرنا چاہتے ہیں اور ناحق ضروریات کے لفظ کو پکڑ لیا ہے۔ کیا آپ کو اس بات کا بھی علم نہیں کہ ہر ایک شخص اپنے لئے اصطلاح قرار دینے کا مجاز ہے؟

آپ فرماتے ہیں کہ اگر ضروریات سے مراد امور متعلقہ حاجت ہوں تو اس سے آنحضرت ﷺ کی کوئی حدیث خارج و مستثنیٰ نہیں رہتی۔ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ دین میں فرمایا ہے وہ دینی حاجت اور ضرورت کے متعلق ہے۔ لیکن افسوس کہ آپ دانستہ حق پوشی کر رہے ہیں۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ اخبار و قصص کو جو امر متنازعہ فیہ ہے، سلسلہ تعامل سے کوئی معتد بہ تعلق نہیں۔ جو کچھ ہمیں مسلمان بننے کے لئے ضرورتیں ہیں وہ احکام فرمودہ اللہ اور رسول سے حاصل ہیں اور وہی احکام تعامل کی صورت میں عصراً بعد عصر صادر ہوتے رہتے

ہیں۔ مسلم اور بخاری میں کئی جگہ بنی اسرائیل کے قصے اور انبیاء اور اولیاء اور کفار کی بھی حکایتیں ہیں جن پر بجز خاص خاص لوگوں کے، جو فن حدیث کا شغل رکھتے ہیں، دوسروں کو اطلاع تک نہیں اور نہ حقیقت اسلامیہ کی تحقیق کیلئے ان کی اطلاع کچھ ضروری ہے۔ سو وہی اور اسی قسم کے اور امور ہیں جن کا نام میں احادیث مجردہ رکھتا ہوں، سنن متوارثہ کے نام سے انہیں موسوم نہیں کرتا۔ اور وہی ہیں جو سلسلہ تعامل سے خارج ہیں اور مسلمانوں کو تعامل کی حدیثوں کی طرح ان کی کوئی بھی ضرورت نہیں۔ اگر اسی مجلس میں بعض قصص بخاری یا مسلم کے حاضر اوقات مسلمانوں سے دریافت کئے جائیں تو ایسے آدمی بہت ہی تھوڑے نکلیں گے جن کو وہ تمام حالات معلوم ہوں۔ بلکہ بجز کسی ایسے شخص کے جو اپنی معلومات کے بڑھانے کی غرض سے دن رات احادیث کا شغل رکھتا ہے اور کوئی نہیں ہے، جو بیان کر سکے۔ لیکن ہر ایک مسلمان ان تمام احکام اور فرائض کو جو ہم پہلے حصہ میں داخل کرتے ہیں عملی طور پر یاد رکھتا ہے کیونکہ مسلمان بننے کی حالت میں دائمی طور پر اس کو کرنے پڑتے ہیں یا کبھی کبھی کرنے کیلئے وہ مجبور کیا جاتا ہے۔

ہاں یہ سچ ہے کہ تعامل کے متعلق جو احکام ہیں وہ سب ثبوت کے لحاظ سے ایک درجہ پر نہیں۔ جن امور کی مواظبت و مداومت بلا فتور و اختلاف چلی آئی ہے وہ اول درجہ پر ہیں، اور جس قدر احکام اپنے ساتھ اختلاف لے کر تعامل کے دائرہ میں داخل ہوئے ہیں وہ بحسب اختلاف اس پہلے نمبر سے کم درجہ پر ہیں مثلاً رفع یدین و عدم رفع یدین جو دونوں طرح کا تعامل چلا آتا ہے۔ ان دونوں طوروں سے جو تعامل قرن اول سے آج تک کثرت سے پایا جاتا ہے، اس کا درجہ زیادہ ہوگا اور بایں ہمہ دوسرے کو بدعت نہیں ٹھہرائیں گے، بلکہ ان دونوں عملوں کی تطبیق کی غرض سے یہ خیال ہوگا کہ باوجود مسلسل تعامل کے پھر اس اختلاف کا پایا جانا اس امر پر دلیل ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے ہفت قرأت کی طرح طرق ادائے صلوٰۃ میں رفع تکلیف امت کے لئے وسعت دے دی ہوگی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جو نمبر اول سلسلہ تعامل احکام ہے وہ اختلاف سے بکلی محفوظ ہے کوئی مسلمان اس بات میں اختلاف نہیں رکھتا کہ فریضہ صبح دو رکعت ہیں اور مغرب کی تین۔ الخ۔

## حضرت شیخ الاسلام بٹالویؒ کا تبصرہ

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ اس تمہید اور اس کی منوید تفصیل میں مرزا قادیانی نے بیان کیا ہے کہ: میں اپنے مخاطب کے سوال کا جواب اپنی تحریر چہارم و پنجم میں دے چکا ہوں کہ صحیحین کی جملہ احادیث جو عمل کے متعلق ہیں اور ان میں فروعات اختلافیہ مثل رفع یدین وعدم رفع یدین داخل ہیں، بے چون و چرا صحیح و مقبول ہیں کیونکہ عمل سے (گو اختلافی طور پر ہو) وہ قوت پا کر قطعی ہو چکے ہیں، ان احادیث کو قرآن سے پرکھنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ بظاہر مخالف قرآن ہوں تو بھی مقبول ہیں اور ان احادیث سے تعلیم و احکام قرآن پر زیادتی بھی جائز ہے اور جو صحیحین کی حدیثیں متعلق عمل نہیں ہیں، ان کے اگر یہی ظاہری معنی ہیں جو علماء بیان کرتے ہیں تو وہ صحیح نہیں، بلکہ موضوع ہیں اور لائق قبول و اعتبار نہیں ہیں، کیونکہ ان کو عمل سے قوت نہیں پہنچی، اس لئے وہ ظنی ہیں اور ان کی صحت پر کھنے کیلئے ان کو قرآن پر پیش کرنا، پھر ان کا موافق قرآن ہونا ضروری ہے۔ لہذا احس حدیث کا مضمون مخالف قرآن ہو وہ حدیث صحیح نہیں موضوع ہے، اور احادیث متعلقہ نزول مسیح کے بظاہر معنی جو علماء بیان کرتے ہیں اسلئے مخالف قرآن ہیں کہ ان احادیث کے ان معنی سے حضرت مسیح کی حیات ثابت ہوتی ہے اور قرآن کریم قطعی فیصلہ دیتا ہے کہ مسیح بن مریم فوت ہو گیا ہے (یہ الفاظ بعینہ مرزا کے ہیں)

ہم کہتے ہیں اس بیان میں مرزا قادیانی نے جھوٹ بولا ہے اور مسلمانوں کو ضلالت والحادی میں پھنسانا چاہا ہے۔ اول تو اس کے اس بیان تمہید کا اس کی تحریر چہارم و پنجم یا کسی اور تحریر میں نام و نشان نہیں اور اگر، ۲۔ بالفرض یہ بیان ان تحریرات میں ہے تو یہ ہمارے اصل سوال کا قطعی کامل جواب نہیں ہے۔ اور ۳، یہ اس سوال کا جواب ہے تو یہ اسلام خصوصاً مذہب اہل سنت جماعت کی رو سے صحیح جواب نہیں، بلکہ ایک طحڑانہ جواب ہے جو اصول مذہب اسلام و سنت سے بالکل مخالف ہے۔

ہماری اس تجویز کی پہلی شق کا ثبوت

مرزا قادیانی کی تمہید اور اس کی منوید تفصیل کی فضول و نامعقول و بلاطائل طول باتوں سے چشم پوشی کر کے اصل مطلب کی طرف دیکھا جاتا ہے تو وہ پانچ امور یاد عاوی معلوم ہوتے ہیں۔

☆ اول۔ یہ کہ احادیث تعامل سے اس کی مراد احادیث متعلق عمل ہیں جن میں اعمال اتفاقیہ (جیسے نماز، روزہ، وغیرہ) واختلافیہ (مثل رفع یدین وآمین بالجهر) سب داخل ہیں۔

دوم۔ یہ کہ اس قسم کی سب احادیث صحیحین کی قطعی اور بلا ریب و یقینی صحیح وثابت اور واجب العمل ہیں۔

سوم۔ ایسی احادیث کو دو جہت سے قوت و قطعیت حاصل ہوئی ہے، ایک تعامل سے دوسرے صحت روایت سے چہارم۔ یہ سب احادیث ایسی صحیح و قوی و قطعی الثبوت ہیں کہ ان کی صحت پر کھنے کیلئے ان کو قرآن پر پیش کرنا اور قرآن سے ان کی موافقت ثابت کرنا ضروری نہیں، بلکہ وہ بظاہر مخالف قرآن بھی ہوں تو وہ واجب القبول و العمل ہیں، اور ان احادیث کی رو سے قرآن مجید کی تعلیم و احکام پر زیادتی بھی جائز ہے۔

چہم۔ ان احادیث کے قطعی و یقینی الثبوت ہونے کے تین مرتبہ یا درجہ ہیں۔ اعلیٰ، جیسے احادیث متعلقہ عدد رکعات نماز فرائض۔ اوسط، جس سے وہ احادیث مراد ہیں جن کے عمل میں اختلاف چلا آیا ہے، مگر جانب عمل میں بہ نسبت جانب ترک کثرت ہے۔

ادنیٰ، جس سے وہ احادیث محل اختلاف مراد ہیں جن کی جانب عمل میں بہ نسبت جانب ترک قلت ہے اس تیسرے مرتبہ یقین کی نسبت مرزا قادیانی نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اس کو ظن غالب کہتے ہیں اور عقل انصاف حیا کو پیش نظر رکھ کر یہ خیال نہ کیا کہ ظن تو (اگرچہ غالب ہو) یقین کا مقابل ہوتا ہے اور میں نے اپنی تحریر نمبر چہارم و پنجم وغیرہ میں اس کو یقین کے مقابلہ میں ذکر کیا اور اس کا مقابل بنایا ہے۔ پھر وہ یقین کی ایک قسم کیونکر ہو سکتا ہے؟

مگر شاید وہ اس وجہ سے بے فکر و بلا خوف ہو کر ایسی باتیں کہہ دیتا ہے کہ اہل عقل و انصاف سے مجھے کیا کام؟ جن لوگوں سے مجھے کام ہے اور وہ میرے دام میں آچکے ہیں، وہ عقل کے اندھے اور گاٹھ کے پورے ہیں۔ لہذا میں جو کچھ ان کو کہوں گا، دن کو رات یا رات کو دن، وہ بے چون و چرا اس کو مان لیں گے اور اس کے شکر یہ میں فلوس مقررہ بھیج دیں گے اہل عقل و انصاف جو چاہیں کہا کریں۔

ان پانچوں امور یا دعاوی میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جس پر مرزا قادیانی نے اپنی تحریر نمبر چہارم و پنجم یا کسی اور تحریر میں تصریح کی ہو، یا اس کی طرف اس کا اشارہ پایا گیا ہو۔ دیگر تحریرات میں تو وہ ان کے بیان کا خود مدعی



نہیں ہوا، تحریر نمبر چہارم و پنجم میں ان کے بیان کا مدعی ہوا ہے لہذا ان دونوں تحریروں کی عبارات اس مقام میں نقل کر کے ناظرین پر قادیانی کا کذب ثابت کیا جاتا ہے۔

نقل تحریر چہارم قادیانی و اثبات مخالفت مضمون آن، بمضمون تمہید آن بہتانی

واضح ہو کہ جس تحریر کو قادیانی نے تحریر نمبر چہارم کہا ہے اور مباحثہ مطبوعہ مندرجہ رسالہ الحق میں اس کو نمبر چہارم قرار دیا ہے وہ دراصل تحریر نمبر پنجم ہے (چنانچہ اشاعت السنہ نمبر ۸، ۱۰، ۹، ۱۰، ۱۱ جلد ۱۳ کے ملاحظہ سے ناظرین کو معلوم ہوگا) اس تحریر میں قادیانی نے جو کچھ تعامل کے متعلق کہا ہے وہ یہ ہے (جو اشاعت السنہ جلد ۱۳ صفحہ ۲۵۵ اور مباحثہ الحق میں صفحہ ۲۱ مندرج ہے)

ان کا (یعنی محدثین کا) کسی حدیث کی نسبت یہ کہنا کہ یہ صحیح ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ حدیث من کل الوجوه مرتبہ صحت کامل تک پہنچ گئی ہے، ممکن ہے کہ ایک حدیث باوجود صحیح ہونے کے پھر بھی واقعی اور حقیقی طور پر صحیح نہ ہو۔ غرض علم حدیث ایک ظنی علم ہے، جو مفید ظن ہے اور اگر کوئی اس جگہ یہ اعتراض کرے کہ اگر احادیث صرف مرتبہ ظن تک محدود ہیں تو پھر اس سے لازم آتا ہے کہ صوم و صلوة، حج و زکوٰۃ وغیرہ اعمال جو محض حدیثوں کے ذریعہ مفصل طور پر دریافت کئے گئے ہیں وہ سب ظنی ہوں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بڑے دہوکے کی بات ہے کہ ایسا سمجھا جائے کہ یہ تمام اعمال محض روایتی طور پر دریافت کئے گئے ہیں و بس بلکہ ان کے یقینی ہونے کا یہ موجب ہے کہ سلسلہ تعامل ساتھ ساتھ چلا آیا ہے۔ اگر فرض کر لیں کہ یہ فن دنیا میں پیدا نہ ہوتا تو پھر بھی سب اعمال و فرائض دین سلسلہ تعامل کے ذریعہ سے یقینی طور پر معلوم ہوتے۔ خیال کرنا چاہیے کہ جس زمانہ تک حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں کیا اس وقت تک لوگ حج نہیں کرتے تھے، یا نماز نہیں پڑھتے تھے، یا زکوٰۃ نہیں دیتے تھے؟ ہاں اگر یہ صورت پیش آتی کہ لوگ ان تمام احکام و اعمال کو ایک دفعہ چھوڑ بیٹھتے اور صرف روایتوں کے ذریعہ سے وہ باتیں جمع کی جاتیں، تو بے شک یہ درجہ یقینی الثبوت تام کا جو اب ان میں پایا جاتا ہے، ہرگز نہ ہوتا۔ سو یہ ایک دہوکہ ہے کہ ایسا خیال کر لیا جائے کہ احادیث کے ذریعہ سے صوم و صلوة وغیرہ کی تفصیل معلوم ہوئی ہیں، بلکہ وہ سلسلہ تعامل کے ذریعہ سے معلوم ہوتی چلی آئی ہیں اور درحقیقت اس سلسلہ کو فن حدیث سے کچھ تعلق نہیں۔ وہ تو طبعی طور پر ہر ایک مذہب کو لازم ہوتا ہے۔ میرا مطلب تو صرف اس قدر ہے کہ حدیثیں اگر

وہ صحیح بھی ہوں لیکن ان کی صحت کا مرتبہ ظن یا ظن غالب سے زیادہ نہیں سوان حدیثوں کی حقیقی صحت پر کھنے والا قرآن شریف ہے۔

اس تحریر نمبر پنجم (یا بقول قادیانی نمبر چہارم میں) مرزا صاحب نے تعامل اور احادیث محل تعامل کی نسبت اس عبارت کے سوا ایک فقرہ بلکہ ایک لفظ تک نہیں کہا اور اس عبارت میں امور یاد عاویٰ خمسہ مذکورہ کا نام و نشان کہیں پایا نہیں جاتا، بلکہ ان کا خلاف موجود ہے۔ امر اول و پنجم کے برخلاف اس عبارت میں قادیانی نے تعامل قطعی اور یقینی و تام ثبوت کی تمثیل میں صرف اتفاقی احکام و اعمال نماز و حج، زکوٰۃ کو ذکر کر کے یہ جتایا ہے کہ احادیث تعامل سے وہ احادیث مراد ہیں جن پر اتفاق کے ساتھ عمل چلا آیا ہے اور ان کو یقینی و ثبوت تام کا درجہ حاصل ہے۔ اور امر دوم و سوم کے برخلاف اس نے علم احادیث کو ظنی و مفید ظن کہا ہے اور اس فن کو سلسلہ تعامل سے بالکل بے تعلق قرار دیا ہے اور قطعیت حکم صوم و صلوة و حج و زکوٰۃ کو صرف تعامل کا اثر بتایا ہے اور روایت کو اس اثر میں محض بے دخل ٹھہرایا ہے۔ اور امر چہارم و پنجم کے برخلاف اس نے جملہ احادیث کو ظن یا غالب ظن کے مرتبہ میں ٹھہرا کر ان سب کو امتحان صحت کیلئے قرآن پر عرض کرنے کا محتاج ٹھہرایا ہے اور کسی حدیث کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا۔

اب ناظرین انصاف سے کہیں، ان تصریحات و عبارات کے ساتھ اس کا یہ کہنا کہ جو کچھ میں تمہید میں کہہ رہا ہوں وہ تحریر نمبر چہارم میں کہہ آیا ہوں، کذب محض اور دھوکہ دہی نہیں تو کیا ہے؟

نقل عبارت تحریر نمبر پنجم کا دیانی و اثبات مخالفت مضمون آن،

بمضمون تمہید آن کذاب لاثانی

واضح ہو کہ جس اپنی تحریر کو مرزا قادیانی نے تحریر نمبر پنجم قرار دیا ہے اور مباحثہ مندرجہ الحق میں اس کو نمبر پنجم کہا ہے وہ درحقیقت نمبر ہفتم ہے (چنانچہ اشاعت السنہ نمبر ۸ وغیرہ جلد ۱۳۔ اور نمبر ۵ جلد ۱۲ کے ملاحظہ سے ناظرین کو معلوم ہوگا) اس تحریر میں قادیانی نے جو کچھ متعلق تعامل و احادیث کہا ہے، وہ یہ ہے (جو اشاعت السنہ نمبر ۵ ج ۱۲ میں صفحہ ۱۱۸ وغیرہ اور مباحثہ

مندرجہ الٰحق میں صفحہ ۳۱ وغیرہ منقول ہے):

احادیث کے دو حصہ ہیں ایک وہ حصہ جو سلسلہ تعامل کی پناہ میں کامل طور پر آ گیا ہے۔ یعنی وہ حدیثیں جن کو تعامل کے محکم اور قوی اور لاریب سلسلہ نے قوت دی ہے اور مرتبہ یقین تک پہنچا دیا ہے جس میں تمام ضروریات دین اور عبادات اور عقود اور معاملات اور احکام شرع متین داخل ہیں۔ سوائی حدیثیں تو بلاشبہ یقین اور کامل ثبوت کی حد تک پہنچ گئی ہیں۔ اور جو کچھ ان حدیثوں کو قوت حاصل ہے وہ قوت فن حدیث کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہوئی اور نہ وہ احادیث منقولہ کی ذاتی قوت ہے، اور نہ وہ راویوں کی وثاقت و اعتبار کی وجہ سے ہوئی ہے، بلکہ وہ قوت بکرکت و طفیل سلسلہ تعامل پیدا ہوئی ہے۔ سو میں ایسی حدیثوں کو جہاں تک ان کو سلسلہ تعامل سے قوت ملی ہے، ایک مرتبہ یقین تک تسلیم کرتا ہوں لیکن دوسرا حصہ حدیثوں کا جس کو سلسلہ تعامل سے کچھ تعلق اور رشتہ نہیں اور صرف راویوں کے سہارے سے ان کی راست گوئی کے اعتبار پر قبول کی گئی ہیں، ان کو میں مرتبہ ظن سے بڑھ کر خیال نہیں کرتا، اور غایت کار مفید ظن ہو سکتی ہیں کیونکہ جس طریق سے وہ حاصل کی گئیں ہیں وہ یقینی اور قطعی الثبوت طریق نہیں ہے، بلکہ بہت سی آویزش کی جگہ ہے۔ وجہ یہ کہ ان حدیثوں کا فی الواقع صحیح اور راست ہونا تمام راویوں کی صداقت اور نیک چلنی اور سلامت فہم اور سلامت حافظہ اور تقویٰ طہارت وغیرہ شرائط پر موقوف ہے۔ اور ان تمام امور کا کما حقہ اطمینان کے موافق فیصلہ ہونا اور کامل درجہ ثبوت پر، جو حکم روایت کا رکھتا ہے، پہنچنا حکم محال کا رکھتا ہے۔ سو چونکہ واقعی صورت یہی ہے کہ جس قدر حدیثیں تعامل کے سلسلہ سے فیض یاب ہیں وہ بحسب استفاضہ اور بقدر اپنی فیض یابی کے، یقین کے درجہ تک پہنچ گئی ہیں۔ لیکن باقی حدیثیں ظن کے مرتبہ سے زیادہ نہیں۔ غایت کار بعض حدیثیں ظن غالب کے مرتبہ تک ہیں۔ اس لئے میرا مذہب بخاری و مسلم وغیرہ کتب کی نسبت یہی ہے جو میں نے بیان کر دیا ہے یعنی مراتب صحت میں یہ تمام حدیثیں یکساں نہیں ہیں۔ بعض بوجہ تعلق سلسلہ تعامل یقین کی حد تک پہنچ گئی ہیں، بعض باعث محروم رہنے کے اس تعلق سے، ظن کی حالت میں ہیں۔ لیکن اس حالت میں، میں حدیث کو، جب تک قرآن کے صریح مخالف نہ ہو، موضوع قرار نہیں دے سکتا۔

ہر چند محدثین نے اپنے طریق پر روایت کی حالت کو صحت یا غیر صحت حدیث کیلئے مقرر کیا، لیکن کبھی

انہوں نے دعویٰ نہیں کیا کہ یہ معیار کامل اور قرآن کریم سے مستغنی کرنے والا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بوجہ اس کے کہ بجز نبی کے اور کوئی معصوم نہیں ٹھہر سکتا، اور امکانی طور پر صدور کذب وغیرہ ذنوب کا ہر ایک سے بجز نبی کے ممکن الوقوع ہے، لہذا رواۃ کے حالات صدق و کذب و دیانت و خیانت کے پرکھنے کیلئے بڑی کامل تحقیقات درکار تھی، تا ان حدیثوں کو مرتبہ یقین کامل تک پہنچاتی، لیکن وہ تحقیقات میسر نہیں آسکی۔ سو ہر ایک منصف اور ایمان دار کو یہی مذہب اور عقیدہ رکھنا پڑتا ہے، کہ بجز ان حدیثوں کے جو آفتاب سلسلہ تعامل سے منور چلی آتی ہیں، باقی تمام حدیثیں کسی قدر تاریکی سے پر ہیں اور صاف ظاہر ہے کہ چونکہ وہ تمام حدیثیں سلسلہ تعامل کی تقویت یاب نہیں، صرف ظن یا شک کے درجہ پر ہیں۔ اور فن حدیث کی تحقیقات میں ان کو ثبوت کامل کے درجہ تک نہیں پہنچا سکتیں..... میری غرض تو صرف اس قدر ہے کہ حدیثوں کو قرآن کریم سے مطابق ہونا چاہیے، ہاں اگر سلسلہ تعامل کی رو سے کسی حدیث کا مضمون قرآن کے کسی خاص حکم سے بظاہر منافی معلوم ہو تو اس کو بھی تسلیم کر سکتا ہوں، کیونکہ سلسلہ تعامل حجت قوی ہے۔ میں صحیح بخاری اور مسلم کی حدیثوں کو یوں ہی بلا وجہ ضعیف اور موضوع قرار نہیں دے سکتا، بلکہ میرا ان کی نسبت حسن ظن ہے۔ ہاں جو حدیث قرآن کریم کے مخالف ہوگی اس کو میں، من جانب رسول کریم ﷺ یقین نہیں کرونگا۔ ہاں سلسلہ تعامل کی حدیثیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اس عبارت میں بھی امور خمسہ مذکورہ بالا مندرجہ تمہید قادیانی کا نام و نشان پایا نہیں جاتا بلکہ تحریر نمبر چہارم سے بڑھ کر ان امور کا خلاف اس میں موجود ہے۔

امراول و پنجم کے برخلاف اس میں احادیث حصہ اول متعلقہ سلسلہ تعامل کا ایک مرتبہ یقین و کامل ثبوت مقرر کیا ہے اور باقی احادیث حصہ دوم کا (جن کو تعامل سے تعلق نہیں) مرتبہ ظن یا غالب ظن ٹھہرایا۔ اس کی عبارت میں حصہ اول کی نسبت الفاظ: ایک مرتبہ یقین، کامل ثبوت؛ وغیرہ استعمال کئے گئے ہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں حصہ دوم کی نسبت یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں کہ وہ مرتبہ ظن سے بڑھ کر نہیں، غایت کار بعض حدیثیں ظن غالب کے مرتبہ پر ہیں۔ وہ یقینی اور قطعی الثبوت نہیں وغیرہ۔

ہر چند حصہ اول کی نسبت اس نے ایک لفظ بحسب استفاضہ و بقدر فیض یا بی بھی بول دیا ہے لیکن چونکہ وہ لفظ اس نے مقابلہ ظن و غالب ظن بولا ہے لہذا اس لفظ سے جو درجہ مراد ہوگا وہ ضرور ایک یقین ہی کا

درجہ ہوگا، اس سے ظن غالب کا درجہ مراد نہ ہو سکے گا، جیسا کہ اس نے اب تمہید میں ادنیٰ درجہ یقین کو ظن غالب قرار دیا ہے۔ اور زور روشن میں اپنے اتباع کی آنکھوں میں خاک ڈالنا چاہا ہے۔

اور امر دوم سوم کا خلاف بڑے زور و شور سے کیا، اور صاف کہہ دیا کہ جو قوت حصہ اول احادیث کو حاصل ہے وہ روایت سے اور راویوں کی وثوق و اعتبار کی وجہ سے نہیں ہے، اور نہ وہ حدیث کی ذاتی قوت ہے اور نہ اس فن کی تحقیقاتیں قطعی اور یقینی ہیں، اور نہ وہ ثبوت کامل کی مثبت ہو سکتی ہیں، بلکہ وہ صرف تعامل کی وجہ سے ولس۔

امر چہارم کے ان الفاظ کو کہ: احادیث تعامل قرآن پر عرض ہونے کی محتاج نہیں، گویا الفاظ تحریر پنجم (یا ہفتم) قادیانی سے ظاہری اتفاق ہے، مگر ان الفاظ کے معانی کو مضمون تحریر پنجم (یا ہفتم) سے کلی اختلاف ہے۔

الفاظ امر چہارم تمہید میں مرزا قادیانی نے احادیث تعامل کو ایسا عام اور وسیع کیا ہے کہ احادیث متعلقہ فروعات اختلافیہ رفع یدین وغیرہ کو جو با اتفاق امت محمدیہ ظنیات سے ہیں، ان میں شامل کر لیا ہے۔ اور پھر ظن کو ایک ادنیٰ مرتبہ یقینی قرار دے کر ان ظنیات فرعیہ اختلافیہ کو اس مرتبہ میں داخل کر کے یقین بنا لیا ہے۔ مگر مضمون تحریر

پنجم (یا ہفتم) میں احادیث متعلق تعامل کو بلاشبہ یقین اور کامل ثبوت کی قیدیں لگا کر ان احادیث سے مخصوص کر دیا ہے جو محل اتفاق ہیں، اور ان کے عمل میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، جیسے احادیث متعلقہ حکم فرضیت صلوٰۃ، صوم یا

عدد رکعات ہیں۔ لہذا مضمون تحریر پنجم (یا ہفتم) کا یہ فیصلہ ہے کہ جو احادیث بلا اختلاف متعلق تعامل ہیں اور وہ بلاشبہ اور بلا ریب قطعی و یقینی ہیں اور ثبوت کامل کے درجہ تک پہنچ چکی ہیں، وہ محتاج عرض قرآن نہیں ہیں، باقی

سب احادیث جنکے عمل و ترک میں اختلاف ہے اور اس وجہ سے وہ رتبہ صحت و ثبوت کامل تک نہیں پہنچیں، اور وہ بلاشبہ قطعی و یقینی نہیں، وہ قرآن پر عرض ہونے کی محتاج ہیں۔ اور یہ فیصلہ امر چہارم تمہید کے صریح مخالف ہے۔

اس بیان سے ہماری تجویز کی شق اول ثابت ہوئی اور یہ بات ثبوت کو پہنچی کہ جو کچھ مرزا قادیانی نے

تمہید میں بیان کیا ہے اس کی تحریر چہارم و پنجم وغیرہ میں اس کا نام و نشان نہیں، بلکہ صریح خلاف موجود ہے۔ اس بیان میں مرزا قادیانی نے جھوٹ بولا ہے اور مسلمانوں کو دہوکہ دیا ہے۔

## ہماری تجویز کی دوسری شق کا جواب

فرض کیا اور بطور تنزل مان لیا کہ قادیانی کا بیان تمہید اس کی تحریر نمبر چہارم و پنجم میں موجود ہے، تاہم اس بیان میں ہمارے سوال کا جواب کامل و قطعی نہیں ہے۔ اس بیان میں گواحدیث صحیحین متعلقہ عمل کو صحیح و قطعی الثبوت و واجب العمل مان لیا ہے، مگر ان احادیث کی نسبت جو متعلق عمل نہیں بلکہ متعلق قصص و اخبار ہیں (جیسے احادیث نزول مسج) کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا۔ بلکہ شرطی طور پر یہ کہا ہے کہ اگر ان کا مضمون موافق قرآن ہوگا تو ان کو صحیح تسلیم کیا جائے گا، بخلاف ہوگا تو موضوع قرار دیا جائے گا۔ پھر اس امر کا قطعی فیصلہ نہیں کیا کہ احادیث متعلقہ نزول مسج کا واقعی اور اصلی مضمون موافق قرآن ہے۔ و بناءً علیہ صحیح و واجب التسلیم ہے۔ یا وہ مضمون مخالف قرآن ہے، لہذا وہ احادیث موضوع ہیں۔ بلکہ ان کی نسبت شتر مرغی اختیار کر کے دورخی بات کہی ہے کہ ان احادیث کے جوٹا ہری معنی علماء کرتے ہیں، ان معنی کی نظر سے وہ احادیث موضوع ہیں، اور جوٹا ویلی معنی ہم خود بدولت کرتے ہیں ان معنی کی نظر سے وہ صحیح اور موافق قرآن ہیں۔ جس پر اس سوال کی جگہ ہے کہ ان احادیث کے معانی واقع اور نفس الامر میں مراد شارع ﷺ ایک ہی ہوں گے۔ ظاہری (جو علماء اسلام بحکم قواعد مقررہ و مسلمہ مراد شارع ٹھہراتے ہیں) یا تا ویلی و تحریفی (جو از روئے الحاد و باطنیت خود بدولت مراد لیتے ہیں) پس اگر آپ کی رائے و اعتقاد میں ان احادیث کے وہی تا ویلی معنی صحیح ہیں جو آپ نے گھڑ لئے ہیں اور وہ آپ کے خیال میں قرآن مجید کے موافق و مطابق ہیں تو آپ کو جزم و یقین کے ساتھ ان احادیث کو صحیح اور قطعی الثبوت اور واجب القبول قرار دینا چاہیے، اور بر ملا اور صاف صاف کہنا چاہیے کہ ان احادیث کے یقیناً یہی معنی ہیں اور یہ قرآن مجید کے عین مطابق و موافق ہیں اور اس موافقت قرآن کے مقتضیاً یہ احادیث صحیح و قطعی و واجب القبول ہیں۔ اور ان معنی کے یقین صحت اور اس یقین صحت معنی کی نظر سے یقین صحت احادیث مذکورہ کے ساتھ آپ کا ان احادیث کو ظاہری معنی کی نظر سے (جو آپ کے نزدیک صحیح نہیں) موضوع کہنا ہرگز جائز نہیں۔ یہ کہنا بعینہ ایسا ہے کہ کوئی شخص کسی آیت قرآن کے ایک معنی کو یقیناً صحیح و مراد خداوندی سمجھے اور دوسرے معنی کو غلط قرار دے اور پھر کسی شخص کے دوسرے معنی کی تجویز پر یوں کہے کہ اگر اس آیت سے دوسرے معنی مراد ہیں تو یہ آیت قرآن کی آیت نہیں

ہے، بلکہ یہ کسی انسان کا کلام ہے جو قرآن میں ملایا گیا ہے۔

اس شرطی نفی و انکار کو کوئی عاقل صحیح تسلیم نہیں کر سکتا۔ بلکہ ہر کس ذی ہوش و حواس اس شرطیہ طور پر منکر آیت قرآن کو یہ الزام دے سکتا ہے کہ اگر تیرے نزدیک آیت کے ایک وہی معنی صحیح و متعین ہیں جو تیرے خیال میں ہیں اور دوسرے معنی غلط ہیں تو تجھے جزم و یقین کے ساتھ ان معنی کی صحت کا دعویٰ کرنا اور بناء علیہ آیت کو آیت قرآن اور اس کا جزء سمجھنا واجب ہے اور دوسرے معنی کو غلط قرار دینا لازم۔ نہ یہ کہ اس غلط معنی کی نظر سے آیت کو قرآن سے خارج کرنا۔

ایسا ہی مرزا قادیانی پر یہ الزام قائم ہو سکتا ہے کہ اگر تمہارے نزدیک احادیث نزول مسیح کے وہی تاویلی معنی متعین و متیقن جو تمہارے خیال میں ہیں تو ان احادیث کو نفاہ کی آواز سے صحیح ماننا تم پر واجب ہے، نہ ظاہری معنی کی نظر و شرط سے (جن کو تم صحیح نہیں سمجھتے) ان کو موضوع قرار دینا یا ان دونوں معنی کی نظر سے صحت احادیث میں شک و تردید ظاہر کرنا اور یوں کہنا کہ اگر ان احادیث کے ظاہری مراد ہیں تو یہ موضوع ہیں اور اگر تاویلی مراد لیں تو صحیح ہیں۔ مرزا قادیانی کے جواب کو قطعی اور کامل جاننے والو، بتاؤ اب بھی اس جواب کو قطعی اور صحیح و کامل کہو گے؟ قادیانی کی محبت میں جو اندھے اور کانے ہو رہے ہیں وہ اب بھی اس جواب کو قطعی اور کامل کہیں تو محل تعجب و افسوس نہیں مگر صحیح و سلیم الحواس ناظرین و سامعین سے تو امید کامل ہے کہ وہ ہماری اس تقریر کو پڑھ کر یا سن کر قادیانی کے اس جواب کو یقیناً غیر قطعی و نا کامل قرار دیں گے اور اس سے مرزا قادیانی کی دہوکہ بازی اور چالاکی کا یقین کریں گے اور اس کو اس جواب کی نظر سے شتر مرغ یا روباہ صفت سمجھیں گے اور اس قسم کی باتوں سے اس کی شعبدہ بازی کا یقین کریں گے۔

## ہماری تجویز کی تیسری شق کا ثبوت

یہ بھی بطور فرض مجال، فرض کیا اور بطور منزل مان لیا کہ قادیانی نے جو جواب دیا ہے یہ بجائے خود قطعی جواب اور کامل ہے، لیکن یہ جواب اسلام خصوصاً مذہب اہل سنت و جماعت کی رو سے صحیح نہیں ہے، بلکہ لحدانہ

جواب ہے کیونکہ اس جواب میں احادیث متعلقہ عمل کو اگرچہ ان کے عمل و ترک میں اختلاف ہو، قطعی صحیح اور بلا ریب قوی اور یقینی الثبوت کہا ہے اور تعلیمات اور احکام قرآن پر زیادتی کرنے والے اور اجمال و اشارات قرآن کی تفسیر و تفصیل کر نیوالے قرار دیا ہے اور ان احادیث کو جو متعلق عمل نہ ہوں مشتبہ و شکلی، اور بلا شہادت و موافقت قرآن ناقابل قبول قرار دیا ہے۔ اور اس رتبہ سے گرایا ہے کہ وہ بیان قرآن پر کچھ زیادتی کریں۔ یا اس کے اجمال و اشارہ کی تفسیر و تفصیل کر سکیں۔ اور یہ محض لہذا نہ اصول ہے جس سے احادیث متعلقہ عقائد کا جو اہل سنت کے نزدیک قطعیات سے ہیں، رد و ابطال اور احادیث متعلقہ فروعاً اختلافیہ سے کتاب اللہ کا نسخ متصور ہے۔ اور یہی اس اصول کی تمہید و تقریر سے مرزا قادیانی کا مقصود ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ فروعاً اختلافیہ کے متعلق جس حدیث کو کوئی چاہے دست آوریز بنا کر کتاب اللہ پر زیادتی کر لے، جو نسخ کہلاتا ہے۔ اور عقائد متفق علیہ اہل سنت و جماعت کے متعلق احادیث سے جس حدیث کو مثلاً احادیث متعلقہ توحید و صفات یا احادیث متضمنہ تفصیل حالات برزخ (قبض روح، عذاب قبر، سوال منکر نکیر) و حالات محشر (علامات قیامت، حشر، اخبار و احداث و عبور پل صراط، حساب، وزن اعمال) و نعیم جنت (دیدار خدا و حور و قصور، انہار و اشجار) و آلام جہنم (طوق و اغلال وغیرہ) چاہے خیر باد کہہ کر ملحد و زندیق و نیچری بن جائے، اور اس پر مرزا قادیانی کی یہ دلیل پیش کرے کہ یہ احادیث متعلق عمل نہیں صرف قصص و اخبار کے متعلق ہیں۔ لہذا ان کی صحت شکلی و مشتبہ ہے اور بلا شہادت و موافقت قرآن ان کو قبول کرنا جائز نہیں اور قرآن میں ان تفصیل کا نام و نشان نہیں۔ اس میں مجملأً احوال برزخ و قیامت کا بیان ہے جس پر ان احادیث کے بیان سے زیادتی جائز نہیں۔ اور یہ حدیثیں اس لائق نہیں کہ اس اجمال قرآن کی تفسیر و تفصیل بن سکیں کیونکہ یہ احادیث تعال یعنی عمل کے قوی اور بلا ریب سلسلہ میں نہیں آئیں۔ اور اس آفتاب کی روشنی سے فیض یاب نہیں ہوئیں۔

اسلام خصوصاً مذہب اہل سنت اس لہذا نہ اصول کے دونوں جزء کا مخالف ہے۔ وہ احادیث صحیحہ متعلقہ فروعاً اختلافیہ کو اگرچہ واجب العمل قرار دیتا ہے مگر ان کو قطعی و یقینی الثبوت نہیں کہتا۔ بلکہ باوجود واجب العمل قرار دینے کے ان کو مرتبہ ظن میں جگہ دیتا ہے۔ اور عملیات میں ظن کو لائق عمل قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ہماری تحریر نمبر ۶ میں بیان ہوا اور آئندہ بھی ہوگا، اسلام میں ایسا کوئی شخص آج تک نہیں ہوا جو اختلافی



مسئلہ فرعی کو یقینی و قطعی و بلا ریب، قوی کہے۔ اور احادیث متعلقہ اعتقاد کو احادیث عمل سے بڑھ کر واجب القبول قرار دے۔ وہ احادیث جو اسلام خصوصاً مذہب اہل سنت میں قطعی و یقینی الثبوت تسلیم کی گئی ہیں، دوا و این اسلام، کتب حدیث و کتب عقائد میں ان احادیث اور ان سے مستخرجہ مسائل کو عقائد اسلامیہ میں شمار کیا گیا ہے۔ اور ان احادیث اور ان مسائل کی نسبت محدثین و آئمہ کلام کا دعویٰ شہرت و تواتر ہے۔ وہ ان احادیث کو حد شہرت یا تواتر تک پہنچی ہوئی نہ سمجھتے تو ان احادیث اور ان مسائل کو عقائد اسلامیہ میں ہرگز شمار نہ کرتے۔ کیونکہ یہ مسئلہ ان میں مسلم و متفق چلا آتا ہے کہ باب عقائد میں ظلیات پر اعتماد جائز نہیں اور عقائد کی بنا قطعیات پر ہے اور اس مسئلہ پر ان کا نصوص کتاب اللہ سے استدلال و استشہاد ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا ہے: سيقول الذين اشرکوا لو شاء الله ما اشرکنا و لا آباءنا و لا حرمنا من شىء۔ کذا لک کذب الذین من قبلهم حتی ذاقوا باسنا قل هل عندکم من علم فتخرجوه لنا۔ ان تتبعون الا الظن و ان انتم الا تخرسون۔ (انعام۔ ع ۱۸)۔ شتاب منکر کہیں گے خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ، اور نہ ہم کسی چیز کو (اپنی طرف سے) حرام بناتے۔ ایسا ہی ان سے پہلوں نے جھٹلایا، یہاں تک کہ ہمارا عذاب چکھ لیا، تو ان سے کہہ دے تمہارے پاس (اس بیان پر) کوئی یقینی سند ہے جس کو نکال سکو۔ تم تو ظن ہی کے پیچھے لگتے اور انکل دوڑا رہے ہو۔

اور فرمایا: و ما يتبع اکثرهم الا ظنا۔ ان الظن لا یغنی عن الحق شیئاً۔ ان اللہ علیم بما یفعلون۔ (یونس۔ ع ۴) ان میں بہت لوگ ظن ہی کے پیچھے لگتے ہیں اور ظن حق کا کام کچھ نہیں دیتا اور اللہ جانتا ہے جو یہ کرتے ہیں۔

پہلی آیت کی تفسیر میں قاضی بیضاوی نے کہا ہے اس آیت میں ظن کی پیروی سے ممانعت پائی جاتی ہے خصوصاً اعتقادی مسائل میں، شائد یہ ممانعت اس موقع پر ہو جہاں ظن کے مقابلہ میں کوئی یقینی امر ہو، کیونکہ آیت کا مورد نزول ایسا موقع ہے۔

لفظ نشاء قاضی بیضاوی نے اس خیال سے بولا ہے کہ الفاظ قرآن کے عموم کا اعتبار ہے نہ خاص

مورد نزول کا، اور یہ امر بہت سی آیات و احادیث سے ثابت ہے۔ اور اسی کے موافق علمائے اسلام کا زمانہ صحابہ سے عمل چلا آیا ہے۔ لہذا اس آیت میں ہر ایک ظنی امر کے اتباع سے باب اعتقاد میں ممانعت ہے۔ اس کو اس ظنی امر سے (جس کے مقابلہ میں کوئی قطعی امر ہو) خاص کر نا صحیح نہیں ہے۔

اور بیضاوی نے دوسری آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس آیت میں اس امر کی دلیل پائی جاتی ہے کہ باب اعتقاد میں یقین حاصل کرنا واجب ہے، اس میں ظن و تقلید پر اکتفا جائز نہیں۔ خدا کا یہ فرمانا کہ خدا جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اتباع ظن اور ترک دلیل پر عذاب سے ڈرانا ہے۔

ایسا ہی دوسری آیت کی تفسیر میں نواب صدیق حسن نے فتح البیان میں لکھا ہے۔

کرنی نے کہا ہے اس آیت میں اس بات کی دلیل پائی جاتی ہے کہ باب اعتقاد میں علم (یعنی یقین) حاصل کرنا واجب ہے اور ظن و تقلید کو کافی سمجھنا جائز نہیں کیونکہ دین یقین ہی بتاتا ہے اور اسی یقین سے حق واضح ہوتا ہے اور ظن اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا، اور اس سے حق معلوم نہیں ہوتا۔ وہ ظن کسی امر حق میں کام نہیں دیتا۔ خدا کا یہ فرمانا ظن کے باطل ہونے کے بیان کے لئے ہے۔ اس میں حق سے علم مراد ہے۔

اور امام رازیؒ نے فرمایا ہے: مسائل اعتقاد یہ یقینیہ میں ظن پر اعتماد جائز نہیں،

امام سیوطیؒ نے امام رازیؒ کا یہ کلام تفسیر ائقان میں نقل کر کے فرمایا ہے: تجھے یہ کلام اس امام کا اس باب میں بس ہے۔

بحر العلوم لکھنویؒ نے شرح مسلم الثبوت میں فرمایا ہے: اعتقاد ظن سے حاصل نہیں ہوتا۔ ہاں اعمال میں ظن پر بھی عمل جائز ہے۔

تفتازانیؒ نے تلوح میں فرمایا ہے: اعتقادی مسائل کے دے راویوں کی حدیثوں سے ثابت نہیں ہوتے کیونکہ اعتقادیات کی بنا یقین پر ہوتی ہے۔

علامہ ہارونؒ نے نا طور الحق میں لکھا ہے: تو جان چکا ہے کہ باب اعتقاد میں ظن و قیاس جاری نہیں ہوتا اور اعتقاد، اجتہاد اور لوگوں کی رائے سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس میں حق قطعی ہوتا ہے جس میں اختلاف متصور نہیں۔

ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں بجواب اس قول علاء الدین تونوی کے کہ جمعرات اور جمعہ کے دن اہل قبور

سے عذاب اٹھایا جاتا ہے، پھر وہ قیامت تک عود نہیں کرتا، فرمایا ہے: یہ بات مخفی نہیں ہے کہ عقائد کے باب میں یقینی دلائل معتبر ہیں، نہ اکے دے راویوں کی حدیثیں، جو ظنی ہوتی ہیں۔ ہاں جبکہ وہ کئی طریق (راویوں) سے مروی ہوں اور تو اتر معنوی کو پہنچ جائیں تو اس وقت وہ بھی قطعی ہو جاتی ہیں۔

اور ملا علی قاریؒ نے سم القوارض فی ذم الروافض میں فرمایا ہے۔

اہل علم و صاحب فہم یہ بات جانتے ہیں کہ عقائد کی بنا قطعی دلائل پر قائم ہوتی ہے، نہ ظنی دلائل پر جو مسائل فرعیہ فقہیہ میں کام دیتے ہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے کافروں کی مذمت میں فرمایا ہے کہ وہ ظن ہی کے پیچھے لگتے ہیں، اور ظن حق سے کام نہیں دیتا، تو اس سے منہ پھیر لے، جو ہماری نصیحت سے پھر جاتا ہے اور بجز زندگی دنیا کے کچھ نہیں چاہتا وہی ان کی سمجھ کی حد ہے، تیرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکا ہوا ہے اور جو اس کی راہ پر ہے۔ اور اس باب میں آیات بکثرت موجود اور احادیث مشہور ہیں اور اس پر اجماع قائم ہے، ان لوگوں کے نزدیک جن کو علم ہے۔

ایسا ہی شیخ عبدالحقؒ نے تکمیل الایمان میں فرمایا ہے۔ اور کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب میں آپ نے فرمایا ہے: شیخ علاء الدین قونوی کہ از محققین علمائے شافعیہ است مے گوید کہ آنچہ بر من ظاہر میشود، اینست کہ اعتقاد حیات انبیاء علیہ السلام در قبور و وجود ایشان دروے بوجہیکہ پیش از وفات ثابت بود استمرار و استقرار ایشان در قبور ہمہریر و وجہ از مسائل فروع نیست۔ کہ دروے بدلائل ظنیہ غیر قطعیه اکتفا رود و بمشاہدہ عیانی ثابت شدہ کہ حیاتے کہ ایشانرا پیش از وفات ثابت بود زوال پذیرفتہ و فانی شدہ و عود آن حیات را دلیلی قطعی و حجت ساطع باید تا اعتقاد بدان صورت بندد۔

یہ ان حضرات کی عبارات و تصریحات کا ترجمہ ہے اور اصل عبارات ہمارے رسالہ اشاعت السنۃ نمبر ۵ جلد ۹ میں منقول ہیں۔ ان تصریحات و استدلال کے ساتھ ان حضرات محدثین و متکلمین و مفسرین نے عقائد مذکورہ کو اپنی کتب میں بیان کیا اور ان پر احادیث مذکورہ سے تمسک و استدلال کیا ہے تو اس کی وجہ بجز اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ انہوں نے ان احادیث کو حد شہرت و تو تر تک پہنچی ہوئی جانا اور قطعیات میں شمار کیا ہے۔ اور اگر وہ ان احادیث کو اخبار احاد سمجھتے اور ان عقائد کو جو ان احادیث سے ثابت ہیں، ظنیات خیال کرتے ہیں، تو

تصریحات بالا کے ساتھ وہ ان عقائد کو اسلامی و سنی عقائد نہ ٹھہراتے اور اپنی کتب حدیث و تفسیر و عقائد میں ان پر ایمان لانے کی رغبت نہ دلاتے۔

یہ جو ہم نے کہا ہے اس میں محض ظن و استنباط سے کام نہیں لیا۔ اور صرف ان حضرات کے عمل سے نتیجہ کا استخراج و اثبات نہیں کیا۔ ان آئمہ نے تصریح و توضیح کے ساتھ خود بھی ان احادیث کی نسبت شہرت و تواتر کا دعویٰ کیا اور صاف کہہ دیا ہے کہ یہ احادیث حد تو اترا شہرت کو پہنچ گئی ہیں۔

فتویٰ علمائے پنجاب و ہندوستان بحق میرزا قادیان (مندرجہ نمبر ۵ وغیرہ جلد ۱۳، اشاعت السنۃ) میں علماء متکلمین و مفسرین کے بعض اقوال کو ناظرین دیکھ چکے ہیں۔ متکلمین کے مزید اقوال دیکھنے ہوں تو شرح عقائد و شرح مقاصد میں ملاحظہ کریں۔ اس مقام میں بعض محدثین کے اقوال نقل کرتے ہیں جن میں احادیث متعلقہ نزول مسیح و خروج دجال وغیرہ کو حد تو اتر تک پہنچنے والی اور یقینی قرار دیا گیا ہے۔

امام شوکانیؒ رسالہ توضیح میں احادیث نزول مسیح کو ذکر کر کے فرماتے ہیں:

فهذه تسعة و عشرون حديثاً تنضم اليها احاديث آخر ذكر فيها نزول عيسى منها ما هو مذکور في احاديث الدجال و منها ما هو مذکور في احاديث المنتظر و تنضم الي ذلك ايضاً الآثار الواردة عن الصحابة فلها حكم الرفع اذ لا مجال للاجتهاد في ذلك فمنها عن ابي هريره عند ابن ابي شيبه، و منها عنه ايضاً، ذكورة في كنز العمال، و منها عنه ايضاً ذكره فيه و منها عن ابن عباس ذكره في الكنز، و منها عنه ايضاً ذكره فيه و منها عن عبد الله بن عمر ذكره ابن ابي شيبه، و منها عن ابن مسعود ذكره في كنز العمال، و جميع ما سقناه بالغ حد التواتر كما لا يخفى على من له فضل اطلاع فتقرر بجميع ما سقناه في هذا ان الاحاديث الواردة في المهدي المنتظر متواترة و الاحاديث الواردة في الدجال متواترة و الاحاديث الواردة في نزول عيسى ممتواترة و في هذا المقدار كفاية لمن له هداية. (حجج عن التوضيح) کہ یہ نئی حدیثیں ہیں جن کے ساتھ اور احادیث بھی شامل ہو سکتی

ہیں۔ جن میں حضرت مسیح کے نزول کا ذکر ہے۔ از انجملہ بعض وہ ہیں جو احادیث متعلقہ دجال کے ضمن میں مذکور ہیں۔ بعض ایسی ہیں جو احادیث مہدی موعود کے ضمن میں مذکور ہیں اور ان کے ساتھ صحابہ کے آثار و اقوال بھی شامل ہو سکتے ہیں جو حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں کیونکہ ایسی احادیث کے بیان میں اصحاب کے اجتہاد و رائے کا دخل نہیں ہو سکتا۔ از انجملہ ابو ہریرہ کی حدیث ابن ابی شیبہ کی کتاب میں، ایک اور اس کی حدیث کنز العمال میں ہے۔ اس میں ان کی ایک اور حدیث ہے۔ و از انجملہ ایک حدیث کنز العمال میں ابن عباس سے ہے، اس میں ایک حدیث ان کی اور ہے۔ از انجملہ عبد اللہ بن عمر کی حدیث ابن ابی شیبہ نے بیان کی ہے و از انجملہ ابن مسعود کی حدیث ہے جو کنز العمال میں ہے۔ یہ سب حدیثیں جن کو ہم نے بیان کیا ہے، مل کر حد تو اتر تک پہنچ چکی ہیں۔ ہماری اس نقل و بیان روایات سے ثابت ہوا کہ جو احادیث مہدی موعود کے باب میں وارد ہیں وہ متواتر ہیں اور جود جال کے حق میں وارد ہیں وہ بھی متواتر ہیں اور جو حضرت عیسیٰ کے نزول کے متعلق وارد ہیں وہ بھی متواتر ہیں۔ اس قدر بیان میں اس شخص کے لئے کفایت ہے جس کو ہدایت حاصل ہے۔

اور نیز امام شوکانیؒ نے توضیح میں کہا ہے کہ:

و اما الاحادیث الواردة فی الدجال فالذی اذکره هنا مائة حدیث ثم سردھا بقوله الاول و الثانی الی آخر المائة ثم قال و اقتصر علی هذا المقدار فلیس المراد هنا الابیان کون احادیث خروج الدجال متواترة و المتواتر یحصل بالبعض مما سقناه و قد بقیت احادیث و آثار عن جماعة من الصحابة ترکنا ذکرھا و وقفنا علی هذه المائة الحدیث التي اشرنا الیها و الی من خر جھا (حجج عن التوضیح) کہ دجال کے باب میں جو احادیث وارد ہیں، از انجملہ جو اس مقام میں ہم بیان کرنا چاہتے ہیں وہ سوا حدیث ہیں۔ پھر ان کو نام بنام ذکر و شمار کیا اور اس کے بعد فرمایا۔ اب ہم کو چاہیے کہ اس قدر پر بس کریں۔ اس سے ہمارا مقصود صرف اس امر کا بیان ہے کہ احادیث دجال متواتر ہیں اور تو اتر صرف بعض احادیث سے، جو ہم نے بیان کیے ہیں، حاصل و ثابت ہو سکتا ہے اور ہنوز بہت سی احادیث و آثار صحابہ باقی ہیں، جنکے ذکر کو ہم نے ترک کر دیا ہے اور ان ہی سوا حدیث کے بیان پر وقفہ کیا ہے۔

اور نیز امام شوکانی نے توضیح میں کہا ہے:

ورد السؤال من بعض الاعلام عن الاحاديث الواردة في هواء هل هي متواترة ام لا؟ فاقول اما الاحاديث الواردة في المهدي فالذي امكن الوقوف عليه منها خمسون حديثاً ثم صردها لقوله الاول والثاني الى آخر الخمسين ثم قال فهذه خمسون حديثاً فيها الصحيح والحسن والضعيف المنجبر وهي متواترة بلا شك ولا شبهة بل يصدق وصف التواتر على ما هو دونها على جميع الاصطلاحات المجردة في الاصول و.. هنا انتهى الكلام على الاحاديث الواردة في المهدي واما الآثار عن الصحابة المصروفة بالمهدي فهي كثيرة الى ان ذكر ثمانية وعشرين ثم قال فهذه ثمانية وعشرون اثراً لها حكم الرفع اذ لا مجال للاجتهاد في مثل ذلك - (توضيح على ما في الحجج) کہ بعض علماء اعلام نے سوال کیا ہے کہ ان لوگوں کے حق میں جو احادیث وارد ہیں، وہ متواتر ہیں یا نہیں۔ اس کے جواب میں، میں کہتا ہوں کہ جو احادیث امام مہدی کے باب میں وارد ہیں، از انجملہ جن احادیث سے لوگوں کا واقف ہونا ممکن ہو وہ پچاس ہیں۔ پھر ان احادیث کو از اول و دوم تا آخر پچاس تک بیان کیا۔ پھر کہا یہ پچاس حدیثیں ہیں جن میں سے کوئی صحیح ہے، کوئی حسن ہے، کوئی ضعیف جس کے ضعف کا جبر نقصان ہو چکا ہے، اور وہ بلا شک و شبہ متواتر ہیں، بلکہ یہ صفت تواتر تو ان سے کم درجہ احادیث پر صادق آتی ہے۔ یہ احادیث مرفوعہ کے متعلق گفتگو ہے، رہے آثار صحابہ جو آمد امام مہدی کو بضریح بیان کرتے ہیں، سو بہت ہیں پھر ان کو اٹھارہ تک شمار کیا، پھر کہا یہ اٹھارہ آثار ہیں جو احادیث مرفوعہ کے حکم میں ہیں کیونکہ ایسے مضمون کا بیان رائے سے نہیں ہو سکتا۔

ان عبارات سے صاف ثابت ہے کہ احادیث متعلقہ نزول حضرت مسیح و خروج دجال اور اس قسم کی اور احادیث کی نسبت علماء محدثین و متکلمین کو تواتر کا دعویٰ ہے اور یقینی صحیح جانتے ہیں اور جو مسائل و عقائد ان احادیث سے ثابت ہیں ان کو وہ اسلامی و سنی عقائد ٹھہرا چکے ہیں اور ان کے مقابلہ میں مسائل فرعیہ اختلافیہ کو ظن اور ان کے متعلق احادیث کو ظنی الثبوت و مفید ظن قرار دے گئے ہیں۔

مرزانے اپنے جواب و بیان میں ان سب کا خلاف کیا اور ان کے قرارداد کی رو سے اسلام و تسنن کا خلاف کیا اور اس میں الحاد سے کام لیا، لہذا اس کا یہ جواب اسلامی و سنی اصول کی رو سے صحیح جواب نہیں ہے۔ اس مخالفت اصول اسلام و تسنن کے علاوہ یہ جواب عقل سلیم کے بھی مخالف ہے اور خود اپنے آپ کا مخالف، اس کے آخر کو اول سے صریح مخالف ہے۔

### عقل سلیم سے اس جواب کا مخالف ہونا

یہ اصول مسلم عقلاء ہے کہ یقین اعلیٰ رتبہ ہے اور ظن ادنیٰ۔ اسی اصول کی نظر سے اہل اسلام کے نزدیک اعتقاد جو اعلیٰ رتبہ ہے، ظنیات سے متعلق نہیں ہوتا، بلکہ وہ قطعیات سے مخصوص ہے۔ اور عمل جو بہ نسبت اعتقاد ادنیٰ ہے اور اس کے توابع میں سے ہے، ظن سے بھی متعلق ہو سکتا ہے۔ چنانچہ عبارات علماء منقولہ بالا سے ثابت ہو چکا ہے۔

مرزا قادیانی نے اپنے جواب سے اس اصول عقلی کا بھی خلاف کیا (جیسا کہ قرارداد اسلام و تسنن کا خلاف کیا ہے) کہ حصہ اول احادیث متعلقہ عمل کو قطعی الثبوت و یقینی صحیح قرار دینے کیلئے اہل اسلام کے عمل کو گواختلافی ہو (جو مثبت ظن ہوتا ہے، نہ مفید ظن) لائق لحاظ و اعتبار ٹھہرایا ہے۔ اور حصہ دوم احادیث متعلقہ اعتقاد کو ظنی قرار دینے کے لئے اہل اسلام کے اعتقاد کو (جو ان احادیث کے متعلق پایا گیا ہے اور وہ مفید یقین ہے) ساقط الاعتبار و ناقابل لحاظ ٹھہرایا ہے۔ اور اس میں اعلیٰ کو ادنیٰ اور ادنیٰ کو اعلیٰ ٹھہرایا ہے اور مرجوح کو راجح کیا اور راجح کو ساقط کر دیا۔ جو عقلاء جہان کے برخلاف ہے۔

### قادیانی جواب کے آخر کا اول سے مخالف ہونا

اس جواب میں پہلے تو حصہ اول احادیث متعلقہ عمل کو قطعی و یقینی الثبوت بنانے کے لئے قرارداد علماء اسلام کو (جو اختلاف کے ساتھ ان احادیث کے عمل کے متعلق پائی گئی ہے) مسلم رکھا اور قبول کیا۔ اور ان کی نسبت حسن ظن کو قائم

رکھ کر یہ خیال و فرض کر لیا کہ اگر وہ احادیث صحیح نہ ہوتیں تو علماء اسلام کا عمل (گواخلاف سے ہے) ان پر پایا نہ جاتا۔ مگر بعد میں حصہ دوم احادیث متعلقہ اعتقاد کو ظنی بنانے کیلئے اس قرارداد علماء کو (جو ان احادیث کے متعلق اعتقاد رکھنے اور ان سے مستخرجہ مسائل کو بالاتفاق قبول کر کے عقائد اسلامی و سنی قرار دینے میں وقوع میں آئی ہے) رد کر دیا اور ناقابل قبول ٹھہرایا۔ اور ان کی نسبت حسن ظنی کو قائم نہ رکھا اور ان کے حق میں یہ نیک ظن نہ کیا کہ اگر یہ احادیث صحیح اور قطعی نہ ہوتیں تو علماء اسلام خصوصاً اہل سنت ان احادیث کو اتفاق کے ساتھ بسر و چشم کیوں قبول کرتے۔ اور ان سے مستخرجہ مسائل کو عقائد اسلامی و سنی کیوں ٹھہراتے۔ بلکہ ان احادیث کو صحیح و قطعی سمجھنے اور ان کے ظاہری معانی مراد ٹھہرا کر ان کو اسلامی و سنی عقائد ٹھہرانے میں ان سب علماء کو غلطی پر سمجھا، اور ان کے علم و فہم و دین پر برا گمان کیا۔ اور یہ اپنی بات کا خود خلاف کرنا ہے یعنی پہلے ان کے قرارداد کو (جو اختلاف کے ساتھ عمل کے متعلق پائی گئی ہے) مسلم رکھنا اور قبول کرنا اور اس میں علماء پر حسن ظن رکھنا، پھر ان کے قرارداد کو (جو اتفاق کے ساتھ اعتقاد کے متعلق پائی گئی ہے) رد کرنا اور اس میں ان پر بدگمانی کرنا قادیانی میں کچھ عقل و حیا و شرم ہوتی، تو وہ اس اختلاف و تناقض کا مرتکب نہ ہوتا، بلکہ اگر وہ احادیث نبویہ اور اقوال و قرارداد علماء سے بد اعتقاد ہے (چنانچہ اس کے لفظ لفظ سے مستفاد ہے، اور اس کی ہر ایک جزء مذہب جدید کی اسی پر بنیاد ہے) تو وہ جملہ احادیث نبویہ، گو عمل کے متعلق ہیں، خواہ اعتقاد کے متعلق، بر ملا و علی الاطلاق خیر باد کہتا اور علماء کے عمل و اعتقاد دونوں کے قرارداد کو لغو و ناقابل اعتبار قرار دیتا۔ اور اگر وہ احادیث نبویہ و اقوال و قرارداد علماء سے حسن ظنی رکھتا ہے (جیسا کہ اس کا ظاہری دعویٰ ہے، اور اس کے ناواقف دام افتادہ لوگوں کا اس کی نسبت اعتقاد ہے) تو وہ جملہ احادیث صحیحہ، گو متعلق عمل ہیں خواہ متعلق اعتقاد، قبول کرتا، اور ان کی نسبت قبولیت و قرارداد کا عمل سے وقوع میں آئی ہے، خواہ اعتقاد سے، لحاظ کرتا اور عمل اعتقاد دونوں میں ان پر حسن ظنی رکھتا۔ یہ مقتضائے حیا و عقل نہیں ہے کہ احادیث متعلقہ عمل کو تو وہ قبول کرتا ہے، اور ان کے متعلق علمائے اسلام کی عملی قرارداد کو (گواخلاف سے ہو) مانتا ہے اور اس میں ان پر حسن ظنی رکھتا ہے۔ مگر احادیث متعلقہ اعتقاد کو وہ واجب القبول نہیں سمجھتا اور ان کے متعلق ان کی اعتقادی قرارداد اتفاق کو قبول نہیں کرتا۔ اور اس میں ان پر حسن ظنی نہیں رکھتا۔



## اس اضطراب و اختلاف و رزی کا سبب و منشاء

اس جواب میں جو قادیانی نے مخالفت اصول اسلام و تسنن و عقلم سلیم کے ساتھ خود اپنا خلاف کیا ہے تو اس کا سبب و منشاء یہ ہے (جو اس کے ہر ایک قول و کردار سے مفہوم ہوتا ہے، و اللہ اعلم بحقیقة الحال) کہ درحقیقت وہ کسی مذہب و ملت سماوی کا پابند نہیں ہے اور نہ اسلامی اصول دلائل کتاب و سنت و اجماع و اقوال سلف امت و غیرہ کا پابند ہے۔ بلکہ وہ خود اپنا نیا مذہب و دین قائم کرنا چاہتا ہے۔ مگر وہ یہ بھی جانتا ہے کہ مسلمانوں کو دام میں لانا پرانے اصول سے مطلق انکار اور نئے اصول کے برملا ادعاء و اظہار کے ساتھ ناممکن ہے، لہذا وہ اپنے ہر ایک بیان و اظہار میں شتر مرغی و رو باہ بازی اختیار کرتا ہے اور جس موقعہ پر جو داؤ چلے چلا لیتا ہے اور جس ہتھیار سے کام نکلے، اسے کام میں لاتا ہے۔ کبھی زور شور کے ساتھ اعتقاد تسلیم قرآن کا اظہار، کبھی آیات قرآنیہ کے ظواہر قطعیہ سے انکار، کبھی اجماع سے استدلال، کبھی اس کو کورانہ کہہ کر اس کے رد کا اقبال۔ علیٰ ہذا القیاس۔ پھر فرط تہور و جرأت سے وہ اس اقبال و انکار کے اختلاف کی بھی کچھ پروا نہیں کرتا اور یہ سمجھ لیتا ہے کہ میرے مختلف اقوال متضمنہ انکار و اقبال کا ہر ایک شخص کب موازنہ کرتا ہے۔ پس جس جال میں جو کوئی جھنسا، وہی غنیمت ہے۔ مقابلہ اور موازنہ کرنے والے، پھر پیچیدہ بات کی توجہ بخینچنے والے لوگ، شاذ و نادر ہوتے ہیں۔ اس جرأت و خیال سے وہ ایک مقام میں جس بات کا انکار کر چکا ہوتا ہے، دوسرے مقام میں اس کا اقرار کر لیتا ہے۔ اور جس بات کا اقرار کیا ہو، اس سے انکار کر جاتا ہے، اور جو بات نہ کہی ہو، اس کے کہنے کا جھوٹا مدعی بن جاتا ہے، اور جو بات کہہ چکا ہے اس کے کہنے سے منکر ہو جاتا ہے۔ اس کی ایک مثال اس کا یہی جواب مندرجہ تمہید ہے جس کی نسبت وہ کہتا ہے کہ یہ جواب میں تحریر نمبر چہارم و پنجم میں دے چکا ہوں حالانکہ ان تحریرات میں اس کا نام و نشان نہیں۔ ایک اور عام فہم مثال اس مقام میں ذکر کی جاتی ہے۔

رسالہ فتح الاسلام کے صفحہ ۵۴ میں مرزا صاحب نے لیلیۃ القدر کے حقیقتات ہونے کی نفی کی ہے اور اس کی نسبت صاف اور کھلے الفاظ سے یہ بات کہدی ہے: اس زمانہ کا نام بطور استعارہ لیلیۃ القدر رکھا گیا ہے۔ مگر درحقیقت یہ رات نہیں ہے۔ یہ ایک زمانہ ہے جو بوجہ ظلمت رات کا ہم رنگ ہے۔

پھر اپنے ازالہ اوہام کے صفحہ ۳۲۰ میں اور متعدد تحریروں میں اس نفی سے انکار کیا اور بضمن سوال و جواب یہ کہا ہے:

سوال۔ لیلۃ القدر کے اور معنی کر کے نیچریت اور باطنیت کا دروازہ کھول دیا۔

الما الجواب۔ معترض صاحب نے اعتراض سے لوگوں کو دوہو کہ دیا ہے۔ اس جگہ اصل حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس عاجز پر ظاہر کیا ہے کہ پہلے معنی لیلۃ القدر کے جو علماء کرتے ہیں وہ بھی مسلم و بجا ہیں اور ساتھ ان کے یہ بھی معنی ہیں۔ اور دونوں معنوں میں کچھ منافاة نہیں۔ قرآن شریف ظہر بھی رکھتا ہے اور بطن بھی اور صدہا معارف اس کے اندر پوشیدہ ہیں پس اگر اس عاجز نے تفہیم الہی سے لیلۃ القدر کے یہ معنی کئے تو کہاں سمجھا گیا کہ پہلے معنوں سے انکار کیا ہے۔

ناظرین اس عبارت ازالہ اوہام اور اس عبارت فتح الاسلام کا مقابلہ کریں اور داد انصاف دے کر کہیں کہ قادیانی کا لیلۃ القدر کے رات ہونے سے عبارت فتح اسلام میں انکار اور اس انکار سے عبارت ازالہ اوہام میں انکار، اور رات ہونے کا اقرار ہمارے دعویٰ کا مصدق اور اس کی ایک صریح و صحیح مثال ہے یا نہیں۔ ایسی صریح مثالیں اور بہت ہیں۔ از انجملہ بعض کا بیان مرزا قادیانی کے تفصیلی اقوال تحریر نمبر ہشتم کے متعلق آئندہ نوٹوں میں ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مضمون تمہید قادیانی پر ہمارے اس تبصرہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے تمہید میں جو دعویٰ کیا ہے کہ اس نے اپنی تحریر نمبر چہارم و پنجم میں ہمارے اصل سوال کا جواب دیدیا ہے وہ، محض کذب و خلاف واقع ہے۔

اگر اس جواب کا ان تحریرات میں ادا ہونا فرض کر لیا جائے تو وہ ہمارے سوال کا قطعی و کامل جواب نہیں ہے۔ اور اگر اس جواب کو قطعی و کامل جواب فرض کر لیا جائے، تو وہ جواب اصول اہل اسلام و تسنن اور عقل سلیم کے مخالف ہے، بلکہ وہ اپنا آپ مخالف ہے۔

مرزا صاحب نے ایک دفعہ بھی ہمارے سوال کا جواب نہیں دیا، اور نہ ہم نے اپنی کسی تحریر میں ایک بات بھی غیر متعلق پیش کی ہے۔ جس بات کو مرزا صاحب غیر متعلق سمجھتے ہیں یعنی احادیث ممانعت و شتم، و حرمت

خرردندگان سے ان پر الزام، وہ غیر متعلق نہیں۔ مرزا صاحب کی عبارات پر ہم حواشی کی صورت میں نوٹ لکھتے آئے ہیں اور یہاں بتاتے ہیں کہ تعامل کو جو انہوں نے قطعی و یقینی و بلا ریب اور احادیث محل تعامل کو قطعی و یقینی الثبوت و بلا ریب کہا ہے تو اس سے مجھے ہی نہیں، ہر کس و ناکس کو جو الفاظ قطعی و یقینی و بلا ریب کے معنی جانتا اور سمجھتا ہے، یہی سمجھ میں آیا کہ ان احادیث سے آپ کی مراد وہ احادیث ہیں جن پر امت محمدیہ کا اتفاق کے ساتھ عمل پایا گیا ہے۔ اور ان میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔ اور وہی احادیث آپ کے نزدیک اس لائق ہیں اور یہ رتبہ رکھتی ہیں کہ وہ قرآن پر عرض ہونے کی محتاج نہیں اور ان کی تسلیم صحت، موافقت قرآن پر موقوف نہیں۔ بلکہ ان کا مضمون مخالف قرآن بھی ہو، تو وہ لائق تسلیم ہے اور وہی احادیث تعلیم قرآن پر زیادتی کر سکتی ہیں اور وہی احادیث قرآن کی مفسر ہو سکتی ہیں اور جو حدیث ایسی قطعی و یقینی و بلا ریب صحیح نہ ہو وہ بلا شہادت موافقت قرآن، لائق تسلیم نہیں ہے، اور نہ وہ حدیث قرآن کی مفسر ہو سکتی ہے۔ بلکہ ایسی حدیث کے مقابلہ میں قرآن اپنا مفسر آپ ہے، جس پر آپ کو درندوں کی حرمت اور گدھے کی ممانعت کی حدیث سے الزام دیا گیا۔ اور یہ کہا گیا تھا کہ گدھے اور درندے کی ممانعت کی حدیث ایسی ہے کہ اس پر تعامل ہو ہی نہیں سکتا، چہ جائے کہ تعامل قطعی ہو۔ کیونکہ یہ حدیث متعلق اعتقاد حرمت خرردندگان ہے، نہ متعلق عمل و مع ہذا یہ حدیث معنی ان آیات قرآن کی شارح و مفسر ہے جن میں بیان ہے کہ بجز مردار و خون و خنزیر تم پر کوئی جانور حرام نہیں اور جو کچھ زمین میں خدا نے پیدا کیا ہے وہ تمہارے لئے مباح ہے۔ اس حکم حرمت خر و درندگان میں قرآن اپنا مفسر نہیں ہوا۔ پھر اس کی تائید و شہادت میں کہا گیا تھا کہ یہ خدمت تفسیر قرآن، حدیث کو قرآن نے خود عطا کی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے کہ رسول جو کچھ تمہیں دے، وہ تم لے لو۔ پھر اس آیت کی تفسیر و تشریح میں قول ابن مسعود کو پیش کیا گیا تھا کہ انہوں نے اس آیت کی رو سے حکم ممانعت و شتم وغیرہ (بدن گودنے) کو جو حدیث نبوی میں وارد ہے، داخل قرآن اور اس کا ایک حکم سمجھا۔ باوجود کہ یہ حکم بھی متعلق اعتقاد حرمت و شتم ہے، متعلق عمل نہیں تاکہ یہ محل تعامل ہو سکے۔ اب ناظرین انصاف سے کہیں، یہ دونوں حدیثیں (حدیث حرمت خر و درندگان و حدیث حرمت و شتم) قادیانی کے اس دعویٰ سے کہ وہ حدیث جس پر تعامل قطعی و یقینی پایا نہ گیا ہو، مفسر قرآن نہیں ہو سکتی اور اس کے مقابلہ میں قرآن اپنا مفسر آپ ہے، پورا تعلق رکھتی ہیں اور اس دعویٰ میں اس کو پورا الزام دیتی ہیں، یا یہ اجنبی و

غیر متعلق احادیث ہیں؟ اور یہ بھی داد دیں کہ اس الزام کے جواب میں اب مرزا قادیانی کا یہ کہنا کہ یہ احادیث متعلق احکام ہیں اور احکام تعامل میں داخل ہیں اور میں احادیث تعامل کو محل نزاع سے خارج کر چکا ہوں اور ان کو قرآن کی مفسر اور اس پر زیادتی کرنے والی مان چکا ہوں۔ ایک طرف رو باہ بازی نہیں تو اور کیا ہے؟

اس میں ناظرین اولاً یہ غور کریں کہ یہ احادیث متعلقہ اعتقاد ہیں، نہ متعلق عمل۔ پھر یہ محل تعامل کیوں کر ہو سکتی ہیں؟ ثانیاً یہ غور کریں کہ مرزا قادیانی نے اپنی تحریرات سابقہ میں ہر ایک حکم یا عمل کو محل نزاع سے خارج کیا اور اس کو مفسر قرآن ٹھہرایا ہے، یا تعامل قطعی و یقینی اور بلا ریب اور اس کے متعلق احادیث قطعیہ یقینیہ بلا ریب صحیحہ ثابت کو۔

ادنی غور و توجہ سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ قادیانی نے احادیث قطعی الثبوت کو جو تعامل قطعی و یقینی اور بلا ریب کا محل و متعلق ہیں، خارج از محل نزاع کہا۔ اور مفسر قرآن ٹھہرایا ہے، نہ ہر ایک عمل یا حکم کو اور نہ ہر ایک حدیث متعلق عمل کو۔ اور احادیث متضمنہ خرد درندگان و حرمت و شتم تو مطلق عمل و تعامل کا محل نہیں۔ وہ صرف اعتقاد حرمت اشیاء مذکورہ کے متعلق ہیں۔ لہذا ان احادیث سے قادیانی پر پورا اور با موقع الزام ہوتا ہے۔ مرزا قادیانی اگر دیانت اور امانت سے کام لیتا تو اس الزام کو مان لیتا۔ الٹا یہ الزام نہ دیتا کہ غیر متعلق حدیثوں کو پیش کیا

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ لوگوں کو اصل مباحثہ سننے کا انتظار تھا۔ شیخ الاسلام مولانا بٹالویؒ جواباً کہتے ہیں کہ آپ نے لوگوں کا رفع انتظار خوب کیا۔ اخیر تک اصل جواب کی طرف رجوع نہ کیا۔ ادھر ادھر کی باتوں، قطعی، ظنی، تعامل وغیرہ میں بحث مقدمات کو پھنسا رکھا۔ نہ مقدمات کو ختم ہونے دیا نہ بحث مقصود حیات و ممات کی طرف رجوع کرنے دیا۔ آپ کے اس مناظرہ سے بہت سے حق شناس حقیقت رس لوگوں نے آپ کی دیانت اور مناظرانہ لیاقت و راستی و تہذیب کا خوب اندازہ کر لیا۔ اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے آپ کو جھوٹا اور فریبی اور دہوکہ باز سمجھ کر آپ کا اتباع ترک کیا۔ از انجملہ اس مقام میں زیادہ لائق ذکر ایک حضرت میر عباس علی صاحب صوفی مرحوم لدھیانہ ہیں، جو پہلے آپ کے خلیفہ تھے، پھر اس مناظرہ میں آپ سے بے اعتقاد ہو کر آپ کی اتباع سے بے زار ہوئے۔ ایک دوسرے سادہ لوح میر ناصر نواب ہیں جو آپ کے خسر ہیں اور وہ آپ کے دھوکہ میں آ کر آپ کے مرید ہو گئے تھے۔ اور آخر اسی مباحثہ کو دیکھ کر ایک مجلس عام جامع مسجد

پٹیلہ میں تائب ہوئے اور مظہر ہوئے کہ مجھے باوجود خاص تعلق، مرزا قادیانی کی دہوکہ دہی کا یہ علم نہ تھا جو مباحثہ لودہانہ کے دیکھنے سے حاصل ہوا۔

اور آخر میں مولانا بٹالویؒ، مرزا صاحب کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ پہلے تو آپ نے قطعی و یقینی و بلا ریب وغیرہ کی قیدیں لگا کر احادیث تعامل ان ہی احادیث کو بتایا تھا جن کو اب نمبر اول قرار دیتے ہیں۔ اب رفع یدین و عدم والی حدیثوں تک کو ان احادیث تعامل میں شامل کر لیا۔ مگر یہ اخیر ہتھیار بھی آپ کا کام نہ آیا، خطا گیا۔ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ اولاً یہ تفصیل اور اس قسم کے اور مضامین تمہید آپ کی سابق تحریرات کے مخالف ہیں۔ ثانیاً اس تفصیل کے ساتھ بھی یہ جواب ہمارے سوال کا جواب قطعی نہیں ہو سکتا۔ ثالثاً قطعی ہو بھی، تو یہ جواب اصول اسلام کے برخلاف ہے، اور خاص کر یہ تفصیل آپ کی خود مبطل و مکذب ہے کیونکہ جس حالت میں احادیث اختلافی، صرف اختلافی عمل کے سبب سے قطعی اور قرآن پر عرض ہونے سے مستغنی اور قرآن کی مفسر اور اس پر زیادتی کی مثبت ہو سکتی ہیں، تو احادیث اعتقاد متعلق نزول حضرت مسیح وغیرہ اتفاقی تسلیم و قبولیت کے سبب ان سے بڑھ کر اور بدرجہ اولیٰ قطعی و مستغنی و مفسر قرآن و مثبت زیادت ہو سکتی ہیں۔

مرزا صاحب کی تمہید پر تبصرہ ختم ہوا اور اس کے ساتھ ان کے پرچہ ہشتم کے اصل اصول کی بیخ کنی ہو گئی۔ اور حاجت باقی نہیں رہی کہ اب اس تحریر کے اقوال تفصیلیہ پر کچھ نوٹ کئے جاویں۔ تاہم اسکے علم، دیا نت، راست بازی اور سلامت روی کی مزید قلعی کھولنے کی غرض سے من جملہ ان اقوال چند اقوال پر نوٹ کئے جاتے ہیں و باللہ التوفیق

شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ کہتے ہیں کہ ان نوٹوں میں پہلے ہم اپنی تحریر نمبر ہشتم کے اس فقرہ کا حوالہ دیں گے جس کا مرزا صاحب نے کچھ جواب دیا ہے، پھر ان کے جواب کو بعینہ یا اس کا خلاصہ نقل کریں گے۔ پھر اس پر مناسب نوٹ دیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

ہمارا قول نمبر ایک۔ آپ نے میرے سوال کا جواب صاف اور قطعی نہیں دیا (ماہنامہ اشاعت السنۃ نمبر ۶ ج ۱۴ ص ۱۵۸) مرزا قادیانی کا جواب۔ حضرت میں آپ کو کئی دفعہ جواب دے چکا ہوں کہ حصہ دوم احادیث سے جو اخبار

گذشتہ یا مستقبلہ کی قسم سے ہیں اگر کوئی ایسی حدیث نص قطعی کے مخالف ہوگی تو قابل تاویل ہوگی، یا موضوع قرار پائیگی (مباحثہ مطبوعہ قادیانی۔ ص ۸۱)

اس جواب پر ہمارا نوٹ۔ نوٹ متعلق تمہید میں ثابت ہو چکا ہے کہ یہ جواب ہمارے سوال کا قطعی جواب نہیں ہے۔ اس جواب میں حرف اگر اور یا اس کے قطعی ہونے میں مانع ہیں۔ مرزا قادیانی ان احادیث کو صحیح سمجھتا ہے تو صحت کا صاف اقراری ہو۔ پھر تاویل کا مدعی ہو کر اصول شرط تاویل کی پابندی سے ان میں تاویل کرے اور اگر ان کو غیر صحیح سمجھتا ہے تو برملا ان کو رد کرے۔ موضوعات میں تاویلات کی کیا ضرورت ہے۔ مگر اس کو یہ دونوں باتیں اختیار کرنی مشکل ہیں اگر وہ ان کو صحیح کہے تو پھر ان کے ظاہری معانی ماننے پڑتے ہیں کیونکہ ان کی تاویل کی (جو قادیانی کرتا ہے) شرط (ظاہری معنی کا محال ہونا) پائی نہیں جاتی۔ اور اگر ان کو برملا غیر صحیح کہتا ہے تو اس سے اس کے الحاد و نیچریت کی قلعی کھلتی ہے۔ اس وجہ سے اگر اور یا کا لفظ کہہ کر اس نے قطعی ہونے سے اس جواب اور اپنی جان کو بچا لیا۔ اور پھر اس طرف جھوٹ کو دیکھو کہ فرمایا: میں تو جواب دے چکا ہوں

☆ ہمارا قول نمبر ۲۔ صحیح بخاری و مسلم میں ایسی کوئی حدیث ہے جو بوجہ تعارض، موضوع ٹھہر سکے۔ (ماہنامہ

اشاعت السنہ نمبر ۶ ج ۱۳ ص ۱۵۹)

☆ مرزا قادیانی کا جواب۔ بے شک حصہ دوم کے متعلق کئی ایسی حدیثیں ہیں جن میں سخت تعارض پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ وہی حدیثیں جو نزول ابن مریم کے متعلق ہیں کیونکہ قرآن قطعی طور پر فیصلہ دیتا ہے کہ مسیح بن مریم فوت ہو گیا ہے اور صحیحین کی بعض حدیثیں بھی اس فیصلہ پر شاہد ناطق ہیں۔ اور ایک گروہ صحابہ اور علماء امت کا بھی قرناً بعد قرن اس بات کا مقرر ہے اور نصاریٰ کا یونانی ٹیرین فرقہ بھی اس بات کا قائل ہے اور یہودیوں کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ اب اگر ان مخالف حدیثوں کی جو قرآن اور احادیث صحیحہ کے برخلاف ہیں، ہماری طرز پر تاویل نہ کی جائے تو پھر بلاشبہ موضوع ٹھہریں گی۔ ایسی کئی حدیثیں اور بھی ہیں جن میں سخت تعارض پایا جاتا ہے۔ مثلاً بخاری کی حدیث معراج۔ پھر اس کے تعارض کی چار وجہ بیان کیں۔

ایک وجہ یہ کہ ایک حدیث میں جو بخاری کے صفحہ ۲۵۵ میں ہے آنحضرت ﷺ کا حضرت موسے کو چھنے آسمان

پر دیکھنا بیان ہوا ہے۔ دوسری حدیث میں، جو صفحہ ۴۷۱ میں ہے، چھٹے آسمان پر بجائے موسے، حضرت ابراہیم کو دیکھنا بیان ہوا ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ ایک حدیث سے جو باب الصلوٰۃ میں ہے، معراج کا بحالت بیداری ہونا معلوم ہوتا ہے دوسری حدیث میں، جو صفحہ ۴۵۵ میں ہے، بیان ہے کہ معراج نیند میں ہوا تھا۔

تیسری وجہ یہ کہ ایک حدیث میں محل معراج، جہاں فرشتہ آنحضرت ﷺ کو لینے آیا تھا، آپ کا گھر بیان ہوا ہے، دوسری حدیث میں بیت اللہ کے نزدیک۔

چوتھی وجہ یہ کہ شریک کی حدیث میں وقت معراج، قبل وحی و پیغمبری بیان ہوا ہے، جو دوسری احادیث کے مخالف ہے، بلکہ خود اس حدیث کے الفاظ مابعد کے مخالف ہے جن میں یہ بیان ہے کہ آنحضرت مبعوث ہوئے اور نمازیں فرض ہوئیں۔

ان اختلافات کو بیان کر کے قادیانی نے کہا ہے کہ ان اختلافات کا اگر یہ جواب دیا جائے کہ یہ اسراء متعدد اوقات میں واقع ہوا ہے، اسی وجہ سے کبھی حضرت موسے کو چھٹے آسمان پر دیکھا اور کبھی حضرت ابراہیم کو، تو یہ تاویل رکیک ہے، کیونکہ انبیاء اور اولیاء بعد موت کے اپنے اپنے مقامات سے تجاویز نہیں کرتے، جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے۔ اور نیز اس تعدد معراج کی تجویز سے لازم آتا ہے کہ دو تین بار نمازیں پہلے پچاس پچاس فرض ہوئیں پھر منسوخ ہو کر پانچ پانچ ہوئیں، جو ایک بازیچہ، کھیل اور لغو ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے پہلے حکم سے پشیمان ہو کر دو دفعہ دوسرا حکم دیا۔

اس جواب پر ہمارا نوٹ۔ اس جواب میں مرزا قادیانی نے احادیث بخاری و مسلم پر بیسواں کھلم کھلا حملہ کیا۔ اور احادیث صحیحین کو برملا موضوع قرار دیا ہے۔ ہر چند احادیث متعلقہ نزول حضرت عیسیٰ کو موضوع قرار دینے میں اس نے ذرا سی شرط عدم تاویل کی آڑ رکھ لی ہے۔ مگر احادیث متعلقہ معراج نبوی کو تعارض کے سبب موضوع قرار دینے میں کسی شرط کی آڑ نہیں رکھی، اور بزعم خود بڑے زور شور سے ان کا باہم متعارض و متخالف ہونا ثابت کر کے ان کو موضوع قرار دیا ہے۔

پھر مرزا قادیانی کا اپنی تحریر پنجم میں یہ کہنا کہ: بعض احادیث صحیحین میں جو تعارض پایا جاتا ہے اس کو دور کرنے کے لئے خدا نے میری مدد کی ہے۔

اور تحریر نمبر ہفتم میں اس کا یہ کہنا: میں نے کسی حدیث صحیحین کو موضوع قرار نہیں دیا۔

اور اشہار کیم اگست ۱۸۹۱ء میں مرزا قادیانی کا یہ کہنا: میں ان کتابوں کو قرآن کے بعد اصح الکتب جانتا ہوں۔

یہ سب منافقانہ چال نہیں تو اور کیا ہے؟ اس حملہ میں قادیانی نے ایک وار تو احادیث متعلقہ نزول حضرت مسیح پر کیا ہے۔ دوسرا وار احادیث متعلقہ معراج پر۔ احادیث متعلقہ نزول مسیح کو موضوع بنانے کیلئے اس نے تین دعوے کئے ہیں۔

ایک یہ کہ قرآن قطعی فیصلہ دیتا ہے کہ مسیح بن مریم فوت ہو چکا ہے۔

دوسرا یہ کہ صحیحین کی بعض حدیثیں بھی اس فیصلہ پر شاہد ناطق ہیں۔

تیسرا یہ کہ ایک گروہ صحابہ اور علماء امت کا بھی قرآن بعد قرن اس بات کا مقرر ہے

یہ تینوں دعوی جھوٹ ہیں۔ قرآن کی کسی آیت میں یہ فیصلہ قطعی کجا، ظنی طور پر بھی نہیں ہوا کہ حضرت مسیح فوت

ہو چکے ہیں۔ اور نہ کسی حدیث صحیحین میں اس فیصلہ پر تصریح یا اشارہ پایا جاتا ہے، اور نہ کسی ایک صحابی یا کسی

زمانہ کے ایک عالم اسلام سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت مسیح فوت ہو چکے ہیں۔ اور اب تک وہ مردہ ہیں۔

قادیانی نے ان تینوں دعوی کا جو ثبوت اپنی تحریرات (ازالہ اوہام وغیرہ) میں پیش کیا ہے، اس میں محض کذب

سے کام لے کر کم علم لوگوں کو دھوکہ دیا ہے۔ اس اجمال کی کسی قدر تفصیل جواب فیصلہ آسمانی میں بضم نمبر ۲ و ۳

جلد ۱۲، اشاعت السنہ ہو چکی ہے۔ اور پوری تفصیل آئندہ اس جواب کے تتمہ میں ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس دعوی موضوعیت احادیث متعلقہ نزول مسیح کی تائید میں جو قول یہود اور ایک فرقہ نصاری کا اس

نے پیش کیا ہے، وہ بے شک مرزا صاحب کے اصلی دلائل ہیں، جن پر اس کا واقعی اعتماد اور اعتقاد ہے، مگر یہ

دلائل ان ہی لوگوں کیلئے موجب اطمینان ہو سکتے ہیں جو اس کی طرح معتقدات یہود و نصاری کے پیرو ہوں۔

خود ابن اللہ کہلاویں یا کسی اور کو ابن اللہ سمجھیں۔ اور تثلیث کو پاک بنا کر اس کے معتقد ہوں یا ملحد ہونے کے

سبب اسلام و یہودیت و نصرانیت کو مساوی درجہ پر مانتے ہوں۔



مسلمان تو ان مذاہب کی ایسی باتوں کو، جن کی قرآن و حدیث میں تصدیق نہیں ہوئی، لائق تسلیم نہیں سمجھتے۔ اور حدیث و لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تکذبوہم (اہل کتاب کو نہ سچا کو نہ جھوٹا۔ اس کی شرح اشعۃ السنہ نمبر ۳ جلد ۱۱ میں ہو چکی ہے۔ محمد حسین) کے پابند ہیں۔ ان کے اعتقاد و ایمان کی رو سے کوئی اعتقاد یہود و نصاریٰ کا احادیث صحیحین کی موضوعیت کا مثبت نہیں ہو سکتا۔ تفصیل کے لئے اشعۃ السنہ نمبر ۲ تا ۱۰ جلد ۱۱ میں مضمون احکام تورات و انجیل کی نسبت اسلامی اعتقاد ملاحظہ ہو۔

احادیث متعلقہ معراج کو موضوع بنانے کیلئے جو اختلافات و وجوہ اربعہ قادیانی نے بیان کئے ہیں، ان کے بیان میں وہ اپنے خیال میں دور کی کوڑی لایا ہے اور یہ خیال کر بیٹھا ہے کہ یہ اختلافات اور کسی کو کب معلوم ہو سکتے ہیں، مگر یہ خیال اس کی بے علمی اور ناواقفی پر دلیل ہے۔ ان اختلافات کو اہل حدیث کا بچہ بچہ جو مشکوٰۃ تک نظر رکھتا ہو، جانتا ہے۔ ان اختلافات کے علاوہ چھ وجوہ اختلافات اس حدیث میں اور بیان کی گئی ہیں جو فتح الباری میں منقول ہیں۔ مگر ان سب وجوہات کو خدا کے فضل سے محدثین نے رفع کر دیا ہے اور اس حدیث کی صحت کو ثابت کر دکھایا ہے۔ قادیانی خود تو کوچہ حدیث سے محض نا آشنا اور اس فن سے محض جاہل ہے، حکیم نور الدین نے جو کچھ اس کو حواشی صحیح بخاری سے بتایا، اس نے نئی بات سمجھ کر طمطراق کے ساتھ اس کو نقل کر دیا۔ اس مقام میں ان چاروں وجوہات اختلاف کا، جو قادیانی نے بیان کی ہیں، جواب دیا جاتا ہے۔

پہلی وجہ اختلاف کا جواب۔ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کو آنحضرت ﷺ کے چھٹے اور ساتویں آسمان پر، دونوں جگہ، دیکھنے میں درحقیقت کوئی مخالفت نہیں اور یہ ظاہری اختلاف ان احادیث کے موضوع ہونے کا مثبت و موجب نہیں ہو سکتا۔ جائز و ممکن ہے کہ دونوں حضرات کو آپ نے دونوں جگہ، چھٹے آسمان اور ساتویں آسمان پر دیکھا ہو اور ان دونوں آسمانوں پر دونوں حضرات اپنے جسمانی وجود سے موجود ہو گئے ہوں۔ وہ حضرات عالم برزخ میں ہیں، جو ایک روحانی عالم ہے۔ جس میں ایسے امور متشابہ بہ الحقیقۃ مجہول الکیفیہ کا وقوع مستبعد نہیں۔ نیز محدثین کرام نے بتایا ہے کہ جائز و محتمل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ کو چھٹے آسمان پر پایا، مگر ان کی اس فضیلت کی نظر سے کہ، وہ خدا سے ہم کلام ہوئے ہیں، آپ نے ان کو

ساتویں آسمان تک ساتھ لے لیا اور وہ تواضعاً آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہو گئے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ جاتے وقت ان کو چھٹے آسمان پر پایا، آتے وقت ساتویں آسمان میں دیکھا۔ ایسا ہی حضرت ابراہیم کو پہلے چھٹے آسمان پر، پھر ساتویں پر پانا ہو سکتا ہے۔

ابن حجر نے فتح الباری میں بخاری کی حدیث شریک کی شرح میں جس میں حضرت ابراہیم کو چھٹے آسمان میں دیکھنا بیان ہوا ہے۔ فرمایا ہے: وقد قد منا ان حدیث ابی ذریوا فقہ لکن المشهور فی الروایة ان الذی فی السابعة هو ابراهیم و اکد ذالک فی حدیث مالک بن صعصعة بانہ کان مسنداً ظهره الی البیت المعمور قمع التعدد لا اشکال و مع الاتحاد فقد جمع بان موسی کان فی حالة العروج فی السادسة و ابراهیم فی السابعة علی ظاہر حدیث مالک بن صعصعة و عند الهبوط کان فی السابعة لانه لم یذکر فی القصة ان ابراهیم کلمہ فی شیء مما یتعلق بما فرض اللہ علی امتہ من الصلوة کما کلمہ موسی و السماء السابعة ہی اول شیء انتہی الیہ حالہ الهبوط فناسب ان ینکون موسی بہا لانه هو الذی خا طب فی ذالک کما ثبت فی جمیع الروایات و یحتمل ان ینکون لقی موسی فی السادسة فاصعد معہ الی السابعة تفضیلاً لہ علی غیرہ من اجل کلام اللہ تعالیٰ و ظهرت فائدہ ذالک فی کلامہ مع المصطفیٰ فیما یتعلق بما امرتہ فی الصلوة و قد اشار النووی الی شیء من ذالک و العلم عند اللہ تعالیٰ - (فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۰۱) کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ابی ذر کی حدیث اس کے موافق ہے، لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم ہیں۔ اس امر کو مالک بن صعصعة کی حدیث میں یوں منوکہ کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم، بیت المعمور کی طرف پشت کی ٹیک لگائے ہوئے تھے (جو ساتویں آسمان میں ہے) پس اگر واقعہ معراج کو متعدد کہیں تو اس اختلاف کی وجہ سے کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ اور اگر اس کو ایک ہی واقعہ قرار دیں تو اس سے اختلاف کو اس طور پر رفع کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ حالت عروج میں چھٹے آسمان پر تھے اور حضرت ابراہیم ساتویں میں۔ جیسا کہ حدیث مالک کا ظاہر ہے۔ اور ساتویں آسمان

سے اوپر جا کر واپس آنے کے وقت موسیٰ ساتویں آسمان میں تھے، کیونکہ کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ عدد نماز کی کمی میں جو گفتگو آنحضرت ﷺ نے فرمائی ہے وہ حضرت ابراہیم سے ہوئی تھی جیسا کہ حضرت موسیٰ سے اس گفتگو کا ہونا بیان ہوا ہے، اور اوپر سے نیچے کو اترنے کے وقت ساتواں آسمان ہی پہلے آتا ہے۔ لہذا حضرت موسیٰ کا وہاں ہونا مناسب ہے کیونکہ جملہ روایات میں ان ہی سے اس باب میں آنحضرت ﷺ کا گفتگو کرنا ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ کو اس نظر سے کہ وہ خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں، خود ساتھ لے کر صعود فرمایا ہو جس کا فائدہ یہ ظاہر ہوا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے نماز کے باب میں وہ گفتگو کی۔ اس باب میں امام نووی نے بھی کچھ اشارہ کیا ہے اور حقیقی واصلی علم خدا تعالیٰ کو ہے۔

عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں حدیث ابوذر کی شرح میں کہا ہے: و فی الصحیحین من حدیث مالک بن صعصعہ و فی السابعة ابراہیم و هو مخالف لروایۃ انس عن ابی ذر انہ و جد ابراہیم فی السادسة و کذا جاء فی صحیح مسلم و اجیب بان الاسراء ان کان مرتین فلا اشکال، و ان کان مرة فیکون اولاً راه فی السادسة ثم ارتقی معه الی السابعة. (عمدۃ القاری) کہ مالک بن صعصعہ کی روایت میں حضرت ابراہیم کو ساتویں آسمان میں دیکھنا بیان ہوا ہے اور یہ حدیث ابوذر کے، جس میں چھٹے آسمان میں ان کو دیکھنا بیان ہوا ہے، مخالف ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ واقعہ معراج دودفعہ ہوا ہو، تو پھر کوئی شبہ نہیں رہتا۔ اور اگر ایک دفعہ ہوا ہے تو یہ ہوگا کہ پہلے حضرت ابراہیم کو چھٹے آسمان پر دیکھا پھر وہ آپ کے ساتھ ساتویں آسمان پر چڑھ گئے۔

ایسا ہی قسطلانی نے ارشاد الساری میں کہا ہے اور اس میں یہ بھی کہا ہے: وقد استشكل روية الانبياء في السموات مع ان اجسادهم مستقرة في القبور بالارض و اجیب بان ارواحهم تشكلت بصور اجسادهم او حضرت اجسادہم لملاقات ﷺ تلك الليلة تشریفاً له و تکریماً (قسطلانی ج ۶ ص ۳۲۰) کہ انبیاء کے آسمانوں پر دیکھے جانے سے یہ شبہ کیا گیا ہے کہ ان کے اجسام تو قبروں میں زمین کے اندر مدفون ہیں، پھر وہاں آسمانوں پر کیونکر دیکھے گئے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ انکے ارواح ان کے جسموں کی صورت سے منسکل ہو گئے، یا یہ کہ ان کے اجسام بعینہا آنحضرت ﷺ

کی ملاقات کیلئے آنحضرت ﷺ کی تعظیم و تکریم کو وہاں حاضر کئے گئے۔  
ایسا ہی شیخ عبدالحق نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے۔

ان عبارات میں جو تعدد واقعہ معراج کی تجویز بیان ہوئی ہے اس پر مرزا قادیانی کی تقریر سابق میں دو اعتراض ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ انبیاء بعد موت اپنی جگہ سے حرکت و انتقال نہیں کرتے جس کو وہ ہمارے جواب مذکور پر بھی وارد کر سکتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس تجویز سے تعدد نسخ نماز لازم آتا ہے جو ایک باز پچ (کھیل) و لغو و موجب پیشیانی خدا تعالیٰ بنتا ہے۔

اس میں سے اعتراض اول کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کے قرآن میں، جو عرب میں نازل ہوا ہے، تو ایسی کوئی آیت نہیں جس سے انبیاء کا بعد موت جکڑے رہنا ثابت ہو۔ ہاں قادیانی قرآن مورد نزول انا انزلناہ قریباً من القادیاں میں کوئی ایسی آیت ہو تو مسلمانوں کے نزدیک وہ جائزاً تسلیم نہیں۔ مسلمانوں کے قرآن سے کوئی ایسی آیت پیش کرتا تو اس میں اس کی تحریف و تصرف کا جواب دیا جاتا۔

اور احادیث صحیحہ معراج میں صاف آچکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ و حضرت ابراہیم وغیرہ انبیاء کو بیت المقدس میں بھی دیکھا اور ان انبیاء نے نماز میں آنحضرت ﷺ کا اقتداء کیا اور حضرت موسیٰ کو قبر میں نماز پڑھتے اور وادی ازرق میں لہیک کرتے دیکھا۔ اور مح ہذا آسمانوں پر بھی ان کو دیکھا۔ جس سے علماء اسلام نے یہی سمجھا ہے کہ زمین آسمان دونوں جگہ ان حضرات کا وجود پایا گیا ہے۔

صحیح مسلم میں آنحضرت ﷺ سے مروی ہے: عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ فقد رایتنی فی جماعة الانبیاء فاذا موسیٰ علیہ السلام قائم یصلی فاذا رجل ضرب من رجاں شنوۃ و اذا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام قائم یصلی اقر ب الناس شبہاً بہ عروۃ بن مسعود الثقفی، و اذا ابراہیم علیہ السلام قائم یصلی اشبه الناس بہ صاحبکم یعنی نفسہ فحانت الصلوۃ فامتهم۔ (مسلم ج ۱ ص ۹۱) و عند احمد من حدیث ابن عباس فلما اتی النبی ﷺ المسجد الاقصی قام یصلی فاذا النبیون اجمعون یصلون معہ۔ (قسطلانی ج ۶) کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی

جماعت میں دیکھا۔ میں نے موسیٰ کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں وہ میانہ قد ہیں جیسے شنوہ قوم کے لوگ۔ اور میں نے عیسیٰ بن مریم کو دیکھا کہ وہ بھی نماز پڑھ رہے ہیں، ان سے زیادہ مشابہ عروہ بن مسعود ہے، اور میں نے حضرت ابراہیم کو دیکھا کہ وہ بھی نماز پڑھ رہے ہیں، ان سے زیادہ مشابہ میں ہوں، پھر نماز کا وقت آ گیا تو میں نے ان سب کو نماز پڑھائی، امام احمد کی روایت میں ہے کہ بیت المقدس میں آپ نے سب انبیاء کو نماز پڑھائی اور انہوں نے آپ ﷺ کا اقتداء کیا۔

امام نووی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے: قال القاضي فان قيل كيف رأى موسى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يصلى في قبره و صلى رسول الله با لا نبيا ببیت المقدس و وجد هم على مراتبهم في السماوات و سلموا و رحبوا به فالجواب انه يحتمل اينكون روية موسى في قبره عند الكتيب الا حمر قبل صعود النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الى السماء و في طريقه الى بيت المقدس ثم وجد موسى قد سبقه الى السماء و يحتمل انه صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رأى الا نبيا صلوة الله و سلامه عليهم و صلى بهم على تلك الحال لا اول ما راهم ثم سالوا و رحبوا به او يكون اجتماعه معهم و صلوته و روية موسى بعد انصرافه و رجوعه عن سدرة المنتهى - (شرح مسلم - ص ۹۶) کہ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ کو قبر میں نماز پڑھتے کیونکر دیکھا اور آنحضرت ﷺ نے انبیاء کو بیت المقدس میں نماز کیونکر پڑھائی، حالانکہ ان کو حسب مراتب آسمانوں پر پایا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ محتمل ہے کہ حضرت موسیٰ کو قبر میں سرخ تودہ ریگ کے پاس، آسمانوں کی طرف جانے سے پہلے دیکھا ہو، اور بیت المقدس کے راستہ میں۔ پھر حضرت موسیٰ آنحضرت ﷺ سے پہلے آسمان پر پہنچ گئے ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انبیاء کو پہلے دیکھا تو نماز پڑھائی پھر انہوں نے مرحبا وغیرہ کہا ہو۔ یا انبیاء کو آنحضرت کا نماز پڑھانا اور حضرت موسیٰ کو دیکھنا سدرۃ المنتہی سے واپس آنے کے بعد ہوا ہو۔

اور شیخ عبدالحق نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے: اما الذين صلوا معه في بيت المقدس فتحتمل على الارواح المتمثلة و يحتمل الاجساد و يحتمل انه احضر اجسادهم

فی بیت المقدس لملاقات ﷺ ثم رفعوا علی السماء . (لمعات) کہ جن انبیاء نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھی، ان کے ارواح متشکل ہو گئے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ مجسم ہو گئے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے (اصلی) جسم بیت المقدس میں آنحضرت ﷺ کی ملاقات کے لئے حاضر کئے گئے ہوں پھر وہ آسمان پر اٹھائے گئے ہوں۔

ان نصوص صریحہ اور اقوال صحیحہ کے مقابلہ میں مرزا قادیانی کے اس ڈھکوسلہ کو کہ انبیاء بعد موت ایک جگہ سے نہیں ملتے، گویا وہاں جکڑے ہوئے ہیں (معاذ اللہ)، کون سنتا ہے۔ اور اس دعویٰ بلا دلیل سے احادیث نبویہ ثابتہ کو کیونکر موضوع سمجھا جاسکتا ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب۔ تعدد معراج کو اگر یوں مانا جاوے کہ پہلے خواب میں یہ معراج ہوا، پھر بیداری میں، چنانچہ وجود دوم اختلاف کے جواب میں مفصل بیان ہوگا۔ تو پھر تعدد نسخ نماز اعتراض قادیانی کا مورد نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں پہلا حکم ایک تمہیدی اور مثالی حکم بنتا ہے، دوسرا اصلی اور واقعی اور اس خواب کی تعبیر۔ گویا پہلے خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو معراج خواب میں دکھایا کہ ہم ایسا حکم کریں گے۔ پھر معراج بیداری میں ویسا کر دکھایا۔ علاوہ بریں تعدد نسخ بحکم عقل ممنوع اور ناجائز نہیں ہے۔ اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ نے پہلے حکم پر پشیمان ہو کر دوسرا حکم دیا ہے۔ اگر تعدد نسخ موجب پشیمانی ہو سکتا ہے، تو چاہیے کہ ایک دفعہ کا نسخ بھی موجب پشیمانی ہو۔ اس صورت میں مرزا قادیانی کو لازم ہے کہ مطلق نسخ کو موجب پریشانی ٹھہرا کر اس سے انکار کرے، اور اپنے چھپے مذہب نیچریت کو بر ملا ظاہر کرے جس میں نسخ کو خلاف تقدس سمجھا گیا ہے، اور اس وجہ سے قرآن میں وقوع نسخ سے انکار کیا گیا ہے۔ چنانچہ قادیانی کے درپردہ پیر و مرشد حکیم نور الدین نے رسالہ فصل الخطاب لمقدمۃ قرنیۃ فاتحہ الکتاب کے خاتمہ میں اس انکار کا اظہار کیا ہے۔ اور اس سے پہلے ان کے پیر و مرشد آنر ایبل سرسید احمد خان نے اس کا اشتہار دیا ہے۔ تعدد نسخ پر اعتراض کی آڑ میں شکار کھیلنے کی کیا ضرورت ہے۔ اہل سنت تو تعدد نسخ کو ویسا ہی جائز سمجھتے ہیں جیسا کہ مطلق نسخ کو، اور نسخ کو پہلے حکم سے پشیمانی اور اس کی غلطی پر مبنی نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس کو اس حکیمانہ تبدیلی کی نظیر خیال کرتے ہیں جو حکیم حاذق سے

وقوع میں آتی ہے کہ پہلے وہ ایک مریض کے حق میں ایک نسخہ کو مناسب سمجھتا ہے اور پھر جب اس کی حالت بد ل جاتی ہے، تو اس نسخہ کو منسوخ کر کے اس کے بدلے دوسرا نسخہ تجویز کرتا ہے۔ اور جب پھر وہی پہلی حالت مریض عود کرتی ہے، تو اس دوسرے نسخہ کو منسوخ کر کے پھر اس پہلے نسخہ کو تجویز کرتا ہے۔ اور یہ امر اس کے علم و کمال میں کچھ فرق نہیں لاتا اور پشیمانی کا موجب نہیں ہوتا۔ اور اس پر یہ گمان نہیں کیا جاتا کہ وہ اس تبدیلی میں پشیمان و حیران ہوا ہے۔ بلکہ اس کے علم و کمال و تجربہ اور استقلال کا مثبت ہوتا ہے۔ اس تعدد نسخ کی مثال احکام اسلام میں قبلہ کا نسخ ہے کہ پہلے کعبہ شریف، مسلمانوں کا قبلہ تھا، پھر جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لے گئے تو وہاں یہودیوں کی اصلاح حالت کی نظر سے استقبال کعبہ منسوخ ہو کر بیت المقدس قبلہ مقرر ہوا۔ پھر جب یہودیوں کی حالت کا ناقابل اصلاح ہونا کس و ناکس پر ظاہر ہو گیا، تو پھر بر عایت اصلاح حال عرب، استقبال بیت المقدس منسوخ ہوا اور کعبہ شریف کو قبلہ بنایا گیا۔ اس مسئلہ کی تفصیل کتب حدیث و تفسیر و اصول میں ہے۔ اس مقام میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

اس بیان سے ثابت ہے کہ یہ دونوں اعتراض مرزا قادیانی کے لچر و پوچ ہیں۔ اور واقعہ معراج کا متعدد ہونا کسی اعتراض کا محل نہیں اور اختلاف وجہ اول کو دور کرنے کے لئے تجویز تعدد معراج بھی ایک عمدہ تجویز ہے اور جو جواب وجہ اختلاف اول کا ہم نے دیا ہے، وہ واقعہ معراج کو ایک واقعہ ماننے سے پورا ہو سکتا ہے اور اس پر مرزا قادیانی کا اعتراض اول وارد نہیں ہوتا، اور یہ امر عقلاً جائز و ممکن اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ و حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہم السلام ایک ہی واقعہ میں مختلف مواضع میں دیکھے گئے ہوں۔ لہذا مومن و تبع سنت کی یہ شان نہیں کہ اس امکان و احتمال کے ساتھ احادیث میں ظاہر اختلاف مواضع دیکھ کر احادیث میں تعارض کا مدعی ہو کر ان کو موضوع قرار دے۔ یہ جرأت قادیانی سے ہوئی تھی جس کو حدیث سے دلی عناد و انکار ہے۔

دوسری وجہ اختلاف کا جواب۔ معراج نبوی کا بحالت بیداری ہونا بھی صحیح ہے اور بحالت خواب بھی درست۔ اور ان دونوں میں کوئی مخالفت و تعارض نہیں ہے۔ جائز و ممکن ہے کہ پہلے یہ معراج خواب میں ہوا اور

وہ معراج بیداری کیلئے ایک وعدہ اور بشارت ہو۔ اور پھر حالت بیداری میں معراج ہوا ہو۔ جو اس خواب کی تعبیر و تصدیق ہو اور یہ بھی جائز و ممکن ہے کہ ایک ہی معراج کے اول اور آخر آپ پر خواب کی حالت طاری ہو اور وسط میں بیداری ہو۔ اور یہ بھی ممکن اور محتمل ہے کہ معراج صرف بیداری میں ہوا ہو اور بعض احادیث میں جو نیند اور اس سے بیداری کا لفظ وارد ہے اس سے امور عالم بالا میں استغراق اور اس حالت استغراق سے افاقہ اور عالم دنیوی کی طرف توجہ مراد ہو۔

قسطلانی نے شرح بخاری میں کہا ہے: و الجمهور على ان وقوعها في ليلة واحدة في اليقظة بجسده المكرم عليه السلام وقيل وقع ذلك مرتين مرة في المنام توطيه و تمهيداً و مرة في اليقظة (قسطلانی ج ۶ ص ۲۲۷) کہ جمہور قائل ہیں کہ اسراء بیت المقدس تک اور معراج آسمانوں تک دونوں یک بارگی ایک رات میں بیداری کی حالت میں جسم شریف کے ساتھ واقع ہوئے ہیں۔ بعض قائل ہیں کہ یہ واقعہ دو دفعہ ہوا۔ ایک دفعہ خواب میں بطور تمہید دوسری دفعہ بیداری میں۔

الثابت في الروايات انه كان في اليقظة فان قلنا بالتعدد فلا اشكال و الا فيتحمل هذا مع قوله آخر الحديث و استيقظ و هو في مسجد الحرام على انه كان في طرفي القصة نائماً و ليس في ذلك ما يدل على كونه نائماً فيها كلها۔ (قسطلانی ج ۱۰ ص ۵۰۵) یہ بھی قسطلانی نے کہا ہے کہ عام روایتوں میں ہے کہ معراج بیداری میں ہوا۔ سواگر ہم تعدد معراج کے قائل ہوں تو پھر کوئی اعتراض و اختلاف باقی نہیں رہتا، یعنی یوں کہا جاسکتا ہے کہ ایک دفعہ خواب میں معراج ہوا، ایک دفعہ بیداری میں۔ اور اگر ہم تعدد کے قائل نہ ہوں تو اس لفظ نیند سے اور جو آخر حدیث میں اس سے بیدار ہونے کا ذکر ہے، یہ مراد ہونا محتمل ہے کہ آپ ﷺ اول اور آخر اس واقعہ کے نیند میں تھے، اور یہ کہیں نہیں پایا گیا کہ آپ تمام واقعہ میں سوتے تھے۔

اور ای استيقظ من نومة نامها بعد الاسراء او انه افاق مما كان فيه مما خاطر باطنه من مشاهدة الملاء الاعلى فلم يرجع الى حال بشريه الا و هو نائم اور یہ بھی قسطلانی (ص ۵۰۸۔ ۱۰) میں ہے کہ آخر حدیث میں جو بیدار ہونے کا ذکر ہے اس سے یہ مراد ہے کہ وہ اس نیند



سے بیدار ہوئے جو بعد واپسی آپ پر طاری ہوگئی تھی یا یہ مراد ہے کہ جس مشاہدہ عالم بالا میں آپ مستغرق تھے اس سے افاقہ میں آکر حالت بشریت کی طرف ایسے وقت رجوع فرمایا کہ آپ سوتے تھے۔

ای افاق مما كانه فيه فانه كان اذا اوحى اليه يستغرق فيه فاذا انتهى رجوع الى حالته الاولى فكفى عنه بالاستيقاظه (فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۰۱) اور فتح الباری میں کہا ہے کہ آپ ﷺ کو اس حالت استغراق سے افاقہ ہوا جس میں آپ مستغرق تھے اور آپ کی یہ عادت تھی کہ جب آپ کی طرف وحی ہوتی آپ اس میں مستغرق ہو جاتے۔ وہ حالت ہو چکی تو آپ نے پہلی حالت کی طرف رجوع کیا اسی کو کنایۃً بیدار ہونا کہا گیا ہے۔

قال الكرمانى ثبت فى الروايات الآخرة ان الاسراء كان فى اليقظة واجاب بقوله ان قلنا بتعدده فظاهر وان قلنا باتحاده فيمكن ان يقال كان فى اول الامر و آخره فى النوم و ليس فيه ما يدل على كونه نائماً فى القصة كلها (عمدة القارى) اور یعنی نے عمدة القارى شرح بخارى میں کہا ہے کہ کرمانی نے فرمایا ہے اکثر روایات میں ثابت ہو چکا ہے کہ معراج بیداری میں تھا، پھر خود اس حدیث کا جس میں نیند کا ذکر ہے یہ جواب دیا ہے کہ اگر تعدد واقعہ معراج کے قائل ہوں تو ظاہر ہے (وہ پھر کوئی اختلاف نہیں رہتا) اور اگر ایک واقعہ کے قائل ہوں تو یہ کہنا ممکن ہے کہ آپ اول اور آخر واقعہ میں سو گئے تھے اور یہ کہیں نہیں آیا کہ آپ تمام واقعہ میں سوتے تھے۔

اس امکان و احتمالات کے ساتھ کسی مومن و قائل حدیث سے ممکن و متصور نہیں کہ خواب اور بیداری کے الفاظ دیکھ کر ان احادیث کے تعارض کا مدعی ہو کر ان احادیث کو موضوع کہدے۔ یہ مرزا قادیانی ہی کا کام تھا۔ جو اس سے وقوع میں آیا، جس نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ درحقیقت صحیحین کا منکر اور حدیث کا دلی دشمن ہے۔ تیسری وجہ اختلاف کا جواب۔ محل معراج و نزول فرشتہ جو آنحضرت ﷺ کے گھر اور بیت الحرام دونوں کو کہا گیا ہے اس میں بھی کوئی مخالفت نہیں۔ جائز و ممکن ہے کہ فرشتہ پہلے آپ کے گھر میں آیا ہو پھر جب آپ حرم میں تشریف لائے تو وہاں حاضر ہو گیا ہو۔ بلکہ اگر ایک دو مقام میں اور بھی آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہوتے

تو وہاں بھی فرشتہ کا جانا ممکن تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے:

اختلف الروایات فی تعیین مکان الاسراء ففی بعضها وانا فی الحطیم  
 وفی بعضها بینا اذا عند البیت وفی بعضها فرج سقف بیتی وانا بمکة وفی  
 بعضها استر به فی شعب ابی طالب وفی بعضها فی بیت ام هانی وهو اشهر۔ و  
 الجمع بین هذه الاقوال علی ما ذکره فی فتح الباری انه بات فی بیت ام هانی و  
 بیتهای فی شعب ابی طالب ففرج سقف بیتهای و اضاف البیت الی نفسه الشریفة  
 لبیتوته فیہ فنزل الملک فاخرجه من البیت الی المسجد الحرام ثم اخذ الملک فاخر  
 جه من المسجد۔ (لمعات) کہ معراج کے مکان کی تعیین میں روایات کا اختلاف ہے۔ بعض روایات میں  
 حطیم کا ذکر ہے، بعض میں حجر کا، بعض میں بیت اللہ کا، بعض میں آپ کے گھر کی چھت سے فرشتہ کے آنے کا۔  
 بعض میں ابوطالب کی شعب کا (یہاں تک) کہ بعض میں ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر کا۔ ان سب کو فتح الباری  
 میں یوں باہم متوافق کیا ہے کہ آپ اس رات امام ہانی کے گھر میں تھے جو ابوطالب کے شعب میں تھا اسی گھر  
 کی چھت چیر کر فرشتہ آیا تھا، اسی کو آپ نے اپنا گھر کہا کیونکہ اس میں آپ رہتے تھے۔ پھر فرشتہ آپ ﷺ کو مسجد  
 الحرام میں لے گیا۔

هكذا فی المرقاة و زاد فیہ فاخرجه من البیت الی المسجد وکان مضطجعا و فیہ  
 اثر النعاس ثم اخرجه من الحطیم الی باب المسجد۔ ملا علی قاری نے ایسا ہی مرقاة میں بیان کیا  
 ہے، اس میں یہ زیادہ ہے کہ گھر سے فرشتہ آپ کو مسجد میں لایا، اس وقت آپ لیٹے ہوئے تھے اور آپ پر اونگھ کا  
 اثر باقی تھا، پھر حطیم سے (جس کو حجر بھی کہتے ہیں) مسجد کے دروازہ پر لایا۔ وہاں سے براق پر سوا کرایا۔

اور جب کہ ان سب مواضع میں فرشتہ کا آنا یوں ممکن و محتمل ہے، تو پھر اس ظاہری اختلاف کی نظر سے  
 ان کے موضوع ہونے کا مدعی ہونا، مومن قائل حدیث سے کب متصور ہے۔ اور یہ امر بجز مرزا قادیانی کے، جو  
 منکر حدیث ہے، کس طرح ہو سکتا ہے۔

چوتھی وجہ اختلاف کا جواب۔ درحقیقت واقعہ معراج بعد نبوت ہوا ہے، اور جو شریک کی حدیث میں قبل از وحی کا لفظ وارد ہے، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ معراج وحی سے پہلے ہوا تھا، حاشا و کلا۔ بلکہ اس حدیث میں صریح الفاظ کے ساتھ اچکا ہے کہ قبل از وحی کے فرشتہ آیا تو اس وقت وہ آپ کو پوچھ کر چلا گیا۔ پھر آپ نے اس کو نہ دیکھا، یہاں تک کہ پھر کسی اور شب کو آیا اور اس وقت آپ کو آسمان پر لے گیا۔ ان دونوں شب میں جو فاصلہ تھا اس کے تعیین میں اختلاف ہے۔ سات سے لے کر تیرہ سال تک فاصلہ بیان کیا گیا ہے۔ اس فاصلہ کو ایک شب کا فاصلہ مانا جائے، تب ہی یہ مطلب اس حدیث کا بن سکتا ہے کہ جس شب قبل از وحی فرشتہ آیا اس شب میں وہ آپ کو پوچھ کر چلا گیا۔ اس شب معراج نہیں ہوا، معراج کسی اور شب ہوا۔

جن لوگوں نے شریک کی اس روایت میں لفظ قبل از وحی کو غلط قرار دیا، اور شریک کو اس کے بیان میں متفرد اور دوسرے راویوں کا مخالف کہا ہے، انہوں نے اس حدیث کے اس جملہ کی طرف کہ فرشتہ اس رات آپ کو پوچھ کر چلا گیا اور پھر نظر نہ آیا، توجہ وغور سے نہیں دیکھا۔ اور لفظ قبل از وحی کو دوسری شب کے معراج سے متعلق کر دیا اور دھوکہ کھایا اور جن لوگوں نے اس جملہ کو توجہ سے پڑھا انہوں نے صاف کہہ دیا کہ شریک نے اس لفظ کے بیان میں کوئی غلطی نہیں۔ یہ لفظ قبل از وحی معراج کا مکمل و متعلق نہیں ہے، بلکہ یہ معراج سے پہلے فرشتہ کے آنے کا مکمل و متعلق ہے۔ اور اس لفظ میں شریک متفرد بھی نہیں اور راویوں نے بھی یہ لفظ بولا ہے۔ اور اس لفظ کو ان روایات سے جن میں معراج کا بعد از وحی و نبوت ہونا بیان ہوا ہے، کوئی مخالفت نہیں، کیونکہ اس لفظ کو معراج سے تعلق نہیں ہے۔

اس مقام میں اصل حدیث شریک کے الفاظ مع ترجمہ نقل کئے جاتے ہیں اور خطوط وحدانی (بریکس) میں اس کی شرح میں بعض اقوال منقول ہوتے ہیں جس سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ شریک کی اس میں کوئی غلطی نہیں، بلکہ معترضین کی غلطی فہم ہے۔

صحیح بخاری اور اس کی شرح قسطلانی میں ہے:

جاء ثلاثة نفر لم اقف على اسمائهم صريحاً لكنهم من الملائكة لاكن في

روایۃ میمون بن سیاہ عند الطبری فاتاہ جبریل و میکائیل۔ قبل ان یوحى الیہ۔  
 وھو نائم فی المسجد الحرام فقال اولھم ایھم ھو، محمد و قد روی انه کان نائماً  
 معہ حینئذ عمہ حمزہ بن عبد المطلب و ابن عمہ جعفر بن ابی طالب۔ فقال  
 اوسطھم ھو خیرھم فقال آخرھم و لا بی ذر عن الکشمینی فقال احدھم ای احد  
 النفر الثلاثہ خذوا خیرھم للعروج بہ الی السماء فکانت تلك اللیلة ای فکانت  
 تلك القصة الواقعة تلك اللیلة ما ذکرھا فلم یرھم صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ حتی نوه لیلة اخرى لم  
 یعین المدة بین اللیلتین فیحتمل علی ان المجرى الثانی کان بعد ان یوحى الیہ و  
 حینئذ وقع الاسراء و المعراج و ان کان بین المجریین مدة فلا فرق بین ان یرھم  
 تلك المدة لیلة واحدة او لیاالی كثيرة او مدة سنین و بهذا یحصل الجواب عما  
 استشكله الخطابی و ابن حزم و عبدالحق و عیاض و النووی من قبل قوله قبل  
 ان یوحى الیہ و نسبتھم روایة شریك الی الغلط لان المجمع علیہ ان فرض  
 الصلوة كانت لیلة الاسراء فكیف یرھم قبل الوحى و ان شریكاً تفرد بذلك  
 فارتفع الاشكال كذا قرره ابن حجر... اما دعوھم تفرد شریك فقال الحافظ  
 ابن حجر انه قد وافقه اكثر بن خنیس عن انس كما اخرجه سعید بن یحى الاموی  
 فیما یرى قلبه و تنام عینہ و لا ینام قلبه و كذا لك الانبیاء تنام اعینھم و لا تنام  
 قلبھم فلم یكلموا حتی احتملوه فوضعه عند زمزم۔ الحدیث۔ (بخاری۔ ص ۱۱۲،  
 قسطلانی۔ ج ۱۰ ص ۵۰۰) تین شخص (میں ان کے نام پر مطلع نہیں ہوا، میمون بن سیاہ کی روایت میں جو طبری نے نقل کی ہے جبریل و  
 میکائیل کا نام آیا ہے) آپ پر وحی نازل ہونے سے پہلے ایسے وقت میں آئے کہ آپ ﷺ مسجد الحرام میں سوتے  
 تھے، ان میں سے اول بولا، ان (سونے والوں) میں محمد کونسا ہے (ایک روایت میں ہے اس وقت آپ کے ساتھ دو آدمی اور  
 سوتے تھے ایک آپ کے چچا حمزہ دوسرے آپ کے چچا زاد بھائی جعفر)۔ ان ملائکہ سے بیچ والہ بولا، محمد وہ ہے جو ان میں سے بہتر  
 ہے۔ پس اخیر والا بولا (کشمینی کی روایت ہے ان میں سے ایک بولا) اس بہتر کو لے لو (یعنی آسمان پر لے جائے کو)۔ پس اس

رات اتنا ہی قصہ واقعہ ہوا (یعنی جو مذکور ہوا ہے) پھر آنحضرت ﷺ نے اس کو نہ دیکھا یہاں تک کہ کسی اور رات وہ فرشتے آئے۔ ان دو دفعہ کے بیچ کی مدت مقرر نہیں ہوئی۔ پس یہ قرار دیا جائے گا کہ دوسری دفعہ کا آنا بعد از وحی ہوا تھا اور اس وقت سیر معراج کا وقوع ہوا۔ ان دو دفعہ کے آنے میں کچھ مدت تھی تو اس مطلب میں کہ دوسری دفعہ کا آنا بعد از وحی ہوا تھا کوئی فرق نہیں پڑتا، خواہ وہ مدت ایک رات کی ہو یا کئی راتوں کی یا چند برسوں کی۔ اس مطلب سے خطابی وغیرہ کے اس شبہ کا جواب ادا ہوا۔ جو ان کو لفظ قبل از وحی سے پیدا ہوا تھا۔ اور اس لفظ کے بیان میں انہوں نے شریک کو غلطی پر کہا، وہ شبہ یہ کہ بالاتفاق نماز معراج میں فرض ہوئی تھی، پھر معراج قبل از وحی کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور نیز یہ شبہ کہ اس لفظ کو صرف شریک ہی لایا ہے اور کسی نے یہ لفظ نہیں بولا، یہ شبہ اس مطلب سے رفع ہو گیا۔ ایسا ہی حافظ ابن حجر نے تقریر کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے یہ بھی کہا ہے کہ اس لفظ قبل از وحی کو کثیری حتمیس بھی لایا ہے، چنانچہ یحییٰ بن سعید اموی نے کتاب المغازی میں نقل کیا ہے، (یعنی شریک اس میں متفرق نہیں ہے) وہ فرشتے اس حالت میں آئے کہ آپ کا دل بے دار تھا اور آنکھ خواب میں تھی، دل خواب میں نہ تھا۔ ایسا ہی اور انبیاء کا حال ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتے۔ تب وہ فرشتے کچھ نہ بولے۔ آپ کو اٹھا کر لے گئے۔ اور زمزم کے پاس لے جا کر رکھا۔ (تا آخر حدیث جس میں آنحضرت ﷺ کو اوپر لے جانے کا بیان ہے)

ایسا ہی حافظ ابن حجر نے فتح الباری جلد ۱۳ ص ۳۹۹ میں کہا ہے: و اما ما ذکرہ بعض الشراح انه كان بين الليلتين اتاه فيها الملا ئكة سبع و قيل ثمان و قيل عشر و قيل ثلثة عشر فيحمل على ارادة السنين لا كما فهمه الشارح المذكور انها ليالٍ كه ان دونوں راتوں میں مدت فرق بعض نے سات بعض نے آٹھ بعض نے نو بعض نے دس بعض نے تیرہ بیان کئے ہیں۔ جس سے سال مراد ہیں نہ راتیں جیسا کہ بعض شراح نے سمجھا ہے کہ ان اعداد سے راتیں مراد ہیں۔

بعض علماء نے لفظ قبل از وحی کی یہ تاویل کی ہے: قيل ان هذا كان اسراء المنام قبل الوحى و اما اسراء اليقظة فبعد النبوة و قيل بل الوحى ههنا مقيد و ليس بالوحى الذى هو مبدء النبوة و المراد قبل ان يوحى اليه فى شان الاسراء فاسرى فجاءةً من غير تقدم اعلام (زاد المعاد ج ۱ ص ۲۴) و قيل المراد به قبل ان يوحى اليه بيان

کہ قبل از وحی خواب کا معراج تھا اور معراج بیداری بعد از وحی ہوا ہے۔ بعض نے یہ تاویل کی ہے کہ اس وحی سے وہ وحی مراد نہیں جو مبداء نبوت ہے، بلکہ خاص کر وہ وحی جو بیان معراج کی بابت ہوئی ہے یا وہ وحی جو حکم نماز میں وارد ہوئی ہے۔ ان تاویلات کو حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اور قسطلانی نے شرح بخاری میں نقل کیا ہے، مگر ہمارے نزدیک لفظ قبل وحی کو معراج سے تعلق ہی نہیں (چنانچہ الفاظ حدیث سے ثابت ہے اور آئمہ حدیث نے اس کو تسلیم اور بیان کیا ہے) تو پھر ان تاویلات کی کیا حاجت ہے۔

بالجملہ یہ لفظ قبل از وحی کسی طرح اعتراض کا محل نہیں ہے۔ نہ یہ اور روایات کے مخالف ہے، نہ اس کا راوی اس کے بیان میں متفرد ہے۔ لہذا اس لفظ کی نظر سے اس حدیث کو دوسری احادیث معراج کی معارض قرار دے کر موضوع ٹھہرانا مرزا قادیانی ہی کا کام ہے جو حدیث کا دلی دشمن ہے۔ مومن منبع سنت سے اس دعویٰ موضوعیت پر جرات نہیں ہو سکتی۔

تکلم ابن حزم و القاضي عياض و غيرهما على حدیث هذا و انتصر له جماعة منهم ابو الفضل بن طاهر فصنف فيه جزءاً ... ما يتعلق به مستوقى عند الكلام عليه انشاء الله تعالى في موضعه (مقدمه فتح الباری)

ہر چند بعض محدثین سلف نے شریک کی حدیث کے بعض الفاظ پر کچھ کچھ اعتراض کئے ہیں جن کے ایک جماعت محدثین نے کہ از انجملہ ایک ابو الفضل بن طاہر ہیں، حدیث شریک کی نصف ومدافعت میں کھڑے ہو کر کافی جواب دیئے ہیں۔ مگر یہ جرات کسی محدث سے نہیں ہوئی کہ ان الفاظ کے سبب شریک کی حدیث کو دوسری احادیث کے معارض و مخالف ٹھہرا کر ان سب کو موضوع قرار دیا ہو۔ محدثین سلف میں سے جس نے اپنی غلطی فہم سے کسی لفظ پر کوئی اعتراض کیا ہے، اس نے صرف اسی لفظ کو شریک کے اغلاط سے خیال کر لیا۔ اصل حدیث اور اس کے تمام مضمون کو دائرہ صحت سے خارج نہیں کیا، جیسا کہ مرزا قادیانی سے عمل میں آیا۔

ہمارا قول نمبر ۳۔ آپ (مرزا) لکھتے ہیں احادیث کے دو حصہ ہیں۔ اول وہ حصہ جو تعالٰیٰ میں آچکا ہے (ماہنامہ

مرزا قادیانی کا جواب۔ میں نے اصطلاح اہل حدیث سے سروکار نہیں رکھا۔ ہر شخص اپنی اصطلاح قرار دینے کا مجاز ہے۔ میں نے ضروریات دین کے لفظ سے ان امور کو مراد لیا ہے جن کا سلسلہ تعامل سے ضروری تعلق ہے۔ وہ احکام فرمودہ اللہ اور رسول ہیں جو مسلمان بننے کے لئے ضروری ہیں۔ ہر ایک مسلمان ان تمام احکام کو عملی طور پر یاد رکھتا ہے کیونکہ وہ مسلمان بننے کی حالت میں دائمی طور پر اس کو کرنے پڑتے ہیں، یا کبھی کبھی کرنے کے لئے وہ مجبور کیا جاتا ہے۔ بخلاف قصص و اخبار کے جو سلسلہ تعامل سے خارج ہیں، مسلمانوں کو ان کے علم و اطلاع کی کوئی بھی ضرورت نہیں ہے۔ مسلمانوں سے ایسے آدمی بہت تھوڑے ہیں جن کو وہ قصے یاد و معلوم ہوں۔

اس جواب پر ہمارا نوٹ۔ اس جواب میں مرزا قادیانی نے سراسر جھوٹ بول کر سخت دہوکہ دیا ہے۔ ضروریات دین سے احکام متعلق عمل کو مراد لیا اور ان سب احکام کے جاننے اور عمل میں لانے کو مسلمان ہونے کیلئے ضروری شرط ٹھہرایا، اور ہر ایک مسلمان کے ان احکام سے واقف ہونے کا دعویٰ کیا اور ان احکام عملیہ کے مقابلہ میں احادیث متعلقہ عقائد ایمانیہ اسلامیہ سنیہ کو محض قصص و اخبار ٹھہرا کر ضروریات دین (متعلقہ ضرورت دین) سے خارج کیا اور ان کے جاننے ماننے کو غیر ضروری بتایا۔ اور اکثر مسلمانوں کو ان عقائد سے بے خبر قرار دیا۔ اور ان چھ دعاوی میں ایسا کذب و مغالطہ سے کام لیا کہ سچ کو ان کے پاس بھی پھٹکنے نہیں دیا۔ ضروریات دین سے مرزا قادیانی کی مراد امور دین متعلقہ حاجت و ضرورت دینی ہیں تو اعتقادات اسلامیہ سنیہ عملیات فرعیہ (احکام متعلقہ عمل) سے بڑھ کر اور پیشتر ان ضروریات میں داخل و شامل ہیں۔ مرزا قادیانی نے ضروریات دینیہ میں صرف عملیات کو داخل کرنے اور اعتقادات کو خارج کرنے میں دو جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے:

ان اعتقادات کو جاننا اور ماننا ایسا ضروری اور مسلمان بننے کا لازمہ ہے کہ ویسا احکام عملیہ کو جاننا ضروری نہیں ہے۔ عقائد اسلامیہ سنیہ کا جاننا ہر ایک مسلمان سنی کو ضروری ہے، بخلاف احکام متعلقہ عمل کہ ان سب کو ہر ایک مسلمان کا جاننا ضروری و شرط اسلام نہیں۔ بلکہ خاص کر اسی مسلمان کو اس حکم کا جاننا ضروری ہے جو اس حکم کی تعمیل کے لائق ہو۔ مثلاً ایک شخص فقیر ہے اور وہ صرف ادائے نماز کے لائق ہے، تو اس پر اس حکم نماز کا جاننا اور

اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اور جب وہ زکوٰۃ کے لائق مال دار ہو جائے، تب اس پر احکام متعلقہ زکوٰۃ کا جاننا لازم ہوتا ہے۔ اور جب وہ حج کے لائق مال پیدا کر لے، تو اس وقت اس پر حج کے احکام کا جاننا لازم ہوتا ہے۔ اور جب وہ تجارت کرنے لگے تو اس وقت اس پر احکام تجارت کا جاننا لازم ہوتا ہے۔ ایسے ہی اور ہزاروں بلکہ بے شمار احکام ہیں جن کا قبل از وقت تمام مسلمانوں کو جاننا ضروری نہیں ہے۔

اور اعتقادات کا یہ حال ہے کہ مسلمان کہلانے کیلئے ہر عاقل بالغ کو جو ایمان سے مامور ہے، لازم ہے کہ وہ خدا پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اور اس کی کتابوں اور فرشتوں کو مانے اور قیامت پر اور موت کے بعد جسموں کے ساتھ اٹھائے جانے اور محشر میں حاضر ہونے پر اور نیک و بد اعمال کا حساب دینے اور مومنوں کے بہشت میں جانے اور کافروں کے دوزخ میں داخل ہونے کا یقین رکھے۔ اور سنی بننے کیلئے ہر ایک سنی کو جاننا اور ماننا ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خلفاء اربعہ کی خلافت برحق ہے، اہل بیت نبوی کی محبت جزء ایمان ہے،

قبر کا عذاب برحق ہے، اور اہل توحید گناہ گاروں کیلئے آنحضرت ﷺ کی شفاعت برحق ہے و علیٰ هذا القیاس بہت سے اعتقاد ہیں جو احکام عملیہ نہیں کہلاتے اور اس لئے وہ سلسلہ تعادل میں داخل نہیں ہو سکتے۔

مرزا قادیانی نے اس قسم کے اعتقادات ایمانیہ و سنیہ کو جاننا اور ماننا مسلمانوں کے لئے غیر ضروری بتایا اور اس کے مقابلہ میں بے شمار احکام متعلقہ حج و زکوٰۃ و بیع، شرا، و ہبہ، طلاق وغیرہ اعمال کو جاننا تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ٹھہرایا ہے۔ اس میں بھی اس نے دو جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے۔

اعتقادات مذکورہ ایسے ہیں جن سے ہزار مسلمان اور سنیوں میں سے دس نہ جانتے ہوں اور بے شمار احکام عملیہ ایسے ہیں جن کو ہزار مسلمانوں سے صرف دس بیس جانتے ہوں گے۔ مرزا نے جملہ احکام عملیہ سے تمام مسلمانوں کو واقف اور اعتقادات سے اکثر کو ناواقف قرار دینے میں بھی دو جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے۔

اپنی نئی اصطلاح مقرر کرنے کا مرزا قادیانی اور ہر شخص کو اختیار ہے، مگر دو شرط سے۔ ایک یہ کہ جو اصطلاح کوئی مقرر کرے اس کو استعمال میں لانے کے وقت یا اس سے پیشتر مخاطبین کو مطلع کرے، اور یہ بتا دے کہ فلاں اصطلاح سے میری مراد یہ معنی ہیں۔ دوسری یہ کہ اس اصطلاح میں اس فن یا مذہب یا جماعت کا خلاف نہ کرے جس فن یا مذہب یا جماعت میں دخل دہی کا مدعی ہو کر وہ اصطلاح مقرر کرتا ہے۔ اور وہ شخص جو



ان شروط کا خلاف کرتا ہے، اس پر اس اصطلاح کے مخالف اصطلاح میں بکری کا نام خنزیر مقرر کر کے اس کو حلال کہہ دے اور یہ دعویٰ کرے کہ دین اسلام میں خنزیر حلال ہے تو اس پر دو الزام قائم ہوں گے۔  
 ۱۔ تو نے پہلے سے یا اس کلام کے ساتھ یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ خنزیر سے میری مراد بکری ہے۔  
 ۲۔ اس اصطلاح سے تو نے اصطلاح دین اسلام کا جس نے بکری کو حلال اور خنزیر کو حرام قرار دیا ہے، خلاف کیا۔ لہذا تیرا یہ کہنا اسلام کے مخالف ہے۔

مرزا قادیانی نے اعتقادات اسلامیہ سنیہ کو ضروریات دین سے خارج کرنے میں بعینہ یہی کام کیا ہے۔ اس نے اپنی تحریر نمبر ہفتم میں ضروریات دین کا لفظ بولا، تو اس لفظ کا کوئی مطلب بیان نہ کیا۔ جس پر وہ پہلے اعتراض کا مورد ہوا۔ جو ہماری تحریر نمبر ہشتم میں اس پر وارد کیا گیا۔ اب اس نے اس لفظ کا مطلب اصطلاح اہل اسلام کے مخالف یہ بیان کیا ہے کہ اس سے صرف احکام عملیہ مراد ہیں۔ تو اب اس پر اعتراض دوم وارد کیا گیا ہے۔ کہ یہ اصطلاح اہل اسلام کی قرارداد کے مخالف ہے، کیونکہ وہ اعتقادات کو عملیات سے بڑھ کر دینی ضرورت و حاجت کا متعلق سمجھتے ہیں۔ ایسا ہی مرزا قادیانی نے دیگر نئی اصطلاحات میں کام کیا ہے جس کا بیان قول مابعد اور اقوال آئندہ میں ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ہمارا قول نمبر ۴۔ آپ (مرزا) نے سلامت فہم راوی کو شرط ٹھہرایا ہے۔ (ماہنامہ اشاعت السنہ نمبر ۶ ج ۱۳ ص ۱۶۴)  
 مرزا قادیانی کا جواب۔ میں محدثین کا تبع اور شاگرد ہو کر گفتگو نہیں کرتا، تا میرے لئے ان کی اصطلاحوں کا پابند ہونا ضروری ہو، میں الہی تفہیم سے گفتگو کرتا ہوں۔ سلامت فہم سے میری اصطلاح میں مراد یہ ہے کہ راوی کے دماغ میں کوئی آفت کا دخل نہ ہو وہ فاسد العقل، مجبوط الحواس، نیم مجنون، مدہوش نہ ہو۔ تم نے جو یہ کہا ہے کہ راوی حدیث صرف الفاظ سے غرض رکھتے تھے ان کے معانی سمجھنے سے بالکل بے نصیب تھے، یہ کم فہمی ہے۔ جو شخص اس قدر بھی فہم نہیں رکھتا کہ جو بات وہ دوسرے کو پہنچاتا ہے وہ کس زبان میں ہے، عربی میں یا ترکی میں یا انگریزی میں یا عبری میں، اس کی تبلیغ کیا خاک کرے گا۔ تم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ احادیث بعینہ الفاظ سے منقول ہیں، یہ محض فضول ہے۔ یہ ہوتا تو مثلاً احادیث معراج میں یہ اختلاف کیوں پڑتا، کہ کبھی موسیٰ کو چھٹے

آسمان پر کہدیا، کبھی ابراہیم کو، تم نے امام ابوحنیفہ کی تحقیر کی اور ان کی نسبت یہ لکھ دیا کہ وہ حدیث نبوی کے پانے سے محروم رہے اور ان کا قیاسی انکلوں پر گزارہ رہا ہے۔ (دیکھو ص ۸۱-۸۵ مباحثہ لہیاء طبع قادیانی)

اس جواب پر ہمارا نوٹ۔ اس جواب میں بھی مرزا قادیانی نے محض کذب و مغالطہ سے کام لیا ہے۔ اس نے اپنی تحریر پنجم میں راویوں کی شرائط میں ایک سلامت فہم کو (جو صحت کی مترادف ہے اور اس کی ضد مقابل غلط فہمی ہے) شمار کیا تھا۔ ہم نے اس کے جواب میں تحریر ہشتم میں کہا تھا کہ فہم معانی حدیث مطلق شرط روایت نہیں بلکہ خاص کر اس حالت میں شرط ہے کہ راوی، حدیث کو بالمعنی روایت کرے۔ تاکہ اس صورت میں مطلب حدیث میں وہ غلطی نہ کرے۔

مرزا قادیانی نے اس سیدھی بات کو بنگٹڑ بنا دیا اور اس کو یہ کہنا قرار دیا کہ حدیث کے راوی الفاظ کا مطلب بالکل کچھ نہ سمجھتے تھے، وہ ان الفاظ کے معانی سے ایسے نا آشنا و بے نصیب تھے جیسے ایک عربی شخص ہندی انگریزی ترکی اور عبرانی الفاظ کے معانی سے بے نصیب ہوتا ہے۔ اور اس افتراء میں مرزا صاحب نے لعنة الله على الكاذبين کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ پھر اپنی شرط سلامت فہم (یعنی عدم غلطی) کا مطلب ازراہ جعل سازی یہ گھڑ لیا کہ اس سے سلامت ہوش و حواس و عدم خبط و جنون و مد ہوشی مراد ہے، نہ فہم معانی۔ اور شرم دنیا و خوف آخرت کو پیش نظر رکھ کر یہ نہ سوچا کہ سلامت فہم کے معنی کس و ناکس، محدث ہو خواہ صرف لغت عرب کا واقف ہو، یہی سمجھتا ہے کہ فہم معانی میں غلطی نہ ہو۔ بلکہ صحت و سلامتی ہو۔ اور اس لفظ سے سلامت حواس و ہوش و عدم جنون کے معنی نہ کوئی محدث سمجھ سکتا ہے نہ عام لغت عرب سے واقف۔ اور یہ اصطلاح میں نے اگر خدا تعالیٰ کی شاگردی سے مقرر کی تھی تو پہلے سے اس لفظ کو بولنے کے وقت اس کا ظاہر کرنا، اور ایک الہامی ڈکشنری کا چھاپ دینا میرا فرض تھا۔ ورنہ مجھ پر وہ دونوں اعتراض وارد ہوتے ہیں جو نوٹ سابق میں بیان ہوئے ہیں۔ علاوہ براں اس لفظ سے میری (مرزا کی) یہی مراد تھی تو پھر اس لفظ کے بعد لفظ سلامت قوت حافظہ کہنا ضروری نہ تھا۔ جب دماغ کسی آفت کا محل نہ ہو پھر قوت حافظہ کا سلامت ہونا اس کیلئے لازم ہے۔ لہذا اس لفظ کے بعد اس لفظ کے کہنے کی حاجت نہیں رہ جاتی۔ اس لفظ سلامت فہم کے بعد میرا لفظ سلامت قوت

حافظہ کہنا ناظرین کو صاف یقین دلا رہا ہے کہ اس وقت اس لفظ سے میری مراد دماغ کا آفات سے سلامت ہونا نہ تھا، بلکہ فہم معانی احادیث میں غلطی نہ کرنا مراد تھا جس پر مخاطب کا اعتراض مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اب ناظرین منصفین سے عموماً اور مرزا قادیانی کی اتباع سے خصوصاً داد انصاف کی درخواست ہے۔ وہ خدا راطر فداری کو یک سو کر کے داد انصاف دیں اور ایمان سے کہیں کہ مرزا قادیانی کے لفظ سلامت فہم کے وہ معنی صحیح ہیں جو اس نے اب گھڑ کر بیان کئے ہیں، یا وہ معنی جو ہم نے سمجھے اور بیان کئے ہیں۔ اور ہمارے اس قول کے کہ فہم معنی ہر ایک حدیث کیلئے روایت کی شرط نہیں ہے۔ کیا وہ معنی ہیں کہ جو قادیانی نے افتراء کئے ہیں کہ راوی حدیث معانی احادیث سے بالکل بے نصیب تھے اور وہ صرف الفاظ سے غرض رکھتے تھے، ان کی نسبت وہ اس قدر بھی فہم نہ رکھتے تھے کہ وہ الفاظ عربی ہیں یا ترکی یا انگریزی وغیرہ یا یہ معنی (جو ہم نے بیان کئے ہیں) کہ ہر ایک حدیث کے معانی کو راوی حدیث کا سمجھنا شرط اور لازمی اور ضروری امر نہیں ہے۔ بلکہ خاص اس حدیث کے الفاظ کے معانی کو سمجھنا، شرط روایت ہے جس کے الفاظ کے معانی کو وہ بیان کرے۔ اور یہ جائز و ممکن ہے کہ وہ بعض الفاظ حدیث کو ان کے غریب و نادر و قلیل الاستعمال ہونے کے سبب باوجودیکہ وہ صاحب زبان ہو، اور لغت عرب سے واقف، نہ سمجھے اور اس وجہ سے وہ ان الفاظ کو بعینہا نقل کر دے۔ ناظرین انصاف سے کام لیں تو امید ہے کہ ہم کو ڈگری دیں گے اور مرزا قادیانی کو بہتانی اور جعل ساز کہیں گے۔

ہم اپنے اس قول اور اس کے صحیح معنی کی تائید میں اقوال محدثین و اصولین سے شہادت پیش کرتے ہیں تاکہ منصفین کو داد انصاف دیتے وقت وہ اقوال مدد دیں۔

و الضبط اینکون متقیظاً حافظاً غیر مغفل و لا ساه فی حالتی التحمل و الاداء فان حدث عن حفظه ینبغی ان یکون حافظاً و ان حدث عن کتابہ ینبغی ان یکون ضابطاً له و ان حدث بالمعنی ینبغی ان یکون عارفاً بما یختل بہ المعنی و لا یشترط الذکورۃ و الا لحرية و لا العلم بفقہہ و غریبہ و لا البصر و لا العدد (رسالہ اصول طیبی)۔ طیبی نے رسالہ اصول حدیث میں بیان میں کہا ہے کہ ضبط راوی سے یہ مراد ہے کہ راوی بیدار مغز ہو، صاحب حافظہ ہو، نہ غافل ہو اور نہ بھولنے والا۔ اگر حفظ روایت کرے تو چاہیے کہ اس کو یاد رکھتا ہو اور اگر کتاب

سے دیکھ کر روایت کرے تو چاہیے کہ اس کتاب کو ضبط کر رکھا ہو (یعنی وہ غلطی و تغیر سے محفوظ ہو) اور اگر حدیث کو بالمعنی روایت کرے تو چاہیے کہ اس غلطی سے واقف ہو، جس سے معنی میں خلل واقع ہو، اور روایت حدیث کے لئے یہ شرط نہیں کہ راوی مرد ہو (یعنی عورت بھی ہو سکتی) اور نہ یہ کہ آزاد ہو (یعنی غلام بھی ہو سکتا ہے) اور نہ یہ کہ اس کو اس حدیث کی فقہ (یعنی مسائل خفیہ مستطبہ) کا علم ہو اور نہ یہ کہ وہ اس کے غریب (نادر الاستعمال) الفاظ کے معنی جانتا ہو، اور نہ یہ کہ وہ بیٹا ہو (یعنی ناپیا بھی ہو سکتا ہے) اور نہ کوئی معین عدد شرط ہے (کہ اتنے راوی ہوں)۔

حنفیہ کے ایک امام، شیخ ابن الہمام کے استاد شیخ عبدالعزیز مصنف کشف و تحقیق نے غایۃ التحقیق میں کہا ہے لم تیقل عن احد من السلف اشراط الفقه فی الراوی کہ راویوں کا فقیہ ہونا، یعنی معانی خفیہ حدیث کو سمجھنا شرط روایت نہیں۔

اور بعض الفاظ غریب و نادر الاستعمال حدیث کے معنی سے بے خبر ہونا بڑے بڑے آئمہ حدیث و غریب سے مروی ہے۔ امام احمد بن حنبل سے کسی نے ایک حدیث کے ایک لفظ غریب کے معنی پوچھے تو آپ نے جواب دیا کہ اصحاب الغریب (یعنی ان لوگوں سے جو الفاظ غریب کی شرح کرتے ہیں) پوچھو، میں پسند نہیں کرتا کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث میں اٹکل سے کچھ کہوں اور خطا میں پڑوں روینا عن المیمونی قال سئل احمد بن حنبل عن حرف من غریب الحدیث قال سلوا اصحاب الغریب فانی

اکره ان تکلم فی قول رسول اللہ بالظن فاخطی (علوم الحدیث - ابن الصلاح)

اور وبلغنا عن التاریخی محمد بن عبد الملك قال حدثنی ابو قلابہ عبد الملك بن محمد قال قلت للاصمعی یا ابا سعید ما معنی قول رسول اللہ ﷺ الجار احق بسقبہ فقال انا لا افسر حدیث رسول اللہ ﷺ ولا کن العرب تزعم ان السقب اللزدق ثم ان غیروا حد من العلماء صنفوا فی ذالک ..... النضر بن شمیل و ابو عبیدہ معمر بن المثنی و ابو عبیدہ القاسم بن سلام و ابو سلیمان الخطابی (علوم الحدیث - ابن الصلاح، مختصراً)

عربیت اور نحو کے امام اصمعی سے ایک شخص نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کے قول کہ ہمسایہ اپنے

سقب کا حق دار ہے، کیا معنی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں آنحضرت ﷺ کی حدیث کی کوئی تفسیر نہیں کرتا۔  
ہاں اتنا کہتا ہوں کہ عرب سقب اس کو کہتے ہیں جو ملا ہوا ہو

یہ اقوال ان آئمہ کے ابن الصلاح نے علوم الحدیث میں بیان کئے ہیں۔ پھر کہا ہے کہ غریب الفاظ حدیث میں جن لوگوں نے کتابیں تصنیف کی ہیں وہ امام نصر بن شمسیل ہیں اور امام ابو عبیدہ معمر بن ثنی و ابو عبید قاسم بن سلام اور امام ابو سلیمان خطابی ہیں۔

اس بیان سے مرزا کے دو کذب و مغالطے ظاہر ہوئے جو ہماری کلام کو بگاڑنے اور اپنے قول کے جعلی معنی کرنے میں ان سے سرزد ہوئے ہیں۔ اب آپ کے باقی دو کذب و مغالطوں کی کیفیت ناظرین سنیں۔

صحابہ کے حدیث نبوی کو بالفاظ رواایت کرنے کا مدعی میں ہی نہیں ہوں، یہ دعویٰ بہت سے علماء نے کیا ہے جن میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جن کی کلام سے مرزا صاحب بھی اپنی تحریر نمبر ہشتم میں متمسک ہوئے ہیں۔ اور اس دعویٰ پر دلیل صحابہ کی وہ روایات ہیں جن میں انہوں نے دو لفظوں کو باوجود ہم معنی یا قریب المعنی ہونے کے شک کے ساتھ بیان کر دیا ہے اور ان کے معنی پر نظر کر کے ایک لفظ کے بیان پر اکتفا نہ کیا۔ علامہ تفتنازانی (جن کی کلام کے غلط معنی سمجھ کر اس کی دست آویز سے مرزا صاحب نے صحیح بخاری میں حدیث موضوع کے پائے جانے کا دعویٰ کیا ہے)

اپنی کتاب تلوتح کے صفحہ ۲۲۵ میں فرماتے ہیں: اما تا ئیا فلان الظاھر من حال عدول الصحابة نقل الحدیث بلفظہ و لہذا نجد فی کثیر من الاحادیث شك الراوی و انما استفاض النقل بالمعنی عند العلماء لتقرر الحدیث بالروایة و التدوین۔ (تلویح۔ ص ۲۰۰) کہ عادل صحابہ کا ظاہر یہ حال تھا کہ وہ حدیث کو بلفظ نقل کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم بہت سی احادیث میں (دوہم معنی لفظوں کو) صحابہ کا شک کے ساتھ بیان کرنا پاتے ہیں۔ اگر وہ روایت بالمعنی کرتے تو ان الفاظ کے بیان میں وہ معنی کا لحاظ کر کے صرف ایک لفظ پر اکتفا کرتے۔ حدیث کو بالمعنی روایت کرنا تو علماء میں تب مروج ہوا جب کہ احادیث کے الفاظ روایت اور تصنیف سے مقرر ہو چکے تھے۔

علامہ سندھی نے دراست میں فرمایا ہے: و من شدة اعتنا ٹھم فی حفظ الالفاظ شکھم و ترددھم بین اللفظین و عدم اقتصادھم علی احدھما حتی ظن ذالک من الدلیل

على عدم صحة النقل بالمعنى فى اللفظين المتقار بين جداً فى المعنى كما فى حديث عبد الله بن مسعود فى صلوة الو سطل ملاء الله اجوا فهم و قبورهم ناراً او حشى الله اجوا فهم و قبورهم ناراً.. (دراسات. ص ۱۸۲) كه حفظ الفاظ حديث فى صحابه كمال تو چه پر یہ دليل ہے كه صحابه نے دوہم معنے لفظوں كے بيان میں شك و تردد ظاہر كيا اور ان میں سے ايك لفظ كے بيان پر اكتفانہ كيا يهاں تك كه ان كے اس فعل كو اس مسئلہ پر دليل سمجھا گیا كه حديث كو بالمعنى روايت كرنا جائز ہی نہیں، چنانچہ عبد اللہ بن مسعود كى حديث صلوة الو سطلے میں لفظ ملاء اللہ اوحشى اللہ شك سے وارد ہے (جس كے معنے پر كرنے كے ہیں)

اس كے بعد علامہ سندھیؒ نے امام ابن عبدالبرؒ سے اس فعل ابن مسعودؓ سے عدم جواز روايت بالمعنى نكالنے كا جواب نقل كيا ہے، اور ان الفاظ كى مثالیں حديث میں بہت پائی جاتى ہیں۔ از ائجلہ بخارى كى بصفء ۱۴۴ حديث كى سوف میں لفظ مومن يا موقن اور لفظ منافق يا مرتاب شك كے ساتھ مروى ہیں۔

اس دعوى كے مقابلہ میں جو مرزا قاديانى نے حديث معراج میں آنحضرت ﷺ كا كہى موسى كو چھٹے آسمان پر ديكھنا اور كہى حضرت ابراہيم كو چھٹے آسمان پر ديكھنا بيان كيا اور اس كو روايت كے بالفاظہا مروى نہ ہونے پر دليل ٹھہرايا ہے، یہ اس كا محض مغالطہ ہے۔ نوٹ سابق میں ثابت ہو چكا ہے كه ان الفاظ میں كوئى مخالفت نہیں، یہ دونوں حضرات چھٹے آسمان پر ديكھے گئے تھے۔

حضرت امام الآئمہ ابوحنيفہ عليه الرحمۃ كى توہين و تحقير كا الزام جو مرزا صاحب نے خاكسار پر لگايا ہے اور ان كے حق میں یہ كلمات كہنے كا كه وہ حديث نبوى سے محروم رہے اور قياسى انكوں پر ان كا گزارہ رہا، مجھ پر بہتان لگايا ہے اور سفيد جھوٹ كا ارتكاب كيا ہے۔ حضرت امام الآئمہ كى توہين كرنے والے پر خاكسار ہزار لعنت بھيجتا ہے اور ناحق تہمت كرنے والے پر ہزار نہیں تو پانچ سوہى سہى۔ قاديانى سچا ہے تو اس پر آمين كہے۔ خاكسار نے حضرت امام صاحبؒ كى نسبت صرف اتنا كہا تھا كه اگر صحيح بخارى، امام صاحب كے وقت میں ہوتى تو امام صاحب اس كو آنكھوں پر ركھ ليتے۔ پھر اس كى تائيد و تصديق میں امام شعرانى كى عبارات ميزان سے نقل كر دى جس كا خلاصہ یہ ہے كه حضرت امام صاحبؒ كے وقت میں حدیثیں جمع نہیں ہوئى تھیں اس لئے آپ كو

دوسرے اماموں کی نسبت احادیث کم پہنچیں۔ اسی وجہ سے آپ نے قیاس کیا۔ یہ بات نہیں کہ آپ نے حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کی طرف رجوع کیا، جیسا کہ امام کے معترضین اور مخالفین سمجھتے ہیں۔

اصل کلام خاکسار و عبارت شعرانی رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۷ ج ۱۴ کے صفحہ ۱۹۹ میں اور قادیانی کے مطبوعہ مباحثہ لدھیانہ کے صفحہ ۴۹ میں ناظرین ملاحظہ فرما کر داد انصاف دیں کہ وہ کلام خاکسار و عبارت شعرانی، امام ابوحنیفہ کی مدح و تعریف کی مثبت ہے یا ان کی توہین کی موجب۔ خاکسار کا کلام تو امام صاحب کی مدح و تعریف کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا، امام شعرانی کی عبارت بھی آپ کی مدح و تعریف و حمایت ہی میں فرمائی گئی ہے۔ اس عبارت سے پہلے صفحہ ۱۷۱ میں کبریٰ، امام شعرانی نے ایک فصل منعقد کر کے کہا ہے کہ اس فصل میں اس شخص کے قول کا ضعف بیان ہوتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ امام ابوحنیفہ قیاس کو حدیث سے مقدم سمجھتے تھے، پھر کہا کہ یہ کلام اس شخص سے صادر ہوا ہے جو امام صاحب کی نسبت تعصب رکھتا ہے، اور اپنے دین میں دلیر ہے، گفتگو میں پرہیزگار نہیں اور خدا تعالیٰ کے اس قول سے غافل ہے جس میں ارشاد ہے کہ انسان جو بات منہ سے نکالتا ہے اس کے پاس فرشتہ لکھنے کو منتظر و تیار ہے۔ پھر امام شعرانی نے امام ابوحنیفہ کے بہت سے ایسے اقوال نقل کئے ہیں جن سے آپ کا رائے سے بے زار ہونا اور حدیث کو قبول کرنا ثابت ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۷۲ میں وہ عبارت فرمائی ہے جس کو قادیانی نے موجب توہین امام قرار دیا ہے۔

اب ناظرین انصاف کریں کہ اس مدعا و عرض کے ساتھ وہ عبارت امام صاحب کی مدح بنتی ہے یا نہیں۔ ہمارے زمانہ کے سرآمد حنفیہ مولوی عبدالحی مرحوم لکھنوی بھی اپنے رسالہ نافع کبیر میں اس عبارت میزان کو اپنے اس دعویٰ کی تائید میں لائے ہیں کہ:

و ما اتباعه الا حدیث و الآثار خلاف ما یظنہ الظانون انه یقیس علی خلاف الحدیث فیدل علیہ ما اورده فی المیزان الی ان نقل عبارتہا۔ ثم قال و مطالعة المیزان لهم نافع و لا و ہا مهم دافع (النافع الكبير۔ ص ۱۸) حضرت امام ابوحنیفہ احادیث و آثار کے تتبع تھے، حدیث کے مقابلہ پر قیاس نہ کرتے تھے۔ (پھر اس عبارت کو نقل کر کے اس کی نسبت فرماتے ہیں کہ) یہ عبارت ان بدگمانوں کے لئے جو امام صاحب کو حدیث کے مقابلے میں قیاس کرنے والے سمجھتے ہیں، نافع ہے اور ان

کے ادہام کے دافع ہے۔

اس عبارت میزان میں اگر ذرا بھی وہم توہین ہوتا تو ایسے مشاہیر حنفیہ کی کلام میں امام صاحب کی مدح اور برتت پر اس سے تمسک و استدلال نہ کیا جاتا۔

مرزا قادیانی نے اس الزام و اتہام توہین امام صاحب سے خفیوں کو اپنا دوست اور ہمارا دشمن بنانا چاہا تھا جس سے الٹا نتیجہ نکلا۔ اس کا دجال ہونا ثابت ہوا، کسی نے اس کو اپنا دوست نہ سمجھا، بلکہ تمام حنفیہ ہندوستان و پنجاب نے اسے اپنا دشمن اور اپنے مذہب کا مخالف تصور کیا۔ خواص حنفیہ نے اس کے معتقدات پر کفر کا فتویٰ لگایا اور عوام حنفیہ نے اس فتویٰ پر کاربند ہو کر ہر شہر و دیار میں قادیانی پر نعرہ لعنت بلند کیا اور ہر جلسہ اور معرکہ میں اس کے مکفرین کا ساتھ دیا اور اس افتراء میں وہ خسر الدنیا و الآخرة کا مصداق بنا۔

ہمارا قول نمبر ۵۵۔ شائد آپ کہیں کہ احادیث سبھی بالمعنی روایت ہوئی ہیں جیسا کہ آپ کے مقتداء سید احمد خان نے کہا ہے، جس کی تقلید سے آپ نے قرآن کو معیار صحت احادیث ٹھہرایا ہے۔ (اشاعت السنہ نمبر ۶ ج ۱ ص ۱۶۴)

مرزا قادیانی کا جواب۔ سید احمد خان میرا مقتداء نہیں ہے۔ صحابہ حتیٰ الوسع حفظ الفاظ نبی کرتے۔ مگر ان کی روایتوں پر اعتماد کرنے کیلئے سلامت فہم ضروری شرط ہے، کیونکہ اگر فہم میں باعث پیرانہ سالی، یا اختلال دماغ کوئی آفت پیدا ہو جاوے تو مجرد حفظ الفاظ کافی نہیں۔ اس صورت میں تو الفاظ میں بھی شک پڑتا ہے کہ شائد اختلال دماغ کے سبب سے اس میں بھی کچھ تصرف ہو گیا ہو۔ قرآن کریم کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور ہر ایک امر کا بیان ہے۔ محبوب لوگ احادیث صحیحہ نبویہ کو اس نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ گویا وہ قرآن پر کچھ زوائد بیان کرتے ہیں یا بعض احکام میں ان کے ناخ ہیں (یہاں مرزا صاحب یلکھنا بھول گئے ہیں یا آپ کا کا تب بھول گیا کہ درحقیقت نہ وہ احادیث قرآن کی ناخ ہیں اور نہ زوائد) اور زوائد بیان کرتے ہیں بلکہ قرآن شریف کے بعض مجمل اشارات کی شارح ہیں۔ اور حدیث معاذ بن جبل (جس میں یہ بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو قاضی بنا کر یمن بھیجا تو فرمایا کہ تو کس چیز پر فیصلہ کیا کرے گا۔ اس نے کہا کتاب اللہ پر۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ کتاب اللہ میں نہ پاوے گا تو پھر کس چیز پر۔ تب اس نے کہا کہ پھر حدیث پر۔ الخ) سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن میں ہر ایک امر دین درج ہے، کوئی چیز



اس سے باہر نہیں۔ لہذا حق الامریہ ہے کہ جو چیز قرآن کے باہر یا اس کے مخالف ہو، وہ مردود ہے اور احادیث صحیحہ قرآن سے باہر نہیں کیونکہ وحی غیر متلوکی رو سے وہ مسائل قرآن سے مستخرج و مستنبط کئے گئے ہیں۔ لہذا جو حدیث از قسم حصہ دوم (قصص و اخبار) ہے، ان کو پرکھنے کے لئے قرآن مجید و معیار ہے یعنی جو حدیث قرآن میں نہیں یا اس کی مخالف ہے وہ موضوع ہے۔

اس جواب پر ہمارا نوٹ، اس جواب میں بھی مرزا قادیانی نے کذب و مغالطہ سے کام لیا ہے۔ اس میں آپ نے تین دعویٰ کئے ہیں۔

ایک یہ کہ سید احمد خان میرا مقتدا نہیں ہے۔ اس دعویٰ کا کذب ہونا ہم بیان کر چکے ہیں۔ ہم نے ثابت کیا ہے کہ قادیانی، سید احمد کا شاگرد ہے، اس نے جو ملحدانہ ایجاد کیا ہے اس کو سر سید احمد سے بعینہ و باصلہ لیا ہے۔ ہاں اس شاگردی کے ساتھ وہ سر سید سے بڑھ گیا ہے اور اس کا مقابل بن بیٹھا ہے، جس کی تفصیل پہلے ہو چکی ہے۔

دوسرا یہ دعویٰ کہ صحابہ کی مرویات پر اعتماد کرنے کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ محتال الحواس تو نہیں ہو گئے تھے۔ اس دعویٰ میں اس نے بہت غضب ڈھایا اور دہوکہ دیا ہے، اور یہ بند و بست کرنا چاہا ہے کہ جس حدیث کو اپنے مذہب ملحدانہ کے مخالف دیکھا اس کو اس بہانہ سے کہ اس کا راوی صحابی محض الحواس ہو گیا تھا، رد کر دیا جائے۔ اس دعویٰ کے کذب و مغالطہ ہونے پر یہ دلیل ہے کہ صحابہ کی عدالت بالا جماع مسلم ہے۔ امام ابن صلاح نے علوم الحدیث میں فرمایا ہے: و الثانیة لصحابة با مرهم خصیصة وھی انه لا یسئل عن عدالته احد منهم بل ذالك امر مرفوع عنهم لكونهم علی الاطلاق معد لین بنصوص الكتاب و السنة و اجماع من یعتقد به فی الا جماع۔ (علوم الحدیث، ابن الصلاح) کہ جملہ صحابہ کا یہ خاصہ ہے کہ ان کی عدالت سے سوال نہ ہو۔ یہ سوال ان سے اٹھایا گیا ہے، کیونکہ وہ بلا تفصیل بحکم کتاب و سنت و اجماع عادل ہیں، پھر اس پر کتاب و سنت سے استدلال کیا ہے۔

اور یہ بات مرزا قادیانی خود دکھ چکا ہے کہ عدالت تب ہی قائم رہ سکتی ہے جبکہ ہوش و حواس قائم ہوں۔ اس کے

مطبوعہ مباحثہ لدھیانہ کے صفحہ ۸۷ میں اس کی تحریر نمبر ہشتم میں یہ عبارت موجود ہے: آپ (محمد حسین) اپنے بیان میں راوی کے لئے عدل کی شرط لگاتے ہیں اور صفت عدل، صفت سلامت کی تابع ہے۔ اگر سلامت فہم میں آفت ہو، صفت درست فہمی میں اختلال راہ پاوے تو پھر کسی کے قول و فعل میں عدل قائم نہیں رہ سکتا۔

اس کلام و اعتراف کے ساتھ پھر اسی تحریر ہشتم میں مرزا قادیانی کا یہ کہنا کہ صحابہ کی مرویات پر تب ہی اعتماد کیا جاوے گا جب کہ ان کی فہم میں سلامت ہو، یعنی اختلال نے راہ نہ پائی ہو، یہ کہنے کے برابر ہے کہ وہ سب عادل نہ تھے، ان میں بعض ایسے لوگ بھی تھے جو مختل الحواس ہو کر ساقط العداوت ہو چکے تھے۔ اور یہ بات قرار داد اہل اسلام کے مخالف ہے اور محض کذب اور مغالطہ ہے۔

تیسرے دعوے میں قادیانی نے قرآن شریف کو جملہ امور متعلقہ دین کا مضمون ٹھہرایا ہے اور احادیث متعلقہ اعتقاد نزول حضرت مسیح و خروج دجال کو نقص و اخبار بنا کر اس وجہ سے ساقط الاعتبار ٹھہرایا کہ قرآن میں ان کا مضمون پایا نہیں جاتا۔ ومع ہذا برطبق مثل مشہور: دروغ گورا حافظہ نہ باشد، اور بحکم نص قرآن فطبع علی قلوبہم فہم لا یفقہون اور و اللہ لا یہدی القوم الفاسقین یہ دو فقرے بھی اس کی قلم سے نکل گئے۔ ۱۔ احادیث، مجمل اشارات قرآن کی شارح ہیں۔ ۲۔ احادیث صحیحہ، قرآن سے باہر نہیں، کیونکہ وحی غیر متلو کی مدد سے وہ تمام مسائل قرآن سے مستنبط کئے جاتے ہیں۔

لہذا اس کے دعویٰ سوم کے ابطال کیلئے ہم کو زیادہ تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں صرف ان ہی دو فقروں کے دست آویز سے یہ کہنا کافی ہے کہ جملہ امور متعلقہ دین کی تفصیل کا قرآن میں پایا جانا یہ معنی رکھتا ہے کہ قرآن میں ان امور کا بیان موجود ہے، مجمل ہو خواہ مفصل۔ جس آیت میں اس تفصیل کا ذکر ہے اس میں تفصیل سے مطلق بیان مراد ہے نہ وہ تفصیل جو اجمال کے مقابل ہوتی ہے۔ قرآن میں پانچ جگہ یہ لفظ تفصیل آیا ہے، جہاں مطلق بیان ہی کے معنی مراد ہیں (جو مرزا صاحب کی قلم سے بھی بعد لفظ تفصیل بطور تفسیر نکل گئے ہیں)، تفصیل مقابل اجمال مراد نہیں۔ اور جو قرآن کا بیان اجمال ہے اس کی تفصیل و شرح حدیث صحیح نے کر دی ہے۔ چنانچہ مرزا صاحب نے بھی اقرار کیا ہے اور اس کی مثال حکم ممانعت و شتم ہے جو حدیث میں وارد ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے اس کو اس وجہ سے داخل قرآن قرار دیا ہے کہ وہ قرآن کے اس مجمل و عام حکم کے کہ: جو کچھ

تمہیں رسول دے، لے لو اور جس چیز سے روکے، اس سے رک جاؤ۔ داخل و شامل ہے۔ چنانچہ اشاعت السنۃ نمبر ۷ ج ۱۴ کے صفحہ ۲۰۵ میں مفصل بیان ہوا، بناء علیہ، احادیث صحیحہ متعلقہ نزول حضرت مسیح و خروج دجال جن کو مرزا قادیانی نے قصص و اخبار بنا کر خارج از قرآن و مخالف قرآن ٹھہرا کر ساقط الاعتبار کیا ہے، قرآن میں داخل ہیں اس سے باہر نہیں۔ قرآن مجید نے نزول حضرت مسیح کو پانچ آیتوں میں مجملاً ذی الوجہ الفاظ سے بیان کیا ہے۔ احادیث نے ان وجوہات سے بعض وجوہ کی تفصیل و تعیین کر دی ہے۔ لہذا ان احادیث کو ماننا عین قرآن کو تسلیم کرنا ہے۔ مرزا صاحب نے احادیث متعلقہ احکام فرعیہ عملیہ اختلافیہ کو تو اس اصول سے قرآن میں داخل اور اس کے مجمل اشارات کی شارح تسلیم کر لیا اور ان احادیث کو پرکھنے کے لئے محتاج قرآن نہیں ٹھہرایا، مگر احادیث متعلقہ اعتقاد کو جو احادیث عملیہ فرعیہ اختلافیہ سے بڑھ کر صحیح اور قطعی ہیں، قرآن سے خارج کیا اور ساقط الاعتبار ٹھہرایا۔ اس میں اپنے اصول کا خود خلاف کیا اور اپنا دجال ہونا ثابت کیا۔

ہمارا قول نمبر ۶۔ آپ نے باستدلال آیت و ان الظن لا یغنی عن الحق شیئاً۔ احادیث پر اعتراض کیا ہے۔ (ماہنامہ اشاعت السنۃ نمبر ۷ ج ۱۴ صفحہ ۱۷۸)

مرزا قادیانی کا جواب۔ میرا عام طور پر احادیث پر اعتراض نہیں بلکہ ان احادیث پر اعتراض ہے جو اہل قطعہ بینۃ قرآن کے مخالف ہوں (الحق مباحثہ لدھیانہ، ص ۹۲)

اس جواب پر ہمارا نوٹ۔ یہ محض کذب ہے۔ جس مقام میں مرزا صاحب نے اس آیت سے تمسک کر کے احادیث کو ظنی اور ناقابل وثوق ٹھہرایا ہے، اس مقام میں عموماً الفاظ احادیث پر اعتراض کیا ہے اور ان میں تعارض تجویز کر کے ان میں وقوع تحریف کا دعویٰ کیا ہے۔ اس اعتراض اور دعویٰ سے احادیث مخالفہ قرآن کو مخصوص نہیں کیا۔ ناظرین اصل عبارت اشاعت السنۃ نمبر ۷ ج ۱۳ ص ۲۲۸ میں ملاحظہ کریں۔

ہمارا قول نمبر ۷۔ علماء کا، حنفی ہوں یا شافعی، اہل حدیث ہوں یا اہل فقہ، اس پر اتفاق ہے کہ خبر واحد صحیح ہو تو واجب العمل ہے۔ (اشاعت السنۃ نمبر ۷ ج ۱۴ ص ۱۹۲)۔

قادیانی کا جواب۔ حنفیوں شافعیوں کا یہ مذہب نہیں کہ مخالفت قرآن کی حالت میں خبر واحد واجب العمل

ہے۔ حنفیہ بجز خبر مشہور کسی حدیث سے قرآن پر زیادتی کو جائز نہیں رکھتے۔ شافعی بجز متواتر کسی حدیث سے زیادتی جائز نہیں رکھتے۔ آپ نے کس سے سن لیا کہ ان سب کے نزدیک خبر واحد بہر حال واجب العمل ہے۔

اس جواب پر ہمارا نوٹ۔ سنی سنائی باتیں کرنا آپ (مرزا) ہی کا کام ہے، جو نہ کتابوں میں نظر رکھتے ہیں نہ کسی اہل علم سے استفادہ۔ آپ کا علم لدنی (خیالی) ہے اور معلم و استاد حکیم نور الدین۔ انہوں نے جو کچھ کہا آپ نے مان لیا۔ ہم تو ایسی بات کوئی نہیں کہتے جو کسی کتاب میں نہ ہو، آپ جس کتاب اصول سے چاہیں ہم یہ مسئلہ آپ کو نکال دیتے ہیں۔ مثلاً کتاب توضیح میں ہے: الثالث یوجب غلبة الظن اذا اجتمع الشرائط التي اذکرها وھی کافیه لوجوب العمل۔ (توضیح۔ ص ۳۰۴) تیسری (خبر واحد) مفید ظن ہے اور وہ وجوب عمل کے لئے کافی ہے۔

الجمهور ذهبوا الی انه یوجب العمل دون العلم۔ (تلویح۔ ص ۳۰۴) جمہور کا یہی مذہب ہے کہ وہ (خبر واحد) عمل کو واجب کرتی ہے نہ یقین و اعتماد کو۔

اس مقام میں ہم نے صرف اتنا ہی دعویٰ کیا تھا۔ سواس کا ثبوت دے دیا۔ رہا یہ مسئلہ کہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے یا نہیں، اور وہ کتاب اللہ کے معارضہ میں مقبول ہے یا نہیں؟ سواس مقام میں اجنبی ہے۔ ہمارے نزدیک احادیث محل نزاع (متعلقہ نزول حضرت مسیح و خروج دجال وغیرہ) کتاب اللہ کے مخالف نہیں، بلکہ عین موافق و مطابق ہیں۔ چنانچہ اشاعت السنۃ میں مذکور ہوا۔ لہذا اس مقام میں ہم کو اس مسئلہ کے بیان اور مذاہب کی تفصیل کی ضرورت نہ تھی۔

مرزا قادیانی نے جو اس باب میں شافعیوں کا مذہب نقل کیا اس میں بھی کذب سے کام لیا ہے اور اپنی بے علمی کا اظہار کیا ہے۔ امام شافعی کتاب اللہ کے عام کی خبر واحد سے تخصیص، اور اس طور سے قرآن پر زیادتی کو جائز رکھتے ہیں، چنانچہ توضیح تلوح میں تفصیل بیان ہوا ہے: و لکن عند الشافعی ہو دلیل فیہ شبهة فیجوز تخصیصہ بجز الواحد و القیاس ای تخصص عام الكتاب بكل واحد من خبر الواحد و القیاس۔ (توضیح تلویح، ص ۷۱)

ہمارا قول نمبر ۸۔ اسی وجہ سے خاص کر صحیحین کی نسبت علمائے اسلام نے، جن میں مقلد حنفیہ و محدث سب داخل ہیں، اتفاق کیا ہے کہ صحیحین کی احادیث واجب العمل ہیں۔ اس پر جو آپ کا یہ سوال ہے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم مسلمانوں میں اتفاق کے ساتھ مسلم چلی آئی ہیں تو بعض علماء حنفیہ وغیرہ نے اس حدیث کا خلاف کیوں کیا اور سبھی نے ان کے موافق مذہب کیوں اختیار نہ کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خلاف فہم معانی میں اختلاف پر مبنی ہے یا بعض وجوہات ترجیح پر۔ آپ فتح القدیر و برہان ملاحظہ کریں (اثنا عشر نمبر ۷ جلد ۱۴ صفحہ ۱۹۳ سے ۲۰۱ تک)

مرزا قادیانی کا جواب۔ یہ سفید جھوٹ ہے۔ اگر علمائے متقدمین کے نزدیک بخاری مسلم کی حدیثیں بغیر کسی عذر، نسخ وغیرہ کے، بہر حال واجب العمل ہوتیں تو وہ بھی آپ کی طرح امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے، رفع یدین کرتے۔ آپ کا یہ کہنا کہ وہ دوسرے طور پر معنے کرتے ہیں، دوسرا جھوٹ ہے۔ وہ تو صریح منسوخ یا ضعیف قرار دیتے ہیں۔ آپ سچے ہیں تو لو دہانہ کے علماء سے شہادت دلائیں۔

اس جواب پر ہمارا نوٹ۔ کسی پر صرف منہ سے جھوٹ بولنے کا دعویٰ کرنا آسان ہے مگر انسان اور مرد میدان وہ ہے جو اپنے دعویٰ کو ثابت کر دے۔ آپ انسان اور مرد میدان ہیں تو ان اپنے دونوں دعووں کو حنفیہ کی کتابوں سے حنفی علماء کے مجمع میں ثابت کریں۔ یہ نہ ہو سکے (اور ہرگز نہ ہوگا۔ آپ میدان میں نہ نکلیں گے۔ اور نہ کسی کتاب سے متقدمین حنفیہ کے اس کا ثبوت پیش کریں گے) تو اس باب میں مبالغہ کریں۔ میدان میں آویں اور قسموں کے ساتھ کہیں کہ بعض حنفیوں نے بعض احادیث صحیح بخاری کے برخلاف عمل کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ان احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اس کی یہ وجہ نہیں کہ ان کی تاویل ومعانی میں اختلاف کیا ہو یا دیگر وجوہات سے ان کی معارض حدیثوں کو ترجیح دی ہو۔ یہ بات جھوٹ ہو تو قائل پر خدا کی لعنت ہے۔

خاکسار محمد حسین نے اپنے بیان میں دو دعویٰ کئے ہیں۔ از انجملہ اول دعویٰ کے ثبوت میں اقوال علماء محدثین و فقہاء صفحہ ۱۶۵ سے ۲۰۰ تک جلد ۱۴، اشاعت السنۃ میں نقل کر چکا ہے۔ اور دوسرے دعویٰ کے ثبوت کے لئے فتح القدیر اور برہان شرح مواہب الرحمن کا حوالہ دے چکا ہے۔ اس ثبوت خاکسار کو اہل اسلام کی سپلک کا

فی نہ سمجھے تو میں اور ثبوت دینے کو مستعد ہوں اور مرزا قادیانی مباہلہ چاہے تو میں اس کے لئے بھی حاضر ہوں۔ دعویٰ ضعف کے ساتھ لفظ منسوخ کو جو مرزا قادیانی نے ملا دیا، اس میں اس نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے۔ بے شک بعض احادیث صحیحین کو بعض حنفیہ نے منسوخ قرار دیا ہے، مگر کسی حدیث کے منسوخ ہونے سے اس کا ضعف ثابت نہیں ہوتا۔ نسخ تو آیات قرآن میں بھی پایا جاتا ہے جس سے کوئی مسلمان یہ نتیجہ نہیں نکالتا کہ وہ آیات ضعیف ہیں، یعنی ان کا قرآن سے ہونا ثابت نہیں۔

مرزا صاحب نے جب دیکھا کہ کسی حدیث بخاری کو خفیوں کا ضعیف قرار دینا تو مجھ سے ثابت نہ ہو سکے گا، تو اس کے ساتھ بعض اور منسوخ کے لفظ لگا دیئے۔ اور یہ خیال نہ کیا کہ مسلمان اس دھوکہ میں نہ آئیں گے۔ وہ جانتے ہیں کہ منسوخ ہونے سے ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔

ہمارا قول نمبر ۹۔ ابن الصلاح نے فرمایا ہے کہ انکی اتفاقی حدیثیں موجب یقین ہیں (اشاہدہ السنہ نمبر ۷ جلد ۱۳ ص ۱۹۳)

مرزا قادیانی کا جواب۔ ابن الصلاح کا قول حجت نہیں۔ اس کا قول حجت ہے تو چاہیے کہ ان لوگوں کا قول بھی حجت ہو جنہوں بخاری و مسلم کی حدیثوں میں قدح کیا ہے۔ تلوح میں لکھا ہے (یہ پوری حدیث پہلے نقل ہو چکی ہے۔ یہ وہ حدیث ہے جس کو قادیانی نے تحریر نمبر ۷ میں صحیح سمجھا ہے اور اس کی دست آویز سے حدیث کو قرآن پر عرض کرنا ضروری ٹھہرایا تھا۔ اب بخاری پر جرح و قدح کرنے کی حرص سے اس حدیث کا علامہ تفتازانی کی تقلید سے موضوع ہونا مان لیا۔ یہ شتر مرغی یا روباہ بازی نہیں تو اور کیا ہے؟ محمد حسین) کہ بخاری میں یہ حدیث یکثر لکم الا حدیث من بعدی فاذا روى لکم حدیث اعرضوہ علی کتاب اللہ۔ الخ (یعنی جو صاحب تلوح کے نزدیک جرح و موضوع ہے۔ محمد حسین) مسلم کی شرح نووی میں شریک کی حدیث میں (جو بخاری و مسلم میں ہے) قبل ان یوحی الیہ کا لفظ غلط لکھا ہے، نووی نے شرح مسلم میں حدیث اقض بینی و بین هذا الکاذب کا جھوٹا ہونا تجویز کیا ہے۔

اس جواب پر ہمارا نوٹ۔ ابن الصلاح یا کسی اور شخص کا قول بلا دلیل تسلیم نہیں کیا جاتا اور نہ تسلیم کرایا جاتا ہے۔ بلکہ جس قول پر کوئی دلیل عقلی یا نقلی ہو اسی کو تسلیم کیا، کرایا جاتا ہے۔ قول ابن الصلاح کی دلیل، صحت صحیحین پر اجماع امت ہے۔ جس کو مخالفین و موافقین نے نقل کیا ہے۔ اس اجماع سے قطعیت صاف ثابت

ہوتی ہے اور طرفہ یہ کہ مرزا صاحب اپنے اشتہار یکم اگست ۱۸۹۱ء میں خود مان چکے ہیں کہ وہ بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ یقین کرتے ہیں۔ اس اظہار یقین کے بعد انہیں ابن الصلاح کا قول ماننے سے کب عذر ہو سکتا ہے۔

اب ان لوگوں کے اقوال کو دیکھا جاتا ہے جنہوں نے صحیحین کی حدیثوں پر جرح و قدح کیا ہے۔ وہ بے وجہ و بلا دلیل نکلے تو پھر وہ کیونکر لائق تسلیم ہو سکتی ہے۔ تلوح میں جو حدیث یکنثر لکم الا حدیث پر جرح کیا گیا ہے، صحیح بخاری اس جرح سے یقیناً پاک ہے۔ وہ حدیث موضوع صحیح بخاری میں نہیں ہے۔ بلکہ وہ زندیقوں کی بنائی ہوئی ہے۔ چنانچہ اشاعت السنہ نمبر ۸ جلد ۱۴ ص ۲۰۹ وغیرہ میں بیان ہوا ہے۔ صاحب تلوح نے جو اس حدیث کو موضوع کہا ہے اور اس پر جرح کیا ہے، تو اس میں صحیح بخاری یا اس کے مصنف کو نشانہ نہیں بنایا اور نہ یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے۔ مرزا قادیانی نے جو کہا ہے کہ تلوح میں لکھا ہے کہ: صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے، یہ سفید جھوٹ ہے۔ تلوح میں یہ لفظ ہرگز نہیں لکھا ہوا کہ صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے۔ بلکہ تلوح میں اس حدیث کے رد کرنے اور موضوع قرار دینے کے بعد یہ فقرہ لکھا ہے:

ایراد البخاری ایہ فی صحیحہ لا ینافی الا نقطاع او کون احد رواۃ غیر معروف۔ جس کا ترجمہ لفظی یہ ہے کہ بخاری کا اس کو اپنی صحیح میں لانا اس کے منقطع اور اس کے راوی کے غیر معروف ہونے کے مخالف نہیں۔

یہ قول صاحب تلوح کا بقول ملاحسرو محشی تلوح کتاب کشف کے مصنف کے اس سوال کا کہ یہ حدیث بخاری میں ہے، رد و جواب ہے۔ صاحب تلوح اس کے جواب میں گویا یہ کہتے ہیں کہ اگر بقول تمہارے یہ حدیث بخاری میں ہے، تو بھی صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ منقطع و غیر متصل ہے اور اس کا راوی غیر معروف ہے۔

قولہ ایراد البخاری ایہ فی صحیحہ لا ینافی الا نقطاع اقول فیہ رد علی صاحب الکشف حیث قال ان الامام اباعبد اللہ محمد بن اسماعیل اورد هذا الحدیث فی کتابہ (ص ۸۶)۔

صاحب تلوح نے صاحب کشف کے قول کو بطور فرض محال تسلیم کر کے اس کا یہ جواب دیا ہے۔ خود

اپنے علم یار رویت سے اس حدیث کا بخاری میں ہونا بیان نہیں کیا۔

مرزا قادیانی نے یہ لفظ کہ بخاری میں یہ حدیث ہے از خود گھڑ لیا اور صاحب تلوح کی طرف منسوب کر کے اس پر افتراء کیا۔ مباحثہ لدھیانہ کے جلسہ اخیر میں اسے اس کذب پر متنبہ کیا گیا تو اس نے اور اس کے ایک کاسہ لیس نے اس کے جواب میں عذر بدتر از گناہ کیا۔ اور اس جھوٹ پر کئی اور جھوٹ کا ملع چڑھا دیا۔ مرزا قادیانی نے کہا: ظاہر کہ صاحب تلوح نے بطور شہادہ اپنے تئیں قرار دے کر بیان کیا ہے کہ وہ حدیث (یعنی عرض الحدیث علی القرآن) بخاری میں موجود ہے۔ اب اس کے مقابلہ پر یہ عذر کرنا کہ نسخہ جات موجودہ بخاری، جو ہند میں چھپ چکے ہیں ان، میں یہ حدیث موجود نہیں، سراسر نا سمجھی کا خیال ہے۔ کیونکہ علم محدود کے عدم سے بالکل عدم لازم نہیں آتا۔ جس حالت میں ایک سرگروہ مسلمانوں کا اپنی شہادت رویت سے اس حدیث کا بخاری میں ہونا بیان کرتا ہے، اور آپ کو یہ دعویٰ نہیں اور نہ کر سکتے ہیں کہ تمام دنیا کے نسخہ جات بخاری کے، قلمی وغیر قلمی، آپ دیکھ چکے ہیں۔ اگر ثانی الحال کوئی نسخہ قلمی نکل آوے، جس میں یہ حدیث موجود ہو تو پھر آپ کا کیا حال ہو۔ مؤمن کی شہادت عند الشرع قابل پذیرائی ہوتی ہے، اور فقط ایک مؤمن کی شہادت رویت ماہ رمضان سے تمام دنیا کے مسلمانوں کو روزہ رکھنا فرض ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں علامہ تفتازانی، صاحب تلوح کی شہادت بالکل ضائع اور ٹکمی نہیں ہو سکتی (ازالہ اوہام)

اگر صاحب تلوح اپنی رویت میں کاذب ہوتا تو اسی زمانہ میں علماء کی زبان سے اس کی تشنیع کی جاتی اور اس سے جواب پوچھا جاتا۔ اور جب کہ کوئی جواب پوچھا نہیں گیا۔ تو یہ دوسری دلیل اس بات پر ہے کہ در حقیقت اس کی رویت صحیح تھی اور ان سب کاسکوت بطور شواہد مل کر اس امر کو اور بھی قوت دیتا ہے کہ در حقیقت وہ حدیث صاحب تلوح نے بخاری میں دیکھی تھی۔ (ازالہ اوہام)

(ایسا ہی مرزا قادیانی کے ایک مرید نے الحق مباحثہ لدھیانہ کے حاشیہ میں لکھا ہے۔)

اس کلام میں مرزا صاحب نے اول سے آخر تک جو کچھ کہا ہے وہ سراسر کذب و مغالطہ ہے۔ علامہ تفتازانیؒ نے کتاب تلوح میں اس حدیث کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ ہم نے نقل کر دیا ہے۔ اس میں علامہ تفتازانیؒ نے نہ اس حدیث کا بخاری میں موجود ہونا بیان کیا ہے، نہ اس حدیث کے متعلق اپنی رویت ظاہر کی



ہے۔ اور نہ اس حدیث کے بخاری میں ہونے کی شہادت دی ہے۔ اس کا کلام مذکور صرف صاحب کشف کے قول کا جواب ہے۔ اب قادیانی کے اکاذیب و مغالطات دیکھیں کہ

پہلے اس فقرہ کا کہ صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے علامہ پرافتراء کیا۔  
پھر علامہ تفتازانی کی روایت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔

پھر علامہ تفتازانی کو اس بیان کا کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے، گواہ بنایا۔

پھر اس کی تائید میں یہ مسئلہ گھڑ لیا کہ ایک شخص کی روایت ہلال رمضان سے تمام دنیا کے مسلمانوں پر روزہ فرض ہو جاتا ہے، جو علی الاطلاق کسی مذہب کا مسئلہ نہیں ہے۔

پھر دوسرے علماء کے اس دعویٰ روایت پر سکوت کو شہادت بنا دیا۔

جو شخص تلوتج کے اس مقام کو دیکھے گا، وہ صاف یقین کرے گا کہ جو کچھ مرزا قادیانی نے کہا ہے، صاف جھوٹ ہے۔ علامہ تفتازانی نے نہ یہ کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے، نہ یہ کہا ہے کہ میں نے اس میں خود دیکھی ہے۔ اور نہ اس حدیث کے متعلق علامہ کا بیان اس حدیث کے صحیح بخاری میں پائے جانے کی نسبت شہادت ہے، نہ اور علماء کا اس پر سکوت اس کی شہادت ہو سکتی ہے۔

مرزا قادیانی نے جو یہ کہا ہے کہ شاید کسی قلمی نسخہ صحیح بخاری میں یہ حدیث ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث موضوع و افتراء کفار کا صحیح بخاری میں ہونا ایسا محال اور ناممکن ہے جیسا کسی نسخہ قرآن میں یا صحیح بخاری میں شراب یا خنزیر کی حلت کا ہونا ناممکن ہے اگر کوئی یہ کہدے کہ ایک نسخہ قلمی قرآن میں اس مضمون کی آیت ہے کہ خنزیر حلال ہے اور صحیح بخاری کے ایک قلمی نسخہ میں اس مضمون کی حدیث میں نے دیکھی ہے، تو اس کے جواب میں مسلمان یہی بات کہیں گے کہ ایسی آیت اور حدیث کا قرآن اور صحیح بخاری میں ہونا ناممکن ہے، اور کوئی شخص بجز قادیانی یہ تجویز نہ کرے گا کہ شاید کسی قلمی نسخہ میں یہ آیت وحدیث ہو۔

ایسا ہی محدثین کے نزدیک اس حدیث کا صحیح بخاری میں ہونا ناممکن ہے، کیونکہ اس حدیث کا موضوع و افتراء ہونا اور اس کے مضمون کا مخالف و معارض قرآن ہونا محدثین کے نزدیک مسلم ہے اور صحیح بخاری موضوعات اور معارضات قرآن سے بالاتفاق پاک ہے۔

اس بیان سے یہ شبہ پیدا ہوگا کہ یہ حدیث ایسی موضوع و افتراء کفار ہے تو علامہ تفتازانی نے نہ سہی، صاحب کشف نے اسکو صحیح بخاری کی حدیث کیوں سمجھا اور علامہ نے اسکے جواب میں صاف کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ حدیث موضوع ہے اور بخاری میں اس کے موجود ہونے کا دعویٰ غلط ہے۔ یا اور اصولیوں نے اس کو اس کتاب میں وارد کر کے اس سے کیوں استدلال کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص نے اس حدیث کو صحیح بخاری کی حدیث قرار دیا یا کسی اور کتاب کی حدیث صحیح سمجھا، اس نے دوسرے سے سنی سنائی بات پر اعتماد کیا۔ چشم خود حدیث کی کتابوں کی طرف رجوع نہیں کیا۔ اور یہ امر غیر واقع و مستبعد نہیں ہے۔ بہت سے ایسے اکابر گذرے ہیں جن کو خاص خاص فنون کا شغل و تعلق رہا ہے، جن میں ان کو امامت کا درجہ بھی حاصل ہوا، لیکن دوسرے فنون کی طرف توجہ کرنے کا انہیں موقع نہیں ملا۔ اور یہ امر ان کے رتبہ امامت میں جو خاص خاص فنون میں ان کو حاصل تھا، خلل انداز نہیں سمجھا گیا۔ اس کی تائید میں ہم ایک عام شہادت پیش کرتے ہیں جو بمنزلہ اصول ہے۔ پھر ایک خاص شہادت پیش کریں گے جو اس عام اصول کی تمثیل ہوگی۔

عام شہادت یہ ہے جو تذکرۃ الحفاظ و ملخص طبقات ذہبی سے منقول ہے:

نوح۔ الجامع لجلالته فی العلم ترک حدیثہ۔ و کذا لک شیخہ مع عبادتہ۔ فکم من امام فی فن مقصر من غیرہ کسبیبویہ مثلاً امام فی النحو و لا یدری ما الحدیث و کیع امام فی الحدیث و لا یعرف العربیۃ و کابی نواس را س فی الشعر عری من غیرہ و عبد الرحمن بن مہدی امام فی الحدیث لا یدری ما الطب قط و محمد بن الحسن را س فی الفقہ لا یدری ما القرئۃ و کحفص امام فی القرئت تالف فی الحدیث و للحرب ر جال یعرفون بہا (ملخص طبقات ذہبی) نوح کی نسبت کہا ہے کہ وہ جامع اور علم میں حلیل الشان تھا۔ متروک الحدیث تھا۔ اور بہت سے لوگ ایسے گذرے ہیں جو ایک فن میں امام تھے، دوسرے میں قاصر۔ جیسے سبویہ نحو میں امام تھے اور یہ نہ جانتے تھے کہ حدیث کیا چیز ہے اور کعب حدیث میں امام تھے، علم ادب نہ جانتے تھے۔ ابونواس شعر میں رئیس تھے اور دیگر فنون سے عاری۔ اور عبد الرحمن بن مہدی

حدیث میں امام تھے اور نہ جانتے کہ طب کیا ہے۔ اور امام محمد بن حسن فقہ کے امام تھے اور نہ جانتے تھے علم قرأت کیا چیز ہے۔ اور امام حفص قرأت میں امام تھے، حدیث سے خالی۔ چنانچہ کہا گیا ہے لڑائی کیلئے مخصوص لوگ ہوتے ہیں جو اس سے پہچانے جاتے ہیں۔

خاص شہادت یہ ہے کہ مفسرین اور فقہاء اصولین اپنی کتابوں میں بہت سے ایسی احادیث لائے ہیں جو موضوع اور ضعیف ہیں اور اس امر کو محدثین اور ان فقہاء نے جن کو علم حدیث میں دخل ہے، بڑی شد و مد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ طیبی شارح مشکوٰۃ نے رسالہ اصول حدیث میں کہا ہے:

ولوا ضعون الحدیث اصناف و اعظمهم ضرراً من انتسب الی الزهد فوضع احتساباً و وضعت الزنا دقہ ایضاً جملاً ثم نهضت جها بذة الحدیث بکشف عوارها و محو عارها و الحمد لله و قد ذهب الکرامتیہ و الطائفة المبتدعہ الی جواز وضع الحدیث فی الترغیب و الترهیب و منه ما روى عن ابی عصمة نوح بن ابی مریم انه قيل له من اين لك عن عكرمة عن ابن عباس في فضائل القرآن سورة سورة فقال انی رئیة الناس قد اعرضوا عن القرآن و اشتغلوا بفقہ ابی حنیفہ و مغازی محمد بن اسحاق فوضعت هذه الاحادیث حسبة۔ و قد اخطا المفسرون فی ابداعها فی تفاسیرهم الا من عصمه الله و مما ادعوا فیها انه قال صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حين قرء و مناة الثالثة الاخری، تلك الغرانیق العلی و ان شفاعتهن لترجى۔ و لقد اشبعنا القول فی ابطاله فی باب سجدة التلاوة و كذا ما اورده الاصوليون من قوله اذا روى عنی حدیث فاعرضوا علی كتاب الله فان وافقه فاقبلوه و ان خالفه فردوه قال الخطابی و ضعه الزنادقة و يدفعه قوله انی قد اوتیت الكتاب و ما یعد له و یروی او تیت الكتاب و مثله معه۔ حدیثیں وضع کرنے والے کئی قسم کے لوگ ہیں ازانجملہ بہت ضرر رساں وہ لوگ ہیں جو زاہد کہلاتے ہیں، انہوں نے بامید ثواب حدیثیں وضع کی ہیں۔ اور زندیقوں نے بھی حدیثیں وضع کی ہیں۔ پھر ماہرین حدیث کھڑے ہو گئے اور انہوں نے ان کے عیب کھول

دیئے اور اس ننگ کو جو ان احادیث کے سبب اسلام کو لاحق ہوا تھا، مٹا دیا۔ کرامتہ (معتزلہ کا ایک فرقہ ہے) اور بعض بدعتی بھی ثواب کی رغبت دلانے اور ڈرانے کے لئے حدیثوں کو وضع کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ اس کی ایک مثال وہ ہے جو ابو عصمہ نوح بن مریم سے منقول ہے کہ اس کو کسی نے پوچھا کہ تیرے پاس جو فضائل قرآن میں عکرمہ عن ابن عباس کی حدیثیں ہیں، یہ تو نے کہاں سے لی ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قرآن کی طرف توجہ نہیں کرتے، اور امام ابو حنیفہ کی فقہ اور محمد بن اسحاق کے جنگ ناموں میں مشغول ہیں، تو میں نے خدا کے لئے یہ حدیثیں از خود بنائیں۔ بے شک تمام مفسرین نے، بجز ان لوگوں کے جن کو خدا نے بچالیا، خطا کی کہ ان احادیث کو اپنی تفاسیر میں نقل کر دیا۔ اور مجملہ موضوعات، وہ حدیث ہے جن کو مفسرین، تفاسیر میں لائے ہیں۔ جس کا یہ مضمون ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورہ نجم میں ومنلة الثالثة الاخری پڑھا تو اس کے بعد تلك الغرائيق العلی وان شفاعتھن لترجی بھی ان کی زبان سے نکل گیا۔ ہم نے اس روایت کے ابطال میں باب السجدة تلاوة میں تفصیل بحث کی ہے۔ واز انجملہ وہ حدیث موضوع ہے جس کو اصولی اپنی کتابوں میں لائے ہیں کہ جب کوئی حدیث مجھ سے روایت ہو تو اس کو کتاب اللہ پر پیش کرو، موافق ہو تو قبول کرو، ورنہ رد کر دو۔ خطابی نے کہا ہے کہ اس کو چھپے زندیقوں نے وضع کیا اور اس کو آنحضرت ﷺ کا یہ قول رد کرتا ہے کہ میں قرآن دیا گیا ہوں اور اس کی مثل۔

اس مضمون کے اور بہت سے محدثین سے اقوال ہیں جن میں انہوں نے ان احادیث موضوعہ کو نقل کرنے والے مفسرین کے حق میں کہا ہے، فلیسوا من اهل هذا الشان کہ وہ لوگ فن حدیث کے اہل نہ تھے شیخ عبدالحق محدث احادیث ہدایہ کی نسبت شرح سفر السعادة میں فرماتے ہیں:

و کتاب ہدایہ کہ در دیار مامشہور و معتبر ترین کتابا است نیز درین وہم انداختہ چہ مصنف وے رحمۃ اللہ علیہ در اکثر بنائے کار بردلیل معقول نہادہ و اگر حدیثے آوردہ نزد محدثین خالی از ضعف نہ۔ غالباً اشتغال وقت آن اوستاد در علم حدیث کمتر بودہ است۔

مرزا قادیانی شامدان اقوال کے ذریعہ بھی عوام حنفیہ کو مشتعل کرے اور یہ کہے کہ ان میں فقہاء و اصولیین کی تنقیص و توہین پائی جاتی ہے۔ مگر وہ یاد رکھے کہ جیسے پہلے بہتان توہین امام ابو حنیفہ میں اس کو کامیابی

ہوتی ہے، ویسی ہی اس اشتعال میں ہوگی۔ خواص علماء حنفیہ خوب جانتے ہیں کہ ان اقوال میں مفسرین و اصولیین و فقہاء کی توہین نہیں ہوتی۔ ہوتی تو اکابر حنفی علماء مثل شیخ عبدالحق دہلوی کی زبان سے یہ اقوال نہ نکلتے، شریک کی حدیث میں لفظ قبل ان یوحی کا غلط ہونا، جو امام نووی سے مرزا قادیانی نے نقل کیا ہے، اس کا جواب پہلے منقول ہو چکا ہے کہ یہ شریک کی غلطی نہیں بلکہ یہ معترضین کی غلطی فہم ہے

و کم من عائب قو لا صحیحاً و آفته من الفہم السقیم

حدیث اقص بینی و بین هذا الکاذب کا جھوٹا ہونا، جو مرزا قادیانی نے امام نووی سے نقل کیا ہے، اس میں اس نے کذب و خداع سے کام لیا ہے۔ امام نووی ہرگز اس بات کا قائل نہیں کہ یہ حدیث یا یہ الفاظ راوی کا کذب ہے۔ امام نووی نے صرف مازری سے یہ نقل کیا ہے کہ اگر ان الفاظ کی کوئی تاویل نہ ہو سکے اور باب تاویل بند ہو جائے تو راوی کی طرف کذب منسوب کیا جائے گا۔ مگر آگے چل کر اس مازری نے یہ بھی نقل کر دیا ہے کہ جب کہ اس لفظ کا ثابت اور صحیح سمجھنا ضروری ہے تو اس لفظ کی تاویل ہو سکتی ہے اور اس کو بیان کیا۔

اس مقام میں امام نووی کا پورا کلام نقل کیا جاتا ہے تاکہ اس سے ناظرین کو قادیانی کے کذب کا یقین ہو۔ امام نووی نے شرح مسلم جلد دوم کے صفحہ ۹۰ میں کہا ہے:

قال المازری هذا اللفظ وقع لا يليق ظاهراً بالعباس و حاش لعلی ان يكون فيه بعض هذه الاوصاف فضلاً عن كلفها و لسنا نقطع بالعصمة الا للنبی ﷺ ولمن شهد له بها لکنما مورون بحسن الظن بالصحابه و نفي كل رذيله عنهم۔ و اذا انسدت طرق تاويلها، نسبنا الكذب الي رواتها قال و قد حمل هذا المعنى بعض الناس على ان ازال هذه اللفظة من نسخته تورعا عن اثبات مثل هذا و لعله حمل الوهم على رواته قال المازری و اذا كان هذا اللفظ لا بد من اثباته و لم نصف الوهم الي رواته فاجود ما حمل عليه انه صدر من العباس على جهة الادلالات على ابن اخيه لانه بمنزلة ابنه و قال ما لا يعتقده و ما يعلم براءة ذمة ابن اخيه منه و

ما .. قصد بذلك ردعه عما يعتقد انه مخطى فيه و ان هذا الاوصاف يتصف بهالو  
 كان يفعل ما يفعله عن قصد و ان عليا كالايراهالالا موجبة لذلك في اعتقاده و  
 هذا كما يقول المالكي شارب النبيذ ناقص الدين و الحنفى يعتقد انه ليس  
 بناقص فكل واحد بحق في اعتقاده و لا بد من هذا التاويل لان هذه القضية  
 جرت فى مجلس فيه عمر و هو الخليفة و عثمان و سعد و زبير و عبد الرحمن و لم  
 ينكر احد منهم هذا الكلام مع تشدد هم فى انكار المنكر و ما ذلك الا لانهم فهمو  
 بقرينة الحال انه تكلم بما لا يعتقد ظاهره مبالغة فى الزجر قال المازرى و  
 كذلك قول عمر انكما جئتما ابا بكر فر ايتماه كاذباً آثماً غادراً خانياً و كذلك  
 ذكر عن نفسه انهما راياه كذلك و تاويل هذا على نحو ما سبق و هو ان المراد  
 انكما تعتقدان ان الواجب ان نفعل فى هذه القضية خلاف ما فعلته انا و ابو بكر  
 فنحن على مقتضى رأيكما لو اتينا و نحن معتقدان ما تعتقد انه لكننا بهذه  
 الاوصاف . كهمازرى نے کہا کہ یہ ایسا لفظ واقع ہوا ہے جو بظاہر معنی حضرت عباسؓ کے مناسب حال نہیں  
 ہے کیونکہ حضرت علیؓ کی شان اس سے پاک ہے کہ یہ اوصاف ان میں ہوں۔ اور ہم کو بجز نبی ﷺ کے، یا اس  
 شخص کے جس کے حق میں نبی ﷺ نے شہادت دی ہو، کسی کے معصوم ہونے کا یقین نہیں۔ لیکن ہم تمام صحابہ  
 کے حق میں حسن ظن رکھنے اور ان کی نسبت برے خصائل کی نفی کرنے پر مامور ہیں، جب باب تاویل بالکل بند  
 ہو جائے تو ہم راوی کی طرف کذب کو منسوب کریں گے۔ بعض لوگوں نے اس لفظ کے یہی معنی (ظاہری) سمجھے تو  
 اپنے نسخہ سے ان الفاظ کو کاٹ دیا۔ شاید اس نے یہ سمجھا ہو کہ ان الفاظ کے بیان میں راوی کو وہم ہو گیا ہے۔  
 مازری نے کہا ہے کہ جب کہ اس لفظ کا صحیح رکھنا ضروری ہے اور ہم راوی کو وہم سے موصوف نہیں کرتے، تو اس  
 کی عمدہ تاویل یہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کو اپنا بھتیجا بمنزلہ فرزند سمجھ کر یہ الفاظ زبان سے کہہ دیئے  
 ہیں۔ مگر ان کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ حضرت علیؓ ایسے ہیں۔ شاید ان کا مقصود (ان الفاظ سے) یہ تھا کہ حضرت علیؓ اس خیا  
 ل سے رک جائیں جس خیال میں وہ حضرت عباسؓ کے نزدیک خطا پر تھے۔ اور یہ مقصود تھا کہ اگر حضرت علی

دیدہ دانستہ وہ خطا کرتے ہیں تو ویسے ہیں۔ گو حضرت علیؑ اپنے خیال میں ایسے نہ تھے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی مالکی مذہب والا، شیرہ انگور یا کھجور پینے والے کو ناقص الدین کہے، جس کو خنی اپنے خیال میں ناقص الدین نہیں سمجھتا۔ اور ان دونوں میں سے ہر ایک شخص اپنے خیال میں حق پر ہے۔ یہ تاویل ضروری ہے کیونکہ یہ مقدمہ حضرت عمرؓ، جو خلیفہ وقت تھے، اور حضرت عثمانؓ وزیرؓ و عبد الرحمنؓ کے سامنے پیش ہوا، ان میں سے کسی نے ان الفاظ پر انکار ظاہر نہ فرمایا، باوجودیکہ بری بات پر انکار کرنے میں ان کو تشدد تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بقرینہ حال یہ سمجھا کہ وہ ایسے الفاظ بولتے ہیں جن کے ظاہری معنی مراد نہیں لیتے۔ مازری نے کہا ایسا ہی (یعنی اسی معنی سے) حضرت عمرؓ کا ان دونوں (حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ) کو یہ کہنا ہے کہ تم ابوبکرؓ کے پاس آئے تو تم نے ان کو کاذب، گنہگار، غادر اور خائن سمجھا، ایسا ہی اپنی نسبت ان کا خیال بیان کیا۔ اس کے معنی بنا برتاویل مذکورہ بالا یہی ہیں کہ تم جب کہ یہ سمجھ رہے ہو کہ معاملہ اراضی متنازعہ فیہا میں واجبی امر وہ تھا جو تمہارا خیال ہے تو اس کا متقاضی یہ ہے کہ ہم تمہارے خیال میں کاذب و غادر و خائن ہیں۔

اس کلام نووی کو دیکھ کر ناظرین داد انصاف دیں کہ امام نووی نے ان الفاظ کو راوی کا کذب قرار دیا ہے یا ان کی تاویل کر کے ان الفاظ کو صحیح و ثابت ٹھہرایا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا محمد حسین بٹالویؒ اپنی گزارشات کا اختتام کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ ہم نے تخریر ہشتم قادیانی کے اقوال کا اول سے نہم تک بطور تمثیل کذب و دھوکہ ظاہر کیا ہے۔ اس تفصیل سے مرزا قادیانی کا کذاب و دھوکہ باز ہونا بخوبی ثابت ہو گیا ہے اور اس سے ناظرین کو یقین ہو سکتا ہے کہ آئندہ اقوال میں بھی اس نے اسی کذب و دھوکہ بازی سے کام لیا ہوگا۔

اور ناظرین غور کریں کہ جس شخص کو اس کا مقابل و مبارز چھٹاڑے یا بچھاڑے، وہ پھر اس کے مقابلہ کا مدعی ہو، تو اس کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ اگر پھر اس نے چھٹاڑا، یا بچھاڑا تو اس وقت اسے مزید لوگوں کے سامنے (جو پہلے حاضر نہ تھے) ذلت اٹھانی پڑے گی مگر یہ خیال اور دور اندیشی اسی شخص کو ہوتی ہے جو کچھ حیا رکھتا ہو۔ اور جن کو نہ خوف آخرت ہو اور نہ ننگ و حیا دنیا۔ وہ سو دفعہ تہاڑ اور چھٹاڑ کھاتے ہیں اور پھر مقابلے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہم نے بہت لوگ ایسے دیکھے ہیں جو مار کھائے جاتے ہیں اور مارنے والے کو کہتے

جاتے ہیں کہ یک دفعہ پھر ماراوردیکھتاشا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ان من مما ادرك الناس من كلام النبوة الاولى اذا لم تستحي فاصنع ما شئت جس کا خلاصہ یہ مصرعہ ہے: بے حیاباش و ہرچہ خواہی کن  
اب اگر کوئی پوچھے کہ اس کا مصداق کون ہے تو وہ مرزا صاحب کا اشتہار یکم اگست ۱۸۹۱ء ملاحظہ کر  
نے کے علاوہ انہی کے ایماء پر جاری ہونے والا ان کے مریدوں کا درج ذیل اشتہار دیکھے جو حافظ محمد یوسف  
صلحدار نہر اور منشی عبدالحق اکونٹ وغیرہ کی طرف سے جاری ہوا، اور ضمیمہ ریاض ہند ۲۲۔ اگست ۱۸۹۱ء کے  
صفحہ اول پر شائع ہوا۔

.....

## متفرقات

پنڈت لیکھ رام اور تردید قادیانیت

مرزا غلام احمد قادیانی نے براہین احمدیہ کے چار حصے شائع کئے تو چونکہ ان میں آریہ وغیرہ کو چیلنج کئے  
گئے تھے اسلئے آریہ کے پنڈت لیکھ رام نے اس کا جواب لکھا جسے اس نے امرتسر میں ۱۸۸۵ء میں ایک مجمع میں  
سنایا جس میں شریک ہونے کی مرزا غلام احمد کو بھی دعوت تھی لیکن مرزا صاحب شامل مجمع نہ ہوئے۔ چند سال  
بعد کچھ اضافات کے ساتھ پنڈٹ لیکھ رام نے تکذیب براہین احمدیہ کے نام سے شائع کیا۔

پنڈت لیکھ رام بہت بد زبان شخص تھا۔ اس نے اپنی کتاب میں مرزا غلام احمد کو رگیدنے کے ساتھ  
اسلام، قرآن اور بانی اسلام پر بھی سخت اعتراضات کئے تھے۔ مرزا صاحب نے ۱۸۸۷ء میں کتاب شخہ حق  
شائع کی تو اس میں حصہ پنجم کے جلد شائع کرنے کا وعدہ ان الفاظ میں درج تھا: پنڈت لیکھ رام نے ہماری  
کتاب براہین احمدیہ کے رد میں چند اوراق چھپوائے ہیں۔ اس کتاب کا نام تکذیب براہین احمدیہ رکھا ہے ہمیں  
ہرگز امید نہیں کہ کوئی تمیز دار ہندو اس کتاب کو پڑھ کر یہ رائے ظاہر کر سکے کہ اسکے مولف کو عقل اور فہم سے کچھ



حصہ ملا ہے یا تہذیب اور فراست سے اس کی فطرت کو کچھ تعلق نہیں۔ ہم عنقریب گند اور افتراء اس جہل مجسم کا اپنی مبسوط کتاب براہین احمدیہ حصہ پنجم میں ظاہر کریں گے۔ (تخصیص مصنفہ مرزا قادیانی ص ۹۹)

لیکن مرزا صاحب نے اس وعدہ سے بھی وہی بے التفاتی کا سلوک کیا جو اپنے دوسرے وعدوں سے فرمایا کرتے تھے۔ اور حکیم نور الدین کو تکذیب کا رد لکھنے کا کہا (جب انہوں نے لکھ کر آپ کو خبر کی، تو جو بامرزا صاحب نے لکھا: مجھے یہ بات سن کر نہایت خوش ہوئی کہ تکذیب براہین کا رد آپ نے تیار کر لیا ہے۔ الحمد للہ و المنة اس رد کے شائع ہونے کیلئے عام طور پر مسلمانوں کا جوش پایا جاتا ہے شاید ڈیڑھ سو کے قریب ایسے خط آئے ہونگے جنہوں نے اس کتاب کے خریدنے کیلئے شوق ظاہر کیا ہے... غلام احمد قادیانی ۲ جنوری ۱۸۸۸ء۔ الحکم ۲۸ مئی ۱۹۱۰ء) تکذیب و تصدیق کی یہ داستان مناسب موقع پر نقل کی جائیگی، انشاء اللہ۔

پنڈت لیکھ رام نے لکھا ہے کہ:

مرزا غلام احمد قادیانی کی کتاب (براہین احمدیہ) میں کہیں برہم دھرم والوں سے گالی گلوچ ہو رہی ہے کسی جگہ عیسائیوں کو کوس رہے ہیں، کسی جگہ مسیح کو ابن اللہ بنا رہے ہیں اور کسی جگہ آریوں کو برا بھلا بتا رہے ہیں۔ مجھے اس جگہ کسی اور سے سروکار نہیں اور نہ میں کسی غیر کا مختار۔ ہاں آریہ دھرم کا پیر و کار ہوں.. اور اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ براہین احمدیہ کو میزان انصاف میں تولوں اور ان کا امتحان کروں:

خوش بود کر محک تجربہ آید بیان تاسیہ روئی شود ہر کہ دروغش باشد

براہین احمدیہ کی جلد اول میں مرزا صاحب نے ظاہری نمود بے بود بلکہ روپنہ کمانے کے طور پر بڑے حرفوں میں ایک اشتہار کا مل ۸۲ صفحوں پر درج کیا ہے جس سے سوائے ظاہری شیخی کے کوئی کسی طرح کا نتیجہ نہیں نکل سکتا... ایک دانا کا قول ہے مشک آنست کہ خود بوید، مطلب ان کا اس تمام لاف و گداف سے صرف یہی ہے کہ کسی طرح روپنہ ہاتھ آئے (تکذیب براہین ص ۴)....

مولانا دلاور می نے لکھا ہے: پنڈت لیکھ رام قادیان گیا اور شرائط زیر بحث پر گفتگو کی لیکن مرزا نے سخن تراشی اور لیت و لعل سے کام نہ کالنا چاہا لیکن بد قسمتی سے ان کا مد مقابل کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جو آسانی سے پیچھا چھوڑ دیتا۔ پنڈت نے بہتیری کوشش کی کہ الہامی صاحب کسی طرح قادیان کے یک سالہ قیام کے معقول اور منصفانہ شرائط کو منظور کریں اور حیلے حوالے چھوڑ کر راہ راست پر آئیں لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ جب انہوں نے

دیکھ لیا کہ یہ حیلہ گری سے کسی طرح باز نہیں آتے اور اب شرائط قیام پر مزید گفتگو عبث ہے تو انہوں نے ایک سا لہ قیام و انتظار کو بالائے رکھ کر فوری عجاظ نمائی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ پنڈت ہر روز الہامی صاحب کے دولت کدہ پر جاتا اور کہتا کہ اگر اپنے دعووں میں سچے ہو تو کوئی معجزہ اور کرامت دکھاؤ۔ لیکن بے چارے مرزا جی کے لئے سرندامت جھکا لینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اسی کے ساتھ پنڈت کا یہ معمول تھا کہ ہر روز سینکڑوں ہندوؤں کو جمع کر کے قادیان کے بازار میں چلا جاتا اور مجمع کثیر میں نہایت زہر آلود تقریر کر کے حاضرین کو خوب ہنساتا۔ خود مرزا جی نے اپنے اسم با مسمی رسالہ فریاد درد میں ان رسوائیوں کا بہت کچھ رو نارویا ہے۔ لکھتے ہیں:

جن دنوں لیکھ رام نے اسلام کی نسبت بدزبانی پر کمر باندھ رکھی تھی اور بات بات میں گالی ان کے منہ میں تھی ان دنوں اس نے جوش میں آ کر یہ کاروائی بھی کی تھی کہ مجھ سے بحث کرنے کیلئے قادیان میں آ کر ایک مہینہ کے قریب رہا۔ میں اس سے بحث کرنے کیلئے اس کے ضلع اور گاؤں نہیں گیا اور نہ میں نے کبھی ابتداء اس سے خط و کتابت کی۔ وہ خود اپنے وحشیانہ جوش سے قادیان میں میرے پاس آیا اور اس بات کے تمام ہندو اس جگہ کے گواہ ہیں کہ ۲۵ دن کے قریب قادیان میں رہا اور سخت گوئی اور بدزبانی سے ایک دن بھی اپنے تئیں روک نہ سکا۔ بازار میں مسلمانوں کے گذر کی جگہ ہمارے نبی ﷺ کو گالیاں دیتا رہا اور مسلمانوں کو جوش دلانے والے الفاظ بولتا۔ میں نے اندیشہ نقص امن سے مسلمانوں کو منع کر دیا تھا کہ اسکی تقریروں کے وقت کوئی بازار میں کھڑا نہ ہو اور کوئی مقابلہ کیلئے مستعد نہ ہو... میرے بار بار روکنے سے وہ لوگ اپنے جوشوں سے باز آئے۔ اور لیکھ رام نے یہ طریق اختیار کیا کہ ہر روز میرے مکان پر آتا اور کوئی نشان اور معجزہ مانگتا اور سخت ٹھٹھے اور ہنسی کے الفاظ اسکے منہ سے نکلتے۔ وہ ہمیشہ صبح یا تیسرے پہر قادیان میں میرے مکان پر آتا اور اسلام اور ہمارے نبی ﷺ کی نسبت طرح طرح کی بے ادبیاں کرتا اور جیسا کہ ظالم پادریوں نے مشہور کر رکھا ہے بار بار یہی کہتا کہ تمہارے پیغمبر سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا اور نہ کوئی پیشگوئی پوری ہوئی، ملانوں نے مذہب کو رونق دینے کیلئے جھوٹے معجزوں سے کتابیں بھر رکھی ہیں (فریاد درد ص ۱۰۵ الف)

لیکن سوال یہ ہے کہ جب پنڈت لیکھ رام مرزا صاحب کو ان کے کا شانہ تقدس میں جا کر ذلیل کر رہا تھا، اسلام اور داعی اسلام کی شان اقدس میں دریدہ و ذمی کی جارہی تھی، مجدد وقت کا بری طرح مذاق اڑایا جا رہا

تھا، اور پنڈت ہر وقت مصر تھا کہ کوئی معجزہ دکھاؤ، تو اگر مرزا میں کوئی واقعی اعجازی جوہر ودیعت تھا تو ایسی حالت میں ان کی رگ حمیت کیوں جنبش میں نہ آئی؟ انہوں نے اپنا کوئی عداولگن معجزہ دکھا کر اس بے باک آریہ کو گھٹنے ٹیکنے پر کیوں مجبور نہ کیا؟ اور اسکا سر نیاز خاک ندامت پر رکھوا کر دوسرے شوریدہ سراعدائے دین کیلئے اسباب عبرت کیوں مہیا نہ کر دیئے۔ مرزا صاحب کا دعویٰ تو یہ تھا کہ اکثر گذشتہ نبیوں کی نسبت میرے بہت زیادہ معجزات اور پیش گوئیاں ہیں بلکہ بعض گذشتہ انبیاء کے معجزات اور پیش گوئیوں کو ان معجزات سے کچھ نسبت ہی نہیں اور نیز ان کی پیش گوئیاں اور معجزات اس وقت محض بطور قصہ کہانیوں کے ہیں مگر میرے معجزات اور پیش گوئیاں ہزار ہا لوگوں کے لئے واقعات چشم دید ہیں گذشتہ نبیوں کے معجزات اور پیش گوئیوں کا ایک بھی زندہ گواہ پیدا نہیں ہو سکتا باستثناء ہمارے نبی ﷺ کے کہ آپ کے معجزات اور پیشگوئیوں کا میں زندہ گواہ موجود ہوں اور قرآن شریف زندہ گواہ موجود ہے اور میں وہ ہوں جس کے بعض معجزات اور پیش گوئیوں کے کروڑھا انسان گواہ ہیں (نزل المسیح ص ۸۱-۸۲)۔ لیکن اس دعویٰ کے باوجود عمل یہ تھا کہ ایک عدوے اسلام کے مجبور کرنے پر بھی اپنے کیسہ معجزات سے ایک عدد معجزہ نکال کر پیش نہیں کر سکتے تھے۔

(ریس قادیان مصنفہ مولانا رفیق دلاوری۔ ص ۱۷۳-۱۷۷)

قیام قادیان کے حالات لکھتے ہوئے پنڈت لیکھ رام نے بتایا ہے کہ:

ایک دن خاص قصبہ قادیان میں مرزا صاحب کے مکان پر بیٹھے ہوئے ایک سال بھر وہاں ٹھہرنے کی شرائط طے ہو رہی تھیں۔ اثناء گفتگو میں لفظ خوارق عادات کی تشریح ہونے لگی۔ میرا یہ دعویٰ تھا کہ خوارق عادات کہتے ہیں عادت یا سبھاؤ کے توڑنے کو۔ چاقو میں چاک کرنے کی عادت ہے اور آگ میں جلانے کی۔ درخت میں غیر متحرک رہنے کی، اور انسان میں چلنے کی، وغیرہ۔ آپ اگر ان عادتوں کو خدا کی برکت سے توڑ دیویں تب مسلمان ہو جاؤنگا، ورنہ آپ آریہ ہو جائیں۔ اور غلط دعویوں سے باز آئیں۔ مرزا نے فرمایا کہ قرآنی اصطلاح میں اس لفظ کے یہ معنی نہیں ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ لفظ ہی قرآن میں نہیں ہے اور بتلاؤ اگر کہیں ہے۔ مرزا نے اقرار کیا کہ قرآن میں ضرور ہے۔ میرے پاس قرآن تھا اور اسی وقت پیش کیا کہ اسے ذرا نکال لئے اور الہام کی فال ڈالئے۔ چند منٹ تک مرزا ورق گردانی کرتے رہے مگر بالکل وہ لفظ قرآن سے نہ نکالا اور طوعاً و

کرھا فرمایا کہ میں اس دعویٰ سے دستبردار ہوں، قرآن میں یہ لفظ نہیں ہے۔ اس وقت حکیم کشن سنگھ ولالہ نہال چند و حکیم دیارام صاحب و پنڈت اے جے کشن ولالہ کچھی بھائی و مرزا کمال الدین ونشی مراد علی اور ایک بوڑھا مسافر بیٹھے ہوئے تھے جس سے غالباً مرزا صاحب کو بھی انکار نہ ہوگا۔ (تہذیب براہین۔ ص ۸۶)

## تردید الہامات قادیانی از پنڈت لیکھ رام

پنڈت لیکھ رام نے مرزا غلام احمد کے الہاموں کی تردید کرتے ہوئے لکھا:

اول۔ ایک سال کا عرصہ ہوا مسمی جان محمد کشمیری جو مرزا صاحب کی مسجد کا امام ہے اس کا لڑکا جس کی عمر اس وقت قریباً پانچ سال ہوگی عارضہ بخار سے بیمار ہوا، اور بڑھتے بڑھتے مرض اس قدر بڑھ گئی کہ بخار کے ساتھ ہی اسہال آنے شروع ہو گئے، اور لڑکے کا خورد و نوش بالکل بند ہو گیا، اور ایسا کمزور اور نحیف البدن ہو گیا کہ استخوان ہی استخوان معلوم ہوتے تھے۔ غرض ایک روز لڑکا عین نزاع کی حالت میں تھا اور اس وقت اس کی حالت کو دیکھ کر جمہول سے جمہول بھی یہی کہتا تھا کہ لڑکا کوئی دم کا مہمان ہے۔ غرض اس اضطرابی اور بے قراری کی حالت میں جان محمد مذکور مرزا صاحب کی خدمت میں گئے اور مرزا صاحب اس لڑکے کو دیکھ بھی چکے تھے۔ خیر امام صاحب نے کل احوال عرض کیا اور کہا کہ آپ مستجاب الدعوات ہیں اس لڑکے کیلئے دعا کیجئے۔ مرزا صاحب کو اس لڑکے کی طرف پہلے خیال تھا کیونکہ آپ کی مسجد کا امام زادہ تھا۔ فرمایا جان محمد کے آنے سے اول ہی مجھ کو الہام ہوا ہے کہ اس لڑکے کیلئے قبر کھودو۔ مرزا صاحب کے منہ سے یہ کلمہ نکلنا تھا کہ امام صاحب کے ہوش یافت ہو گئے۔ اوسان خطا کیوں نہ ہوتے اور ساتھ ہی طوطے کیوں نہ اڑتے کیونکہ اس کا ایک ہی بیٹا تھا وہ بھی کچھیل عمر کا۔ غرض امام صاحب اسی یاس اور مایوسی کی حالت میں جو اپنے گھر واپس آئے تو الہام کا اثر برعکس ظہور میں آیا... یعنی لڑکے کے آثار صحت دیکھے۔ مرزا صاحب کا الہام فرمانا ہی تھا کہ خداوند کریم کی قدرت کا تماشا دیکھئے لڑکے کو دم آرام ہونا شروع ہوا، اور ایک ہی ہفتہ میں لڑکا تندرست ہو گیا۔ اور مرزا صاحب اپنی دروغ بیانی و کذب لسانی و غلطی الہام کی یہ تاویل فرماتے ہیں کہ ہمارا الہام تو ہرگز غلط نہیں، ضرور

کسی نہ کسی وقت پر پورا ہوا جاوے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ کسی وقت بلکہ عنقریب ہی آپ کے واسطے قبر کھودیں گے۔ دوم۔... مرزا غلام احمد نے مسمیٰ بشند اس ساکن قادیان کو بلا کر کہا کہ مجھے تمہاری نسبت الہام ہوا ہے (جب کہ میں انبالہ کے سفر میں تھا) کہ تو لڑکے پڑھاتا ہے اور تیرا نام عزیز الدین ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ تو ایک سال تک مسلمان ہو جاوے اور نہ مر جاوے گا۔ بشند اس نے پوچھا کہ اگر یہ ضرور بات ہونے والی ہے تو میرا کیا چارہ ہے۔ مگر میں آپ سے صلاح پوچھتا ہوں کہ میرا مر جانا اچھا ہے یا مسلمان ہونا؟ مرزا صاحب نے زبان الہام ترجمان سے فرمایا کہ مسلمان ہونا۔

پھر بشند اس نے ایک دور بعد دریافت کیا تو کہا کہ مجھے خواب آئی تھی الہام نہ تھا، مگر میری خواب بھی الہام ہوتی ہے، اور اکثر الہام خوابوں میں ہوتا ہے اور خواب نامہ بھی نکال کر دکھلایا۔ نتیجہ اس خواب کا لکھا تھا کہ زود بمیر دیا مسلمان شود۔ تم اپنا بندوبست کرو میری خواب ضرور سچی ہوگی۔

اگرچہ وہ بشند اس سادہ لوح تھا بہت گھبرایا۔ مگر اس تاریخ نامہ نگار (لیکھ رام) بھی وہاں تھا جب اس کو کامل طور پر سمجھایا گیا کہ یہ صرف فریب بازی اور چالاکی ہے... تب وہ علانیہ طور پر مرزا غلام احمد سے مقابلہ کرنے لگا۔ پھر مرزا صاحب ہاتھ ملتے رہ گئے اور وہ سونے کا مرغ ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ چونکہ اب عرصہ ایک سال کا گذر گیا ہے اور وہ بات بالکل واہیات اور مزخرفات سے بھی کہتر ثابت ہوئی، چھوٹے کی پیشانی پر سیاہی کا داغ قائم رہا اور تاقیامت قائم رہیگا۔ انہیں دنوں میں مرزا کے کئی مجاوروں یا فضلہ خوروں یا میدوں نے گم نام خط بھی بنام بشند اس بطور خیر خواہی کے ارسال کئے اور وہ تمام خطوط بشند اس نے نامہ نگار کے پاس بھیج دیئے۔ افسوس کہ مرزا صاحب دھوکہ دینے سے باز نہیں آتے اور اب لہنا نہ چالاکیوں سے نہیں شرماتے حالانکہ بار بار زک اٹھاتے ہیں۔

سوم۔ ڈھائی سال کا عرصہ گذرا کہ مرزا صاحب کو الہام ہوا تھا کہ ان کے گھر میں سے عنقریب ایک احمد مر جاوے گا کیونکہ تثلیث قائم ہوتی ہے۔ مرزا صاحب کا نام غلام احمد ہے، بڑے بیٹے کا نام سلطان احمد، چھوٹے کا نام فضل احمد ہے۔ اور سادہ لوحی سے یہ بات مشہور بھی کرا دی مگر آج تک باوجود گذرنے ڈھائی سال کے ایک احمد بھی نہ مرا اور بدستور زندہ ہیں

دروغ آدمی راکند شرمسار مگر جس کو ہوروسیا ہی سے عار

چہارم: مرزا صاحب کو خواب میں خدا نے کہا کہ کسی نے تجھے کتاب کے واسطے... روپہ نہ روانہ کئے ہیں۔ اور ایک آریہ صاحب نے بھی وہی خواب دیکھا کہ ہزار روپہ آیا ہے چنانچہ جو ناگڈھ سے مرزا صاحب کو.. آ گیا اور ہندو کی خواب میں.. حصہ جھوٹ نکلا کیونکہ وہ دین اسلام سے خارج تھا۔ کئی لوگ اور کئی آریہ گواہ ہیں۔

افسوس کہ مرزا صاحب نے اس دعویٰ بے معنی کی تصدیق کے واسطے کسی آریہ کا نام نہ لکھا، اور لکھتے کس طرح جب وجود ہی مفقود تھا۔ کئی آریہ لوگ تو ان دنوں قادیان میں موجود نہ تھے اور نہ ان کئی آریوں کے نام ہیں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے صرف جعل سازی کی اور پہلے اندرونی طور پر بالفرض سچ ہونے کے مرزا صاحب کو خط آچکا تھا چونکہ روپہ کمانے کیلئے یہ سب چالاکیاں ہوتی ہیں اس لئے خواب میں بھی اگر دیکھا تو کیا عجب بمصدق اس قول کے: تشنہ آب وخواجہ زرگ استخواں بیند خواب

پنجم۔ ایک مرتبہ خدا نے ایک راجہ کے مرجانے کی خبر دی اور ہم نے ایک ہندو کو بتلایا جب وہ خبر پوری ہوئی تو ہندو نے کہا کہ کھلم کھلا عالم غیب کا حال تمہیں کیونکر معلوم ہو گیا،

واہ رے قادیانی الہامی ہم تیری چالاکی کی کیا تعریف کریں۔ نہ تو اس راجہ کا نام لکھا اور نہ اس ہندو کا۔ پس ہمیں کسی طرح اعتبار نہیں۔

ششم: ایک مرتبہ ایک وکیل صاحب نے امتحان دیا اور لوگوں نے بھی امتحان دیا، وہ پاس ہو گئے، باقی اس ضلع سے کوئی پاس نہ ہوا، ہم نے ان کو پہلے کہہ دیا تھا۔ اور.. اس وکیل نے اطلاع دی کہ میں پاس ہو گیا۔

اے ناظرین! یہاں پر نمبر ۵ سے بھی زیادہ فریب ہے۔ چالاک آدمی بہت سے ایسی باتیں کر کے اکثر لوگوں کو گرویدہ کرتے ہیں۔ افسوس کہ مرزا صاحب نے وکیل کا نام نہ لکھا اور ساتھ ہی کوئی گواہ بھی نہ بتلائے۔ مرزا صاحب کے بڑے بھائی ضلع کے سررشتہ دار تھے اور مرزا صاحب خود بھی عرصہ تک ملازم سرکار رہے اور تجربہ کار ہوئے۔ آج کل یہ بات تو کرامات نہیں کہلاتی بلکہ چالاکی اور اوقیت چاہتی ہے۔ لاہور میں بیسیوں آدمی ایسے ہیں جو اس قسم کی پیش گوئی تیر بہدف کرتے ہیں اور خطا نہیں ہوتی۔ پس یہ امر کسی طرح پیش گوئی نہیں بلکہ یا وہ گوئی ہے۔

ہفتم۔ ایک مجمل بات لکھی ہے: ہم نے ایک آریہ کو ایک پیش گوئی بتلائی اور اس نے تعجب کیا۔ مگر ہم اس پیش گوئی کی اس جگہ تصریح نہیں کرتے۔

مرزا صاحب خدا کے چور کیوں بنتے ہو اور ظاہر نہیں کرتے، ذرہ آریہ کا نام اور پیشگوئی کا الہام ظاہر کرو۔ ہشتم۔ ایک ہندو آریہ ممبر آریہ سماج قادیان معجزات محمدیہ سے منکر تھا۔ اتفاقاً اس کا ایک عزیز قید ہو گیا ایک ہندو اور بھی اس کے ہمراہ قید ہوا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ اس مقدمہ کا کیا ہوگا۔ میں نے کہا غیب خدا کے پاس ہے۔ اس کے اصرار کرنے پر میں نے دعا کی اور خواب میں مجھے خدا نے ظاہر کیا کہ وہ نصف قید تخفیف ہو کر بعد بھگتے نصف باقی کے رہا ہوگا۔ اس میں پنڈت دیانند کے پیرو کی گواہی ہے، اسی طرح ہوا۔

اے چالاک! کیوں راست بیانی سے روگردانی کرتا ہے۔ نہ تو اس ہندو کا نام لکھا اور نہ اس آریہ کا پتہ بتلایا۔ ان دنوں نامہ نگار قادیان گیا تھا، اس کی تحقیقات بھی کی مگر کوئی گواہ اس قسم کا نہ ملا جو آپ کی تائید کرتا ہو۔ البتہ جب الہام کتاب میں درج پایا گیا جو ہندو قید سے چھوٹا تھا وہ اس کی اصلیت سے انکاری ہے۔ پس یہ بھی آپ کی چال ہے۔ پنڈت صاحب کے کسی پیرو کا آپ نے نام نہ لکھا اور نہ وہ آپ کے الہام کا مصدق ہے، وہ تو کوئی گمنام ہوگا۔ میں اعلانیہ معجزات محمدیہ و عیسویہ و غلام احمدیہ کا انکاری ہوں اور لاکھوں آریہ اور صد ہا مسلمان بھی میرے شریک ہیں یہ مقدمہ بازوں کی نشانیاں ہیں اور قانون کی دست گردانیاں۔ وکیل خصوصاً ان معاملوں میں چالاک ہوتے ہیں اور اس قسم کی پیش گوئیوں میں بے باک۔

نہم: سردار محمد حیات خان جب معطل ہوئے تو ہم کو خواب میں خبر ملی کہ کچھ خوف نہ کرو خداوند ہے وہ تمہیں نجات دے گا۔ چنانچہ حیات خان بری ہو گئے۔ ساٹھ ستر آدمی گواہ ہیں جن سے دس بارہ ہندو ممبران آریہ سماج بھی ہیں۔

جن دنوں سردار محمد حیات خان معطل ہو رہے تھے ان کے تمام خیر خواہ بریت چاہتے تھے اور اکثر دست بدعا رہتے تھے جن میں ہزاروں اہل ہنود اور ہزاروں مسلمان ہیں۔ گورنمنٹ عادل نے جب بعد تحقیقات کامل کے ان کے ذمہ کوئی قصور ثابت نہ پایا تو بری فرمایا جس کا مفصل حال گورنمنٹ گزٹ میں مطبوع ہو گیا۔ آپ کا الہام تو سراسر غلط نکلا۔ الہام کے فقرے یہ ہیں: خدا قادر ہے تمہیں نجات ہوگی۔ کیا اس سے

کوئی ذی عقل حیات خان کی بریت ظاہر کر سکتا ہے۔ جب اس طرح سردار صاحب بری ہوئے اور ان کے ہزاروں روپے خرچ ہوئے۔ تو آپ نے براہین احمدیہ کی امداد کے خیال سے خواہ مخواہ خیر خواہوں سے بننا چاہا۔ مگر وہاں دال گئی آپ کی سراسر وہم و خیال ہے اور آپ کا گواہ آریہ بھی انکاری ہے اور کوئی ہندو بھی شہادت نہیں دیتا۔ خدا آپ کو شرمندہ کرے۔

دہم: ایک دفعہ خواب میں الہامی صاحب نے مسیح کے ساتھ ایک برتن میں روٹی کھائی اور دونوں کی باہمی برادرانہ محبت ہوئی۔ یہ خواب کیسی عظیم الشان ہے اگرچہ اب تک پوری نہ ہوئی مگر پوری ہو جاوے گی۔ مسیح کے ساتھ روٹی کھانی تو فخر کی نشانی نہیں ہے اور وہ بھی خواب میں۔ مگر مسیح کی زندگی میں یہود اسکر یوٹی وغیرہ تمام شاگرد اس کے ساتھ کھاتے رہے اور آخر کار اسکو اسیر کرایا۔ اس سے اگر آپ عیسائیوں کو فریب میں لانا چاہیں تو دشوار ہے وہ آپ کے مکر و فریب سے بیزار ہیں۔

یازدہم: میں نے براہین احمدیہ کے بنانے کی اجازت بھی خدا سے پائی، اور دس ہزار روپہ کا اشتہار دیا۔ ۱۸۶۵ء میں یہ خواب میں نے دیکھا تھا اور اسی روز محمد صاحب (ﷺ) کی زیارت بھی ہوئی اور بی بی فاطمہ نے یہ کتاب مجھے دی۔

مرزا صاحب یہ تو کوئی الہام نہیں بلکہ خیال خام ہے:

نشہ رائے نمایدا ندر خواب ہمہ عالم پچشم چشمہ آب

دس ہزار روپہ کے اشتہار کی صلاح آپ کو خدا نے نہیں دی، آپ نے صریحاً جھوٹ بولا۔ بلکہ یہ صلاح تو حکیم کشن سنگھ آریہ نے آپ کی جہالت و سفلیہ پن کو تمام عالم میں منتشر کرنے کے خیال سے دی تھی۔ دروغ گور احافظہ نباشد

دوازدہم: ایک ہندو آریہ باشندہ قادیان طالب علم مدرسہ بیمار ہوا۔ عمر اس کی بیس سال کی ہے، وہ بمرض دق مبتلا تھا اور میرے پاس آیا کرتا تھا (آپ حکیم ابن حکیم ہیں) خدا نے مجھے الہام دیا قلنا یا نار کونی بر دأ و سلا ما یعنی ہم نے تپ کی آگ کو کہا کہ تو سرد اور سلامت ہو جا۔ چنانچہ کئی ہندوؤں کو اس کی بابت اطلاع دی اور اس کو بھی اور خدا کے بھر سے دعویٰ کیا گیا کہ ضرور صحت یاب ہوگا۔ آخر وہ ہندو صحت یاب ہو گیا۔



جہاں تک قادیان کے باشندوں سے واضح ہوا وہ صرف اسی قدر ہے کہ مرزا صاحب کے مسہل دینے اور نیز اپنے خانگی علاجوں سے اسے صحت ہوئی، نہ کہ الہاموں سے... عبارت مرزا صاحب بنا سکتے ہیں۔ پس صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے اگر آپ حکیم نہ ہوتے اور وہ آپ کی دوا اور اپنے خانگی علاج نہ کرتا اور آپ میعاد مقرر کرتے اور نگرانی کرنے والے نامہ نگار جیسے ہوتے تب الہام کی حقیقت کی قلعی فاش ہوتی بغیر ثبوت کے دعویٰ زبانی صرف لن ترانی ہے نہ کہ الہام آسمانی۔

سینزدہم: مرزا کو.. خداوند کریم نے... روپہ کا الہام پہنچایا اور خدا کا الہام سچا نکلا۔ ایک آریہ اس کا گواہ ہے۔ اس کی بابت وہی آریہ کہتا تھا کہ ان دنوں ہم کو بہ سبب ضرورت کے... کی خوابیں آیا کرتی تھیں اور مرزا صاحب کو لوگ خطوط ارسال کرتے تھے بعد ازاں روپہ آتے تھے بلکہ مرزا صاحب کی خوابوں سے تو میری اکثر راست ہوا کرتی تھیں اور مرزا کی دروغ۔

مرزا صاحب کے الہاموں کے گواہ لالہ ملا وائل، ولالہ شرمپت رائے ہیں انہوں نے آج کل ایک اشتہار بھی مرزا کے برخلاف طبع کرایا جو اسی کتاب کے اخیر میں درج ہے۔ .... میں نے مرزا صاحب کی اس قدر زبان درازیاں دیکھ کر ایک خط بنام سکرٹری آریہ سماج قادیان کے ارسال کیا جس کا مضمون ہے:

مرزا غلام احمد نے براہین احمدیہ میں لکھا ہے کہ میں نے آریہ سماج قادیان والوں کو کرامات وغیرہ خوارق عادت بتلائی اور الہامات کی لذتیں چکھائی ہیں اور ان کے دل کی باتیں بھی بوجھی ہیں، آیا یہ سچ ہے یا نہ، اسکے جواب میں ایک خط قادیان سے میرے نام آیا جس کی نقل لفظ بلفظ ذیل میں درج کی جاتی ہے:

جناب مکرم و معظم بندگان لیکھ رام صاحب۔ نمستے۔ تمہارا اشتہار در بارہ استفسار احوال الہامات وغیرہ کے جو مرزا غلام احمد صاحب نے یا ان کی نسبت براہین احمدیہ میں لکھا ہوگا وہ پہنچا کمال خوشی حاصل ہوئی۔ جناب من! یہاں پر سماج نہیں ہے ہم صرف چار پانچ اشخاص آریہ مت والے یہاں قادیان میں ہیں اور ہم میں سے کوئی کسی قسم کی کرامات وغیرہ.. ان کی، کا قائل نہیں ہے ہم لوگوں کے، جو اصول آریوں کے ہیں، وہی ہیں۔ فقط نیاز۔ شرمپت رائے... کشن سنگھ.. رام چیکشن از مقام قادیان ضلع گورداسپور... مارچ ۱۸۸۲ء۔

(تکذیب براہین احمدیہ۔ ص ۱۵۶-۱۶۳)

پنڈت لیکھ رام لکھتا ہے: ایک دفعہ مرزا صاحب کے مکان پر قادیان میں نامہ نگار بیٹھا تھا اور چند معزز آریہ اور چند مسلمان بھی تشریف رکھتے تھے۔ مرزا صاحب نے اثناء گفتگو میں فرمایا۔ مجھ کو فرشتے دکھائی دیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ کیا سچ کہتے ہو؟ جواب دیا کہ ہاں۔ میں نے ایک کاغذ کے پرچہ پر پنسل سے حرف لکھ کر اپنے ہاتھ میں رکھ لیا اور پوچھا کہ براہ مہربانی فرشتوں سے پوچھ کر بتلاؤ کہ میں نے کون سا حرف لکھا ہے۔ ایک عرصہ تک کچھ منہ میں گنگناتے رہے، بعد ازاں کہا کہ اس طرح نہیں، کسی اور جگہ رکھو۔ میں نے اپنی پاکٹ میں ڈال دیا، پھر پوچھا تو ٹھوڑی جھکالی اور خیالی اور وہی فرشتوں سے پوچھتے رہے، مگر کچھ نہ بتلا سکے اور شرمندہ ہو کر لا جواب ہو گئے۔ اس امر کے وہاں دس بارہ آدمی متفق اللفظ گواہ ہیں، اور مرزا صاحب بھی غالباً حلفاً انکار نہ کر سکیں گے۔

(تکذیب براہین احمدیہ ص ۱۶۷)

مرزا قادیانی کا کہنا ہے:

اور پھر اسکے بعد دو دفعہ بذریعہ خطر جبری شدہ حقیقت دین اسلام بدلائل واضح ان کو متنبہ کیا گیا اور دوسرے خط میں یہ بھی لکھا گیا کہ اسلام وہ دین ہے جو اپنی حقیقت پر دوہرا ثبوت ہر وقت موجود رکھتا ہے ایک معقول دلائل سے جن سے اصول حقہ اسلام کی دیوار... مضبوط اور مستحکم ثابت ہوتی ہیں دوسری آسمانی نشانات و تائیدات اور غیبی مکاشفات اور رحمانی الہامات و مخاطبات و دیگر خوارق عادات جو اسلام کے کامل تابعین سے ظہور میں آتی ہیں جن سے حقیقی نجات اسی جہان میں سچے ایمان دار کو ملتی ہے۔ یہ دونوں قسم کے ثبوت اسلام کے غیر میں ہرگز نہیں پائے جاتے اور نہ ان کو طاقت ہے کہ اسکے مقابلہ پر کچھ دم مار سکیں۔

جواباً پنڈت لیکھ رام کہتا ہے: آپ شیخی مارنے کو تو شیخ چلی سے بھی بڑھ کر ہیں اور ہے بھی سچ۔ پہلے آپ نے پرنس بسمارک وزیر اعظم سلطنت جرمن کورجسٹری بھیجی۔ آپ نے مسٹر گلڈسٹون کو دعوت کی آپ نے نیویارک میں لارڈ صاحب کو خط لکھا، وغیرہ، ایسے ہی بہت صاحبان کے پاس آپ کی رجسٹری پہنچی جس میں آپ نے لکھا تھا کہ ایک سال تک آکر میرے پاس ٹھہرو، یا خوارق عادات و آسمانی نشان بتلاؤ لگا ورنہ دو سو روپے ماہواری کے حساب سے تنخواہ بطور ہرجانہ یا جرمانہ کے دوں گا۔ آپ تیس مارخان بلکہ پچاس مارخان ہیں۔ وہ حقیقت دین اسلام والے خط کیوں طبع نہ کرائے کہاں چھپا رکھے۔ میں نے آپ کو اس قدر خط لکھے اور طبع بھی

کرائے اور آپ حیلہ حوالہ فرماتے رہے۔ اس وقت وہ حقیقت اسلام کا دوہرا ثبوت کہاں تختہ تابوت کی طرح پڑا تھا جب میں دو ماہ قادیان میں رہا آپ کے بالا خانہ میں بھی شرائط مباحثہ کے واسطے حاضر ہوا وہ دوہرا ثبوت کس لاہوت میں گیا تھا! اور کرامات کے متعلق جس قدر الفاظ آپ نے جمع کر کے قافیہ باندھا ہے ان سب کا جواب معجزات کی تردید میں آچکا ہے، زیادہ سوائے فضولیات کے اس میں اور کچھ نہیں ہے۔

(تکذیب براہین احمدیہ۔ ص ۲۷۰-۲۷۱)

پنڈت لیکھ رام نے لکھا ہے: دس ہزار روپے کا اشتہار آپ کا سراپا جھوٹ اور فریب اور جعل ہے آپ کی منقولہ اور غیر منقولہ کسی قسم کی جائیداد اس قیمت کی نہیں ہے، تمام قصبہ قادیان کے ہندو مسلمان آریہ وغیرہ میرے گواہ ہیں، بلکہ تمام ضلع گورداسپور کے لوگ آپ کی فلاشی اور ذریعہ معاش سے آگاہ ہیں۔

(تکذیب براہین احمدیہ۔ ص ۲۷۵-۲۷۶)

تکذیب براہین الاحمدیہ کے خاتمہ پر پنڈت لیکھ رام نے لکھا ہے:

جس قدر مرزا صاحب نے اپنے الہامی اور قرآنی خزانہ بے معنی اور خیالی اعتراض کئے تھے ان کے جواب اول مرتبہ یکم اکتوبر ۱۸۸۳ء کو رو بروئے ایک جماعت کثیرہ کے آریہ سماج گورداسپور میں سنائے گئے تھے۔ اس کا باعث صرف یہی تھا کہ شاید کتاب دیر سے طبع ہووے جہاں پر باوجود فاصلہ قریب کے اشتہار ارسال کرنے پر بھی مرزا صاحب مباحثہ کے واسطے تشریف نہ لائے۔ دوسری مرتبہ قادیان میں جا کر تمام باشندگان قادیان کو جواب براہین الاحمدیہ کا اول مرزا صاحب کی کتاب سے اعتراض پر اپنی کتاب سے اور زبانی جواب سنائے گئے جس سبب سے اس گرد و نواح کا بچہ بچہ ان کی مکاری و عیاری سے خبردار ہو گیا۔ قادیان جانے کے وجوہات سے ایک وجہ یہ ہے:

مرزا صاحب نے اشتہار دیا تھا کہ جو آریہ ہمارے پاس آوے اور ایک سال رہے اگر اس عرصہ کے اندر خوارق عادات و کرامات و صداقت اسلام سے مشرف نہ ہووے تو ہم اس کو دو سو روپے ماہوار کے حساب سے ہر جانہ یا جرمانہ دیویں گے۔.....

مرزا صاحب کو کسی شرط پر قائم کرانے کے واسطے تین مرتبہ الہامی کوٹھے (مرزا جی کے بالا خانہ) پر بھی

گیا، مگر مرزا صاحب کسی شرط پر نہ ٹھہرے۔ ایک دن سے لے کر دو سال تک رہنے کی شرائط کو بھی منظور کیا، مگر مرزا صاحب کسی اقرار پر نہ جئے۔ اگر کرامات کا نام و نشان بھی ہوتا تو ٹھہرتے، مگر وہاں تو آسمانی نشان کا نام و نشان ندرد ہے۔ ہاں خدا کے فضل سے اتنا ضرور ہوا کہ ان کی آمدنی کے تمام ناجائز وسائل بند ہو گئے، کیوں میں بیٹھ کر دو دراز شہروں سے مسافروں کا پیر صاحب کی زیارت کو آنا اور نذریں چڑھانا قطعی مسدود ہوا، آخر نوبت بایں جا رسید کہ تمام جمع کئے ہوئے سرمایہ کو کھا چکے اور کچھ روپے قرض لے کر انبالہ کی طرف ہجرت کر گئے ہزاروں چولے کرتار ہاتھ کے ساتھ نہ اک بھی پورا کیا منکر زمانی نے دکھا کے ناز کرشمہ جہاں کو بہلایا بہت سالوٹا ہے لوگوں کو قادیانی نے سبھوں کو دیتا تھا بیٹے پر اس کی بد قسمت نہ چھوڑا اس کو صحیح حمل کی گرانی نے نجومی لوگوں کو بتلاتا تھا فلک کے حال بلا میں ڈالا اسے قہر آسمانی نے بڑا جو بول ہے ہر ایک کو گراتا ہے رلایا مرزا کو بھی اس کی کن ترانی نے افسوس! کہ باوجود اس قدر دعویٰ کے مرزا نے کسی کو بھی پاپا یہ صداقت نہ پہنچایا اور ہمیشہ عند الاستفسار مکر و فریب کو کام فرمایا۔ (تکذیب براہین احمدیہ۔ ص ۲۹۶-۲۹۷ ملخصاً)

## مراسلت مابین قادیانی و لیکھ رام

مولانا دلاوری نے لکھا ہے: پنڈت لیکھ رام اوائل میں پشاور کے محکمہ پولیس میں ملازم تھا جب پنڈت دیانند سستی سے عقیدت ہوئی تو پولیس کو چھوڑ کر آریہ پر چارک بنا۔ پہلے آریہ سماج پشاور میں اور پھر آریہ سماج و چھووالی لاہور میں مستقل سکونت اختیار کی۔ یہاں مرزا غلام احمد کا ایک اشتہار نظر سے گذرا۔۔۔ یہ اشتہار پڑھ کر انہوں نے ارادہ کیا کہ مرزائی ڈھول کا پول ضرور کھولنا چاہیے۔ اس خیال کے پیش نظر مرزا صاحب سے خط و کتابت شروع کر دی۔ (ریس قادیان۔ ص ۱۶۲)

یہ خط و کتابت تکذیب براہین احمدیہ سے نقل کی جاتی ہے۔ لیکھ رام کا کہنا تھا کہ خطوط ذیل ماسوائے

خطوط نمبر ۸-۹ کے اخبار کوہ نور لاہور، آفتاب پنجاب، خیر خواہ کشمیر میں شائع ہو چکے ہیں۔ (مرزا صاحب کے خطوط، مکتب احمدیہ جلد دوم میں بعینہ موجود ہیں۔ بہاء)

جناب مرزا صاحب۔ خدا ہدایت دیوے۔ بعد آداب دوستانہ کے گزارش ہے۔ آپ کا خط مطبوعہ مطبع مرتضائی لاہور بلا تاریخ آج میرے مطالعہ سے گذرا۔ خدا آگاہ ہے کہ جب سے آپ نے براہین احمدیہ کا ابتدائی اشتہار سفیر ہند اخبار میں طبع کرایا تھا اس روز سے آج تک آپ نے جس قدر خامہ فرسائی کی ہے سب کو بغور ملاحظہ کرتا رہا اور ہمیشہ اشتیاق ملاقات کا رہا۔ خط کے مضمون کو کما یبغی پڑھا۔ یہ خط جس کے لکھنے کی آپ کو فحوائے مضمون خدا کی طرف سے اجازت ہوئی ہے کہ ہم آریہ لوگوں اور غیر مذاہب والوں کو بھی آپ دین اسلام کی طرف مدعو کریں اور جو کوئی ہم میں سے اس منشاء سے بشرط آپ کے پاس ایک سال تک رہنے کے اگر وہ کوئی نشان آسمانی یا کرامات صداقت دین اسلام و قرآن شریف کو نہ دیکھے، اور تسلی پا کر مسلمان نہ ہووے، تو آپ اس کو دوسروں پر جرم مانہ یا ہر جانہ ماہوار کے حساب سے دینا منظور کرتے ہیں۔ پس... راقم الحروف آپ کی خدمت میں بنا بردر یافت نشان آسمانی و معجزات و صداقت دین اسلام کے حاضر ہونے کو جو جب آپ کے وعدہ کے مستعد ہے۔ مگر بایں شرط کہ آپ اول بحساب دوسروں پر ماہوار کے کل ۲۴۰۰ روپے ایک سال کا داخل خزانہ سرکار فرمادیوں اور اقرار نامہ تحریر کر دیوں کہ اگر ایک سال تک آپ کی ہدایت اور آسمانی نشانات و معجزات وغیرہ سے تسلی نہ پا کر آپ کے دین کو قبول نہ کروں تو وہ ۲۴۰۰ روپے بطور ہر جانہ کے بلا عذر و حیلہ خزانہ سرکار سے مجھ کو مل جاوے اور وہ روپے تا انقضائے ایک سال کے خزانہ سرکار میں مکفول رہے، اس کے واپس لینے کا آپ کو اختیار نہ ہوگا۔

جواب اس عریضہ کا اندر میعاد ایک ہفتہ کے بمقام آریہ سماج لاہور میرے پاس ارسال فرمادیں۔ اگر حسب شرائط مطبوعہ جناب کے یہ شرائط آپ قبول یا منظور نہ فرمادیں گے تو سمجھا جاویگا کہ آپ نے یہ تحریر لغو بتلا کر اپنے خلاف دعویٰ کو ثابت کرنا چاہا ہے اور اسی سے آپ کے دعویٰ کی تکذیب بھی لازم آوے گی اور عام و خاص میں مشتہر کی جاوے گی۔

اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو مندرجہ بالا تحریر کو منظور فرما کر بندوبست کریں۔ مجھے ایک سال

تک آپ کی شاگردی سچے دل سے منظور ہے۔ بروقت آنے کا مل جواب کے اور داخل ہو جانے مبلغان ہرجانہ کے اور تجویز ہو جانے شرائط اقرار نامہ کے بندہ بلا عذر حاضر خدمت ہو جاوے گا۔ ۳۔ اپریل ۱۸۸۵ء۔  
پنڈت لیکھ رام پردھان آریہ سماج پشاور از مقام امرتسر

۲۔ قادیانی جواب: از غلام احمد بلطف پنڈت صاحب۔ بعد ما وجب۔

آپ کا خط ملا۔ آپ لکھتے ہیں کہ خط مطبوعہ مطیع مرتضائی لاہوری میرے مطالعہ سے گذرا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ابھی تک یہ خط آپ نے مطالعہ نہیں کیا کیونکہ تحریر آپ کی شرائط مندرجہ خط مذکور بالا سے بالکل برعکس ہے۔ اول اس عاجز نے اپنے خط مطبوعہ کے مخاطب وہ لوگ ٹھہرائے ہیں جو اپنی قوم میں معزز علماء اور مشہور اور مقتداء ہیں جن کا ہدایت پانا ایک گروہ کثیر پر موثر ہو سکتا ہے مگر آپ اس حیثیت اور مرتبہ کے آدمی نہیں ہیں۔ اگر میں نے اس رائے میں غلطی کی ہے اور آپ فی الحقیقت مقتداء و پیشوائے قوم ہیں، تو بہت خوب، میں زیادہ تر آپ کو تکلیف دینا نہیں چاہتا صرف اتنا کریں کہ پانچ آریہ سماج میں یعنی آریہ سماج قادیان، آریہ سماج لاہور، آریہ سماج پشاور، آریہ سماج امرتسر، آریہ سماج لدھیانہ میں جس قدر ممبر ہیں، سب کی طرف سے ایک اقرار نامہ حلفاً اس مضمون کا پیش کریں کہ جو پنڈت لیکھ رام صاحب ہم سب لوگوں کے مقتداء اور پیشوا ہیں۔ اگر اس مقابلہ میں مغلوب ہو جائینگے اور کوئی نشان آسمانی دیکھ لینگے تو ہم سب لوگ بلا توقف شرف اسلام سے مشرف ہو جائینگے۔ پس اگر آپ مقتدائے قوم ہیں تو ایسا اقرار نامہ پیش کرنا آپ پر کچھ مشکل نہیں ہوگا بلکہ تمام لوگ آپ کا نام سنتے ہی اقرار نامہ پر دستخط کر دیں گے۔ کیونکہ آپ پیشوا قوم جو ہوئے۔ لیکن اگر آپ اپنا مقتداء قوم ہونا ثابت نہ کر سکیں اور ایسا اقرار نامہ مرتب کر کے دو ہفتہ تک میرے پاس نہ بھیج دیں تو آپ ایک شخص عوام الناس سے سمجھے جائینگے جو قابل خطاب نہیں۔ یہ بات آپ پر واضح رہے کہ اس معاملہ میں خط مطبوعہ میں شرط بھی درج ہے کہ مقتدائے قوم ہو (دیکھو سطر ۴م خط مطبوعہ) اب مقتدا ہونا بجز مقتدیوں کے اقرار کے کیونکر ثابت ہو اور یہ بات کہ ہم نے اپنے خط مطبوعہ میں یہ شرائط لازمی کیوں رکھی کہ شخص ممتحن مقتدائے قوم ہو عوام الناس نہ ہو، اس شرط کی وجہ یہ ہے کہ عوام الناس میں سے کسی کو مغلوب اور قائل کرنا دوسروں پر موثر نہیں ہو سکتا بلکہ ایسے شخص کے تجربہ کو خواص لوگ سادہ لوحی اور عدم بصیرتی پر حمل کرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ کوئی گروہ اس کا اتباع کر کے

راہ راست پر آوے حق کی ہدایت یابی کو کسی غرض نفسانی پر مبنی سمجھ لیتے ہیں۔

ما سو اس کے ان خطوط مطبوعہ کے بھیجنے سے میری غرض تو یہ ہے کہ ہر ایک قوم پر حجت پوری ہو کر حصہ پنجم میں اس تمام حجت کا احوال درج کیا جائے لیکن ایک عامی آدمی کے قائل اور مسلمان ہو جانے سے قوم پر کیونکر حجت پوری ہو جائیگی۔ عامی کا عدم وجود قوم کے نزدیک برابر ہے۔ کیا اس جگہ کے بعض آریہ سماج کے ممبروں کی شہادت سے جنہوں نے پنجم خود بعض نشانوں کو دیکھا ہے آپ لوگ مسلمان ہو سکتے ہیں؟ تو پھر کیوں کر امید رکھیں کہ آپ کی شہادت قوم پر موثر ہوگی حالانکہ آپ قادیان کے بعض آریوں سے جنہوں نے بعض نشانوں کو مشاہدہ کیا ہے، حیثیت اور عزت اور لیاقت میں زیادہ نہیں ہیں۔ بہر حال ہم کو اس خط مطبوعہ پر عمل کرنا لازم ہے جو کہ آپ بنظر سرسری دیکھ چکے ہیں۔ اگر قوم کے مقتدا مخاطب ہونے کیلئے مخصوص نہ ہوں تو یہ سلسلہ قیامت تک ختم نہ ہوگا۔ مناسب ہے کہ آپ بہت جلد اس کا جواب لکھیں کیونکہ اگر آپ مقتدا قوم کے قرار پا گئے تو دوسرے مراتب اس کے بعد طے ہوں گے اور جو مبلغ دو سو روپہ ماہواری کے حساب سے ۲۴ سو روپہ بصورت مغلوبیت دینا تجویز کیا ہے یہ بھی اسی لحاظ یعنی مقتدا کے قوم کی وجہ سے قرار پایا ہے۔ پھر خواہ وہ مقتدا، تمام روپہ آپ رکھے یا قوم جو اقرار نامہ پر دستخط کرے گی اپنے اپنے حصہ ٹھہرائیں۔

اب خلاصہ کلام، آپ یہ یاد رکھیں کہ ہم نے تین ماہ تک حصہ پنجم کا چھپنا ملتوی کر کے ہر ایک کے قوم کے سرگروہ کو خطوط مطبوعہ بصیغہ رجسٹری بھیجے ہیں کیونکہ قوم کے سرگروہ کل قوم کا حکم رکھتے ہیں عوام الناس سے ہم کو کچھ سروکار نہیں اور نہ اس سے بحث کا سلسلہ کبھی ختم ہو سکتا ہے۔

جو شخص ہمارے مقابل آنا چاہے (آپ ہوں یا کوئی اور ہوں)، اول اس کو یہ ثبوت دینا چاہیے کہ وہ درحقیقت وہ مقتدا کے قوم ہے اور اسکی قوم کے لوگ اس بات پر مستعد ہیں کہ اسکے قائل اور اقراری ہو جانے سے بلا حجت و حیلہ دین اسلام میں داخل ہو جائینگے۔ سو مناسب ہے کہ آپ سعی اور کوشش کر کے پانچوں آریہ سماج کے جس قدر ممبر ہوں ان سے حلفاً اقرار نامہ لے لیں اور نام بنام ان سے دستخط کرائیں اور اس اقرار نامہ پر درس یا بیس ثقہ مسلمانوں اور بعض پادریوں کے دستخط بھی ہوں تاکہ وہ اقرار نامہ مع آپ کے اقرار نامہ اور ہمارے اقرار کے چند اخباروں میں چھپوایا جائے۔ لیکن جب تک آپ اس طور سے اپنا سرگروہ ہونا ثابت نہ

کریں تب تک آپ عوام الناس میں سے محسوب ہونگے۔ ہمارے خط کو غور سے دیکھو اور اس کے منشاء کے مطابق قدم رکھو۔ ان خطوط سے اصل مطلب تو ہمارا یہی تھا کہ قوموں کے سرگروہوں کو قائل یا لاجواب کر کے کل قوموں پر (ہندو ہوں یا عیسائی) اتمام حجت کیا جائے۔ پس جو لوگ سرگروہ ہی نہیں ان کے لاجواب یا قائل کرنے سے ہمارا مطلب کیونکر پورا ہوگا اور حصہ پنجم کے چھپنے کی کب نوبت آئیگی۔ اور اگر خدا توفیق دیوے تو اپنے آریہ بھائیوں کی شہادت کو ہی کافی سمجھو کیونکہ وہ بھی تو تمہارے ہی بھائی ہیں۔

خاکسار غلام احمد راز قادیان ضلع گورداسپور۔ ۷۔ اپریل ۱۸۸۵ء مطابق یکم رجب ۱۳۰۲ھ

۳۔ لیکھ رام کا جواب: مرزا صاحب! آپ کا خط بجا جواب میرے نیاز نامہ کے آج ۹۔ اپریل ۱۸۸۵ء کو موصول ہوا۔ اسکے پڑھنے سے اور ہی کیفیت نظر آئی۔ سچ ہے کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہوتے ہیں اور دکھلانے کے اور۔ میرا خیال تھا کہ آپ بموجب مضمون خط کے وعدہ کے بھی ویسے ہی سچے ہونگے، مگر وہ غلط نکلا... آپ بقول شخصے، آب ندیدہ و موزہ از پاشیدہ، پر عمل کر رہے ہیں مگر قبل از مرگ واویلا خوب نہیں

گاہ باشد کہ کودک ناداں بہ غلط بر ہدف زندگی تیرے

وقتے از حکیم روشن رائے بر نیاید درست تدبیرے

آپ کا یہ فرمانا کہ آریہ سماج قادیان، آریہ سماج لاہور، آریہ سماج پشاور، آریہ سماج امرتسر، آریہ سماج لدھیانہ میں جس قدر ممبر ہیں، سب کی طرف سے ایک اقرار نامہ حلقہ اس مضمون کا پیش کریں جو پنڈت لیکھ رام صاحب جو ہم سب لوگوں کے مقتداء و پیشوا ہیں اگر اس مقابلہ میں مغلوب ہو جائیں گے اور کوئی نشانی آسمانی دیکھ لیں گے تو ہم سب لوگ بلا توقف شرف اسلام سے مشرف ہو جائیں گے.. الخ۔ اس بات کو تصدیق کرتا ہے کہ حیلہ جو را بہانہ بسیار،۔

.. کیا آپ مندرجہ ذیل معزز و محقق مسلمانوں کے آریہ ہو جانے سے وید وکت دھرم کو گریہ بن کرنے کیلئے مجبور ہو سکتے ہیں۔ نام ان لوگوں کے یہ ہیں جنہوں نے لیاقت علمی و صداقت باطنی و روشنی رومی سے



تحقیقات کامل کر کے آریہ دھرم کو اختیار کیا ہے اگرچہ وہ تعداد میں کئی ہیں مگر چند بھائیوں کے نام درج کرتا ہوں۔ مولوی محمد عمر، مولوی عبداللہ، مولوی غلام شاہ، قاضی نظام الدین، حافظ غلام مصطفیٰ وغیرہ۔ پس یہاں پر اگر آپ کا قول درج کر دوں تو عین مناسب ہے کہ اگر خدا آپ کو توفیق دیوے تو اپنے مسلمان بھائیوں کی شہادت کو کافی سمجھو کیونکہ آخر وہ بھی تمہارے بھائی ہیں۔ الخ

مرزا صاحب! اپنے گھر میں کچھ کا کچھ سمجھ لینا شایان شان عقلمندی نہیں ہے۔ بالفرض محال اگر آپ آریہ ہو جاویں تو کیا آپ کے بھائی رشتہ دار وغیرہ موضع قادیان کے رہنے والے اہل اسلام آریہ دھرم قبول کر لیں گے۔ کبھی نہیں۔ پس اس معاملہ میں زیادہ تحریر واجب نہیں جانتا ہوں مگر صرف اتنا لکھنا ضروری ہے

باندازہ بود باید نمود      خجالت نبرد آنکہ نمود بود

مرزا صاحب ادعائے بے معنی سے سوائے خجالت کے اور کچھ فائدہ نہیں ہوتا ہے جیسے اگر آپ بعد کا مل تحقیقات کے آریہ ہو جاویں تو آریہ دھرم کی صداقت کا عمدہ ثبوت ہے، ویسا ہی ایک میرے جیسے کا خدا نخواستہ مسلمان ہو جانا دین اسلام کی خوارق عادات کا ایک بہتر و برتر معجزہ ہوگا۔ چونکہ مجھے آریہ سماج قادیان کے ممبران سے آپ کے کراماتی مایہ کی قلعی کھل چکی ہے پس آزمودہ را آزمودن جہل است۔ علاوہ براں وہاں کوئی ایسی سماج بھی نہیں ہے صرف دو تین ممبر آریہ خیال والے رہتے ہیں۔ آپ کا یہ تحریر فرمانا کہ خواہ وہ مقتدا تمام روپیہ آپ رکھے یا قوم جو اقرار نامہ پر دستخط کرے گی اپنا اپنا حصہ ٹھہرا لیں۔ الخ

یہ درحقیقت آپ کی خوش فہمی ہے ورنہ آریہ سماج والوں کا یہ اعتقاد و خواہش نہیں ہے،

پس اب آخری خلاصہ یہ عرض ہے کہ آپ کا یہ تحریر کہنا کہ ہر پانچ سماجوں کے ممبروں سے اقرار نامہ حلفاً تحریر کروا کر ارسال کریں، صرف ٹال مٹول اور حیلہ پردازی و ظاہر آرائی معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ جس سماج سے چاہیں آپ براہ راست یا میری معرفت وغیرہ طور پر تسلی کر سکتے ہیں کہ میں اس طبع نفسانی سے پاک ہوں اور نہ آپ کے گنج قارون کے حاصل کرنے کی تمنا ہے، صرف تحقیق حق منظور ہے مگر افسوس کہ آپ بالکل پہلو تہی فرما رہے ہیں۔ ہاں یہ تو میں خود بھی لکھتا ہوں کہ عوام آریہ نہیں ہوں بلکہ خاص سے ہوں۔ پس مصرعہ، جو اس پر بھی نہ سمجھے پھر تو اس بت سے خدا سمجھے۔ اگر جواب کامل اس کا ایک ہفتہ تک نہ آیا تو مفصل حال آپ کے

دعوے کا اخباروں میں طبع کیا جائے گا۔ ۹۔ اپریل ۱۸۸۵ء۔

نیا زمند لیکھ رام پردھان آریہ سماج پشاور۔ از مقام لاہور

۴۔ قادیانی جواب: مشفق پنڈت لیکھ رام صاحب۔ بعد ماوجب۔

آپ کا خط مرقومہ ۹۔ اپریل ۱۸۸۵ء مجھ کو ملا۔ آپ نے بجائے اسکے کہ میرے جواب پر انصاف اور صدق دل سے غور کرتے ایسے الفاظ دورانہ تہذیب و ادب اپنے خط میں لکھے ہیں جو میں خیال نہیں کر سکتا کہ کوئی مہذب آدمی کسی سے خط و کتابت کر کے ایسے الفاظ لکھنا روا رکھے۔ پھر آپ نے اسی اپنے خط میں تمسخر اور ہنسی کی راہ سے دین اسلام کی نسبت توہین اور ہتک کے کلمات تحریر کئے ہیں اور بغیر سوچنے سمجھنے کے جو بیلیج کی طرح مکروہ اور نفرتی باتوں کو پیش کیا ہے۔

اگر چہ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کس قدر طالب حق ہیں لیکن پھر بھی میں نے مناسب سمجھا کہ آپ کی سخت اور بدبودار باتوں پر صبر کر کے دوبارہ آپ کو اپنے منشاء سے مطلع کروں کیونکہ یہ بھی خیال گذرتا ہے کہ شاید آپ نے میرے پہلے خط کو غور سے نہیں پڑھا اور اشتعال طبع مانع تفکر و تدبر ہو گیا۔ سواب میں پھر اپنے اسی جواب کو دوہرا کر تحریر کرتا ہوں۔

صاحب! میں نے جو پہلے خط میں لکھا تھا اس کا خلاصہ مطلب یہی ہے جو اب میں گزارش کرتا ہوں، یعنی ان دنوں میں اتمام حجت کی غرض سے میں نے یہ مناسب سمجھا کہ سات سو خط چھپوا کر ان مخالفین مذاہب کی طرف روانہ کروں جو اپنی اپنی قوم کے سرگروہ اور میر مجلس ہیں۔ اور یہ قرار پایا کہ چونکہ ہر ایک قوم میں اوسط اور ادنیٰ درجے کے آدمی ہزار ہا بلکہ لکھو کہا ہوا کرتے ہیں، اس لئے یہی مناسب ہے کہ یہ خطوط مطبوعہ ان چیدہ چیدہ اور اعلیٰ درجے کے لوگوں کی طرف روانہ کئے جائیں کہ جو خواص اور قلیل الوجود آدمی ہیں۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی سوچا گیا کہ ایسے لوگ اگر قادیان میں ایک برس تک ٹھہرنے کیلئے بلائے جائیں تو ان کی دنیوی عزت اور آمدنی کے لحاظ سے دو سو روپے ماہواری ان کیلئے شرط مقرر کرنا مناسب ہوگا کیونکہ یہ خیال کیا گیا کہ وہ لوگ جس قدر اپنے اپنے مکانات میں بذریعہ نوکری یا تجارت وغیرہ وجوہ معاش حاصل کرتے ہیں وہ غالباً اس

اندازہ کے قریب قریب ہوگا۔ غرض جو دوسو روپے کی جو رقم مقرر کی گئی وہ محض بنظر اندازہ وجوہ معاش ان اعلیٰ درجہ کے سرگروہوں کے مقرر ہوئی، تاکہ وہ لوگ یہ عذر پیش نہ کریں کہ قادیان میں ٹھہرنے سے ہمارا دوسو روپے کا ہرج متصور ہے۔ اور اسی غرض سے خطوط مطبوعہ میں یہ بھی اندراج پایا کہ اگر دوسو روپے ماہواری کسی صاحب کی حیثیت دنیوی سے کم ہو تو جہاں تک ممکن ہو ان کو دوسو روپے سے کچھ زیادہ دیا جائیگا۔

اب آپ جو تحریر فرماتے ہیں کہ وہ دوسو روپے کہ جو اعلیٰ درجہ کے لوگوں کیلئے بلحاظ حیثیت دنیوی ان کے خطوط مطبوعہ میں اندراج پایا ہے، اسی قدر روپے ملنے کی شرط سے میں قادیان میں آتا ہوں، سو آپ خود انصاف فرمائیوں کہ آپ کیونکر اس قدر روپے پانے کی شرط کر سکتے ہے۔ ہاں اگر آپ کسی جگہ دوسو روپے ماہواری پاتے ہیں تو پھر اس صورت میں مجھے کسی طور سے عذر نہیں ہے۔ آپ مجھ پر یہ ثابت کر دیں کہ میں اسی حیثیت کا آدمی ہوں اور اگر ایسا ثابت نہ کر سکیں تو پھر آپ کے لئے یہ منظور کرتا ہوں کہ جس قدر آپ نوکری کی حالت میں تنخواہ پاتے رہے ہیں وہی تنخواہ حسب شرائط متذکرہ خطوط مطبوعہ آپ کو دوں گا۔ لیکن آپ خود انصاف کر لیں کہ جو تنخواہ اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے لئے ان کی ماہواری آمدنی کے لحاظ سے اور ان کے ہر جہ کثیرہ کے خیال سے خطوط مطبوعہ میں لکھی گئی ہے وہ کیونکر ان لوگوں کو دی جائے جو اس درجہ کے آدمی نہیں ہیں۔ اور اگر ہر ایک ادنیٰ اعلیٰ کیلئے دوسو روپے ماہواری دینا تجویز کروں تو اس قدر روپے کہاں سے لاؤں۔

آپ تحکم کی راہ سے کلام نہ کریں اور جو میں خطوط کے چھاپنے کے وقت انتظام کیا ہے اس کو خوب سوچ لیں۔ اور میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ آپ دو تین روز کے لئے قادیان میں آجائیں اور بالموافقہ گفتگو کر کے اس بات کا تصفیہ کریں۔

مجھے یہ بھی منظور ہے کہ دو تین شریف اور معزز آریہ جیسے منشی جیونداس لاہور میں ہیں وہ مجھ سے ملاقات کر کے جو اس بارہ میں تصفیہ کریں وہی قرار پا جائے۔ میں ناحق کی ضد کرنا نہیں چاہتا، نہ کوئی حیلہ بہانہ کرنا چاہتا ہوں آپ غور سے میرے خط کو پڑھیں۔

اور یہ جو آپ نے اپنے خط کے اخیر پر لکھ دیا ہے کہ قادیان کے آریہ لوگوں سے آپ کے کرمانی ماہی کی قلعی کھل چکی ہے، یہ الفاظ بھی مصفیٰ کے سامنے پیش کرنے کے لائق ہیں۔ جس حالت میں قادیان کے

بعض آریہ جو میرے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں اب تک زندہ موجود ہیں اور اس عاجز کے نشانوں کے قائل اور مقرر ہیں، تو پھر نہ معلوم کہ آپ نے کہاں سے اور کس سے سن لیا کہ وہ لوگ منکر ہیں۔ اگر آپ راستی کے طالب تھے، تو مناسب تھا کہ آپ قادیان میں آکر میرے روبرو اور میرے مواجہہ میں ان لوگوں سے دریافت کرتے تا جو امر حق ہے آپ پر واضح ہو جاتا۔ مگر یہ بات کس قدر دیانت اور انصاف سے بعید ہے کہ آپ دور بیٹھے قادیان کے آریوں پر ایسی تہمت لگا رہے ہیں۔ ذرا آپ سوچیں کہ جس حالت میں، میں نے انہیں آریوں کا نام حصہ سوم و چہارم میں لکھ کر ان کا شاہد خوارق ہونا حصص مذکورہ میں درج کر کے لاکھوں آدمیوں میں اس واقعہ کی اشاعت کی ہے تو پھر اگر یہ باتیں دروغ نے فروغ ہوں تو کیونکر وہ لوگ اب تک خاموش رہتے، بلکہ ضرور تھا کہ اس صریح جھوٹ کے رد کرنے کیلئے کئی اخباروں میں اصل کیفیت چھپواتے۔ اور مجھ کو ایک دنیا میں رسوا اور شرمندہ کرتے۔ سو منصف آدمی سمجھ سکتا ہے کہ وہ لوگ باوجود شدت مخالفت اور عناد کے اسی وجہ سے خاموش اور لاجواب رہے کہ جو جو میں نے شہادتیں ان کی نسبت لکھیں وہ حق محض تھا۔ اور آپ پر لازم ہے کہ آپ اس ظن فاسد سے مخلصی حاصل کرنے کے لئے قادیان میں آکر اس بات کی تصدیق کر جائیں۔ تاسیہ روشود ہر کہ دروغش باشد۔ جواب سے جلد تر مطلع کریں۔ راقم۔ مرزا غلام احمد از قادیان۔ ۱۶۔ اپریل ۱۸۸۵ء

۵۔ لیکھ رام کا جواب: مہربان من مرزا غلام احمد صاحب تسلیم

آپ کا خط مورخہ ۱۶۔ اپریل ۱۸۸۵ء بہت انتظاری کے بعد ۲۳۔ اپریل ۱۸۸۵ء کو مجھے پشاور میں ملا۔ چونکہ پشاور آریہ سماج کا چوتھا سالانہ جلسہ ۲۵، ۲۶، اپریل ۱۸۸۵ء کو تھا، اس واسطے مجھ کو لاہور سے ۱۸۔ اپریل کی گاڑی میں پشاور آنا ہوا۔ ۵۔ ۶ روز کثرت کار جلسہ کے سبب فرصت نہ ملی، آج عند الفرصت جواب عنایت نامہ کا تحریر خدمت کرتا ہوں۔ اس قدر دیری کو معاف فرمائیے۔

یہ خط آپ کا بھی میں نے غور سے پڑھا اور تامل سے بچا اور ساتھ ہی اپنے خط نمبر ۲ کو حرف بحرف مطالعہ کیا، مگر کوئی حرف یا کلمہ دور از تہذیب و ادب اس میں نہیں دیکھا۔ نہیں معلوم کہ آپ نے اس خط میں اس قدر باتیں

کہاں سے نکال لیں۔ ہاں اگر جواب معمولی سے بھی مزاج مبارک برافروختہ ہوتی ہے تو تحقیق حق و باطل و تصدیق صدق و کذب سراپا محال ہے۔ افسوس کہ اپنے خط نمبر کی تادیب و تہذیب پر دھیان نہیں دیتے ہو، اور میرے صاف خط کو بھی مہذبانہ نہیں بتلاتے۔ اگر اس سے اسلامی تحکم جتلا نامراد ہے تو علیحدہ امر ہے ورنہ اس میں کوئی امر مانع اخلاق نہیں ہے۔ جس طرح آپ نے اتمام حجت کی غرض سے خطوط ارسال کئے ہیں اسی طرح میں نے بھی تردید حجت پر کمر باندھی ہے۔ آپ کے پہلے خط مطبوعہ کا مطلب اور ہے اور خط مورخہ۔۔۔ اپریل ۱۸۸۵ء سے کچھ اور ہی ظاہر ہوتا ہے اور اس خط محررہ ۱۶۔ اپریل ۱۸۸۵ء سے کچھ اور ہی نتیجہ نکلتا ہے۔ واللہ علم آپ اپنی تحریرات سے کیوں پلٹے جاتے ہیں۔ خط مطبوعہ کے برخلاف یا اس کی اندرونی تائید کے واسطے بہت باتیں آپ نے دل ہی دل میں پوشیدہ رکھیں۔ اور غالباً اب بھی بہت باتیں مطلب براری کے واسطے پوشیدہ ہوں گی... جو نتیجے آپ کی مختلف تحریروں سے برآمد ہوتے ہیں وہ کسی عاقل کے نزدیک کبھی تسلیم کے لائق نہیں ہیں اور نہ کوئی انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھے گا۔

بماہ ستمبر ۱۸۸۴ء جب میں بتقریب جلسہ آریہ سماج امرتسر کے گوردا سپور گیا تھا اور وہاں پر اس امر کی نسبت کہ آپ نے جو دس ہزار روپے کا اشتہار دیا ہے، درحقیقت جس حیثیت کے آدمی ہیں، دریافت کی گئی تو ایک معزز آدمی کی زبانی جو آپ کا پورا واقف تھا معلوم ہوا کہ آپ اس قدر جائیداد بھی نہیں رکھتے ہیں بلکہ مقروض ہیں۔ اب اس کی تصدیق آپ کی ہی تحریر سے ہوگئی کہ اگر ہر ایک کے لئے ۲ سو روپے ماہواری دینا تجویز کروں تو اس قدر روپے کہاں سے لاؤں۔،

مرزا صاحب! اس سے لاؤ جس نے آپ کو بقول آپ کے نبی بنی اسرائیل کی طرز پر اصلاح خلق کے لئے مامور کیا ہے۔ قادیان کے آریہ بھائیوں کی نسبت میں نے تہمت نہیں لگائی اور اپنے دعویٰ کا نہایت قوی اور مدلل ثبوت رکھتا ہوں جو براہین الاحمدیہ کے جواب تکذیب براہین الاحمدیہ میں درج ہو کر عنقریب چھپنے والا ہے۔ اور وہ ان کی خط و کتابت ہے۔ ان کو تہمت آپ نے لگائی ہے کہ ان کو میں نے کرامات بتلائی ہیں، جو بالکل صداقت سے خارج امر ہے۔ میں آپ کے رو برو بھی آنے کو مستعد تھا مگر ایک لائق آریہ برادر کی زبانی جو آپ کی ملاقات کو گیا تھا، معلوم ہوا کہ آپ زود رنج اور غصہ و آدمی ہیں، تو خیال گذرا کہ شائد ان کی اس قدر

مہربانیوں کو میں برداشت نہ کر سکوں، اس واسطے ارادہ ملتوی کیا۔ لالہ شرم پت رائے نے شاید آپ کے دعویٰ کی تکذیب بھی برادر ہندیا و دیپا پرکاشک میں کی تھی، مگر افسوس کہ مجھے اس طرح اچھی یاد نہیں ہے۔ اور اس میں میرے مہربان بھائی باوا زین سنگھ جی نے بھی وہی پرکاشک میں بہت مشرح لکھا ہے العاقل تکفیه الا اشارہ۔

اور جو باتیں اپنے پہلے خطوں میں تحریر کر چکا ہوں یا جو شہادتیں مذہبی یا عقلی بیان کی گئی ہیں سب کے ثبوت سلسلہ وار میرے پاس موجود ہیں۔ ایک مولوی صاحب ساکن لاہور جو علم دینی و نبوی و طب میں عمدہ دستگاہ رکھتے ہیں انہوں نے بھی آپ کی کراماتوں کی مفصل فہرست پیش کی تھی کہ آپ جاہلوں کے آگے بہت دسترس رکھتے ہیں۔... اور میرے اکثر دوست مسلمان جو آپ کے براہین احمدیہ کے خریدار ہیں یا جن کو آپ تبرکاً یا کسی اور پر کتاب دیتے ہیں بہ سبب منکر از کرامات ہونے کے وہی لوگ مجھے آپ کی عنایتوں کا مشکور کرتے رہتے ہیں مگر زیادہ طول دینا مجھے پسند نہیں ہے۔ صرف آخری گزارش ہے کہ اگر درحقیقت وعدے کے سچے اور حق کے محقق اور راستی کے طالب اور اصلاح خلق کے لئے مامور ہوئے ہیں، تو بموجب مضمون میرے پہلے خط کے بحساب دوسروں پر ماہوار کے کل دو ہزار چار سو روپے ایک سال کا داخل خزانہ سرکار فرمائیں اور اقرار نامہ تحریر کر دیں کہ اگر ایک سال تک آپ کی ہدایت اور آسمانی نشانات و معجزات وغیرہ سے تسلی نہ پا کر آپ کے دین کو قبول نہ کروں تو وہ مبلغان مجھ کو مل جاویں اور وہ روپے تانقضائے ایک سال کے خزانہ سرکاری میں منقول رہے، اسکے واپس لینے کا آپ کو اختیار نہ ہوگا۔

اگر آپ حضرت قادر مطلق جل شانہ کی طرف سے بقول اپنے مامور ہوئے ہیں تو اس اقرار نامہ و ادخال روپے سے گریز کیوں فرماتے ہیں؟ جب سانچ کو آنچ نہیں اور آپ کو اپنے کراماتی سکھ پر امید ہے کہ قلب نہیں ہے تو کل عذر و معذرت و حیلہ جوئی بے کار ہے جب خدا نے پیش گوئی فرمائی، اور علاوہ برآں آپ نے کئی مرتبہ آزمائی، تو ہم کو ملزم و لا جواب مغلوب ہی ہونا پڑے گا۔ خدا نے وعدہ آپ سے فرمایا، اور آپ ہی وعدہ پورا کرنے سے پہلو تہی فرما رہے ہیں جیسا کہ آپ کے خطوطات سے ظاہر ہے۔ پس کس طرح مانا جاوے کہ اس میں تخلف کا امکان نہیں ہے۔ جب کہ آپ کو ہی اس کا کامل امتحان نہیں۔ دعویٰ کرنا اتمام حجت کا اور اشتہار دینا کہ جس روز آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا مبلغان ادا کرونگا آپ جیسے کسی عقل مندی کو بٹ لگا رہا ہے۔



گروہ سمجھتے ہیں اس لئے آپ کی طرف لکھا جاتا ہے کہ اگر آپ سچ مچ ایسے ہی عزت دار ہیں تو ہم آپ کی درخواست منظور کر لیتے ہیں اور جہاں چاہو چوبیس سو روپے جمع کرانے کو تیار اور مستعد ہیں۔ لیکن جیسا کہ آپ شرائط مندرجہ خطوط مطبوعہ سے تجاوز کر کے اپنی پوری پوری تسلی کرنے کیلئے مجھ سے چوبیس سو روپے نقد کسی دوکان یا بینک سرکار میں جمع کرانا چاہتے ہیں تو اس صورت میں مجھے بھی حق پہنچتا ہے کہ میں بھی آپ کے اس اقرار کو جو بعد دیکھنے کسی آسمانی نشان کے بلا توقف قادیان میں ہی مسلمان ہو جاؤنگا آپ ہی کے اعتبار پر نہ چھوڑوں بلکہ جیسے آپ روپے وصول کرنے کے باب میں اپنی پوری پوری تسلی کریں گے ایسا ہی میں بھی آپ کے مسلمان ہونے کے لئے کوئی ایسی تدبیر کروں جس سے مجھے بھی پورا پورا یقین اور کامل تسلی ہو جائے کہ آپ بھی درحالت انکار اسلام اپنی عہد شکنی کے ضرر سے محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔

سودا الٹ کی بات جس میں میں اور آپ برابر ہیں یہ ہے کہ ایک طرف یہ خاکسار چوبیس سو روپے حسب نشان دہی آپ کے کسی جگہ جمع کراوے اور ایک طرف آپ بھی اسی قدر روپے حسب نشان دہی اس عاجز کے بوجہ تاوان انکار اسلام کسی مہاجن کی دکان پر رکھوادیں تا جس کو خدا تعالیٰ فتح بخشنے اس کیلئے یہ روپے فتح کی ایک یادگار رہے۔

یہ تجویز کسی فریق پر ظلم نہیں بلکہ فریقین کے لئے موجب تسلی و سراسر انصاف ہے کیونکہ جیسے آپ کو یہ اندیشہ ہے کہ بصورت مغلوب ہونے اس عاجز کے ۲۴ سو روپے جبراً وصول نہیں کر سکتے، علیٰ ہذا القیاس مجھے بھی یہ فکر ہے کہ میں بھی بعد مغلوب ہونے آپ کے آپ کو جبراً مسلمان نہیں کر سکتا۔ سو یہ انتظام حقیقت میں نہایت عمدہ اور مستحسن ہے کہ ایک طرف آپ وصولی روپے کیلئے اپنی تسلی کر لیں اور ایک طرف میں بھی ایسا بندوبست کر لوں کہ درحالت عدم قبول اسلام آپ بھی شکست کے اثر سے خالی نہ جانے پاویں اور اگر آپ اسلام کے قبول کرنے میں صادق النیت ہیں تو آپ کو روپے جمع کرنے میں کچھ نقصان اور اندیشہ نہیں کیونکہ جب آپ بصورت مغلوب ہو جائیکے مسلمان ہو جائیں گے تو ہم کو آپ کے روپے سے کچھ سروکار نہیں ہوگا بلکہ یہ روپے تو صرف اس حالت میں بطورتاوان آپ سے لیا جائیگا کہ جب آپ عہد شکنی کر کے اسلام قبول کرنے سے گریزا روپوشی اختیار کریں گے۔ سو یہ روپے بطور ضمانت آپ کی طرف سے جمع ہوگا اور صرف عہد شکنی کی صورت میں



ضبط ہوگا، نہ اور کسی حالت میں۔

رہا یہ امر کہ آپ اس قدر روپئے کہاں سے لائیں گے تو اس کا فیصلہ تو آپ ہی کے اقرار سے ہو گیا۔ جب کہ آپ نے اقرار کر لیا کہ میں بڑا عزت دار آدمی اور قوم میں مشہور و معروف ہوں۔ کیونکہ جس حالت میں آپ اتنے بڑے عزت دار ہیں تو اول یہ روپئے آپ کے آگے کچھ چیز نہیں بلکہ اس سے بہت زیادہ آپ کے دولت خانہ میں جمع ہوگا۔ اور اگر کسی اتفاق سے آپ پر افلاس طاری ہے تو قوم کے لوگ ایسے معزز اور سرگروہ سے امداد وغیرہ کے بارے میں کب دریغ کریں گے بلکہ وہ تو سنتے ہی ہزار ہا روپئے آپ کے قدموں پر رکھ دیں گے اور صرف آپ کی ایک زبان کے اشارہ سے روپوں کا ڈھیر جمع ہو جائے گا۔ خدا نخواستہ ایسا کیوں ہونے لگا کہ آریہ سماج کے دولت مند اور ذی مقدرت لوگ آپ کو چند روز کے لئے بطور امانت روپئے وغیرہ دینے سے انکار کریں اور آپ کی دیانت داری اور امانت گذاری میں ان کو کلام ہو۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ ادنیٰ ادنیٰ آدمی جیسے چوہڑے پھار یا سانسی اپنی قوم میں کچھ ذرا سا اعتبار رکھتے ہیں وہ بھی اپنی برادری میں اس قدر مسلم العزت ہوتے ہیں کہ قوم کے ذی مقدرت لوگ کسی مشکل کے وقت صدمہ ہارو پئے سے بطور قرضہ وغیرہ ان کی مدد کرتے ہیں۔ اور آپ تو بقول آپ کے بڑے ذی عزت آدمی ہیں جن کی عزت سارے آریہ سماجوں میں تسلیم و قبول کی گئی ہے۔ ماسوا اس کے جو روپئے صرف کچھ مدت کے لئے امانت کے طور پر آپ کے ہاتھ میں دیں گے یہ نہیں کہ وہ روپئے آپ کی ملک کر دیں گے۔

قصہ کوتاہ یہ کہ آج ہم یہ خطر جسٹری کرا کر آپ کی خدمت میں بھیجتے ہیں اور اگر بیس دن تک آپ نے ہمارا جواب نہ بھیجا اور قادیان میں آ کر ایک سال تک ٹھہرنے کے لئے بات نہ ٹھہرائی اور ان شرائط کو جو عین انصاف اور حق پرستی پر مبنی ہیں قبول نہ کیا تو پھر بعد گزرنے بیس روز کے یہ حال کنارہ کشی آپ کا چند اخباروں میں شائع کرا کر لوگوں پر ثابت کیا جاوے گا کہ آپ کا ایک سال تک قادیان میں ٹھہرنے کیلئے مجھ سے دریافت کرنا سراسر لاف و گداف پر مبنی تھا۔ نہ آپ کی نیت صاف و درست تھی، نہ آپ کی ایسی حیثیت و عزت تھی جس کا آپ نے وعدہ کیا تھا۔

اب ہم اس خط کو ختم کرتے ہیں اور مدت مقررہ تک ہر روز آپ کے جواب کے منتظر رہیں گے۔ و

السلام علی من اتبع الهدی۔ از قادیان ضلع گورداسپور۔ مورخہ... جولائی ۱۸۸۵ء۔ خاکسار غلام احمد

۷۔ پنڈت لیکھ رام کا خط: مشفق جناب مرزا صاحب

بعد از شوق ملاقات بموجب خط مورخہ... جولائی ۱۸۸۵ء کے لکھا جاتا ہے کہ میرے اور آپ کے خط و کتابت کے سلسلہ کی بنیاد فقط آپ کا وہ اشتہار ہے جو آپ نے مطبع مرتضائی لاہور سے بلا تاریخ طبع کر کر شائع کیا تھا اور جس میں آپ نے نہایت صاف الفاظ میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ منجانب اللہ آپ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب غیر مذہب والوں کو دین اسلام کی دعوت کریں اور جو کوئی شخص آپ کے پاس ایک سال تک قادیان میں رہے اور نشان آسمانی و خوارق عادات و صداقت دین اسلام مشاہدہ نہ کر کے اور تسلی نہ پا کر مسلمان نہ ہو جاوے تو مبلغ دو سو روپہ ماہوار کے حساب سے کل چوبیس سو روپہ بابت سال تمام کے اس شخص کو ہر جانہ یا جرمانہ دیوینگے جس پر میں نے معقولیت کے ساتھ آپ کی خدمت میں التجا کی تھی کہ میں ایک سال تک آپ کی خدمت میں رہنے کو تیار ہوں بشرطیکہ آپ زرموعودہ امانتاً سرکاری خزانہ میں داخل کر دیوں۔ اب اس ۱۷ جولائی ۱۸۸۵ء کے خط میں آپ ایک نئی حجت پیش کرتے ہیں یعنی یہ دو ہزار چار سو روپہ میں بھی بالمقابل آپ کے امانتاً داخل کروں تا کہ اگر آپ کے نشان آسمانی یا معجزہ مشاہدہ کر کے اور تسلی پا کر دین اسلام کو قبول نہ کروں تو اس چوبیس سو روپہ کے جو میں داخل کرونگا آپ مستحق ہوویں۔

صاحب من! آپ اپنے عہد مشتملہ پر کیوں قائم نہ رہے اور کس واسطے آپ نے جاہ انصاف سے کنارہ کیا۔ کیا دینداروں یا راست بازوں کے یہی کام ہوتے ہیں؟ اور زیادہ تر لطف یہ ہے کہ آپ اپنے اس انحراف قطعیت کو نہایت عمدہ اور مستحسن فرماتے ہیں جزاک اللہ فی الدارین۔ اب انصاف یہ ہے کہ آپ پہلے اس بات کا اشتہار دے دیں کہ جو آپ نے اول اشتہار دیا تھا وہ بوجہ ذیل باطل ہوا:

۱۔ اس... جولائی ۱۸۸۵ء کے خط میں آپ چوبیس سو روپہ رقم سے بھی بالمقابل امانت میں داخل کرانا چاہتے ہیں تاکہ اگر باوجود مشاہدہ نشان آسمانی کے اسلام سے انکار کیا جائے تو زرا امانت داشتہ رقم آپ لے لیوں حالانکہ اشتہار میں بالمقابل روپہ داخل کرنا شرط نہیں۔ اب برخلاف اس کے لکھتے ہیں، اس لئے پہلا اشتہار

قائم نہ رہا۔

۲۔ جب کہ آپ نے معجزہ کا دعویٰ بذریعہ اشتہار کے شائع کیا تو آپ کا یقین نہایت مضبوط ہونا چاہیے تھا کہ ضرور معجزہ دکھائیں گے اور تاثیر اس کی تیر بہدف ہوگی اور مشاہدہ کنندہ بھی ضرور اسلام قبول کریگا کیونکہ معجزہ کے لغوی معنی عاجز کر نیکے ہیں اگر کسی کو عاجز نہیں کیا تو وہ اعجاز نہیں ہو سکتا۔ اسلئے آپ کو اپنے دعویٰ پر خود ہی شک پیدا ہو گیا کہ میں آپکے معجزہ سے عاجز نہیں ہو سکتا اور اسلام قبول نہیں کرونگا، اسکے عوض میں آپ نے روپئے مدخلہ میرے کے لینے کی تمنا کی ہے۔ دروغ گو تا بدر واہہ باید رسانید۔

آپ کے اس.. جولائی ۱۸۸۵ء کے خط میں جو آپ نے نئی حجت اٹھائی ہے میں اسکے واسطے بھی حاضر ہوں جس وقت چاہیں چوبیس سو روپئے میں داخل کر سکتا ہوں مگر مجھ کو آپ کے استقلال پر شک ہے۔ اس لئے اس امر کی بھی صراحت ہونی چاہیے کہ کون سا نشان آسمانی آپ مجھ کو دکھائیں گے۔ آسمانی نشان تین یعنی سورج چاند ستارے ہیں پس علاوہ ان قدرتی نشانات کے آپ کوئی ذیل کا آسمانی نشان دکھلاویں یعنی دوسرا آفتاب جس کا طلوع غرب سے ہو اور غروب شرق کو ہو۔ یا شق القمر کا معجزہ جس کا اشارہ حدیث میں ہے اور جو عقلاء کے نزدیک غیر مسلم اور آپ کے خیال میں حق ہے۔ پس اگر اسی کو اعادہ کر کے دوبارہ دکھلاویں یعنی پورنماشی کی رات کو برخلاف عادت موجودہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں۔ دوسرا چاند کامل اماوس کی رات کو جیسا کہ پورنماشی کو ہوتا ہے ظہور ہووے۔ ان میں سے کل کو یا جس کو آپ دکھلا سکیں، اور تاریخ اور وقت معجزہ کے دکھلانے کا بھی آپ مقرر کریں تاکہ وہ عام میں مشتہر کرایا جائے۔ اور میں سمجھونگا کہ کہ چوبیس سو روپئے خرچ کر کے میں نے دنیا کو ایک تماشا دکھلوادیا۔

اگر اب بھی آپ نے اس خط کا جواب صاف الفاظ میں بلا حجت بازی کے نہ دیا، تو تصور کیا جائے گا کہ ایسے بے بنیاد اور لغو دعاوی کا وہی باعث ہے جو عام عقل کا آدمی سمجھ سکتا ہے۔ اور من بعد اس کے خط و کتابت بند ہووے گی۔ اور چونکہ آپ نے اس.. جولائی ۱۸۸۵ء کے خط میں جو طرز تحریر اختیار کی ہے وہ تہذیب سے گری ہوئی ہے مگر میں اس کی پرواہ نہیں کرتا ہوں بلکہ اس کو بھی اسی کے ذیل میں سمجھتا ہوں جس میں آپ کے اور دعاوی ہیں اور اس کا باعث بھی وہی ہے جو عام آدمی سمجھ سکتے ہیں۔ اب میں اس مضمون کو ختم

کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ سست کا پرکاش اور راست کا ناش ہوئے۔ جواب اس کا ایک ہفتہ تک آجانا چاہیے ورنہ بعد ازاں اشاعت کی جاوے گی۔۔۔ جولائی ۱۸۸۵ء۔ الراقم نیاز مند لیکھ رام از آریہ سماج امرتسر

نمبر ۸۔ پنڈت لیکھ رام نے لکھا ہے جو خط مرزا صاحب کا بجواب خط نمبر ۷ آیا تھا وہ مطبع آفتاب پنجاب لاہور سے پس و پیش ہو گیا ہے اور تلاش سے دست یاب نہ ہوا مگر اس کا خلاصہ مطلب یہ تھا کہ ہم یہ شرائط نہیں کر سکتے اور نہ مطلوبہ نشانات بتلا سکتے ہیں بلکہ ہم کو معلوم نہیں کہ کیا کچھ ظاہر ہو گا یا نہ ہو گا غرضیکہ اس بلائے ناگہانی (دعویٰ کرامات) سے پہلے چھڑانا چاہا۔ بہت سا حصہ اس خط کا جواب ۹ میں بھی موجود ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔

(مرزا قادیانی کے مجموعہ مکتوبات میں بھی یہ خط موجود نہیں ہے جو ۳۱ جولائی ۱۸۸۵ء کا بتایا جاتا ہے، بلکہ صفحہ ۵۰ پر اس خط سے وہی اقتباس نقل کر دیئے گئے ہیں جو لیکھ رام کے جوابی خط میں موجود ہیں۔ مرزا صاحب کا ایک مکتوب بنام لالہ بہیم سین محررہ ۱۴ جون ۱۹۰۳ء موجود ہے جس میں پنڈت لیکھ رام کا ذکر موجود ہے۔ لالہ بہیم سین کے متعلق شیخ یعقوب علی مرتب مکتوبات احمدیہ نے لکھا ہے:

حضرت مسیح موعود کے ہم کتب ایک لالہ بہیم سین صاحب تھے اور زمانہ قیام سیالکوٹ میں حضرت اقدس کی ان کے ساتھ بڑی رسم دراتھی۔ جن ایام میں گورداسپور میں مقدمات کا سلسلہ شروع تھا، لالہ بہیم سین صاحب نے اپنے بیٹے کی خدمات بھی پیش کی تھیں جو بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے آچکے تھے۔ حضرت مسیح موعود نے شکر یہ کہ ساتھ ان کی خدمات کو کسی دوسرے وقت پر عند الضرورت ملتوی کر دیا تھا۔ غرض حضرت صاحب کو لالہ بہیم سین صاحب سے محبت اور لالہ بہیم سین کو حضرت مسیح موعود سے اخلاص تھا۔ صفحہ ۳۳ مکتوبات احمدیہ جلد دوم۔

لالہ صاحب کے نام خط میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:

ابھی تھوڑے دن کی بات ہے کہ لیکھ رام نامی ایک برہمن جو آریہ تھا، قادیان میں میرے پاس آیا اور کہا کہ وہید خدا کا کلام ہے۔ قرآن شریف خدا کا کلام نہیں۔ میں نے اس کو کہا کہ چونکہ تمہارا دعویٰ ہے کہ وہید خدا کا کلام ہے مگر میں اس کو اس کی موجودہ حیثیت کے لحاظ سے خدا کا کلام نہیں جانتا کیونکہ اس میں شرک کی تعلیم ہے اور کوئی اور ناپاک تعلیمیں ہیں۔ مگر میں قرآن شریف کو خدا کا کلام جانتا ہوں کیونکہ نہ اس میں شرک کی تعلیم ہے اور نہ کوئی اور ناپاک تعلیم ہے۔ اور اس کی پیروی سے زندہ خدا کا چہرہ نظر آجاتا ہے اور معجزات ظاہر ہوتے ہیں۔ پس اہل طریق یہ ہے کہ تم وہید والے خدا سے میری نسبت کوئی پیش گوئی اور میں قرآن شریف والے خدا سے وحی پا کر پیش کروں گا۔ پس اس نے میری نسبت یہ پیش گوئی کی کہ یہ شخص تین برس تک ہیضہ کی بیماری سے مر جائے گا اور میرے خدا نے یہ ظاہر کیا کہ چھ برس تک لیکھ رام بذریعہ نقل باوجود ہوجانے گا کیونکہ وہ خدا کے پاک نبی کی بے ادبی میں حد سے گذر گیا۔ اور میرے پر ظاہر کیا گیا کہ اس کے مرنے کے تھوڑی مدت بعد پنجاب میں طاعون پھیل جائے گی۔ تمام پیش گوئی میں نے اپنی کتابوں میں بار بار شائع کر دی اور یہ بھی شائع کر دیا کہ وہید درحقیقت خدا کی طرف سے ہے تو اب آریہ سماج والوں کو چاہیے کہ لیکھ رام کی نسبت اپنے پرمیشور سے بہت دعا کریں۔ اور ایسا ہی لیکھ رام نے میری نسبت اپنی کتاب میں شائع کر دیا کہ یہ شخص تین برس میں ہیضہ کی بیماری سے فوت ہوجائے گا۔ آخر لیکھ رام اپنے نقل ہونے سے گواہی دے گیا کہ وہید خدا کی طرف سے نہیں۔ مکتوبات احمدیہ ج ۲ ص ۳۷-۳۸۔

وید بہقا بلکہ قرآن کی بحث مولانا ابورحمت حسنؒ نے اپنی کتابوں میں مفصل کی ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر مقصود ہے کہ لیکھ رام کی موت بذریعہ قتل کی پیش گوئی کہیں موجود نہیں ہے۔ ہاں یہ مرزا صاحب نے کہا تھا کہ اسے خوارق عادت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ لیکھ رام قتل ہوا، اور قتل ایک معمول کی چیز ہے، روزانہ دنیا میں سینکڑوں قتل ہوتے ہیں، یہ کوئی خارق عادت بات نہیں۔ مولانا محمد حسین بنالویؒ اور مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ وغیرہ نے مفصل بحث کر کے ثابت کر دیا تھا کہ لیکھ رام کی موت کا مرزا کی پیش گوئی سے کوئی تعلق نہیں، اگر تعلق ہے تو اس پیش گوئی کی تکذیب کا تعلق ہے۔ اور جہاں تک لیکھ رام کی پیش گوئی کا تعلق ہے کہ مرزا صاحب تین سال میں ہیضہ سے مر جائے گا، اس سلسلہ میں ہم یہ یاد دلا نا چاہتے ہیں کہ مرزا صاحب ۱۹۰۸ء میں بقول خود اور بروایت سرخود ہیضہ سے آنجہانی ہوئے (دیکھو حیات ناصر)۔ ہاں تین سال میں نہیں بلکہ تیس سال میں۔ لیکن مرزا صاحب کا اپنا ایجاد کردہ فارمولہ ہے کہ پانچ اور پچاس برابر ہیں کیونکہ ان میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے، اسی طرح تین اور تیس بھی بخیاں مرزا برابر ہوں گے کیونکہ ان میں بھی ایک ہی نقطہ کا فرق ہے۔ نیز مرزا صاحب، آتھم کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ کیا ہوا، جو وہ پیش گوئی کی مدت (۱۱۵) سے بعد مراد، آخر مر تو گیا۔ بتاؤ اب آتھم کہاں ہے؟ مرزا صاحب کے اس فرمان میں آتھم کے نام کی جگہ مرزا صاحب کا نام لکھ دیا جائے تو عبارت یوں ہوگی: کیا ہوا جو وہ پیش گوئی کی مدت (۳ سال) سے بعد مراد، آخر مر تو گیا، بتاؤ اب مرزا کہاں ہے؟ بہاء)

## نمبر ۹۔ لیکھ رام کا خط بجواب خط مرزا صاحب مرقومہ ۳۱ جولائی ۱۸۸۵ء

مشفق مرزا غلام احمد صاحب۔ بجواب خط مرقومہ ۳۱ جولائی ۱۸۸۵ء آپ کے عذرات اور بمقابلہ ہر ایک عذر کے تردید مدلل لکھتا ہوں۔

۱۔ عذراول۔ پہلے اشتہار میں ۲۴ روپے دینے کا وعدہ ضرور ہوا ہے مگر پیشگی جمع کر دینے کی شرط نہیں کی تھی چونکہ آپ نے میرے وعدہ کو معتبر نہ سمجھا اور یہ زائد شرط لگائی کہ زر معہودہ کسی بینک سرکاری میں جمع کر دیا جائے۔ اس صورت میں میرے لئے بھی برخلاف اس اشتہار کے استحقاق پیدا ہو گیا کہ ۲۴ سو روپے بالمقابل پیشگی امانت رکھاؤں۔

تردید دفعہ۔ ۱۔ آپ کو واجب تھا کہ پہلے ہی اشتہار میں صاف لفظوں میں شرط باندھتے کہ بطور قمار بازاں کے ۲۴۰۰ روپے دو بدو لگایا جاوے گا تا کہ شرائط کی ترمیم و تنسیخ نہ کرنی پڑتی۔ پس یہ سراسر بھول آپ کی ہے۔ ورنہ اگر صاف طور پر لکھا ہوتا تو کوئی عام عقل کا آدمی بھی ایسی قمار بازی کا جواب تک نہ دیتا چہ جائے کہ راقم اس تکلیف کو گوارا کر آپ سے خط و کتابت کرتا۔ مگر افسوس کہ آپ بجائے خجالت اٹھانے اپنی بھول کے حجت کرتے ہیں۔

دفعہ ۲۔ آپ کے وعدہ پر اعتبار نہ کرنے کا یہ سبب ہے کہ اگرچہ مجھ کو ضرور نہیں تھا کہ آپ کی حیثیت کی قلعی کھولی جاوے مگر آپ کی بے جالاف و گزاف و بے بنیاد دعاوی نے مجبور کر دیا کہ مجملاً آپ کی استطاعت کا ضعف بیان کروں کہ آپ نہ کوئی اہلکار، نہ جاگیردار، نہ پنشن خوار، نہ تاجر، نہ حرفت کار، نہ کارخانہ دار، نہ زمین دار، نہ صاحب جائیداد اعلیٰ ہیں۔ ہاں موضع قادیان جو ایک گاؤں ہے اس کی ملکیت زمینداری کے بہت سے حصہ داران میں سے ایک حصہ دار ہیں، تو ایسی حیثیت عام لوگوں کی ہوتی ہے۔

حیثیت تو یہ ہے اور لاف گزاف یہ کہ آٹھ ہزار دو سو چالیس خطوط بطور اشتہار بنام اکثر معززان و رئیسان و علماء و فضلاء کو جاری کر دیئے کہ جو کوئی شخص ایک سال تک موضع قادیان میں رہ کر کوئی نشان آسمانی مشاہدہ نہ کرے بحساب دوسروپنہ ماہوار ۲۴ سو روپنہ بابت سال تمام کے پاویگا، اس کا حساب لگایا گیا تو قریب دو کروڑ روپنہ کے ہوتا ہے۔ اس پر خرافات یہ کہ اپنی کتاب براہین احمدیہ کے سرورق پر اپنے اسم مبارک کے القاب میں رئیس اعظم قادیان دام اقبال لکھ دیا۔ مزید براں طرہ یہ کہ جو کوئی اس کا رد لکھے گا، دس ہزار روپنہ انعام پاویگا۔ خیال کرنا چاہیے کہ اس قدر مالک و سب سے سود و سواشخاص بھی جداگانہ رد لکھیں گے تو لکھو کہا روپنہ چاہیے۔

دفعہ ۳۔ جب کہ آپ ایک ایسے گنج قارون کے مالک ہیں تو اپنی کتاب کے واسطے ہندوان اور مسلمانان سے بھیک کیوں مانگتے ہیں اور طرفہ تریہ کہ باوجود ریوزہ گری پانچ سالہ کے انطباع کتاب کا خرچ بھی ہم نہ پہنچا سکے دفعہ ۴۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ نے اس لاف زنی سے ایک ذریعہ معاش کا پیدا کر لیا جیسا کہ پنجابی کی مثال ہے روٹی کھائے شکر سے دنیا کھائیے مگر سے۔، نظر بحالت مذکورہ جو میری طرف سے درخواست پیشگی زر معہود کی ہوئی تو کچھ بے جا نہیں ہے اور نہ کوئی منصف مزاج بے جا کہے گا۔

دفعہ ۵۔ آپ کا یہ گمان غلط تھا کہ بسبب سختی شرائط کے آپ کے پاس ایک گاؤں میں درمیان دہقانان و چھوٹوں کے ایک سال تک قید بے زنجیر رہنا کوئی آدمی قبول نہ کرے گا، تو بصورت خاموشی معترضان کے آپ کا دعویٰ بطور ڈگری یک طرفہ ثابت ہو جاوے گا مگر جب کہ آپ کے ابطال دعویٰ پر بندہ استاد ہو گیا اور بوجہ شرط صدر زر معہودہ پیشگی امانت رکھنا چاہا تو آپ نے برخلاف اشتہار کے ایک نیا حیلہ اختراع کیا یعنی مجھ سے بھی بالمقابل ۲۴ سو روپیہ مانگا۔ بندہ نے اپنے ارادہ پر ثابت قدمی کر کے اسی حیلہ جدیدہ کی راہ سے بھی آپ کو بھاگ

جانے کی فرصت نہ دی یعنی ۲۴۰۰ روپے جمع کرانا منظور کر لیا پس جب کہ زرمشروط طرفین سے مساوی جمع ہوگا تو شرائط بھی مقبول و مساوی طرفین ہونی واجب ہوئیں۔ نظر برآں آپ کے اس دعویٰ پر کہ نشان آسمانی خوارق عادات مشاہدہ کو آویں گے میری طرف سے نہایت مناسب طور پر یہ سوال پیش ہوا کہ آسمانی نشان قدرتی تین قسم کے موجود مشہور ہیں سورج چاند ستارے۔ ان کی نسبت خرق عادت یعنی خلاف قانون قدرت کوئی معجزہ مشاہدہ کرا دیتے اور معجزہ نمائی کا کوئی وقت تجویز کر کے مشتہر کیجئے۔ اس کے جواب میں جو عذرات آپ نے لکھے ہیں بمقابلہ ہر ایک عذر کے تردید لکھتا ہوں۔

عذراول: اخیر پر آپ اسی قسم کے نشانوں کو قبول کرتے ہیں کہ ستاروں آفتاب و ماہتاب کے تغیر یا تبدل وغیرہ پر مشتمل ہو۔

تردید: حضرت آپ نے اشتہار میں صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ اس عاجز کی صحبت میں ایک سال تک رہ کر آسمانی نشانوں کو چشم خود مشاہدہ کر لیں۔ تو اگر چاند سورج ستارے موجودہ نشانوں میں خرق عادت نہیں دکھا دیں گے، یا علاوہ ان کے دوسرا سورج یا دوسرا چاند یا عادیہ شق القمر نہیں دکھائیں گے تو پھر آسمانی نشان چہ معنی دارد۔ کیا آسمان سے اپنے جھوٹے دعویٰ پر خاک دھول برساویں گے۔

عذر دوم۔ پنڈت صاحب ہمارا یہ کام ہرگز نہیں کہ ہم جس طور سے کوئی شخص زمین و آسمان میں انقلاب پیدا کرانا چاہے اس طور سے انقلاب کر کے دکھائیں۔

تردید: ۱۔ جب کہ آپ اس قسم کے لائق نہیں تو مشاہدہ نشان آسمانی کا جھوٹا دعویٰ کیوں لکھ مارا۔ چراکارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی۔ آپ نے سمجھا ہوگا کہ جس طرح آپ عقل سے کام نہیں لیتے سب کا ایسا ہی حال ہوگا اور کوئی نہ پوچھے گا۔

۲۔ جبکہ آپ نے آسمانی نشانوں کا مشاہدہ کرنا لکھا تو ایسی بحث کی گئی وہی نشان مانگے گئے اگر زمین کے نشان یا عناصر اربعہ میں سے یا مولید ثلاثہ سے کسی قسم کی چیز پر خرق عادت کا دعویٰ ہوتا تو اسی پر بحث ہوتی اور اسی کے مطابق سوال کیا جاتا اگر زمین و آسمان کا انقلاب آپ ناممکن سمجھتے ہیں تو آسمان کا لفظ کیوں لکھا تھا۔ سچ ہے

دروغ آدمی را کند بیفروغ      مگواے برادر تو ہرگز دروغ

کر امانتوں کے ادعائے بے معنی سے سوائے پشیمانی کے اور کیا نتائج نکلتے۔

عذر سوم: ہم صرف بندہ مامور ہیں ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ خدا کس طور کا نشان ظاہر کریگا۔

تردید: ۱۔ اس کلمہ سے کہ ہم صرف بندہ مامور ہیں اور زیادہ تر آپ کے اشتہار کی سطر اول و دوم کے مضمون سے

صاف ظاہر ہے کہ آپ نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے اور حضرت عیسیٰ کا نام مبارک لکھ کر ان کے برابر اپنے آپ

کو ظاہر کیا ہے۔ اس سے زیادہ دعویٰ نبوت کی کیا صراحت ہونی چاہیے۔ اس موقع پر بے جا نہ ہوگا کہ اگر ہم علماء

اسلام سے دادخواہی کریں۔ یعنی خاص و عام اہل اسلام پر اظہار من الشمس ہے کہ حضرت رسالت پناہ ختم

المسلین (ﷺ) ہیں۔ پس ایسے دعویدار پر تعزیر شرعی کا فتویٰ کیوں نہیں لگاتے کیونکہ دشمن خانگی سخت خرابی لاتے

ہیں اور گھر کے بھیدی لڑکا ڈھاتے ہیں۔ اور اگر صداقت قرآن و اتمام حجت اسلام کا دعویٰ ہے تو بھی نعوذ باللہ کیا

قرآن شریف فی نفسہ اپنی صداقت میں مکمل نہیں ہے۔ بہر حال یہ بات خلاف شرع ہے۔ اور نہ کہیں قادیان

میں الہام ربانی اترنے کا اشارہ پایا جاتا ہے۔ پس عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔ (چنڈ ٹ لیکھ رام نے اس تحریر میں

مسلمان علماء سے کہا ہے کہ وہ کیوں مرزا قادیانی کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کر دیتے کیونکہ اس کے عقائد خلاف اسلام ہیں۔ بہاء)

۲۔ یہ عذر کہ ہم کو معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کس طور کا نشان ظاہر کرے گا، نہایت بیجا ہے۔ جب کہ آپ ایک خاص

اور اہم کام پر مامور ہوئے ہیں تو اس کام کے سب اسرار سے آگاہی کیوں نہیں۔ اور جب معلوم نہیں کہ کس طور

کا نشان ظاہر ہوگا تو بدون ارشاد الہی نشان آسمانی کا زبانی دعویٰ کیوں لکھ مارا، صرف نشان کا لفظ کافی تھا۔ جب

کہ آپ کے الہام کی بسم اللہ ہی غلط ہے تو آگے کیا کام کریں گے۔ آپ کو واجب تھا کہ وحی آسمانی سے جو آپ

کے پاس قادیان میں نازل ہوتی ہے نشان آسمانی کا صحیح پتہ معلوم کر کے اشتہار میں لکھ دیتے۔ بایں ہمہ ناواقفی

اعلیٰ ترین درجہ نبوت پر مامور کر خدائے ہمہ دان کا کام نہیں ہو سکتا بلکہ ماورائے خدا تعالیٰ کے کسی اور کا کام ہے۔

عذر چہارم: ہم سمجھتے ہیں کہ نشان اسی شے کا نام ہے کہ انسانی طاقت سے بالاتر ہو۔

تردید: ہم نے بھی ایسے ہی نشان مانگے تھے جو طاقت انسانی سے بالاتر ہیں، فروتر نہیں مانگے، مگر اس سے بھی

آپ گریز کر گئے کہ انقلاب زمین و آسمان نہیں ہو سکتا ہے۔ شامل اس تردید کے عذر دوم کی تردید دفعہ ۲ بھی

مطالعہ کرنی چاہیے۔



عذر پنجم۔ ہمارا دعویٰ صرف اس قدر ہے کہ خدا تعالیٰ ضرور ایسا نشان دکھلائے گا جس کے مقابلہ سے انسانی طاقتیں عاجز ہوں۔

تردید۔ اب آپ نے اپنے دعویٰ کا نصف حصہ چھوڑ دیا کہ نشان آسمانی سے صرف ایک جزو نشان کا باقی رکھا اور وہ دوسرا حصہ یعنی لفظ آسمانی بھی بے نشان و معدوم کر دیا۔ کیونکہ آپ کو معلوم ہی نہیں کہ وہ کیا اور کیسا ہوگا۔ پس بلکہ آپ کا دعویٰ ٹوٹ گیا۔

عذر ششم: لفظ نشان کو اپنی اصطلاح میں معجزہ قرار دے کر یہ تعریف لکھتے ہیں کہ اس کے مقابلہ سے انسانی طاقتیں عاجز ہوں تو واقعی معنی معجزہ کے درست ہیں کہ مشاہدین فوراً عاجز ہو کر مشاہدہ کرانے والے پر ایمان لاویں۔ اور دور تک موثر ہووے۔ غرضیکہ اظہر من الشمس ہونا چاہیے۔

تردید: باوجود اپنے مندرجہ بالا اقرار کے نہ معلوم یہ عذر کیوں پیش کرتے ہو کہ آپ کے معجزہ پر اثبات یا نفی کی رائے دینے کے لئے منصفان مقبولہ طرفین جو فریقین کے مذہب سے الگ ہوں مقرر ہونے چاہئیں۔ عموماً ظاہر ہے کہ جو کوئی مقدمہ یا کوئی امر مجہول الکفایت اور مہمل پیش ہوتا ہے اس کے واسطے ضرورت منصفان کی ہوا کرتی ہے اور وہ منصفان بھی تیر در تار کی چلاتے ہیں کیونکہ غیب دانی بشریت سے بعید ہے۔ پس اگر آپ کا معجزہ بھی ایسا ہی مجہول الکفایت ہوگا تو اپنے گاؤں کے بھڑ بکری چرانے والوں کو بتلایا کریں، ہم آپ کی لاف زنی کے معجزہ کو دیکھ کر خاموش رہنا بہتر سمجھتے ہیں۔۔۔ راقم: لیکھ رام از آریہ سماج امرتسر۔ ۵۔ اگست ۱۸۸۵ء

﴿ لیکھ رام نے لکھا ہے کہ اس آخری خط کا جواب جب عرصہ تین ماہ تک کوئی نہ آیا تو پھر میں نے ایک پوسٹ کارڈ بطور یاد دہانی کے ارسال کیا اس کے جواب میں مرزاجی کا کارڈ آیا کہ: قادیان کوئی دور تو نہیں ہے، آکر ملاقات کر جاؤ امید کہ یہاں پر باہمی ملنے سے شرائط طے ہو جاویں گی۔،

﴿ لیکھ رام نے لکھا ہے: یہ خطوط ملاحظہ فرما کر مرزا صاحب کے الہامی دعووں و خوارق عادات و معجزات نبوت و شرطیہ انعامات و دولت مندی و جاگیر داری و زبان درازی و حیلہ سازی و لفاظی اشتہارات کی نسبت رائے

لگانے اور نتیجہ نکالنے کے تصفیہ کو ہم تکذیب براہین احمدیہ کی ذمہ داری پر چھوڑتے ہیں۔

(تکذیب براہین احمدیہ ص ۳۰۶-۳۲۶ مختصراً؛ مکتوبات احمدیہ جلد دوم ص ۲۵ تا ۵۰)

ذیل میں مرزا قادیانی کی تردید میں اس کے پچازاد بھائی مرزا امام الدین کی طرف سے شائع کردہ ایک اشتہار نقل کیا جاتا ہے جسے پنڈت لیکھ رام نے اپنی تکذیب براہین میں درج کیا تھا اور ابتدائی طور پر مطبوعہ قانونی ہند امرتسر سے شائع ہوا تھا۔

## اشتہار صداقت اظہار

تحقیق حق کے واسطے باطل کو چھوڑ کر چاہتے ہیں ہم کہ توڑ دیں شیشہ فریب کا

ناظرین پر واضح ہو کہ مرزا غلام احمد صاحب سکنہ قادیان ضلع گورداسپور نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں مجدد وقت اور مہم اور صاحب کرامات ہوں اور حضرت قادر جل شانہ کی طرف سے نبی ناصری اسرائیلی مسیح کے طرز پر کمال مسکینی و فروتنی و غربت و تذلل و تواضع سے اصلاح خلق کیلئے مامور ہوا ہوں اور میرے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْبَانَ الْقَادِيَانِ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُ وَ كَانْ مَعْقُوْلًا۔ اور ہر وقت یہی وعظ کرتے ہیں کہ میں بہت بزرگ ہوں اور کتاب براہین احمدیہ میری مصنفہ کی امداد و مصارف میں مسلمان بھائی جہاں تک ہو سکے توجہ فرمائیں، بلکہ تعمیر مساجد اور حج اور زکوٰۃ اور خیرات وغیرہ ضائع اخراجات سے کتاب براہین احمدیہ کی امداد میں جو شخص روپے بھیجے اس کو ثواب عظیم اور نجات عقبی حاصل ہوگی۔ اور اپنے اشتہارات میں یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص میرے الہامات کی صداقت پر بدظن ہو تو اسکو چاہیے کہ قادیان میں آکر تحقیق کر لے۔ چنانچہ اپنے دعویٰ کی مضبوطی کے لئے ۲۴ سو روپے خرچانہ بحالت عدم مشاہدہ الہام دینا مقرر کیا ہے، جائے غور ہے۔

اول: تو مرزا صاحب کو اپنے مولیٰ کریم پر بھروسہ نہیں ہے کیونکہ اگر ہوتا تو جن شخصوں نے تحقیق کے واسطے درخواستیں کی تھیں ان سے شرائط طے کرنے میں تساہل نہ کرتے۔ ازاں جملہ پنڈت لیکھ رام پر دہان آریہ سماج

پشاور و ونشی ملا و امل سکرٹری آریہ سماج قادیان (جس کو مرزا غلام احمد صاحب نے بھی گواہ الہامات مشہور کیا ہے) اور نیز اس طالب صادق نے بارہا خطوط بہر امرا مشاہدہ نشانات آسمانی بھیجے ہیں جن کا جواب معقول آج تک بجز پہلو تہی اور حیلہ حوالہ کرنے کے نہ دیا۔ بلکہ ونشی ملا و امل نے اپنے دلی جوش سے یہاں تک بھی لکھا کہ ایسی کرامت کا میں خواستگار نہیں ہوں جو آپ کے نزدیک ناممکن اور قانون قدرت کے برخلاف ہو۔ میں چاہتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ آپ خواہ کیسی ادنیٰ کرامت اور خرق عادت کا مشاہدہ کرادیں جو طاقت انسانی اور علوم کی رسائی سے باہر ہو۔ بعد مشاہدہ کے میں آپ کی شرط اشتہار کو پورا کرونگا اور عدم ثبوت کی حالت میں ہم حرجانہ کے خواہاں بھی نہیں ہوتے۔ نہیں معلوم کہ باوجود اس قدر مضبوط دعاوی محققوں کے کس لئے تحقیق نہیں کراتے اور کیوں کر ۲۴ سو روپہ دینے کا دعویٰ کیا تھا۔

دوم۔ مسمیٰ شام لال کو جو مرزا غلام احمد نے روزنامہ نو لیس الہامات کا لکھا ہے اس کی عمر بوقت ملازمت مرزا صاحب کے تقریباً ۱۴ سال کی تھی مگر وہ پرلے درجے کا بے تمیز اور بے سمجھ اور سادہ لوح تھا بلکہ اس وقت بھی سو تک مشکل سے شمار کر سکتا ہے۔ اگر کسی طالب حق و اہل تمیز کو بغرض تحقیق الہامات وغیرہ قادیان آنے کا اتفاق ہو تو ان کو ایسے گواہوں کو چشم خود دیکھنا چاہیے تاکہ اصلیت حقیقت الہام ظاہر ہو جائے۔

سوم۔ واقعہ ۱۰۔ اگست ۱۸۸۵ء کو اکثر اہل ہنود و معزز و محقق سکنائے قادیان متفق ہو کر مرزا صاحب کے پاس گئے اور یہ کہا کہ آپ نے جو اپنے کو تمام ملک میں صاحب الہام و خوارق عادت و کرامات مشہور کیا ہے ہم کو بالکل یقین نہیں، سر اسر جھوٹ سمجھتے ہیں، اگر آپ دعویٰ خود میں سچے ہیں تو ہم کو بھی تحقیق کرادیں۔ اس پر مرزا صاحب نے صاف جواب نہ دیا مگر اپنے دعویٰ کے چجانے کے واسطے صرف حیلہ سازی میں وقت ٹالنا شروع کیا اور کہا کہ آپ سب اہل تحقیق متفق ہو کر ۲۴ سو روپہ جمع کرو اور اسی قدر ہم بھیکرتے ہیں۔ اگر عرصہ ایک سال میں ہمارے بیس الہامات سے ایک الہام بھی پناہ صداقت پہنچا تو ہماری حجت قائم ہو جائے گی اور ہم روپہ لینے کے مستحق بنیں گے۔ اس کے جواب میں اہل تحقیق نے کہا کہ ایسے ٹیوے تو نجومی اور رمالی بھی بتا سکتے ہیں اور ضرور دس میں سے دو چار پورے بھی ہو جایا کرتے ہیں، کیا وہ بھی الہامی ہیں؟ ہم چاہتے ہیں کہ آپ خواہ میعاد دو سال مقرر کر لیں مگر جس قدر آپ کو الہام ہوا کریں وہ سب کے سب پورے کر دکھلائیں۔ اس سے

لاجواب ہو گئے اور اصل بات کو اور طرف لے گئے، اور یہ نامعقول جواب دیا کہ طالب حق کو چاہیے کہ مشاہدہ الہام ربانی میں چوں و چرا نہ کرے۔ جب اہل تحقیق نے اس پر قناعت کی اور کہا کہ خواہ آپ ایک ہی نشان آسمانی مشاہدہ کر دیویں مگر بوقت صدور الہام میعاد مقرر کر دیویں کہ فلاں تاریخ یہ الہام ظہور پذیر ہوگا۔ ملہم صاحب نے یہ بھی نہ مانا اور کہا کہ ایسا ہونا امر محال ہے بلکہ مجمع عام میں اکثر الہامات سے (جن کے گواہ حافظ سلطان محمد امام مسجد وغیرہ لوگ موجود ہیں اور ظہوران کا اب تک نہیں ہوا) صاف منکر ہو گئے کہ ہم کو یہ الہامات ہوئے ہی نہیں۔

چہارم۔ اب نئی امداد کی توقع پر ایک اور اشتہار جاری کیا یعنی دس آدمی ہندو حسب منشاء خود جو عین حق کو مرزا صاحب کی خاطر داری اور لحاظ کے واسطے قسمیہ خلاف کہہ دیویں محققین الہامات قرار دے کر ایک مضمون خود تیار کر کے ان سب کی العبادت کرائی ہیں۔ اور یہ ظاہر کیا ہے کہ ان شخصوں نے خوف خدا اور جوش دلی خیال عقبی سے میرے پاس تحقیق اور آزمائش الہامات کے لئے درخواست کی اور میں نے بھی بظرفاہ عام ان کا کہنا منظور کر لیا، اور قرار پایا ہے کہ بعد مشاہدہ الہامات و خرق عادات کے تبدیل مذہب کی کسی کو قید نہیں مگر بشرط اثبات الہام صداقت الہام کا اقرار کریں اس لئے یہ معاہدہ واسطے آگاہی خاص و عام مشتہر کیا جاتا ہے۔

پنجم۔ اے اہل بصیرت و صاحبان تمیز آپ ذرہ توجہ فرما کر خیال کریں کہ اول تو مضمون اشتہار مصنف نے خود تراشا ہے، کیونکہ ان سب معاہدین میں سے کسی کو طاقت ایسی مضمون سازی کی نہیں۔ دوم۔ یہ جانتے نہیں کہ الہام کی کیا حقیقت ہے کیونکہ ان میں سے صرف ایک دو نے کسی زمانہ میں قاعدہ ابتدائی شاید پڑھا تھا ورنہ باقی عموماً ناخواندہ ہیں۔ علاوہ اس کے یہ سب مرزا صاحب کے دست نگر اور خوش آمدی ہیں۔ ہاں ان میں سے برعکس خیال ملہم کے جس کسی کو توفیق الہی شامل حال اور خوف عاقبت دامنگیر ہو کر راست راست بیان کر دے تو وہ شخص عاقبت اندیش اور خدا ترس متصور ہوگا بلکہ اس راقم کی پیش گوئی کا ثمرہ سمجھنا چاہیے۔ اور جو طالب حق اور صاحب عقل یہاں قادیان میں آ کر ان بناوٹی اور ناواقف اعلم گواہوں کو دیکھے گا اس پر ملہم صاحب کی کارستانی و راست بیانی من و عن ظاہر ہو جائے گی، گو اس کار سازی سے مصنف صاحب کو ان کے مشیروں و مریدوں نے ہر چند سمجھایا کہ اس بناوٹی کاروائی سے ضرور خلل عائد ہوگا اور کئی طرح کے شکوک و شبہات پیدا ہو جائیں گے۔ لازم ہے کہ اہل تحقیق و اہل علم سے بھی ایک معزز و معتبر آدمی معاہدہ میں شامل کیا جائے مگر مرزا صاحب نے کسی



(تکذیب براہین احمدیہ ص ۳۲۷-۳۳۱)

ذیل میں تردید قادیانی میں پنڈت لیکھ رام کا ایک اشتہار تردید نقل کیا جاتا ہے جو شفیق ہند پریس لاہور سے شائع ہوا تھا۔

### کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

ناظرین اشتہار اس بات سے بخوبی آگاہ ہوں گے کہ ایک شخص مرزا غلام احمد نامی ساکن قصبہ قادیان کے وہم میں عرصہ سے اس قسم کی دھن سمائی ہے کہ الہام و خرق عادت کے ساتھ میری دعا کی درگاہ ایزدی میں رسائی ہے۔ رب العرش مجھے اسرار غیبیہ و نقاط مخفیہ سے ہمیشہ آگاہ کرتا ہے اور انتظام عالم کے سبھی احکام میرے ذریعہ صدور ہوتے ہیں، انبیاء بنی اسرائیل سے اپنا رتبہ مسیح سے کم نہیں جانتے ہیں اور مسلمانان موجودہ و نیکو کاران زمانہ سے اپنا نظیر کسی کو نہیں گردانتے۔ اول آپ نے باوجود قرض دار ہونے کے دعویٰ کیا کہ جو کوئی میری کتاب براہین احمدیہ کا جواب دیوے وہ دس ہزار روپہ انعام پاوے۔

مگر وہ بین دلائل والی کتاب پختہ طور سے سنا گیا ہے باوجود گذر جانے آٹھ نو سال کے ابھی تک مرزا صاحب نے تصنیف نہیں فرمائی اور نہ چھپوائی۔ مگر اسی دام تزویر کے ذریعہ دس بارہ ہزار روپہ مسلمانوں سے کمالیا۔ مگر مال حرام کا بجائے حرام جانا ضرور ہو کر تھوڑے دنوں کے عیش و عشرت سے وہ روپہ اڑایا۔ براہین احمدیہ کا جواب تکذیب براہین احمدیہ تیار ہو کر ماہ اکتوبر ۱۸۸۴ء کو گورداسپور میں ان کو سننے کے واسطے بلایا گیا۔ مگر ہٹ دھرمی و غصہ نے انکے دل کو سیاہ کر دیا جس سبب سے انہوں نے بالکل سننا واجب نہ سمجھا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد جب وہ روپہ اڑا چکے تو ایک اور داؤ پیچ کھلیا کہ جو میرے پاس قادیان میں آن کر ایک سال تک رہے وہ ضرور آسمانی نشانات و معجزات دیکھ کر اسلام سے مشرف ہوگا ورنہ دس سو روپہ ماہوار کے حساب سے ایک سال کا ہم حرجانہ و جرمانہ دیوں گے۔ اس پر اول میں نے خط و کتابت شروع کی جو پچھلے سال آفتاب پنجاب، کوہ نور وغیرہ اخبارات میں طبع ہوتی رہی۔ جس سے ناظرین مرزا صاحب کی ابلہ فریبی بخوبی جان گئے ہوں گے۔

بعدہ نشی اندر من سے بھی انہوں نے وہی حکمت عملی کی اور ان کی کسی شرط کو منظور نہ کیا بلکہ ایک جعلی و فریبانہ اشتہار بطور درخواست ہندوان قادیان سے لکھا کر ان کے پاس بھیجا اور اخباروں میں چھپوایا جس پر اہل ہنود نے مطلع ہو کر ایک ٹریکٹ ان کید قادیان عظیم ، چھپوا کر عام مشتہر کر دیا کہ یہ مرزا صاحب کا سراسر فریب ہے ہم نے نشی اندر من کو نہیں بلایا۔

پھر مرزا صاحب ایک اور چال چلے یعنی دس ہندوان محض ناخواندہ سکنائے قادیان کے نام پر ایک درخواست اپنے نام لکھوائی کہ ہم طالبان حق ہیں، ہم کو آپ آسمانی نشانات بتلاویں۔ اور خود بھی نیچے ایک اقبال نامہ تحریر کیا کہ ہمیں اس جماعت عشرہ کی درخواست منظور ہے اور اپنے چند فضلہ خور مسلمانوں کو گواہ لکھ کر اعلان چھپوا دیا۔ جس کا رسازی پر اہل ہنود نے مطلع ہو کر اعلان کا بطلان چھپوایا، جو شائقین کے مطالعہ میں آیا ہوگا اور جس کا علیحدہ ٹریکٹ، قادیان کے دس ہندوؤں کی کارسازگی اور مرزا غلام احمد کی افترا پردازی، کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ غرض کہ مرزا نے ایک سال رہنے کی شرط کو بھی مبلغان کے نادر ہونے کے سبب سے حیلہ حوالہ وغصہ و فریب سے ٹال دیا۔ لاچار بندہ دو ماہ قادیان میں رہ کر اور آریہ سماج استہاپت کر کے وہاں سے چلا آیا۔

اب ایک اور فریب سوچا کہ حضرت کو اس نیاز مند اور نشی اندر من کی وفات و حیات و شادی و غمی کی نسبت الہام ہو رہے ہیں مگر نہیں بتلاتے ہیں جب تک کہ ہم ان کو اجازت نہ دیویں۔ نشی اندر من کا حال مجھے معلوم نہیں مگر میں نے ان کو تحریری اجازت نامہ ارسال کر دیا۔ جس پر اب تک کچھ انکشاف نہیں ہوا کہ خیر الما کرین سے مرزا صاحب کو کیا الہام ہوا ہے۔

خیر اسی طرح مرزا صاحب کو یہ بھی ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو الہام ہوا تھا کہ تمہارے گھر میں ایک لڑکا عنموئیل نام بیغمبری کی صفات والا مظهر الاول والاخر مظهر الحق و العلاء کان اللہ نزل من السماء جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الہی کے ظہور کا موجب ہوگا عنقریب آتا ہے، اس کو مقدس روح دی گئی ہے اور وہ نور اللہ ہے۔ ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے ایک مدت حمل سے تجاؤز نہیں کر سکتا۔

چونکہ ان دنوں مرزا صاحب کے ہاں حمل کا اشتباہ تھا جسکے حال سے نیاز مند بھی آگاہ تھا، مرزا صاحب کو چونکہ حکیم ہیں قیاساً خیال کیا ہوگا اور بظاہر مردم فریبی کو الہام و پیش گوئی و متابعت رسول و بشارت

جبریل وغیرہ ناموں سے نامزد کر کے چھپوادیا۔ مگر بڑا بول ہر ایک کے آگے آتا ہے اور جھوٹے دعووں سے ہرگز دانا پشیمانی اٹھاتا ہے:

ہر کہ گردن افرازد خویشتن را گردن اندازد

آج ایک معتبر رئیس قادیان کے خط سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب کے گھر میں ۱۵۔ اپریل ۱۸۸۶ء کو بجائے عنموائیل کے عنموائیلہ دختر انبالہ میں پیدا ہوئی اور مرزا صاحب کو خط بھی آ گیا ہے۔ پس اے ناظرین مبارک ہو کہ جھوٹ کا ناش اور ست کا پرکاش ہوا۔ مرزا صاحب کو چاہیے کہ اب ایسے جھوٹے دعووں سے باز آویں اور خدا کے نام پر الزام لگانے سے شرماویں۔ مورخہ ۲۵۔ اپریل ۱۸۸۶ء۔

المشتر۔ پنڈت لیکھ رام پردھان آریہ سماج پشاور سرحد (تکذیب براہین احمدیہ۔ ص ۳۳۱-۳۳۳)

ذیل میں ملاوٹ کا اشتہار نقل کیا جاتا ہے جو تکذیب براہین احمدیہ میں درج ہونے سے پہلے چشمہ نور پریس امرتسر سے شائع ہوا تھا۔

### اشتہار واجب الاظہار

اے ناظرین! ہماری اس تحریر کو ذرا غور سے پڑھنا اور جو اس تحریر کے شائع کرنے سے ہمارا اصلی منشا ہے اس کو بخوبی سمجھنا۔ شک نہیں کہ انہیں صاحبوں کو ہماری یہ تحریر پسند ہوگی جو راست باز اور محقق مزاج ہیں خواہ کسی ملت کے ہوں۔ یہ بھی یاد رہے کہ ہم کو کسی خاص قوم یا کسی خاص شخص کے ساتھ بغض و عداوت نہیں بلکہ ہم اپنے دوست مرزا غلام احمد صاحب کے مقابلہ میں اشتہار شائع کرنا موجب شرم کا سمجھتے ہیں۔ مگر کیا کیا جائے یہ ان کی اپنی ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ ہے۔ حقیقت میں ہمارے دل کو اس اشتہار کے شائع کرنے سے اس قدر رنج اور تکلیف اور بوجھ ہے جو بجز دانائے حقیقی کے غیر نہ جانتا ہوگا۔ مذکورہ بالا فقرات کی تصدیق ذیل کی عبارت سے ہو جائے گی۔ ہمارا مطلب محض راستی کے ظاہر کرنے کا ہے کیونکہ ہم نے معلوم کر لیا ہے کہ ہمارے خاموش رہنے سے راستی کا خون ہوا ہوتا ہے اور ایک قوم ممتاز پر مخالف قوم کی طرف سے زعم خود جھت قائم ہوتی جاتی



ہے۔ اس لئے ایسے نازک موقع پر شہادت کا اخفا کرنا یا واقعہ کے برخلاف بیان کرنا سخت گناہ ہے۔ حالت پیش آمدہ دیکھ کر ناظرین خود جان سکتے ہیں کہ ایسے وقت پر شہادت میں پس و پیش کرنا یا خاموش رہنا کبیرہ گناہ نہیں تو اور کیا ہے کیونکہ اس کا صدمہ ایک قوم اور گروہ پر پہنچتا ہے نہ واحد جان پر۔ اور سوائے اس کے ہمدردی اور خیر خواہی سے بھی بعید ہے کیونکہ ایک تو مرزا صاحب اپنی اوقات الہام اور خرق عادت کے دعویٰ میں جن کا ثبوت پہنچانا ایسا محال اور ناممکن ہے جیسا کہ غرب سے آفتاب کا طلوع ہونا، صرف کر رہے ہیں، دوسرا لوگوں کو تکلیف دے رہے ہیں کیونکہ دور دراز سے صعوبت سفر اور ہر ایک طرح کا ہرج اٹھا کر لوگوں کا آنا اور تمنائے دلی سے محروم اور نامراد ہو کر واپس جانا کس قدر موجب تکلیف طبیعت حق پسند کا ہوتا ہے۔

اب ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ تخمیناً مدت بارہ یا چودہ سال سے ہم دونوں کو مرزا غلام احمد صاحب مولف براہین احمدیہ سے ملاقات حاصل تھی اس عرصہ میں شائد ایسا دن کوئی گذرا ہوگا کہ تین چار مرتبہ ان کے پاس آنا جانا نہ ہوا ہو۔ خویش و بیگانہ سے کوئی شخص ہم کو ان کے برابر عزیز نہ تھا اور ہم ان کی بہت عزت اور تکریم کرتے تھے۔ ہاں وہ بھی ہمیں اپنے عزیزوں سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے قریباً عرصہ چھ سات سال کا ہوا ہوگا یا غالباً وہ وقت تھا کہ جب بعض اخبار نویس خوش آمد پسندوں نے خلیفہ صدیق حسن بھوپالہ کو مجددی کا خطاب دے دیا تھا حکیم مولوی محمد شریف صاحب کلانوری (حال وارد امرتسر) نے جو مرزا صاحب کے بڑے دوست ہیں ہم دونوں کے سامنے مرزا صاحب کو یہ صلاح دی یا یوں کہو کہ پٹی پڑھائی یا کسی طرز اور کنایہ سے کہا جس کا لب لباب یہی تھا کہ آپ مجددی کا دعویٰ کریں کیونکہ اس زمانہ میں بھی کوئی مجدد ہونا چاہیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حکیم محمد شریف صاحب کی اس وقت کی گفتگو نے مرزا صاحب کے دل میں بہت سا اثر پیدا کیا جس کا نتیجہ آج ظاہر ہے۔ حکیم صاحب کا یہ فرمانا ہی تھا کہ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کا مسودہ بنانا شروع کر دیا اور اخباروں میں اشتہار دے دئے اور جا بجا خط روانہ کرائے۔ خوابوں کی تعبیر کا شوق ابتداء ہی سے مرزا صاحب کو رہا ہے یہاں تک خواب نامہ مرزا صاحب کے سر ہانے ہی رکھا رہتا ہے۔ اکثر موقع آمد و رفت میں ایسا ہوا کرتا تھا کہ مرزا صاحب کی خوابیں سننا اور اپنی خوابیں سننا اور تعبیر نامہ سے تعبیر دیکھنا۔ رفتہ رفتہ مرزا صاحب نے مکاشفہ اور الہام اور خرق عادت کا دعویٰ شروع کیا۔ جب کچھ مسودہ براہین احمدیہ کا تیار ہوا تو مجھ

شرمیت رائے اور ملاواہل پر شہادت الہام کا بہتان لگا دیا اور براہین احمدیہ میں نام جڑ دیا اور ہم بھی بسبب کسی مصلحت کے آج تک خاموش رہے۔ اور ہماری خاموشی کو مرزا صاحب آج سرمہ چشم آریہ میں شق القمر کے بارہ میں سنداً اور نظیراً پیش کرتے ہیں ہم وہ سند اور نظیر دیکھ کر حیران رہ گئے اور ہم پر زیادہ کھل گیا کہ اسلام کے پیشواؤں اور پیغمبروں کا یہی قاعدہ چلا آیا ہے جو مرزا صاحب نے اختیار کیا ہے۔ سچ ہے، کفر گیر دکا ملے ملت شود۔ کاش ایک الہام سے بھی ہماری تسلی کی ہوتی تو بھی ایک بات تھی اور ہم یہ بھی بیان کر دیتے ہیں کہ گواہوں میں نام درج کرنے کے وقت مرزا صاحب نے ہمارے سے بالکل صلاح مشورہ نہیں کیا اور نہ ہرگز ایسا نہ ہوتا۔ انہوں نے تو رونق کتاب کو مد نظر رکھا یا دل میں ایسا خیال کر لیا ہوگا کہ یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں، کیا میرا کہانہ مانیں گے؟ اب سب کچھ ناظرین کے آگے دھردیا ہے خواہ جھوٹے لوگھر تک پہنچائیں یا نہ پہنچائیں مگر اتنا تو ضرور ہوگا کہ صاف باطن اور نیک نہاد، الہام اور خرق عادت کے دعویٰ کی حقیقت بخوبی تاثر جائیں گے۔ اور واضح ہووے کہ شرمیت رائے کی طرف سے ایک رسالہ بعد طبع ہونے سراج منیر کے شائع ہوگا جس میں تردید اسلام اور مرزا کے الہامات کی سب کاروائی درج ہوگی۔ فقط۔ ۴ نومبر ۱۸۸۶ء۔

المستہر۔ ملاواہل از قادیان ضلع گورداسپور (تکذیب براہین احمدیہ۔ ص ۳۳۳-۳۳۵)

ذیل کے اشتہار مرزا قادیانی کے مجموعہ اشتہارات سے نقل کئے جا رہے ہیں

## اعلان شرم پت رائے

چونکہ مرزا غلام احمد صاحب مولف براہین احمدیہ اور ساہوکاران اور شرفاء اور ذی عزت اہل ہنود قصبہ قادیان میں جو طالب صادق ہونے کے مدعی ہیں آسمانی نشانوں اور پیش گوئیوں اور دیگر خوارق کے مشاہدہ کے بارے میں (جن کے دکھانے کا حسب وعدہ اپنے پروردگار مرزا صاحب کو دعویٰ ہے) خط و کتابت باہمی اقرار و عہد و پیمان کے ہو کر ہندو صاحبوں کی طرف سے یہ اقرار و عہد ہوا ہے کہ ابتدائے ستمبر ۱۸۸۵ء سے لغایت اخیر ستمبر ۱۸۸۶ء یعنی برابر ایک سال تک نشانوں کے دیکھنے کے لئے مرزا صاحب کے پاس آمد و رفت رکھیں گے اور

ان کے کاغذ اور روزنامہ الہامی پیش گوئیوں پر بطور گواہ دستخط کرتے رہیں گے اور بعد پوری ہونے کسی الہامی پیش گوئی کے اس پیش گوئی کی سچائی کی نسبت اپنی شہادت چند اخباروں میں شائع کرادیں گے اور مرزا صاحب کی طرف سے یہ عہد ہوا ہے کہ وہ تاریخ مقررہ سے ایک سال تک ضروری کوئی نشان دکھلا دیں گے اس لئے قرین مصلحت معلوم ہوا کہ وہ دونوں تحریریں جو بطور عہد و اقرار کے باہم ہندو صاحبان و مرزا صاحب کے ہوئی ہیں شائع کی جائیں۔ سو ہم بہ نیت اشاعت عام و اطلاع یابی ہر ایک طالب حق کے وہ دونوں تحریریں دونوں صاحبوں سے لے کر شائع کرتے ہیں اور بشرط زندگی یہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ ہم خود گواہ رویت بن کر اس سالانہ کاروائی سے خبر گیریاں رہیں گے۔ اور بعد گزرنے پورے ایک سال کے یا سال کے اندر ہی جیسی صورت ہو جو نتیجہ ظہور میں آئے گا اسی طرح وہ بھی اپنی ذاتی واقفیت کی مدد سے شائع کریں گے تاکہ حق کے سچے طالب اس سے نفع اٹھائیں اور پبلک کے لئے منصفانہ رائے ظاہر کرنے کا موقع ملے اور روز کے جھگڑوں کا خاتمہ ہو۔ راقم: خاکسار شرمپت رائے نمبر آریہ سماج قادیان ضلع گورداسپور پنجاب۔

(مجموعہ اشتہارات قادیانی۔ جلد اول)

## ساہوکاران قادیان بنام مرزا قادیانی

مخدوم و مکرم مرزا غلام احمد صاحب

بعد ماوجب بکمال ادب عرض کی جاتی ہے کہ جس حالت میں آپ نے لنڈن اور امریکہ تک اس مضمون کے رجسٹری شدہ خط بھیجے ہیں کہ جو طالب صادق ہو اور ایک سال تک ہمارے پاس آکر قادیان میں ٹھہرے تو خدا تعالیٰ اس کو ایسے نشان دربارہ اثبات حقیقت اسلام ضرور دکھائے گا کہ جو طاقت انسانی سے بالاتر ہوں، سو ہم لوگ جو آپ کے ہمسایہ اور ہمشیر ہیں لنڈن اور امریکہ والوں سے زیادہ تر حق دار ہیں اور ہم آپ کی خدمت میں قسمیہ بیان کرتے ہیں جو ہم طالب صادق ہیں کسی قسم کا شر اور عناد جو بمقتضائے نفسانیت یا مغائرت مذہب نا اہلوں کے دلوں میں ہوتا ہے وہ ہمارے دلوں میں ہرگز نہیں ہے اور نہ ہم بعض نامنصف مخالفوں کی طرح آپ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ ہم صرف ایسے نشانوں کو قبول کریں گے کہ جو اس قسم کے

ہوں کہ ستارے اور سورج اور چاند پارہ پارہ ہو کر زمین پر گر جائیں یا ایک سورج کی جگہ تین سورج اور ایک چاند کی جگہ دو چاند ہو جائیں یا زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو کر آسمان سے جا لگے۔ یہ باتیں بلاشبہ ضدیت اور تعصب سے ہیں نہ حق جوئی کی راہ سے۔ لیکن ہم لوگ ایسے نشانوں پر کفایت کرتے ہیں جن میں زمین و آسمان کے زیروزبر کرنے کی حاجت نہیں اور نہ قوانین قدرتیہ کے توڑنے کی کچھ ضرورت۔ ہاں ایسے نشان ضرور چاہیں جو انسانی طاقتوں سے بالاتر ہوں جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ وہ سچا اور پاک پر میسر بوجہ آپ کی راست بازی دینی کے عین محبت اور کرپا کی راہ سے آپ کی دعاؤں کو قبول کر لیتا ہے اور قبولیت دعا سے قبل از وقوع اطلاع بخشا ہے یا آپ کو اپنے بعض اسرار خاصہ پر مطلع کرتا ہے اور بطور پیش گوئی ان پوشیدہ بھیدوں کی خبر آپ کو دیتا ہے یا ایسے عجیب طور سے آپ کی مدد اور حمایت کرتا ہے جیسے وہ قدیم سے اپنے برگزیدوں اور مقربوں اور بھگتوں اور خاص بندوں سے کرتا آیا ہے۔ سو آپ سوچ لیں کہ ہماری اس درخواست میں کچھ ہٹ دھرمی اور ضد نہیں ہے اور اس جگہ ایک اور بات واجب العرض ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ شخص مشاہدہ کنندہ کسی نشان کے دیکھنے کے بعد اسلام کو قبول کرے۔ سو اس قدر تو ہم ماننے ہیں کہ سچ کے کھلنے کے بعد جھوٹھ پر قائم رہنا دھرم نہیں ہے اور نہ ایسا کام کسی بھلے منہش اور سعید الفطرت سے ہو سکتا ہے لیکن مرزا صاحب آپ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ ہدایت پانا خود انسان کے اختیار میں نہیں ہے جب تک توفیق ایزدی اس کے شامل حال نہ ہو۔ کسی دل کو ہدایت کیلئے کھول دینا ایک ایسا امر ہے جو صرف پر میشر کے ہاتھ میں ہے سو ہم لوگ جو صد باز نجیروں قوم برادری ننگ و ناموس وغیرہ میں گرفتار ہیں کیونکر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم خود اپنی ہی قوت سے ان زنجیروں کو توڑ کر اور اپنے سخت دل کو آپ ہی نرم کر کے آپ ہی دروازہ ہدایت اپنے نفس پر کھول دیں گے اور جو پر میشر سرب شکتی مان کا خاص کام ہے وہ آپ ہی کر دکھائیں گے بلکہ یہ بات سعادت ازلی پر موقوف ہے جسکے حصہ میں وہ سعادت مقدر ہے اس کیلئے شرائط کی کیا حاجت ہے اس کو تو خود توفیق ازلی کشاں کشاں چشمہ ہدایت تک لے آئیگی ایسا کہ آپ بھی اسکو روک نہیں سکتے اور آپ ہم سے ایسی شرطیں موقوف رکھیں اگر ہم لوگ کوئی آپ کا نشان دیکھ لیں گے تو اگر ہدایت پانے کیلئے توفیق ایزدی ہمارے شامل حال ہوئی تو ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں اور پر میشر کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اس قدر تو ہم ضرور کرینگے کہ آپ کے ان نشانوں کو جو ہم پچشم خود مشاہدہ کر

لیں گے چند اخباروں کے ذریعہ سے بطور گواہ رویت شائع کرادیں گے اور آپ کے منکرین کو ملزم و لاجواب کرتے رہیں گے اور آپ کی صداقت کی حقیقت کو حتی الوسع اپنی قوم میں پھیلائیں گے۔ اور بلاشبہ ہم ایک سال تک عند الضرورت آپ کے مکان پر حاضر ہو کر ہر ایک قسم کی پیش گوئی وغیرہ پر دستخط بقید تاریخ و روز کر دیا کریں گے اور کوئی بد عہدی اور کسی قسم کی نامنصفانہ حرکت ہم سے ظہور میں نہیں آئے گی ہم سراسر سچائی اور راستی سے اپنے پر میشر کو حاضر ناظر جان کر یہ اقرار نامہ لکھتے ہیں اور اسی سے اپنی نیک نیتی کا قیام چاہتے ہیں اور سال جو نشانوں کے دکھانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے وہ ابتداءً ستمبر ۱۸۸۵ء سے شمار کیا جاویگا جس کا اختتام ستمبر ۱۸۸۶ء کے اخیر تک ہو جائے گا۔

العبد۔ پچھمن داس۔ پنڈت بھارامل۔ بشند اس ولد رعدا سا ہوکار۔ منشی تارا چند کھتری۔ پنڈت نہال چند۔ سنت رام۔ فتح چند، پنڈت ہر کرن۔ پنڈت بیجنا تھ چودھری بازار قادیان۔ بشند اس ولد ہیرا نند برہمن۔  
(مجموعہ اشتہارات قادیانی۔ ج ۱ ص ۹۲-۹۳)

### مرزا قادیان بنام ساہوکاران

عنایت فرمائے من پنڈت نہال چند و پنڈت بھارامل و لچھی رام دلالہ بشند اس و منشی تارا چند و دیگر صاحبان ارسال کنندگان درخواست مشاہدہ خوارق بعد ما وجب! آپ صاحبوں کا عنایت نامہ جس میں آپ نے آسمانی نشانوں کے دیکھنے کے لئے درخواست کی ہے مجھ کو ملا۔ چونکہ یہ خط سراسر انصاف و حق جوئی پر مبنی ہے اور ایک جماعت طالب حق نے جو عشرہ کاملہ ہے اس کو لکھا ہے اس لئے بہت متاثر شکرگذاری اس کے مضمون کو قبول منظور کرتا ہوں۔ اور آپ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر آپ صاحبان ان عہود کے پابند رہیں گے کہ جو اپنے خط میں آپ لوگ کر چکے ہیں تو ضرور خدائے قادر مطلق جل شانہ کی تائید و نصرت سے ایک سال تک کوئی ایسا نشان آپکو دکھلایا جائیگا جو انسانی طاقت سے بالاتر ہو۔ یہ عاجز آپ صاحبوں کے پر انصاف خط پڑھنے سے بہت خوش ہوا اور اس سے بھی زیادہ تر اس روز خوش ہوگا کہ جب آپ بعد دیکھنے کسی نشان کے اپنے وعدے کے ایفاء کیلئے جس کو آپ صاحبوں نے اپنے

حلفوں اور قسموں سے کھول دیا ہے اپنی شہادت رویت کا بیان چنداخباروں میں مشتہر کر کے متعصب مخالفوں کو ملزم و لاجواب کرتے رہیں گے اور اس جگہ یہ بھی بخوشی دل آپ صاحبوں کو اجازت دی جاتی ہے کہ اگر ایک سال تک کوئی نشان نہ دیکھیں یا کسی نشان کو جھوٹا پائیں تو بے شک اس کو مشتہر کر دیں اور اخباروں میں چھپوادیں۔ یہ امر کسی نوع سے موجب ناراضگی نہ ہوگا اور نہ آپ کے دوستانہ تعلقات میں کچھ فرق آئے گا بلکہ یہ وہ بات ہے جس میں خدا بھی راضی اور ہم بھی۔ اور ہر ایک منصف بھی۔ اور چونکہ آپ لوگ شرط کے طور پر کچھ روپنہ نہیں مانگتے صرف دلی سچائی سے نشانوں کا دیکھنا چاہتے ہیں اس لئے اس طرف سے بھی قبول اسلام کے لئے شرط کے طور پر آپ سے کچھ گرفت نہیں بلکہ یہ بات بقول آپ لوگوں کے توفیق ایزدی پر چھوڑی گئی ہے اور اخیر پردلی جوش سے یہ دعا ہے کہ خداوند کریم بعد دکھلانے کسی نشان کے آپ لوگوں کو غیب سے قوت ہدایت پانے کی بخشے تا آپ لوگ ماندہ رحمت الہی پر حاضر ہو کر پھر محروم نہ رہیں اے قادر مطلق کریم و رحیم ہم میں اور ان میں سچا فیصلہ کرو اور تو ہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اور کوئی کہ بجز تیرے فیصلہ کر سکے۔ آمین ثم آمین۔

خاکسار احقر عبداللہ غلام احمد۔

شہادت گواہان حاضر الوقت: ہم لوگ جن کے نام نیچے درج ہیں اس معاہدہ فریقین کے گواہ ہیں ہمارے روبرو سا ہوکاران قادیانی نے جن کے نام اوپر درج ہیں اپنے خط کے مضمون کو حلفاً تصدیق کیا اور اسی طرح مرزا غلام احمد صاحب نے بھی۔

گواہ شد: میرعباس علی لدھیانوی۔ عبداللہ سنوری۔ شہاب الدین تھہ غلام نبی والا۔ مطبوعہ ریاض ہند امرتسر۔

(مجموعہ اشتہارات قادیانی۔ ج ۱ ص ۹۶)

مندرجہ بالا اشتہار سا ہوکاران کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کچھ عرصہ بعد درج ذیل اشتہار چشمہ نور پریس امرتسر سے شائع ہوا جسے تکذیب براہین احمدیہ سے نقل کیا جا رہا ہے:

## اعلان کا بطلان

جواشتہار کہ مرزا غلام احمد ساکن قادیان نے ہم لوگوں کی نسبت بدیں مضمون کہ یہ لوگ صدق دل

سے مذہب اسلام کی صداقت والہام و کرامات دیکھنے کے لئے ایک برس تک درخواست کرتے ہیں چھپو اگر  
 مشتہر کیا ہے چونکہ ازسرتا پابے بنیاد ہے اس لئے عام لوگوں کو دھوکہ سے بچنے کے واسطے واضح کیا جاتا ہے کہ ہم  
 میں سے پنڈت بہار لال، وشدت اس، پنڈت نہال چند و سنت رام و فتح چند و پنڈت ہر کرن جن کے نام اس خط  
 میں درج ہیں بالکل علم فارسی وارد سے محروم مطلق ہیں۔ وکچھی رام و تارا چند، و بیجناتھ، و شدت اس ولد ہیرا نند  
 تھوڑا سا پڑھے ہوئے ہیں اور کوئی ایسا نہیں ہے جو اس خط کے مساوی یا کم و بیش مضمون بنا سکے یا لکھ سکے بلکہ  
 ہم میں اتنی طاقت بھی نہیں ہے جو اس مضمون کو بخوبی سمجھ سکیں۔ اس مضمون کے سمجھنے کے لئے بھی ڈل انٹرنس کی  
 ریاضت درکار ہے۔ وہ مضمون مرزا صاحب کا سراپا خود تراشا ہوا ہے اور ہم کو منت و سماجت سے اپنے چہو بارہ  
 یعنی بالا خانہ میں متفرق طور پر بلا کر کاغذ پر اس منشاء سے دستخط کرا لئے گئے کہ حرام (الہام) بتلایا جاوے گا۔ تم گواہ  
 رہنا۔ نہ ہم کو الہام کے معنی آتے ہیں نہ بتلائے گئے تھے۔ نہ ہم کو وید مقدس کے سوا کسی کتابی الہام یا انسانی  
 الہام پر اعتبار ہے چونکہ ہم کو مضمون خط المشہور اعلان مشتہرہ مرزا غلام احمد سے پہلے آگا ہی نہیں تھی، اب جو اس  
 کے مضمون سے بخوبی اطلاع پائی اور اس کے مطالب سے واقفیت حاصل کی تو معلوم ہوا کہ وہ مضمون بالکل مرزا  
 صاحب کا طبع زاد ہے۔ ہم وید مقدس کے سوا کسی اور الہام کے طالب صادق نہیں چونکہ مرزا صاحب کی کاروائی  
 ہماری... اور نہ مرزا صاحب کو نہ ہم کو ایک دم بھر زندگی کا اعتبار ہے، اس واسطے بے ہودہ طور پر ایک سال تک  
 اس طرح کے خام خیال پکانا اور لوگوں کو دھوکے کے جال میں پھنسانا ہمیں منظور نہیں۔ آگے مرزا صاحب  
 جانیں اور ان کی آمدنیات و اخراجات کے الہام جانیں، اب جسے روح کوتا ریکی میں ڈالنا ہوا اور بناوٹی الہام  
 سے دنیاوی کاروبار نکالنا ہو ہم اسکو مرزا صاحب کے حوالہ کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ پر میشر اس طرح کے  
 فرضی الہاموں سے ہندو بھائیوں کو بچاوے۔ العبد۔ پنڈت نہال چند۔ پنڈت بہار لال۔ سنت رام۔ کچھی  
 رام۔ بیجناتھ برہمن۔ شدت اس کھتری۔ شدت اس برہمن۔ فتح چند کھتری۔ ہر کرن برہمن۔ کچھمن داس میلارام۔  
 (تکذیب براہین احمدیہ: ص ۳۳۵-۳۳۶)

## مرزا قادیانی کے مالی معاملات

مرزا صاحب اپنے ایک مرید کو لکھتے ہیں:

مجی اخویم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں ایک سے ایک بیماریوں میں رہا اور اب بھی ان کا بقیہ باقی ہے میں چاہتا تھا کہ اپنے ہاتھ سے جواب لکھوں مگر باعث بیماری کے نہ لکھ سکا آپ کے پہلے خط کا ماحصل جس قدر مجھے یاد ہے یہ ہے کہ میری نسبت آپ نے... کی جماعت کی طرف سے یہ پیغام پہنچایا تھا کہ روپے کے خرچ میں بہت اسراف ہوتا ہے، آپ اپنے پاس روپے جمع نہ رکھیں اور یہ روپے ایک کمیٹی کے سپرد ہو جو حسب ضرورت خرچ کیا کریں۔ اور یہ بھی ذکر تھا کہ اسی روپے میں سے باغ کے چند خدمت گار بھی روٹیاں کھاتے ہیں۔ اور ایسا ہی کئی اور قسم کے اسراف کی طرف اشارہ تھا جن کو میں سمجھتا ہوں۔ آپ نے اپنی نیک نیتی سے جو کچھ لکھا، بہتر لکھا، میں ضروری نہیں سمجھتا کہ اس کا رد لکھوں۔ میں آپ کو خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں جس کی قسم پورا کرنا مومن کا فرض ہے اور اس کی خلاف ورزی معصیت ہے کہ آپ... کی تمام جماعت کو اور خصوصاً ایسے صاحبوں کو جن کے دلوں میں یہ اعتراض پیدا ہوا ہے بہت صفائی سے اور کھول کر سمجھا دیں کہ اس کے بعد ہم.. کا چندہ بکلی بند کرتے ہیں اور ان پر حرام ہے اور قطعاً حرام ہے اور مثل گوشت خنزیر ہے کہ ہمارے کسی سلسلہ کی مدد کے لئے اپنی تمام زندگی تک ایک حہ بھی بھیجیں۔ ایسا ہی ہر شخص جو ایسے اعتراض دل میں مخفی رکھتا ہے اس کو بھی ہم یہی قسم دیتے ہیں۔ یہ کام خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جس طرح وہ میرے دل میں ڈالتا ہے خواہ وہ کام لوگوں کی نظر میں صحیح ہے یا غیر صحیح، درست ہے یا غلط، میں اسی طرح کرتا ہوں۔ پس جو شخص کچھ مدد دے کر مجھے اسراف کا طعنہ دیتا ہے وہ میرے پر حملہ کرتا ہے ایسا حملہ قابل برداشت نہیں۔ اصل تو یہ ہے کہ مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں۔ اگر تمام جماعت کے لوگ متفق ہو کر چندہ بند کر دیں یا مجھ سے منحرف ہو جائیں تو وہ جس نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے وہ اور جماعت ان سے بہتر پیدا کر دے گا جو صدق اور اخلاص رکھتی ہوگی جیسا



کہ اللہ تعالیٰ مجھے مخاطب کر کے فرماتا ہے ینصرك الله من عنده ینصرون رجال نو حی الیہم من السما  
یعنی خدا تیری اپنے پاس سے مدد کرے گا۔ تیری وہ مدد کریں گے جن کے دلوں میں ہم آپ وحی کریں گے اور  
الہام کریں گے۔

پس اس کے بعد میں ایسے لوگوں کو ایک مرے ہوئے کیڑے کی طرح بھی نہیں سمجھتا جن کے  
دلوں میں بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں اور کیا وجہ کہ انھیں جب کہ میں ایسے خشک دل لوگوں کو چندہ کے لئے مجبور نہیں  
کرتا جن کا ایمان ہنوز نا تمام ہے۔ مجھے وہ لوگ چندہ دے سکتے ہیں جو اپنے سچے دل سے مجھے خلیفۃ اللہ سمجھتے  
ہیں اور میرے تمام کاروبار خواہ ان کو سمجھیں یا نہ سمجھیں ان پر ایمان لاتے ہیں اور ان پر اعتراض کرنا موجب  
سلب ایمان سمجھتے ہیں

میں تا جبر نہیں کہ کوئی حساب رکھوں۔ میں کسی کمیٹی کا خزانچی نہیں کہ کسی کو حساب دوں۔ میں بلند آواز  
سے کہتا ہوں کہ ہر ایک شخص جو ایک ذرہ بھی میرے نسبت اور میرے مصارف کی نسبت اعتراض دل میں رکھتا  
ہے اس پر حرام ہے کہ ایک کوڑی میری طرف بھیجے۔ مجھے کسی کی پرواہ نہیں جب کہ خدا مجھے بکثرت کہتا ہے گویا  
ہر روز کہتا ہے کہ میں ہی بھیجتا ہوں جو آتا ہے اور کبھی میرے مصارف پر وہ اعتراض نہیں کرتا تو دوسرا کون ہے جو  
مجھ پر اعتراض کرے۔

ایسا اعتراض آنحضرت پر بھی تقسیم اموال غنیمت کے وقت کیا گیا تھا سو میں آپ کو دوبارہ لکھتا ہوں  
کہ آئندہ سب کو کہہ دیں کہ تم کو اس خدا کی قسم ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور ایسا ہی ہر ایک جو اس خیال میں ان  
کا شریک ہے کہ ایک جب بھی میری طرف کسی سلسلہ کیلئے کبھی اپنی عمر تک ارسال نہ کریں پھر دیکھیں کہ ہمارا کیا  
حرج ہوا۔ اب قسم کے بعد میرے پاس اور کچھ نہیں کہ اور لکھوں۔ خاکسار مرزا غلام احمد۔

(الحکم قادیان۔ ۳۱ مارچ ۱۹۰۵ء ص ۸-۹)

مرزا صاحب نے جواب دینے میں اپنا زور قلم تو خوب استعمال کیا، لیکن نہ سابقہ اخراجات کا حساب  
دیا، نہ آئندہ کے لئے کسی ضابطے کی پابند ہونا منظور کیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا تھا کہ میری موت نہیں آئے گی جب تک مالی معاملے میں ان پر سے

بدگمانیاں وغیرہ ختم نہ ہو جائیں دوسری طرف ان کی موت سے چند گھنٹے قبل کا قصہ ہے کہ خود ان کے انحص مرید ان پر مالی بے ضابطگیوں کے الزام لگا رہے تھے۔ خواجہ کمال الدین اور مولوی محمد علی لاہوری نے مرزا صاحب پر (مالی) اعتراضات کئے تو مرزا محمود احمد قادیانی نے خلیفہ حکیم نور الدین کو اپنے ایک خط میں لکھا:

باقی آپ (نور الدین) سے میں (محمود) یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ابتلاء اگر حضرت (مرزا) صاحب زندہ رہتے تو ان کے عہد میں بھی آتا۔ کیونکہ یہ لوگ (خواجہ کمال الدین اور محمد علی لاہوری) اندر ہی اندر تیاری کر رہے تھے۔ چنانچہ نواب (محمد علی خان) صاحب نے بتایا کہ ان سے انہوں نے کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ حضرت (مرزا) صاحب سے حساب لیا جائے۔ چنانچہ حضرت صاحب نے اپنی وفات سے پہلے، جس دن وفات ہوئی، اسی دن بیماری سے کچھ ہی پہلے، کہا کہ خواجہ کمال الدین اور مولوی محمد علی صاحب وغیرہ مجھ پر بدظنی کرتے ہیں کہ میں قوم کا روپیہ کھا جاتا ہوں، ان کو ایسا نہ کرنا چاہیے تھا۔ ورنہ انجام اچھا نہ ہوگا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ آج خواجہ صاحب مولوی محمد علی کا ایک خط لے کر آئے اور کہا کہ محمد علی نے لکھا ہے کہ لنگر کا خرچ تو تھوڑا سا ہوتا ہے باقی ہزاروں روپے جو آتا ہے وہ کہاں جاتا ہے۔ اور گھر میں آ کر آپ نے بہت غصہ ظاہر کیا اور کہا کہ کیا یہ لوگ ہم کو حرام خور سبھتے ہیں۔ ان کو اس روپے سے کیا تعلق؟ اگر آج میں الگ ہو جاؤں تو سب آمدن بند ہو جائے۔

پھر خواجہ صاحب نے ایک ڈیپوٹیشن کے موقع پر جو عمارت مدرسہ کا چندہ لینے گیا تھا، مولوی محمد علی سے کہا کہ حضرت (مرزا) صاحب آپ تو خوب عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں اور ہمیں تعلیم دیتے ہیں کہ اپنے خرچ کو گھٹا کر بھی چندہ دو۔ جس کا جواب مولوی محمد علی نے یہ دیا کہ ہاں اس کا انکار تو نہیں ہو سکتا مگر بشریت ہے۔ کیا ضرور کہ ہم نبی کی بشریت کی پیروی کریں۔ حقیقت اختلاف۔ مصنف مولوی محمد علی۔ ص ۵۰ (منقول از ختم نبوت اور تحریک احمدیت۔ غلام احمد پرویز۔ ص ۱۴۳)

محمد علی لاہوری کی حقیقت اختلاف کا انگریزی ترجمہ دیکھنے کو ملا ہے اس میں یہ خط یوں بیان کیا گیا ہے:

I (Mahmud Ahmad) also wish to say that this tribulation, even though the Promised Messiah had been living, would have come unavoidably; for, these people had been making their preparations secretly, as stated by the Nawab sahib that they had said unto him: The time has now come that the Promised Messiah should be asked to render accounts. And the Promised

Messiah, on the last day of his life, just a short while before his death occurred, said: The Khawaja Sahib and Maulvi Muhammad Ali mistrust me and say that I misuse and misappropriate the funds of the Jamaat. This they should not have done, for the result thereof would not be good. He further added: Today the Khawaja Sahib came to me with a letter from Maulvi Muhammad Ali, and said: Maulvi Muhammad Ali writes that the expenditure of the free kitchen is not much, and what then becomes of all the money that is received. And when the promised Messiah returned home, he gave expression to his resentment, saying, These people suspect that I am dishonest and deceitful. What concern have they with this money? And if I were to cut off all connection and separate, all this income will automatically stop and cease. So when these people inflicted so much pain on the promised messiah when he had only twelve hours more to live on this earth, it was but necessary that their passion should flare up and get inflamed in your time; for in the presence of the promised messiah they spoke rather timidly, fearing that he would kick them out there and then.

Further more, the Khawaja sahib, when a deputation waited on him, asking for subscription for the construction of the school building, said to Maulvi Muhammad Ali: Himself the promised messiah lives in ease and comfort, but unto us he imparts the sermons that we should cut short and curtail our expenses, and come to his aid and contribute. And Maulvi Muhammad Ali said in reply : Yes, there can be no denying this fact. But it is human nature, and it is not necessary that we should follow a prophet's human weakness. My intention in writing down these things, was to tell you that this daring and defiance of theirs, is not a matter which began today, but it has been simmering and seething ever since the time of the promised messiah. The funds of the free kitchen he used to keep with him. But that too, you have given into their hands so that they have now become bold enough to try to seize and grab all things. And for their righteousness and fear of God, their bills and the budgets speak clearly whereon they have been raising a hue and cry that they work daily all by themselves."

( Muhammad Ali says) The whole of this statement which had been cooked up in order to set

up Hazrat Maulvi Noor-ud-din against us, is a black lie, in the speaking of which Mian Mahmood Ahmad has made an attack not only on us but also on the promised messiah who, according to the Mian sahib, used to say something else in public fearing, but when he went inside, he would whisper in the ears of Mian Mahmud Ahmad that Maulvi Muhammad Ali and Khawaja Kamal Din were hypocrites who wanted to snatch money from his hands, and called him dishonest and corrupt. Why did he not tell this thing to Maulvi Noor al Din or Maulvi Muhammad Ahsan, or any one else, or even to us directly or by means of a poster or pamphlet? Up to his last illness the pen was in his hand and he had been writing paigham-i- sulah,. In brief, when outside the house, he heard objections levelled against himself, he quietly went in and related his tale of woe to Mian Mahmud Ahmad who was only eighteen years old then, saying that we people called him dishonest and corrupt. again, the ascription of such words to the promised messiah as, "If I were to cut off all connection and separate, all this income will automatically stop and cease," is to suggest that the purpose of the promised messiah's advent was the achievement of some monary gains. "If I were to cut off all connection and separate" can a man raised by the Most High God for the execution of a particular mission, utter these words; can even such a thought cross his mind, on a follower's objection, that he may, renouncing his claim, sit aside and separate? It cannot, however, be denied that in concoction of this story, the Mian Sahib has displayed a shrewed adroitness, that the event took place only twelve hours before the Promised Messiah's death, so that it cannot be subjected to any enquiry or rxamination. (The Facts about the Split , Muhammad Ali, Tran. Mirza Mas'd Beg . Ahmadia Anjuman Isbat Aslam, 1966. pp. 21-24)

## قادیاہنی اشتہار ۳ مئی ۱۸۹۱ء

چونکہ اکثر یہ عاجز سنتا ہے کہ لودیانہ کے بعض مولوی صاحبان جیسے مولوی عبداللہ صاحب مولوی محمد صاحب مولوی عبدالعزیز صاحب مولوی مشتاق احمد صاحب مولوی شاہ دین صاحب اس مسئلہ میں اس عاجز (غلام احمد قادیانی) سے مخالف ہیں کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں اور آنے والا مسیح جس کی خبر دی گئی ہے درحقیقت مسیح ابن مریم نہیں ہے بلکہ مثالی اور ظلی طور پر مسیح ابن مریم کے رنگ میں ہے۔ اور اس عاجز نے یہ بھی سنا ہے کہ بعض مولوی صاحبان موصوفین اکثر اوقات منبر پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ کہتے ہیں کہ مدعی اس مسئلہ کا ہم سے بحث کرے ہم بحث کے لئے تیار ہیں لیکن افسوس کہ تحریری بحث کو جس میں ہر طرح سے امن ہے اور نیز جس میں کیفیت بحث پر غور کرنے سے ہر ایک کو حاضرین وغائبین میں سے کامل طور پر موقع مل سکتا ہے قبول نہیں کرتے، ناچار ایک اور طریق سہل، وآسان تجویز کر کے اشتہار ہذا شائع کیا جاتا ہے لیکن قبل اس کے کہ ہم وہ طریق لکھیں پہلے اس بات کا ظاہر کرنا ضروری ہے کہ سب سے اول بحث کرنے کا حق مولوی عبدالعزیز صاحب کو ہے کیونکہ وہ شہر کے مفتی اور اکثر لوگوں کے پیشوا اور مقتداء ہیں جو بار بار جامع مسجد میں برسر منبر اعلان بھی دے چکے ہیں کہ ہم بحث کو تیار ہیں کیوں ہم سے بحث نہیں کرتے۔ اور درحقیقت ان سے بحث کرنا نہایت ضروری بھی ہے کیونکہ خاص شہر لدھیانہ کی نظر انہیں پر ہے۔ سو یہ عاجز بمقابلہ ان کے بحث کے لئے بغرض اظہار حق تیار ہے۔ اب ان کے مریدوں اور معاونوں کو بھی مناسب بلکہ عین فرض ہے کہ مولوی صاحب موصوف کو بحث کے لئے آمادہ کریں۔ اور اگر کسی کمزوری کی وجہ سے وہ گریز کریں تو اس گریز سے ان کی اندرونی حالت اور علمی کمالات کا اندازہ اہل بصیرت خود ہی کر لیں گے۔ ہماری طرف سے تو مولوی صاحب موصوف کو بحالت ان کے عاجز رہ جانے کے یہ بھی اجازت ہے کہ اگر آپ بحث کرنے کا حوصلہ نہ

دیکھیں تو اپنے برادر حقیقی مولوی محمد صاحب سے بحث کرنے کے لئے منت کریں اور اگر وہ بھی بوجہ اپنی کسی حالت ناچاری کے جس کو وہ خوب سمجھتے ہوں گے جواب دے دیں تو پھر اپنے دوسرے بھائی مولوی عبداللہ صاحب کی خدمت میں التجا لے جائیں اور اگر وہ بھی نہ مانیں تو پھر بحالت لاچاری مولوی مشتاق احمد صاحب مدرس ہائی سکول کی خدمت میں دوڑیں اور ان سے اس سختی کے وقت میں دست گیری چاہیں اور اگر وہ بھی صاف جواب دیں اور وقت پر کام نہ آویں تو پھر قریب قریب یقین کے ہے کہ دوم درجہ کے مفتی صاحب یعنی مولوی شاہ دین صاحب ایسے اضطراب کی حالت میں ضرور کام آئیں گے اور ان کو اپنی منطوق اور وسعت معلومات کا دعویٰ بھی بہت ہے اور اگر وہ بھی گریز کر جائیں تو پھر استاد دافعہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی خدمت میں مولوی شاہ دین صاحب سے درخواست کر دیں اور اگر وہ بھی خاموش رہیں تو پھر موحدین کے گروہ میں سے اس شہر میں چیدہ و برگزیدہ حضرت مولوی محمد حسن صاحب رئیس اعظم لودہا نہ ہیں کہ جو درحقیقت علاوہ کمالات علمی بڑے نیک اخلاق کے آدمی ہیں اور نیک نیت اور بردبار اور حلیم الطبع شخص ہیں ان کی طرف سب کو رجوع کرنا چاہیے۔ اور ان کو اختیار ہوگا کہ چاہیں تو بذات خود بحث کریں اور چاہیں تو اپنی طرف سے مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب کو بحث کے لئے مقرر کر دیں... مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو اختیار ہے کہ وہ بطور خود اس جلسہ میں تشریف لائیں اور اگر دوسرے ان کی وکالت منظور کریں تو وہی بحث کے لئے قدم آگے بڑھائیں ہمیں بہر حال منظور ہے۔ ... واضح ہو کہ یہ جلسہ بحث عید کے دوسرے دن قرار پانا چاہیے تا بوجہ تعطیل کے ملازمت پیشہ لوگ بھی حاضر ہو سکیں اور دور سے آنے والے پہنچ سکیں، یا جیسے مولوی صاحبان تجویز کریں۔ المشہر خاکسار میرزا غلام احمد لودہا نہ محلہ اقبال گنج ۲۳؟ مئی ۱۸۹۱ء (مجموعہ اشتہارات قادیانی جلد اول ص ۲۷۰-۲۷۳)

اس اشتہار کے شائع ہونے پر بقول دوست محمد قادیانی:

لدھیانہ کے مولوی دیک گئے اور بحث کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی کے ایک مرید اور دست و بازو مولوی شاہ دین صاحب تھے۔ انہوں نے اپنے پیرومرشد کو لکھا کہ میں مرزا صاحب سے مباحثہ کروں تو کس طرح کروں اور کس مسئلہ میں کروں؟ جواب آیا کہ مرزا صاحب سے بحث کرنا تمہارا کام

نہیں۔ اول تو ٹال دینا اور بات نہ ٹلے اور مباحثہ ہو ہی جائے تو نزول (مسیح) میں بحث کر لینا چنانچہ مولوی شاہ دین صاحب کو جب بحث کے لئے اصرار سے کہا جانے لگا تو انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ مرزا صاحب بے علم آدمی ہیں۔ میری شان سے بعید ہے کہ ایک بے علم آدمی سے بحث کروں لدھیانہ، دیوبند، سہارن پور، گنگوہ میں اس بارے میں خفیہ مشورے ہوئے کہ کیا کرنا چاہیے لیکن مباحثہ کے لئے کوئی آمادہ نہ ہوا۔

(تاریخ احمدیت ج ۲ ص ۲۲۹-۲۳۰)

دوست محمد قادیانی نے یہ بھی بتایا ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی سے مرزا صاحب کے مباحثہ کی بات بھی چلی لیکن شرائط پر سمجھوتہ نہ ہو سکا اور مباحثہ کی نوبت نہ آئی۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ مرزا صاحب کی دعوت مباحثہ پر اور تو کوئی سامنے نہ آیا۔ لیکن مولوی محمد حسین کو اپنے علم پر بہت گھمنڈ تھا اور وہ ابتداء ہی سے مرزا صاحب کو نیچا دکھانے کا فیصلہ کر کے ان سے خط و کتابت کرنے کے علاوہ حکیم نور الدین صاحب سے بھی نوک جھونک جاری رکھے ہوئے تھے۔ اسی ترنگ میں وہ شملہ سے لدھیانہ پہنچے اور آتے ہی شہر میں شور مچادیا کہ مرزا صاحب کو چاہیے کہ وہ مجھ سے مناظرہ کریں۔ (تاریخ احمدیت۔ ج ۲ ص ۲۳۷)

و الصلوة و السلام علی خیر خلقه محمد و علی آلہ و صحبه اجمعین۔

و الحمد لله رب العالمین ۔

فقیر بارگاہ صمدی : محمد بہاء الدین۔ ۱۶۔ جولائی ۲۰۱۲ء